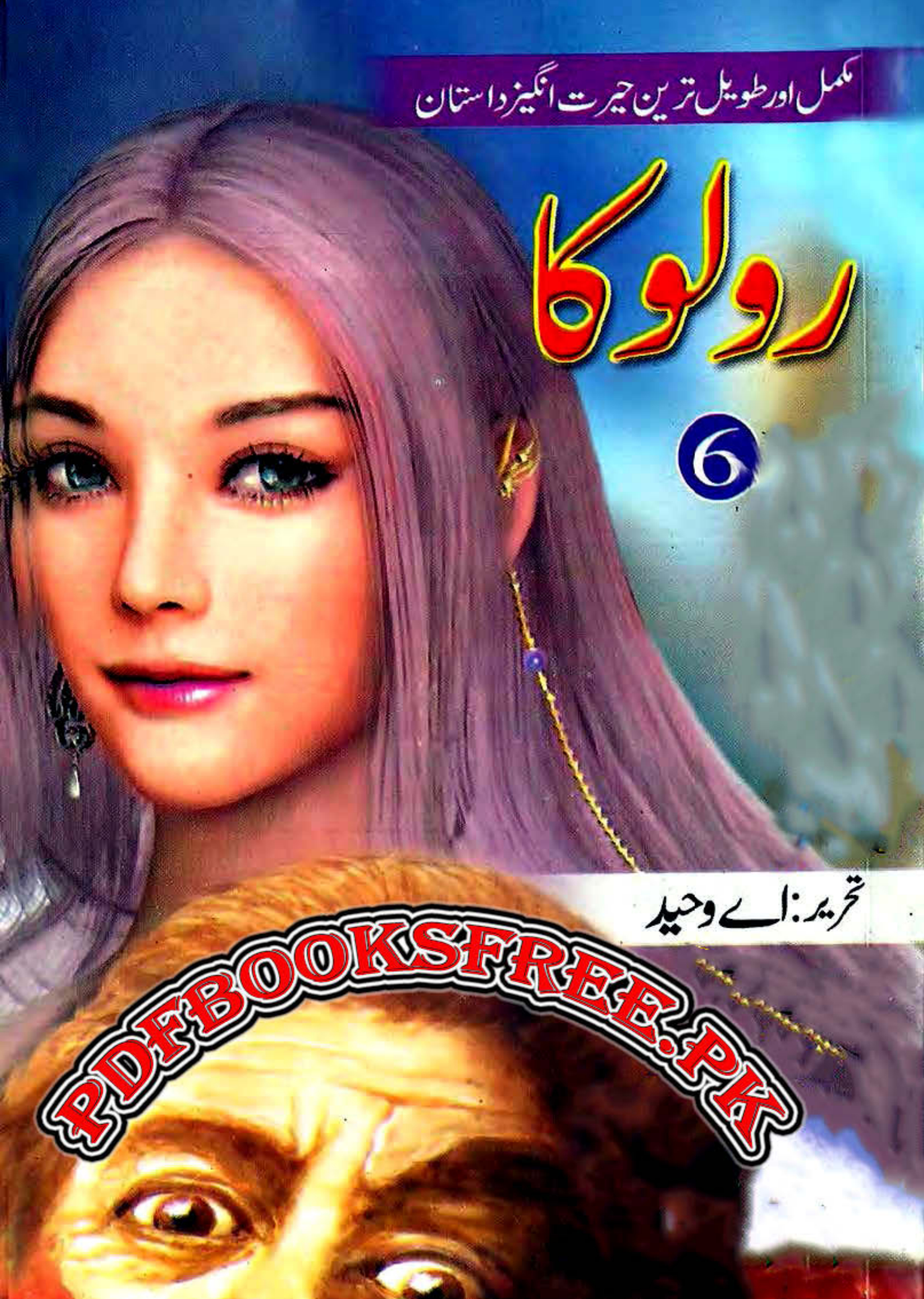

مکمل اور طویل ترین حیرت انگیز داستان
رولوکا
6
تحریر: اے وحید
PDFBOOKSFREE.PK

ڈر ڈائجسٹ کا مشہور و معروف مکمل سلسلہ اور طویل ترین داستانِ حیرت

قسط نمبر 59 سے قسط نمبر 70 تک

نمبر 6

رولوکا

پراسرار قوتوں کا مالک

تحریر: اے وحید

ڈر پبلی کیشنز
کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی
Ph:32744391

نام کتاب	رولوکا نمبر 6
تحریر	اے وحید
ناشر	ڈر پبلی کیشنز
پرنٹر	خالد پرنٹرز
قیمت	150/-

اسٹاکسٹ

آپ کے اپنے شہر میں

رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ فریئر روڈ کراچی

زرباغ نیوز ایجنسی چوک یادگار پشاور

گلزار نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ لاہور

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی

مہران نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ حیدر آباد

الفتح نیوز ایجنسی مہران مرکز سکھر

الشیخ نیوز ایجنسی حسن پروانہ کالونی ملتان

کامیاب بک ڈپو اردو بازار کراچی

انصاری بکسٹال پرنس روڈ کوئٹہ

پاکستان نیوز ایجنسی آزاد روڈ سرگودھا

نیو ملک افتخار برادرز نیوز ایجنٹ

دکان نمبر 8 عرفات بزنس سنٹر کچہری بازار فیصل آباد

رولوکا ⑥

"ہر چڑیا اپنا گھونسلا الگ بناتی ہے جب تک بچوں کے پر نہیں نکلتے وہ گھونسلے میں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ماں باپ ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کو خوراک دیتے ہیں اور پر آتے ہی بچے اڑ کر چلے جاتے ہیں۔ وہ بچے پھر پلٹ کر واپس نہیں آتے، ان کو ماں باپ سے ذرا محبت نہیں ہوتی وہ پھر اپنا الگ گھونسلا بنانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آرہا ہے اور چلتا رہے گا جب تک دُنیا قائم ہے۔

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، شعور دیا ہے، اس کو رشتے ناتے کا احترام آتا ہے۔ وہ اپنے والدین کی خدمت کو سمجھتا ہے اور وقت آنے پر ان کی خدمت کرتا ہے۔ یہ سب کرنے کا حکم اس کو مذہب دیتا ہے، یہ سب ایک ایسی دیوار ہے جس کے سائے میں ہر شخص کو آنا پڑتا ہے، کوئی مذہب ہو ہر مذہب والدین کی خدمت کو کہتا ہے۔

ہر دور میں مذہب کا کوئی نہ کوئی تصور ضرور رہا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مذہب انسان کے لئے ناگزیر ہے تو بھی غلط نہیں ہو گا۔ مذہب کا تصور انسانی جبلت میں داخل ہے۔" رولوکا نے اپنی بات مکمل کی تو حکیم و قار نے کہا۔

"تم نے درست کہا! مذہب ایک ایسی دیوار ہے جس کے سائے میں ہر شخص کو آنا پڑتا ہے۔ مگر جو لوگ خود کو مہذب کہتے ہیں اور اپنا تعلق کسی مذہب سے بھی نہیں جوڑتے، ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"حکیم صاحب! میرے خیال میں لا مذہب ہونا بھی ایک مذہب ہے، ایک طریقہ فکر ہے یا نظریہ ہے ان لوگوں کی اپنی نظر میں جو ایسے ہیں۔ اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہر شخص کا چونکہ نظریہ زندگی ہے جس پر وہ عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ذہنی اعتبار سے اسے مکمل تسلیم کرتا ہے وہی اس کا مذہب ہے گویا مذہب میں انسان کا شعور، ارادہ کارفرما ہوتا ہے، غلط انداز فکر سے غلط نظریات قائم کرتا ہے اور صحت مند فکر، صحت مند نظریات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ فکر یا عقل کا کام انسان کی راہ نمائی کرتا ہے لہٰذا فکر یا عقل کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اساس صحت مند ہو، فکر سے صحیح کام لیا گیا ہو کیونکہ فکر کی اساس مختلف ہوتی ہے، اس لئے عقل مند اور فلسفیوں کی فکر بھی مختلف ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ صاحبانِ عقل اور فلسفی ایک دوسرے سے نظریاتی طور پر اختلاف بھی رکھتے ہیں۔"

حکیم و قار بولے۔ "اس کا مطلب ہوا کہ انسان جن نظریات پر زندگی گزارتا ہے وہی اس کا مذہب ہوا۔"

"آپ نے درست کہا۔" رولوکا نے کہنا شروع کیا۔

"وہ نظریات اس کے ایجاد کردہ ہوں یا اس نے اپنے خاندان یا ماحول سے اپنائے ہوں خواہ عبادت و خدا پرستی پر مشتمل ہوں یا روایات و رسم و رواج کا مجموعہ ہوں، بہر حال کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کوئی طریقہ کار نہیں ہے یا اس کی زندگی کے کوئی اصول نہیں ہیں جنہیں وہ درست مانتا ہوں یہ الگ بات ہے کہ کلی طور پر وہ ان نظریات یا مذہب کا ماننے والا ہے۔"

اس کا مطلب ہے شعوری یا غیر شعوی طور پر وہ

ایک نظریہ حیات رکھتا ہے، ہم اس کو ہی اس کا مذہب قرار دے دیتے ہیں کیونکہ مذہب بھی ایک طرز حیات ہے۔''

حکیم وقار نے کہا۔

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ مریض کے آنے کی اطلاع ملی اور ایک نیم بے ہوش شخص کو دو تین آدمی لے کر کمرے میں داخل ہوئے اور مریض کو ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ حکیم وقار نے پوچھا۔ ''مریض کو کیا تکلیف ہے؟''

دونوں میں سے ایک بولا۔ ''میرا نام چندن کمار ہے میں بجنور کا رہنے والا ہے، یہ مریض میرا چچا زاد بھائی ہے، یہ بھی بجنور میں رہتا ہے، یہ بہت اچھا کاریگر ہے بڑی اچھی مورتیاں بناتا ہے، ان پر نقش و نگار بنانے میں استاد ہے، لوگ گھروں میں دیوی دیوتاؤں کی پینٹنگ کرانے کو بلاتے ہیں اور یہ من مانے پیسے ان سے وصول کرتا ہے، غیر شادی شدہ اور شادی کے خلاف بھی ہے۔''

حکیم وقار نے کہا۔ ''میں بیماری کی بابت پوچھ رہا ہوں۔''

چندن کمار نے کہا۔ ''میں اس طرف ہی آنے والا ہوں مگر اس سے پہلے آپ کو وہ بتانا چاہتا ہوں جو کچھ میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔''

رولوکا نے کہا۔ ''بہت مناسب بات آپ نے کی ہے اپنا بیان جاری رکھئے۔''

چندن کمار نے پھر کہنا شروع کر دیا۔ ''ایک سال پہلے تک یہ ٹھیک تھا اگر صحت کے حساب سے غور کریں تو اب بھی اس کو کوئی بیماری نہیں ہے، دو سال ہوئے جب پہلی بار اس پر ایک کیفیت سی طاری ہوگئی اور یہ خاموش ہوگیا اور گھر میں اکیلا ہی پڑا تھا کہ میں اس کو ملنے چلا گیا۔ گھر میں یہ اکیلا ہی رہتا ہے، اکیلے آدمی کا گھر تو ویسے ہی کباڑیے کی دکان ہوتی ہے، اس کا وہ کمرا جہاں پر یہ رہتا ہے بہت بری حالت میں تھا۔ بستر کے چاروں طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں، ایسا لگتا تھا جیسے اس کمرے کو بہت دنوں سے صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بستر پر لیٹا تھا اس کی آنکھیں چھت پر ٹکی تھیں اور خاموش تھا۔ میرے آنے کی بھی اس کو خبر نہ ہوئی، میں نے کئی آوازیں اس کو دیں مگر اس نے میری طرف نہ دیکھا اور چھت دیکھتا رہا۔ اب میری پریشانی بڑھی میں نے کاندھے سے پکڑ کر اس کو اٹھایا تو یہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے میری طرف دیکھا، اس کی نگاہوں میں اجنبیت تھی اور یہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا، چند منٹ یہ کیفیت رہی اور پھر اچانک چندن کہہ کر میرے گلے لگ گیا، اس کی آنکھوں کی اجنبیت ختم ہوگئی اور مجھے ایسا لگا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا، میں نے اس وقت اس کی حالت کا ذکر اس سے نہیں کیا اور اس کو گھر بلا آیا۔ یہ شام کو میرے پاس آ گیا تو میں نے اس کی حالت کے بارے میں سوال کیا۔ تو یہ بولا۔

''چندن بھیا! میری سمجھ میں تو خود یہ بات نہیں آتی، اب تک میں کئی کئی روز اسی کیفیت میں گزار دیتا ہوں، نہ کھاتا ہوں، نہ پیتا ہوں، بستر پر پڑا رہتا ہوں، کتنے دن میں اس طرح رہا ہوں اس کا اندازہ تو مجھے اٹھنے کے بعد ہوتا ہے مگر خوبی کی بات یہ ہے کہ بنا کچھ کھائے پئے، میں زندہ بھی رہتا ہوں اور کسی قسم کی کمزوری کبھی نہیں محسوس کرتا اور پھر اپنا کام کرنے لگتا ہوں۔''

میں نے پوچھا۔ ''تیری یہ حالت کب سے ہے؟'' تو یہ بولا۔ ''چندن بھیا! زیادہ دن سے نہیں ہے، تم کو پتہ ہے تہواروں پر میرا کام زوروں پر ہوتا ہے اور میں خوب کماتا ہوں۔ پچھلی دیوالی پر بھی میں بہت زیادہ کام میں لگا تھا، سیٹھ گوجرمل کے گھر میں ایک مندر بھی ہے یہ مندر گھر کے اندر ہے، گوجرمل اور اس کا پریوار دھرم کے معاملے میں بہت آگے ہے، اس نے مندر کو نئے سرے سے سجانا تھا۔ مندر میں وشنو بھگوان کے بڑی سی مورتی رکھی ہے۔ میں ان کے کمزور عقیدے کو دیکھ کر دل میں ہنستا تھا۔ ''یہ کہتے ہیں یہ دیوتا ہے، یہ دیوتا ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے اور امانت دار ہے، یہ رحم کا بھی دیوتا

ہے۔"اس دیوتا کو پوجنے والوں کی یہ پہچان ہے کہ ہر صبح گیرو سے اپنی پیشانی پر وشنو کی علامت مثلث نما نشان بنا لیتے ہیں۔

میں اس گھر کے مندر میں کام کرتا رہا اور اس کو نئے سرے سے نئی شان کے ساتھ بنا دیا اور اپنی رقم لے کر آ گیا۔ تم جانتے ہو میں کسی مذہب کو نہیں مانتا، ہر آدمی عورت دو ہاتھ لے کر پیدا ہوتا ہے اور اس کو استعمال کرتا ہے تو روٹی کھاتا ہے، کوئی بھگوان اس کے منہ میں نوالہ نہیں دیتا، کوئی خدا اس کو بغیر کچھ کئے نہیں دیتا، یہ سب ڈھکوسلا ہے، میں اتنے لمبے چکر میں نہیں پڑتا، خود کماتا ہوں اور کھاتا ہوں یہی زندگی ہے۔"

میں نے کہا۔"میں جانتا ہوں مگر میں تم سے اس معاملے میں اختلاف رکھتا ہوں تم ناستک ہو مگر میرے بھائی ہو میں پھر پوچھتا ہوں تمہاری یہ کیفیت کب ہوئی؟"

تو اس نے کہا۔"اس گھر سے آنے کے بعد ٹھیک آٹھ روز کے بعد، میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی اور مجھے ایسا لگا جیسے میرے علاوہ بھی کوئی اس کمرے میں ہے، یہ صرف محسوس ہو رہا تھا نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں آنکھیں کھول کر لیٹا تھا کہ کسی کی نہایت باریک اور نہایت سریلی آواز میرے کانوں میں آئی۔"اس کو لے چلو۔" پھر ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے اٹھا کر کاندھے پر لاد لیا ہے۔ میں پھول کی مانند ہلکا ہوں، میں نے پلٹ کر بستر پر نظر ڈالی تو میں نے خود کو بستر پر پڑا دیکھا اور میں حیران رہ گیا، میں تو بستر پر ہوں، یہ کس کو لے کر جا رہے ہیں۔ میں آسمان میں اڑتا کسی کے کاندھے پر سوار نہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ میں کتنی دیر یہ ہوائی سفر کرتا رہا اور پھر ایک نہایت خوب صورت وادی میں، میں زمین پر تھا۔ اس وادی کی زمین ہری ہری گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ہر طرف میوہ جات کے درختوں کی بھرمار تھی اور رنگ برنگے خوب صورت پرندے ان پر اچھل کود رہے تھے۔

اتنی حسین سرزمین میں نے کیا شاید کسی نے بھی نہیں دیکھی ہوگی، اب مجھے ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ پانی کے حسین تالاب کے کنارے نہایت حسین ناریاں نہا رہی تھیں جو کہ جل پریاں لگتی تھیں۔

میرے قریب کوئی نہ تھا، میں حیرت میں ڈوبا تھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل ناری کنول کا پھول ہاتھ میں لے کر میرے قریب آ گئی اور ایک انوکھی ادا سے کھڑی ہو کر ہندی بھاشا میں بولی۔ یہ ہندی بھاشا میں نے کبھی نہیں سنی تھی مگر میں نے اس کا ایک ایک شبد سمجھ لیا وہ پوچھ رہی تھی۔

"مہاراج اشنان کرو گے۔"

میں نے کہا۔"اتنی ناریوں کی موجودگی میں، میں کیسے اشنان کر سکتا ہوں؟"

وہ بولی۔"یہ تمہاری دنیا نہیں ہے، یہاں پر پرش دناری میں ذرا فرق نہیں ہے، آؤ میں تمہارے شریر پر لگی تمہاری دنیا کی میل اتار دوں، پھر تم وہاں کی نہیں یہاں کی بات سمجھ سکو گے۔"

میں ہچکچا رہا تھا مگر اس کے روئی کی طرح نرم و نازک ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

اور پانی کی طرف لے کر چلی، پانی کے قریب پہنچ کر اس نے میرے کپڑے اتارنے کو ہاتھ بڑھایا تو میں چونک کر اس سے دو قدم دور ہو گیا، میں نے کہا۔"کیا کرتی ہے؟ یہاں پر اتنی ناریاں موجود ہیں میں کپڑے نہیں اتاروں گا۔" وہ زور سے ہنس پڑی اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے کئی کانچ کے برتن آپس میں ٹکرا گئے ہوں یا کوئی جل ترنگ بج اٹھا ہو اس کے بعد وہ بولی۔

"ناریاں کہاں ہیں میں نے اس طرف نظر ڈالی جہاں وہ جل پریاں نہا رہی تھیں مگر اب وہاں پر کوئی نہ تھا۔ درختوں پر پرندے ضرور اپنی اپنی آواز میں شور کر رہے تھے۔

میں نے کہا۔"تم تو ہو میں تمہارے سامنے کپڑے نہیں اتار سکتا۔"

وہ بولی۔"مجھ سے کیا پردہ میں تمہارے شریر کے

پور پور سے واقف ہوں تم اس پانی میں اشنان کرو گے تو تم بھی یہاں کے ریت رواج سمجھ جاؤ گے۔" اس نے میرے سارے کپڑے اتار دیئے اور پانی میں دھکیل دیا۔ پانی میں گرتے ہی مجھے عجیب طرح کا سرور آنے لگا۔ پانی نہ ٹھنڈا تھا نہ گرم، اس میں بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور وہ کنارے پر کھڑی مسکرا کر مجھے دیکھ رہی تھی، پتہ نہیں میں کتنی دیر اس خوشبو دار پانی میں رہا اس کے بعد اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ میں اب باہر آ جاؤں۔

میں نے بے دھڑکا اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور مادرزاد ننگا باہر آ گیا، اب مجھے اس کی موجودگی اور شرم وحیا کا احساس نہ تھا۔ میں خود اپنی حالت اور ذہنی تبدیلی پر حیران تھا اور ننگا اس کے ساتھ درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہا تھا۔

درختوں سے ہٹ کر ایک بڑا خوب صورت چھوٹا سا مکان تھا، اس مکان کی دیواروں پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی اور اس میں ہرے اور پیلے گوشے لٹک رہے تھے۔ یہ اس قدر دلفریب منظر تھا کہ دل کرتا تھا کہ میں یہیں پر رہ جاؤں۔ یہ دروازے کے باہر کا منظر تھا دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی میں خوشبوؤں میں نہا گیا، گھر کی سجاوٹ عجیب انداز کی تھی اور اس کی سجاوٹ کے لئے جو اشیاء استعمال ہوئی تھیں وہ میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ دیواروں پر بڑی بڑی ہاتھ کی بنائی تصویریں لگی تھیں اور ان تصاویر کی خاص بات یہ تھی کہ وہ اصلی معلوم ہوتی تھیں۔ ان میں گہرائی اور فاصلے صاف نظر آتے تھے ایسی نایاب تصاویر میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ بعض دفعہ تو میں چونک پڑا تھا کیونکہ تصویر میں ایک کسان ہل کاندھے پر رکھ کر جا رہا ہے، دکھایا ہے، وہ کسان مجھے حرکت کرتا نظر آنے لگا۔ میں نے آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا تو کسان اپنی جگہ پر تھا۔ میں نے اس کو اپنے دماغ کا فتور قرار دے دیا اور کوئی سوال نہ کیا۔

اس ناری نے مجھے ایک عجیب طرح کی پوشاک پہنا دی، یہ ایک جبہ نما کپڑا تھا۔ اس میں باندھنے کو ڈوریاں تھیں، میں نے ان دوڑیوں کو باندھ لیا اور ایک نہایت نرم و گداز بستر پر بیٹھ گیا تو اس نے کہا۔ "اب تم بھوجن کر لو اور کچھ آرام کرو۔" میں اشنان کے بعد خود کو بڑا ہلکا اور چاک و چوبند محسوس کر رہا، میرے من میں جولانی آ رہی تھی اور وہ ناری بڑی پرکشش لگنے لگی تھی اس نے نامعلوم کس کو اشارہ کیا کہ چاندی کی تھالیوں میں بھوجن میرے سامنے پروس دیا گیا اور میں بڑی رغبت سے کھانے لگا۔

اس بھوجن کا سواد بھی یہاں کی ہر چیز کی طرح نرالا تھا۔ لذیذ میٹھا تھا نہ بالکل پھیکا مگر کھانے میں مزا آ رہا تھا میں اس طرح کھا رہا تھا جیسے بہت دنوں کے بعد میرے سامنے کھانا آیا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر وہ انوکھا کھانا کھایا اور پھر پانی پیا۔ چند منٹ میں برتن اٹھ گئے تو اس ناری نے کہا۔ "اب تم آرام کرو۔"

میں نے کہا۔ "میں اکیلا کیا آرام کروں گا تم میرے پاس رہو۔" میں نے بے دھڑک یہ کہہ دیا۔

وہ بولی۔ "میں نے تمہاری خدمت جو کر سکتی تھی کر دی ہے، دوسری خدمت کو جو ہیں وہ خود بخود تمہارے پاس آ جائیں گی۔" اور وہ چلی گئی اس کے جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا اور میں لیٹ گیا۔ روشنی خود بخود کم ہو گئی اور میری آنکھیں نیند کے بوجھ سے بند ہو گئیں۔ آنکھیں بند ہوتے ہی میرے دونوں طرف دو ناریاں آ کر لیٹ گئیں اور میرے بدن پر ان کے ہاتھ رینگنے لگے اور میں بے خود ہوتا چلا گیا۔

نامعلوم کتنی دیر تک میں سوتا رہا یا شاید جاگتا رہا مگر میری آنکھیں بند ہی رہیں اور پھر آنکھیں کھل گئیں میں اکیلا تھا میرا جبہ نما لباس مجھ سے دور تھا میں نے کھڑے ہو کر اس کو اپنے بدن پر دوبارہ لپیٹا تو میری نظر اس کسان والی پینٹنگ پر پڑی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اب کسان اس میں نہیں تھا اور اس کی جگہ ایک دیہاتی عورت

سر پر مٹکا اور ہاتھ میں روٹی لئے اسی راستے پر جارہی تھی۔ میرا دماغ چکرا رہا تھا۔ یوں تو یہاں کی ہر چیز میرے لئے نئی اور نرالی تھی مگر یہ بے جان تصویر نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ یہ تصویر تھی یا حقیقت، ایسی تصویر کس نے بنائی تھی۔ میں اس حیران کن کیفیت میں نہ جانے کتنی دیر اور رہتا کہ وہی ناری نہایت نئے ڈھب کے لباس میں آ گئی، لباس تو میں نے کہہ دیا ہے حالانکہ اس کے جسم پر زیادہ سے زیادہ آدھا گز کپڑا ہوگا اور کپڑا بھی نہایت باریک اس کے چہرے پر نہ جانے کیا میک اپ تھا جو چمکتا تھا، آنکھیں جھیل کی طرح گہری، میں اس کے حسن کی کیا تعریف کروں، پری کی جو تصویر میرے دماغ میں تھی وہ بالکل ویسی تھی صرف اس کے پر نہ تھے، بازو لمبے اور گول گول تھے کہنیوں کے پاس اس نے کوئی سنہری رنگ کا زیور پہنا ہوا تھا۔ وہ سراپا حسن تھی، اس کا انداز دلربائی مدہوش کن تھا۔

میرے دیکھنے پر اس کے خمیدہ تراش ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور وہ بولی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' میں اس کے حسن کے نشے میں مست تھا، میں نے کہا۔ ''تم انسان نہیں ہو کیونکہ کوئی انسانی عورت اتنی حسین نہیں ہو سکتی، یوں تو ہر عورت خود کو حسین سمجھتی ہے مگر کچھ نہ کچھ کمی اس میں ضرور ہوتی ہے۔''

یہ سن کر وہ زور سے ہنس پڑی مجھے ایسا لگا جیسے نقرئی گھنٹیاں اچانک بج گئی ہوں۔

''بے عیب کچھ نہیں ہے مہاراج، عیب تو مجھ میں بھی ہے۔''

''تم میں کوئی عیب مجھے نظر نہیں آیا، میں کلاکار ہوں، میری نظر سرسری نہیں ہوتی گہری ہوتی ہے۔ مگر میں تمہارے عیب کو کیوں نہیں دیکھ سکا، تم خود بتاؤ تو شاید میرے اندر کے کلاکار کو چین آ جائے۔''

اس حسین مورت کے چہرے پر ایک لمحے کو اداسی کی لہر آ کر گزر گئی اور وہ بولی۔

''اس دنیا میں تمہارے لئے صرف حیرتیں ہیں، میں تم سے کہوں گی تم خود کو مضبوط کرو اپنی دنیا کی پرانی عادتیں یہاں یاد نہ کیا کرو اگر ہر بات کا موازنہ کرتے رہو گے تو پھر تمہاری خوشی آدھی ہو جائے گی تم پر دیا کی گئی ہے تم کو نوازا گیا ہے تو اس رعایت کا فائدہ اٹھاؤ اور صرف موج کرو۔''

میں نے کہا۔ ''اس مقام پر تم میری گرو ہو اور میں تمہارا چیلا ہوں اگر چیلے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو وہ سوال کرتا ہے اگر نہیں کرتا تو پھر وہ اچھا چیلا نہیں ہے اس لئے میں تم سے ہی پوچھتا ہوں کیونکہ تم ہی میرے قریب ہو۔''

وہ اٹھلا کر بولی۔ ''تمہارے من میں کرید بہت ہے، پرنتو ہر سوال کا جواب میں دے سکوں گی اس کی امید نہ کرنا۔''

میں نے کہا۔ ''پہلا سوال یہ ہے کہ اس تصویر میں کسان تھا جو کہ ہل کاندھے پر رکھ کر جا رہا تھا اور وہ اب نہیں ہے اور یہ عورت ہے۔''

وہ بولی۔ ''تمہاری دنیا میں رات دن ہوتے ہیں یہ تصویر ان ہی رات دن کو بتاتی ہے۔ تم نے جب پہلے یہ تصویر دیکھی اس وقت تمہاری دنیا میں صبح کا وقت تھا کسان کام پر جا رہا تھا اور اب دوپہر کا وقت ہے کسان جا چکا ہے اور اس کی بیوی اس کے لئے دوپہر کا کھانا لے کر جا رہی ہے۔''

میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا یہ تبدیلی روزانہ اس تصویر میں ہوتی ہے؟''

''ہاں اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ یہ تصویر بتاتی ہے درختوں پر جو پھل تم کو لگے نظر آ رہے ہیں یہ بھی موسم کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ پت جھڑ میں یہ درخت پتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور بہار میں پھر ان پر پتے آ جاتے ہیں، برسات میں اس میں تم کو بارش نظر آئے گی اور بہت کچھ اپنی دنیا کے حالات تم اسی میں دیکھ سکتے ہو ہماری دنیا میں دن رات نہیں ہوتے۔''

میں کتنے دن یا کتنے گھنٹے اس دنیا میں رہا اس کا میں

ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ رات دن شام صبح نہیں ہے۔"

اور پھر میں اپنے کمرے میں سو کر اٹھا تو میں نے اپنے گھر کو دیکھا ایسا لگا تھا کہ میں سورگ سے واپس آ گیا ہوں، میرا گھر اجاڑ کباڑ خانہ بنا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کتنے عرصہ میرا شریر اس کمرے میں مردہ بنا پڑا رہا، شاید میری آتما کو لے جایا گیا تھا اور پھر واپس بھی بھیج دیا گیا۔"

چندن کمار اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ رولوکا نے مریض پر گہری نظر ڈالی اور کہا۔ "یہ اس وقت بھی اس کیفیت میں ہے اس کو مردہ قرار نہیں دیا جا سکتا مگر یہ زندوں میں بھی نہیں ہے، تم بتا سکتے ہو کہ یہ اس حالت میں کب سے ہے؟"

چندن کمار نے کہا۔ "میں سویرے اس کے پاس گیا تھا یہ اسی حالت میں تھ.. میں گھبرا گیا اور گاڑی میں ڈال کر آپ کی طرف دوڑا، سفر میں بھی یہ اسی طرح رہا ہے۔"

میں نہیں کہہ سکتا کہ رات کے کس پہر اس پر یہ دورے پڑے ہیں، میں تو اس کو دورہ ہی کہوں گا۔" چندن کمار نے بتایا۔

رولوکا نے کہا۔ "اس کو اس کی موجودہ حالت کے پیش نظر کسی قسم کی طبی امداد نہیں دی جا سکتی کیونکہ دورہ جسمانی نہیں ہے اس کے خود بخود ہوش میں آنے کے بعد بات آگے چلے گی تم نے اس کا نام نہیں بتایا۔"

چندن کمار نے کہا۔ "اس کا نام رتن کمار ہے اس کے باپ بھی بہت بڑے کلاکار تھے اور یہ بھی بڑا کلاکار ہے مگر باپ ناستک نہیں تھا وہ دھرم کو مانتا تھا پوجا پاٹ بھی کرتا تھا اور یہ اس پر ہنستا تھا کہتا تھا۔ "باپو تم نے ایک پتھر کو شکل دی پھر اس کو رنگوں کا لباس دیا۔ اس کی نوک پلک درست کی اور ایک مقام پر رکھ کر اس پر پھول ڈال دیئے، لوبان جلا دیا اور وہ تمہارا بھگوان ہو گیا، تم اس کو سجدہ کرنے لگے اس سے مانگنے لگے، باپو میری کھوپڑی میں اب تک وہ پتھر ہے جو زمین پر پڑا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے تم نے اس پتھر کو اہمیت کے قابل کیا تم اس کے خالق ہو، بنانے والے ہو اور تم ہی پوجتے ہو یہ تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔"

"اس کا باپ اس کو سمجھاتا۔" دیکھ بیٹا یہ پتھر ہے میں جانتا ہوں۔ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اس کے عقیدے اور بھروسے سے ملتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ کتنے لوگ اس پتھر سے ہی پرارتھنا کرتے ہیں اور ان کی دلی مرادیں پوری ہو بھی جاتی ہیں۔ یہ پتھر انسان کو اس کا اعتماد اور عقیدہ دیتا ہے اور اگر آگے چلیں تو دینے والا تو کوئی اور ہی ہے۔"

رتن کمار کے سر پر سے باپ کی باتیں گزر جاتی تھیں اس نے دھیان سے باپ کی بات سنی تو وہ صرف کلا کی بات تھی اس نے اپنے پتا کا سارا ہنر اپنے اندر اتار لیا اور مہان کلاکار بن گیا مگر اس کے خیالات میں ذرا فرق نہ آیا وہ مندروں میں کام کرتا اور ٹھوک بجا کر رقم وصول کرتا۔"

رولوکا نے کہا۔ "یہ کب ہوش میں آئے ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے مریض کو رکنا ہو گا اور تم بھی اگر اس کے پاس رک جاؤ تو اور بہتر ہے اس کے ہوش میں آنے پر کچھ اور معلومات اس کی زبانی پتہ کریں گے اور پھر کچھ فیصلہ ہو سکے گا۔"

چندن کمار نے کہا۔ "میں بھی رک جاتا ہوں۔ کیا یہاں پر اس کا انتظام ہے؟"

رولوکا نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں خوب انتظام ہے۔"

دو دن اور دو رات رتن کمار اسی حالت میں رہا اور صبح کے وقت اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے کوئی سو کر اٹھتا ہے اس کے پاس چندن موجود تھا۔ چندن کو دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھا اور گلے لگ گیا۔

چندن نے کہا۔ "تو دلی میں ہے میں تجھے بے ہوشی میں بجنور سے لایا ہوں اور تو چار روز کے بعد اٹھا ہے۔"

''مگر تو مجھے دلی کیوں لایا ہے؟'' رتن کمار نے پوچھا۔

''اس لئے کہ تو مردے کی طرح اکیلا گھر میں پڑا تھا تیرا شریر مردہ تھا صرف سانس آ رہی تھی۔ اکیلے تیرے شریر کو سخت خطرہ تھا تجھے پتہ نہ چلتا اور تیرا شریر برباد ہو جاتا، جب شریر نہ ہوتا تو تیری آتما جو کہیں موج کر رہی تھی واپس کس شریر میں آتی؟''

رتن کمار نے کہا۔ ''میری آتما کب واپس آنا چاہتی ہے مگر میرا جانا اور آنا میری مرضی سے کب ہے، میں خود نہیں جاتا اور نہ خود واپس آتا ہوں، میری سمجھ میں اب تک یہ گورکھ دھندہ نہیں آیا ہے، کون ہے جس کی وہ نگری ہے اور میں وہاں پر کیوں لے جایا جاتا ہوں، میں اس کے لئے اتنا اہم کیوں ہوں؟''

چندن کمار نے کہا۔ ''اسی کارن میں تم کو دلی لایا ہوں میں سمجھتا ہوں تم کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو چکے ہو ابھی تم کو بہلایا جا رہا ہے پالا جا رہا ہے مگر ضرور کوئی طلسمی طاقت تم پر مہربانی کر رہی ہے اور طلسمی دنیا کے لوگ بے وجہ کسی پر مہربانی اور عنایت نہیں کرتے یہ بات تم کو یاد رکھنے کی ہے۔''

رولوکا کے آنے پر ان کی باتوں کا سلسلہ رک گیا، رولوکا نے رتن کمار کو ٹھیک حالت میں دیکھا تو پوچھا۔ ''میاں تم نے چار روز سے کچھ نہیں کھایا، اتنے دن میں تندرست آدمی بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ تم کیا محسوس کرتے ہو؟''

رتن کمار نے جواب دیا۔ ''حکیم صاحب میں ذرا سی بھی کمزوری محسوس نہیں کرتا۔''

''اس کا مطلب ہے تمہارے جسم کو ضروری غذا دی جاتی رہی ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

چندن کمار نے جواب دیا۔ ''حکیم صاحب میں اس کے ساتھ ہوں میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔''

''ہر آنکھ وہ نہیں دیکھتی، دیکھنے والی آنکھیں دوسری ہوتی ہیں تم صرف وہ دیکھ سکتے ہو جو تم کو دکھایا جائے اور جو پردے میں رکھا جائے وہ تم نہیں دیکھ پاؤ گے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہوا جو کچھ رتن کمار کو دکھایا گیا وہ بھی صرف دکھانے کو تھا۔'' چندن کمار نے سوال کیا۔

''ابھی میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا مگر آگے چل کر ضرور تم کو بتاؤں گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

''تو کب تک ہمارا قیام یہاں پر ہوگا۔'' چندن نے پوچھا۔

''یہ کیس کی نوعیت پر ہے، ابھی تو ابتداء ہے۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

رولوکا نے رتن کمار کے اطراف پہرہ لگا دیا، اس کا اندازہ چندن کمار کو بھی بالکل بھی نہ تھا اور وہ حیران تھا کہ ابھی تک حکیم صاحب نے کسی قسم کی دوا نہیں دی نہ علاج کی بابت کوئی قدم اٹھایا اس لئے رولوکا سے سوال کر دیا۔

''حکیم صاحب علاج کب شروع کریں گے؟''

رولوکا نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہارے اس مطب میں داخل ہوتے ہی علاج شروع کر دیا گیا تھا۔''

''مگر مجھے تو علاج کی علامات نظر نہیں آتیں؟'' چندن نے کہا۔

''جسمانی علاج کے لئے تو دوائیں دی جاتی ہیں علاج ہوتا نظر آتا ہے مگر روحانی علاج میں کچھ نظر نہیں آتا اور علاج ہوتا ہے، رتن کمار جسمانی نہیں روحانی مریض ہے اس کا علاج اسی انداز میں ہو رہا ہے تم یہاں اس کو لے آئے ہو تو اطمینان رکھو، میں جو کر سکتا ہوں وہ ضرور کروں گا، پہلے ہر مرض کو پکڑنا ہوتا ہے اور اگر مرض پکڑا جائے تو معالج علاج کر لیتا ہے۔

اگر معالج کی سمجھ میں مرض نہ آئے تو وہ علاج کیا کرے گا۔'' رولوکا نے جواب دیا۔

چندن کمار نے کہا۔ ''آپ نے درست فرمایا ہے، میں نے صرف اپنی تسلی کے لئے سوال کیا تھا۔''

ایک ہفتہ خیریت سے گزر گیا۔ رتن کمار پر دورہ نہ

پڑا مگر ایک ہفتہ کے بعد رات کو کسی وقت رتن کمار پر دورہ پڑا اور وہ بے جان سا ہو گیا۔"

رولوکا نے اس کو دیکھا اور کہا۔ "بات خطرناک حد تک تشویشناک ہے۔ مگر فکر نہ کریں اس کو کچھ ہوگا نہیں۔"

رتن کمار اس حسین تالاب کے کنارے کھڑا تھا اس درخت کی اوٹ سے وہی حسینہ نکل کر اس کے پاس آ گئی اور ایک ادائے دلربائی سے بولی۔ "تمہاری خاطر بڑی گھنٹائیاں اٹھانا پڑ رہی ہیں۔"

رتن کمار نے کہا۔ "مگر اس کی ضرورت تم کو کیوں ہے؟"

"ضرورت تو ہے اسی کارن تم کو بلایا جا رہا ہے پر کیوں؟ اس کی بابت میں نہیں جانتی جس کی یہ نگری ہے وہی جانتا ہے، تم اشنان کرلو اور نئے کپڑے پہن لو۔"

رتن کمار نے اپنا لباس فوراً اتار دیا۔ اب اس کو ذرا بھی شرم اس پری کی موجودگی میں نہ ہوئی۔

اس پری نے ہاتھ پکڑ کر اس کو پانی میں دھکیل دیا۔ اس پانی میں جاتے ہی رتن کمار کی طبیعت میں جولانی اور مستی دوڑ گئی اور ایک نئی اور انوکھی طاقت کا احساس جاگا اور وہ پانی کے کنارے آ کر بولا۔ "تم بھی آ جاؤ۔"

وہ بولی۔ "نہیں میں نہیں آ سکتی مجھے اس پانی میں اترنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"ارے واہ تم پر کیوں پابندی ہے اور نہ جانے کتنی ناریاں تو نہاتی ہیں؟" رتن کمار نے کہا۔

پری بولی۔ "تم ابھی یہاں کے اصول اور قاعدے نہیں جانتے، وہ نہا سکتی ہیں اس لئے ان کو بھی مستی کی ضرورت ہے اور مجھے اس کام سے الگ رکھا گیا ہے، میں صرف خاطر کرتی ہوں دل خوش کرتی ہوں۔"

"مگر تم بھی تو حسین ہو تمہارے بھی تو جذبات ہوتے ہوں گے۔" رتن کمار نے کہا۔

"تم پھر نہیں سمجھ رہے مجھے اس طرح بتایا گیا ہے کہ سب کچھ وہی ہے جو ایک ناری کے لئے ضروری ہے، میرے جسمانی اعضاء کسی ناری سے کم نہیں ہیں مگر جو جذبات کسی ناری میں مرد کے لئے ہوتے ہیں وہ میرے اندر نہیں ہیں تم اس طرح سمجھ لو کہ میں ناری نظر آنے کو ہوں پر......"

رتن کمار حیران ہو کر بولا۔ "تمہاری ہر بات مجھے حیران کرتی ہے۔"

"یہ جگہ تمہارے لئے ہر مقام پر حیرتوں کے پہاڑ کھڑے کرتی جائے گی تم کو جب یقین ہو جائے گا کہ تم اس نگری سے بہتر اور شکتی والی جگہ تمہاری دنیا نہیں ہے تو پھر تم کو تعلیم کیا جائے گا۔" پری نے کہا۔

"مجھے اس عمر میں کیا تعلیم دی جائے گی۔" رتن کمار نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں میرا گیان پورا نہیں ہے میں کیا بتاؤں؟" پری نے کہا۔

رتن کمار پانی سے ننگا ہی باہر آ گیا۔ پری نے ویسا ہی جبہ نما لباس اس کے بدن پر ڈال دیا۔

رتن کمار کے انگ انگ میں مستی بھر گئی تھی۔ پری اس کو لے کر درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھی اور اب وہ اسی خوب صورت چھوٹی سی عمارت کے سامنے تھے۔

دروازہ ان کے جاتے ہی خود بخود کھل گیا اور دونوں اندر چلے گئے، اندر وہی مستی بھرا ماحول تھا، دیواروں پر تصویریں بولتی سی لگتی تھیں، وہ بڑی پینٹنگ اپنی جگہ موجود تھی مگر اس میں نہ کسان نظر آتا تھا اور نہ اس کی بیوی تھی، باقی سب ماحول اسی طرح تھا، درختوں پر پھل موجود تھے پرندے تھے۔

رتن نے پوچھا۔ "آج اس تصویر میں نہ کسان ہے نہ اس کی بیوی یہ کہاں گئے؟"

پری نے کہا۔ "وہ کہاں جائیں گے، اپنے گھر ہوں گے کیونکہ یہاں پر سب کے آرام کا وقت ہے جس طرح تمہارے یہاں رات ہوتی ہے یہاں پر چونکہ رات نہیں ہوتی صرف آرام کا وقفہ ہوتا ہے۔" اور اس نے کسی کو اشارہ کیا اور وہی عجیب ذائقہ والا کھانا رتن کمار کے سامنے آ گیا اور وہ کھانے لگا، کھانے کے بعد اس کو جو

شربت دیا گیا اس کا ذائقہ بھی نرالا تھا اور تاثیر یہ تھی کہ وہ بستر پر لیٹ گیا، نہایت نرم اور آرام دہ بستر تھا اور تکیے اس قدر ملائم تھے کہ سر اندر دھنس جاتا تھا۔ اس کے سارے جسم میں سستی کی لہرسی اٹھ رہی تھی اس نے پری کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ ''میں جانتی ہوں تم کو اب کس چیز کی ضرورت ہے میری طرف تو دیکھنا بیکار ہے۔'' اور وہ دروازے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی رتن کمار کی آنکھیں خمار آلود ہو گئیں اور خود بخود بند ہو گئیں، آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے پہلو میں دو ناریاں آ گئیں۔

وہ کتنی دیر تک سویا اس کا اندازہ وہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہاں پر نہ شام تھی نہ سویرا، ہر وقت ایک جیسا تھا ہر چیز اپنی اپنی جگہ اسی طرح موجود رہتی تھی جیسی کہ اس کو رکھا گیا تھا۔ یہ دنیا کی گہما گہمی نہ شور شرابہ نہ لڑائی جھگڑا نہ رقابت نہ محبت جو جس کام کے لئے ہے وہ وہی کرتا ہے بے ضرورت، بے وجہ کسی سے کلام بھی بند ہے اس دنیا کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ رتن کمار کو کچھ دن یہ بہت اچھا لگا تھا مگر آخر وہ انسان تھا انسانوں سے اس کا ہر وقت کا تعلق رہتا تھا۔ میل ملاپ، جھگڑے، لڑائی، رقابت و محبت، نفرت سب کے درمیان زندگی گزارنے والا اس لگے بندھے اور انتہا سے زیادہ پرسکون جگہ پر اس کو تنگ تو ہونا تھا بات کرنے کو اس کے پاس صرف ایک پری تھی اور وہ بھی بہت محتاط رہ کر زبان کھولتی تھی اور بہت سے اس کے سوالات کے جوابات گول کر جاتی تھی۔ آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ طلسمی دنیا کس نے بنائی ہے کون اس کا مالک ہے اور اس سے کیا کام اس کو پڑ گیا ہے کہ وہ اس کی مہمان نوازی کر رہا ہے۔

اس کے سامنے صرف ایک پری نما ناری تھی اور جو تھیں وہ صرف اس کے بدن کی ضرورت کے لئے آتی تھیں اس کا تو اس نے چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا۔

رولوکا کے کارندے نے بتایا۔ ''رتن کمار کے کمرے میں وہ موجود تھا۔ کمرے میں کسی کے آنے کی ذرا خوشبو نہیں آتی ایک دفعہ ذرا شبہ ہوا تھا اس وقت رتن کمار سو رہا تھا۔ اس کی آتما موجود تھی پھر وہ آتما ریزہ ریزہ ہو کر خود بخود نکل گئی وہ مجسم نہیں گئی ہے اور پھر ان ریزوں کو ضرور مجسم ترتیب دیا گیا ہو گا یہ ایک نیا اور انوکھا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ رتن کمار پر پہرہ داری کی بات پوشیدہ نہیں رہی۔'' رولوکا نے سوچا۔

اور پھر حکیم وقار کے ساتھ رتن کمار کے شریر کا معائنہ کیا، دونوں نے اچھی طرح دیکھنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس کو غذا دینا ہو گی کیونکہ اب شاید وہ قوت جو اس کو غذا فراہم کرتی تھی شاید آنے کی ہمت نہ کرے اس صورت میں یہ بدن بغیر توانائی کے کتنے دن قائم رہ سکتا ہے اور انہوں نے اس کی خوراک اپنے طریقہ پر رتن کمار کے بدن میں پہنچانی شروع کر دی۔

پری نما ناری نے نامعلوم کتنے دن کے بعد رتن کمار کو کہا۔ ''مہاراج اب کے تمہارا قیام زیادہ ہو گا مجھے یہی سندیش آیا ہے۔''

''پر میں اتنا زیادہ نہیں رک سکتا، میری دلچسپی کا یہاں پر صرف ایک کام ہی ہے میں انسان ہو، انسانوں میں میرا من لگتا ہے یہاں پر صرف تم ہو اور میں کس کے پاس جاؤں، میری کلا وہ میرا ہنر کس کو دکھاؤں میں کلاکار ہوں لوگ میری کلاکاری دیکھتے ہیں، تعریف کرتے ہیں تو میرے من کو شانتی ملتی ہے میرے اندر کے کلاکار کی زندگی بڑھتی ہے میں یہاں پر کیا ہوں مجھ سے اچھا تو اس تصویر کا کسان ہے اس کی عورت ہے جو روزانہ روٹی روزی کے لئے کاشت کاری کرتے ہیں ان کی زندگی میں کچھ ہلچل کچھ دوڑ بھاگ اور فکر تو ہے میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میں کہاں پر ہوں کیا کھاتا ہوں، کیا پیتا ہوں، یہ کیسی زندگی ہے کوئی انسان اس قسم کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان قبیلوں میں رہتا ہے وہ مجلسی حیوان کہا جاتا ہے صرف اس لئے کہ وہ انسان کی مجلس میں رہنا پسند کرتا ہے وہاں پر اس کے دوست دشمن،

رقیب و محبوب ہوتے ہیں، کشمکش، جدو جہد ہوتی ہے، ہار جیت ہوتی ہے اور پھر نئے سرے سے زندگی شروع کر دی جاتی ہے۔''

پری نے رتن کمار کی پوری بات سنی اور پھر کہا۔ ''تم نے ایک انسان ہونے کے ناتے جو کہا وہی درست ہے، مگر تم یہ جان لو کہ تم انسانوں کی بستی سے ہزاروں کوس دور ہو۔ اس مقام پر کسی انسان کا گزر نہیں ہے۔ تمہارا بھی گزر نہیں ہے تم ادھورے ہو، تمہارا شریر دنیا میں پڑا ہے تم کو لاکھوں ٹکڑوں میں تقسیم کر کے لایا گیا ہے تمہاری آتما کے ان ٹکڑوں کو بکھیر دیا جائے تو اس کو کوئی پھر سے مکمل آتما نہیں بنا سکتا۔ مہاراج یہ بھی سن لو کہ اب تمہارے شریر کو زندہ رکھنے کے لئے کوئی غذا نہیں دی جا رہی ہے اب وہ شریر بے غذا کے کتنے سے زندہ رہے گا آخر مٹی ہو جائے گا تمہاری واپسی کے سارے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم خود کو اس نگری میں رہنے کا ارادہ کر لو۔''

''شاید میں ایسا نہ کر سکوں، میری مٹی کا خمیر ہی دنیا کی مٹی سے اٹھایا گیا ہے تم میری آتما کو قید کر لو پر میں دنیا میں جانے کی خواہش تو ضرور رکھوں گا۔'' رتن کمار نے کہا۔

''اب تم اپنی خواہش اپنی مرضی سے پوری نہیں کر پاؤ گے، یہاں پر صرف ایک حکم چلتا ہے اور وہ حکم تم پر آنے والا ہے میرا کام تم کو یہاں کے بارے میں کچھ بتانا تھا وہ میں نے کر دیا ہے اب تم سے وہ آقا خود بات کرے گا جو اس نگری کا مالک ہے۔'' پری کا اتنا کہنا تھا کہ ہوا کا ایک گرم جھونکا آیا یہ پہلی بار ہوا کہ اس سندر جگہ پر گرم ہوا کا ناگوار سا جھونکا آیا ہو۔

''پھر ایک آواز آئی۔ ''اے مہان کلاکار! تجھے جو بتایا گیا ہے، وہی درست ہے، تیری قسمت اچھی ہے کہ تو میرے پاس ہے، میرے پاس اس لئے ہے کہ تیری دو خوبیاں مجھے بھا گئی ہیں۔ پہلی خوبی یہ کہ تو ناستک ہے کسی دھرم پر تو نے اب تک دھیان نہیں دیا اور نہ آگے تو دھیان دینے کے بارے میں غور کرتا ہے اپنے حال میں مست ہے۔

دوسری خوبی یہ کہ تو ایک مہان کلاکار ہے، مورتیاں بناتا ہے، ان کو زندوں سے زیادہ خوب صورت اور بدصورت کرتا ہے تیرا کام میری نظر میں ہے، میں تیری قدر کرتا ہوں۔

تیری ان خوبیوں نے تجھے میری نظر میں اچھا ساتھی بنا دیا ہے تیری زندگی کی ہر خواہش پوری ہوگی، دنیا کی دولت اور ایک سے بڑھ کر ایک حسین ناریاں تیرے پیر دبائیں گی تو دنیا میں راج کمار بن کر جئے گا تیرے مقابلے پر کوئی نہیں ہوگا۔''

رتن کمار نے کہا۔ ''میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ بے وجہ تم مجھ پر اتنی مہربانی کیوں کر رہے ہو؟''

آواز آئی۔ ''آدمی سمجھ دار ہو! پوری بات سنو! میں ہزاروں سال سے تجربے کر رہا ہوں، ہر دور میں میرے آڑے کوئی نہ کوئی مذہب آتا رہتا ہے اور لوگ اس مذہب کی آڑ میں مجھ پر ستم کرتے رہے ہیں، میں ان سے لڑتا رہا ہوں، ان کو مذہب سے دور کرتا رہا ہوں مگر میرے ساتھ ہمیشہ سے یہی ہو رہا ہے، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری، میں ہر دور میں کوشش کرتا رہا ہوں میرے کام زیادہ تر انسان ہی کرتا ہے، جیسے تیرے شریر کی حفاظت ضروری تھی کیونکہ اس کی مجھے ضرورت ہے تو اس وقت شریر کے بغیر کچھ نہیں ہے تو اس وقت ایک سیلانی آتما ہے، تیری اصل آتما میرے شریر میں بند ہے، تو اس کے بغیر بے کار ہے اور تیرا شریر تیرے بنا بے حس اور ناکارہ ہے، دونوں کے ملاپ سے انسان حرکت کرتا ہے اور اپنی عقل اور اپنی قابلیت ظاہر کرتا ہے، میں تیرے شریر تک نہیں جا سکتا مگر تیرا شریر محفوظ ہے اس کو زندہ اور قائم ایک حکیم یہ کام کر رہا ہے میں نے کہا تھا نا کہ میرے بہت سے کام انسان خود کرتا ہے جو کام میرا تھا وہ کر رہا ہے اس لئے کہ تجھے اس جسم کے ساتھ ہی

تیری دنیا میں رہ کر کام کرنا ہے وہ میرا ایک نیا تجربہ ہوگا اور وہ تو کرے گا میں تیری پوری مدد کروں گا، میرا یہ تجربہ دھرم مذہب پر ہے، تو جانتا ہے دنیا اور اس میں رہنے والا انسان صرف ایک چیز سے رہتا ہے اور وہ ہے طاقت پر جبر سے لوگ ڈرتے ہیں اس کے ساتھی بن جاتے ہیں، ہر طاقت ور نے حکومت کی ہے، اپنا حکم چلایا ہے اور لوگوں نے اس کی آواز میں آواز ملائی ہے، ایسا انہوں نے خوشی سے نہ کیا ہو مگر یہ ہوا ہر زمانے میں ہے، بات یونان کی ہو، مصر کی ہو، یورپ کی ہو، یا ہندوستان کی، سب جگہ ایک ہی قانون ہزاروں سال سے چل رہا ہے اور اس کو چلانے والا میں ہوں، مگر میری راہ میں ہمیشہ روڑے ڈالے ہیں اور میرا منشا پورا نہیں ہونے دیا، وہ یہ دھرم ہے، لوگ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں، میرے بنے بنائے کام عین وقت پر بگڑ جاتے ہیں۔ مگر میں ہارا نہیں ہوں میں نے اپنی کوشش میں کمی نہیں آنے دی ہے۔''

یہ سن کر رتن کمار نے کہا۔''اب تک تم نے وہ بات نہیں بتائی کہ میرا کیا کردار ہے اس معاملے میں۔''

آواز آئی۔''تیرا کردار تو اس ڈرامے میں اس وقت آئے گا جب تو اسٹیج پر آئے گا اور تو اسٹیج پر اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک تیرا شریر قید میں ہے یوں تو میں تجھے بڑھیا سے بڑھیا شریر دے سکتا ہوں مگر وہ شریر کسی کلا کار کا نہیں ہوگا، تیرے شریر میں جو آتما کی جوتی ہے وہی زندگی کی جوتی ہے، تیرے دماغ اور تیرا ہنر اس جوتی سے جڑا ہے تو کلا کار صرف اس شریر اور اس حیاتی جوتی سے ہے، کوئی دوسرا جسم تجھے کس طرح قبول کرے گا اس جسم کی سوچ اس کی حیاتی جوتی کی سوچ اور اس کی صلاحیت تیرے کس کام کی، تو صرف ایک سیلانی آتما ہے، یاد رکھو حیاتی آتما نہیں ہے، حیاتی آتما انسان کے شریر میں اس وقت داخل ہوتی ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں چھ ماہ کا ہوتا ہے وہ حیاتی آتما اس جسم کو نہیں چھوڑتی اگر وہ چھوڑ دے تو انسان مردہ ہے۔ تیرے ساتھ ایسا نہیں ہے تو سیلانی ہے اپنی مرضی سے ماضی، حال اور مستقبل میں سیر کرتی ہے گزری ہوئی زندگی کو دکھاتی ہے بڑھاپے میں بچپن کے حالات خواب کے ذریعہ انسان کے سامنے پیش کرتی ہے۔ مگر تیرا ہونا جسم میں ضروری بھی ہے اگر تو انسانی جسم سے باہر ہو تو انسان سکتے کی حالت میں ہو جاتا ہے، مرتا نہیں اور تیرے آجانے سے پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ دونوں آتماؤں کا ملاپ یہی انسان کی زندگی ہے۔''

رتن کمار نے پھر کہا۔''تم نے بہت دور اور بہت تاریک باتیں بتائیں، میری سمجھ میں بہت کچھ آیا بھی مگر اب تک میں خود کو کہیں پر سیٹ نہیں کر سکا کہ میں تمہارے اتنے بڑے پروگرام میں کیا ہوں۔ آواز آئی میں بتا سکتا ہوں مگر اس وقت بتانا بے کار ہے اس لئے کہ تیرا اصل قید میں ہے اور تو بے معنی چیز ہے، مجھے تیرا اصل حاصل کرنا ہے اس کے بعد تیرا کردار شروع ہوگا۔''

''آخر بتانے میں کیا نقصان ہے میں خود سے اب کیا کر سکتا ہوں؟''

''اس لئے تو بتانا بے کار ہے تیرا ہنر تیرا شریر اور تیری فنکاری سب کچھ تو زمین پر پڑا ہے مگر تو فکر نہ کر میں بہت جلد ایسا کروں گا کہ تو خود ہی اپنے شریر میں ہوگا اور تیری فنکاری میرا کام کرے گی۔ تو ہو نہ ہو مگر تیری فنکاری میرے ساتھ رہے گی میرے کام آئے گی تو نے اس تصویر کو دیکھا یہ بھی ایک فنکار کی نشانی ہے یہ ایک زندہ پینٹنگ ہے اس میں ہر کام اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں ہوتا ہے موسم بدلتے ہیں پھل موسم کے لگتے ہیں کاشت کاری موسم کی ہوتی ہے بارش وقت پر ہوتی اور عورت و مرد کا ملاپ ہوتا ہے بچے پیدا ہوتے ہیں جوان ہوتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں اور نسل در نسل یہ سلسلہ کئی ہزار سال سے چل رہا ہے تو بھی ایسا ہی کام کرے گا اور میں تیرا حوالہ بھی ہزاروں سال کے بعد دوں گا تیرا کام اور نام زندہ میں کروں گا یہ دنیا تو بس کچھ روز یاد رکھتی ہے میں ہزاروں سال تجھے تیرے نام سے

زندہ رکھوں گا انسان اور کیا چاہتا ہے اپنے نام کی خاطر تو اپنی نسل کو برقرار رکھتا ہے کہ نام آگے چلے گا۔"

تین دن گزر گئے رتن کمار بے حس پڑا تھا، حکیم وقار نے اس کے جسم میں توانائی پہنچانے کا انتظام کرلیا تھا انہوں نے رولوکا سے پوچھا۔ "معاملہ کچھ لمبا نہیں ہو رہا؟"

رولوکا نے جواب دیا۔ "ضرور لمبا ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے کچھ ایسے اشارے ملے ہیں کہ دوا خانے کے اطراف کوئی حرکت ہے، پہلے یہ صرف رتن کمار کے اطراف تھی مگر اب اس نے پورے علاقے کو لپیٹ لیا ہے، میرے پہرے داری کی وجہ سے جو ہے وہ رتن کمار تک نہیں آ رہا ہے، مگر آنا چاہتا ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ رتن کمار کو ختم کرنے آ رہا ہے یا اس کو اغوا کرنے آ رہا ہے، میرا خیال ہے اس کو راستہ دینا ہوگا ورنہ معاملہ اسی طرح رہے گا اور یہ مریض کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ خطرہ یہ ہے کہ جس نے اس کی سیلانی روح کو قید کیا ہے وہ اس کے لئے خطرہ بن جائے۔"

حکیم وقار بولے۔ "خطرہ دونوں طرف ہے مگر کسی نہ کسی خطرے کو تو دعوت دینا ہوگی اس لئے اب تک تم اندھیرے میں ہو، بات کو کھولنا تو ہوگا، میرے خیال میں چندن کمار سے بات کرلی جائے، پھر قدم آگے رکھا جائے کیونکہ وہی ذمہ دار آدمی ہے۔"

چندن کمار نے حالات سنے تو کہا۔ "حکیم صاحب اس حالت میں تو اس کی زندگی اور موت برابر ہی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ جو بہتر خیال کرتے ہیں کریں۔"

رولوکا نے کہا۔ "تمہارا شکریہ چندن کمار، بات یہ ہے کہ روحانی علاج میں بیماری نظر نہیں آتی مگر ہوتی ہے، ماورائی چیزیں بڑے خطرناک قدم اٹھالیتی ہیں، عامل اور مریض دونوں خطرے میں پھنس جاتے ہیں اس لئے کوئی غیر معمولی قدم اٹھانے سے پہلے اجازت ضروری چیز ہے اگر تم اس کے ساتھ نہ ہوتے تو میں اپنے طور پر اس کی جان بچانے کو کچھ بھی کرسکتا تھا اپنی ذمہ داری پر۔"

رولوکا نے پہرہ کم کردیا راستہ چھوڑ دیا مگر کمرے کے اندر نہایت ہوشیار کارندہ رکھ دیا اور خود بھی روپوشی کی حالت میں موجود رہا۔

رات کے آخری پہر اس نے دیکھا کہ دو نہایت طویل قامت سائے کمرے میں آئے اور سیدھے رتن کمار کے پاس آ گئے، رولوکا ان کے قریب رہا اور ان کی ہر حرکت پر نظر رکھی، کارندہ ایکشن لینے کی پوزیشن میں موجود تھا ان میں سے ایک رتن کمار کے پیروں کی طرف چلا گیا اور ایک سرہانے کھڑا رہا، پھر دونوں نے رتن کمار کو اپنے طاقتور ہاتھوں میں پھول کی مانند اٹھالیا اور دروازے کی طرف چلے۔ رولوکا اور کارندہ ان کے ساتھ تھے۔ رولوکا نے ان کی کارروائی میں کہیں پر رکاوٹ نہ ڈالی اب وہ ہوا میں پرواز کر رہے تھے مگر نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔

رولوکا چاہتا تو ان کو زمین پر ہی روکا جاسکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ یہ جان لینا چاہتا تھا کہ آخر یہ ڈوری کہاں سے جڑی ہوئی ہے، جن ہے کون ہے؟ کون ہے جو رتن کمار کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ رتن کمار کی سیلانی روح آخر کہاں قید ہے؟ واپس کیوں نہیں آتی ان سب باتوں کو جانے بنا بات آگے کیسے چلے گی؟ خطرہ تو اس نے قبول کرہی لیا تھا۔ اب ڈرنا کیسا؟

سفر طویل تھا مگر رفتار بھی تیز تھی اب وہ ایک صحرا کے اوپر سفر کر رہے تھے۔ ہر طرف ریت ہی ریت نظر آتا تھا دور دور کسی درخت، ہریالی اور پانی کا نشان نہیں تھا اور پھر ان کی رفتار کم ہوئی اور ریت کے ٹیلوں کے درمیان ایک نہایت ہری بھری وادی نیچے نظر آئی اس وادی میں ایک جھیل اور اس کے اطراف ہرے بھرے پھل دار درخت، پرندے اور زمین پر گھاس کا فرش تھا اس جھیل میں پانی کہاں سے آ رہا تھا کچھ اندازہ نہیں ہوتا تھا، چاروں طرف ریت تھی مگر اس

وادی میں ریت کا وجود نہ تھا، ریت کے بگولے دور سے گزر جاتے تھے، گرم ہوائیں وادی کے اندر نہ آتی تھیں، ان دونوں کے وادی میں اترتے ہی رولوکا بھی زمین پر آ گیا اور زمین پر قدم رکھتے ہی اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہ نقلی وادی ہے، یہ ایک طلسم ہے اور اس طلسم نے اس صحرا میں یہ حسین جگہ پیدا کر دی ہے مگر رولوکا نے اس طلسم کو نہیں چھیڑا اور وہ رتن کمار کے بے حس جسم کے قریب رہا۔ چند منٹ میں رتن کمار اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا پھر وہی آواز آئی۔ کیا دیکھ رہا ہے رتن کمار؟ میں نے کہا تھا نا کہ تیرا شریر میں تجھے دوں گا۔ اب تو ادھورا نہیں ہے اب تو مکمل انسان ہے، مکمل کلاکار ہے بول اب تو میرا کام کرنے پر راضی ہے۔''

رتن کمار نے کہا۔ ''ہاں میں اب خوش ہوں، اب میں وہ سب کروں گا جو تمہارا حکم ہوگا۔''

''اب میں تجھے اس مقام پر پہنچا دوں گا جہاں پر تو اپنا کام سکون سے کر سکے گا وہ مقام تیری دنیا کا ہی ہوگا، تیرے ماحول اور تیری پسند کا ہوگا، تیری خدمت کو تیرے غلام ہوں گے، ناریاں ہوں گی وہ تیری ہر طرح خدمت کریں گی تو راج کماروں کی طرح رہے گا، دولت تیرے قدم چومے گی تو جس چیز کی خواہش کرے گا وہ پوری ہوگی۔''

رتن کمار نے کہا۔ ''پر میرا کام کیا ہوگا اس کے بدلے میں؟''

''تو ایک بہت بڑی مورتی بنائے گا وہ مورتی پتھر کو تراش کر بنائی جائے گی وہ مورتی نہ عورت ہوگی نہ مرد نظر آئے گی وہ تیرے آرٹ کا انوکھا نمونہ ہوگی اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ کوئی اس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکے گا، اس کی شکل انوکھی ہوگی، اتنا خوف کہ انسان اس کی طرف نہیں دیکھ سکے گا، اس کی ہیبت انسانوں کو اتنا ڈرائے گی کہ لوگ اس سے دور بھاگیں گے اور بھاگ نہیں پائیں گے اس لئے یہ ان کے ساتھ ساتھ رہے گی تو اس کو پتھر سے تراشے گا مگر یہ زندہ ہوگی، میں اس پتھر کو دوڑاؤں گا اور وہ نسل انسانی کو دوڑائے گی، اس کی ہیبت سے عورتیں بے حال ہو جائیں گی، محل گر جائیں بچے مر جائیں گے، مرد بھاگتے پھریں گے اور اپنے گھروں کو بھول جائیں گے، اپنے کام بھول جائیں گے۔ ہر طرف ایک افراتفری پھیلی ہوگی سرزمین انسانی وجود سے صاف ہوتی جائے گی، میرا راج ہوگا تو فنکار ہے تو میری بات سمجھ گیا ہے کہ میں کیا بنوانا چاہتا ہوں نہ وہ دیوی ہوگی نہ کوئی دیوتا وہ قہر ہوگا جو صرف انسان کو ڈرائے گا وہ اتنا ڈرائے گا کہ سب ختم ہو جائیں گے اور وہاں پر صرف میرا وجود ہوگا۔''

رولوکا کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ یہ کیا پروگرام ہے؟ کون اس پروگرام کو ترتیب دے رہا ہے اس کا مقصد بھی سامنے آ رہا تھا اس کے باوجود رولوکا نے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔

رتن کمار نے کہا۔ ''میرا من پسند شہر ایک ہے اور وہ ہے ''جے پور'' گلابی شہر اس شہر میں پتھر بھی بہت اچھا ہوتا ہے اس کی مورتیاں بڑی بڑھیا بنتی ہیں۔''

آواز آئی۔ ''تو ناستک ہے کسی مذہب کا نہ ماننے والا، مگر تو نے بھی دھرم کے پھیلانے میں کام کیا ہے تو نے مورتیاں بنائی ہیں ان کو پرکشش بنایا ہے ان کو پوجنے پر لوگ راغب ہوئے ہیں کیا یہ تو نے درست کیا ہے؟''

''نہیں! درست نہیں کیا! مگر یہ میری روزی کا معاملہ تھا میں اپنے فن سے کماتا تھا یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔''

''میرے نزدیک تیرا یہی نقطہ تجھے رعایت دلواتا ہے مگر اب تو کوئی مورت نہیں بنائے گا۔ صرف میرا کام کرے گا میں اس کے بدلے تجھے اتنا دوں گا کہ تجھے پھر کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہے گی میں نے تیرا کام ختم کیا۔''

اور اس عورت نے کام شروع کر دیا۔ ''تو میرا کیا مقام ہوگا؟'' رتن کمار بولا۔

''وہ تیری مورت ہوگی تجھے پتہ ہوگا کہ یہ کیا ہے؟ تو

اس سے نہیں ڈرے گا۔" آواز آئی۔
"مگر میرا انجام کیا ہوگا مجھے یہ تو پتہ ہو؟" رتن کمار نے حجت کی۔
"میں اتنے سوالات کا جواب نہیں دیا کرتا اب تو کوئی سوال نہ کرنا ورنہ یہ خوشگوار جگہ ایک منٹ میں صحرا میں تبدیل ہوجائے گی اور تو میری ہر بات کسی سوال جواب کے بغیر مانے گا۔ میں تجھے جے پور پہنچائے دیتا ہوں، وہاں پر تیرے لئے تیری ضرورت کی ہر چیز مہیا کردی جائے گی اور تو فوراً کام شروع کرے گا۔"
رتن کمار اچانک زمین کے اوپر ہوا اور آسمانوں کی طرف پرواز کرنے لگا، رولوکا نے دیکھا وہی دونوں سائے اس کو لئے جارہے تھے، رولوکا ان کے ساتھ تھا نا معلوم کتنی دیر یہ سفر جاری رہا کہ جے پور گلابی شہر نظر آنے لگا اور رتن کمار زمین پر اتر گیا اس کے فوراً بعد رولوکا بھی زمین پر تھا اور وہ ایک بہت بڑی حویلی نما مکان میں تھے اس کے چاروں طرف بڑی اونچی دیواریں تھیں۔ زیادہ تر مکانات گرے ہوئے تھے مگر کچھ ٹھیک حالت میں تھے۔ رتن کمار ٹھیک حالت کے مکانات کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا اندر سے مکان صاف ستھرا تھا اور اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے اس کو کسی نے ایسا بنایا ہے۔
رتن کمار حیران تھا کہ میں نے جے پور کا ذکر کیا تھا اور اتنی جلدی یہ انتظام کس طرح ہوگیا، ایک کمرے میں رتن کمار کے کام کرنے کے اوزاروں کا ڈھیر پڑا تھا تو دوسرے کمرے میں رنگ اور برش رکھے تھے اس کو پیاس لگ رہی تھی مگر اس کو پتہ نہیں تھا کہ یہاں پر پانی کہاں رکھا ہے۔ مگر وہ حیران رہ گیا کہ ایک نہایت حسین وجمیل عورت اس کے سامنے شربت لے آئی، شربت بڑا خوش ذائقہ تھا اور لانے والی اس کو بڑی پیاری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
رتن کمار نے پوچھا۔ "تو کون ہے کہاں سے آئی ہے؟"
وہ مسکرائی اس کی مسکراہٹ نے اس کے گالوں میں بڑے حسین گڑھے بنادیئے اور وہ اور حسین نظر آنے لگی اور بولی۔ "میں داسی ہوں مہاراج آپ کی، میں تو یہیں رہتی ہوں، اس حویلی کے پہلے مالک سے لے کر آج تک میں سب کی خدمت کرتی ہوں، میرا کام ہی خدمت ہے، آپ صرف ضرورت محسوس کروگے اور میں پوری کروں گی، مجھے بتانے یا پکارنے کی ضرورت آپ کو نہیں ہوگی مگر ایک ضرورت میں پوری نہیں کروں گا یہ آپ کو آگے چل کر خود بخود پتہ چل جائے گی۔"
رتن کمار نے پوچھا۔ یہ تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کو میری خدمت پر کس نے رکھا ہے۔"
"میں داسی ہوں جو چاہیں سوال کریں مگر آپ مجھے جواب دینے پر مجبور نہیں کریں گے آپ کا یہ سوال بھی ایسا ہے کہ میں جواب نہیں دے سکتی۔"
"اچھا یہ تو بتاؤ تمہارے علاوہ بھی کوئی اور خدمت گار ہے۔" رتن کمار نے کریدا۔
"آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوگی، وہ آپ کے پاس ہوگی، ابھی آپ کو پتھر کی ضرورت ہے، وہ آپ کے پاس آگیا ہے اور وہی پتھر ہے جس کی آپ کو ضرورت ہے۔ آپ اپنا کام شروع کرسکتے ہیں، یہ کام وقت طلب ہے اس لئے دیر نہیں کرنا چاہئے۔" داسی نے کہا۔
"تم میری داسی ہو کہ میرے اوپر رکھی گئی ہو۔" رتن کمار نے پوچھا۔
داسی بولی۔ "ہوں تو داسی مگر آپ کی ہر قسم کی ذمہ داری بھی ہے میرا صرف ایک کام نہیں ہے اتنی بڑی حویلی میں کوئی انسان نہ آنے پائے یہ بھی میری ذمہ داری ہے اس حویلی میں گزشتہ دو سو سال سے کسی انسان نے اندر قدم نہیں رکھا ہے اس لئے کہ میرے لئے یہی حکم تھا لوگ اس کے قریب سے نہیں گزرتے میرے علاوہ نہ جانے کتنے اس حویلی کی حفاظت کرتے ہیں ان کو تمہارے لئے ہی رکھا گیا تھا۔"
"اور میرے منہ سے کسی اور شہر کا نام آجاتا پھر تو یہ

حویلی آباد نہ ہوتی۔" رتن کمار حیرت سے بولا۔
داسی بولی۔ "نہیں آ سکتا تھا تم کو یہاں پر لانا تھا تم کو یہاں پر رہ کر کام کرنا تھا پھر تم کسی اور جگہ کا نام کس طرح لے سکتے تھے۔ یہ سب ایک پروگرام کے تحت ہوا، تم اس کو اتفاق خیال نہ کرو۔"
"تمہاری ہر بات مجھے حیرت زدہ کر رہی ہے کیا میں سب باتوں پر یقین کرتا جاؤں۔" رتن کمار بولا۔
"ہاں! جو حقیقت ہے بیان کرتی ہوں۔" داسی بولی۔
"مجھ پر حکم چلانے والا اور یہاں لانے والا کون ہے؟" رتن کمار نے پوچھا۔
"تم نے پھر ایسا سوال کر دیا جس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔"
"اچھا یہ تو بتاؤ اگر میں وہ کام جو کہا گیا ہے کرنے سے انکار کر دوں تو کیا ہوگا؟ رتن کمار نے پوچھا۔
"وہی ہوگا جو اس سے پہلے والوں کا ہوا ہے۔" داسی بولی۔
"پہلے والوں کا کیا ہوا ہے؟" رتن کمار بولا۔
"صحرا تمہاری قسمت میں لکھ دیا جائے گا تم اس میں بھٹکتے رہو گے اور پھر گدھوں کی خوراک بن جاؤ گے، میں نے کئی کو صحرا میں جاتے دیکھا ہے، تم کو وہ کام کرنا ہے جو کہا گیا ہے۔" داسی بولی۔
"تم مجھے میرے انجام سے ڈرا رہی ہو، میں فنکار ہوں اور ہر فنکار موڈی ہوتا ہے، اپنی مرضی اور خوشی سے شاہکار کو جنم دیتا ہے، کسی کے دباؤ میں آ کر اس کا فن مرجھا جاتا ہے، وہ کام کرتا بھی ہے تو بھی اس میں اس کی شخصیت نہیں جھلکتی، ہر کلاکار اپنی مرضی اور موڈ سے کام کرتا ہے تو پھر شاہکار جنم لیتا ہے تم یہ بات جانتی ہو۔" رتن کمار نے وضاحت کی۔
"میں انسانی احساسات سے بہت دور ہوں جب کبھی انسانوں کے زمرے میں ہوں گی تو جانوں گی، مگر اب زمانہ گزر گیا میں وہ سب بھول گئی، اب میں حکم کی غلام ہوں، چابی کی گڑیا ہوں، خود نہ میری کوئی رائے ہے نہ سوچ، میں حکم کی پابندی کرتی ہوں۔" داسی نے جواب دیا۔
"مجھ سے باتیں کرنا بھی تمہارے کام میں شامل ہے۔" رتن کمار نے پوچھا۔
"تمہارا دل بہلانا بات چیت کرنا شامل ہے۔" اس پر پابندی نہیں ہے۔
رولوکا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اس کو پتہ ہو چکا تھا کہ ایک داسی ہی یہاں نہیں ہے اس کے ساتھ اور بھی ہیں جو رتن کمار کی مدد کرنے کو ہیں، وزنی پتھروں کو اٹھانا، رکھنا اور لانا ان کا ہی کام ہوگا گویا پورا کارخانہ یہاں پر قائم کر دیا گیا ہے جب وہ حیرت انگیز اور خوفناک بن جائے گا تو حرکت بھی کرے گا اس کی حرکت ہی دلوں کو دہلائے گی، رولوکا نے دل میں کہا واہ گرواب کے تم نے خوب سوچا مگر وہ بن پائے گا چلنا تو دور کی بات ہے رولوکا مسکراتا ہوا واپس روانہ ہوا اور دلی آ گیا، حکیم وقار نے کہا۔ "رتن کمار کا کچھ پتہ ہے؟"
رولوکا نے جواب دیا۔ "وہ جے پور کی ایک پرانی حویلی میں خیریت سے ہے اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے۔ ابھی وہ کام شروع کرے گا جو مورتی اس کو بنانی ہے وہ بہت وزنی پتھر کی ہوگی اس لئے میرے پاس بہت وقت ہے، رتن کمار کا کام سالوں کا ہے، میں اس دوران اپنی تیاری کر سکتا ہوں۔"
حکیم وقار بولے۔ "اس سے یہ کام کون کروا رہا ہے؟"
اور رولوکا نے پوری کہانی بیان کر دی اور کہا۔ "اب کے براہ راست مقابلہ ہوگا اس کی تیاری تو کرنی ہے، مقابلہ زوردار ہوگا، تیاری ضروری ہے، مجھے کچھ لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہیں اور ان کی معاونت حاصل کرنی ہے، میرا کام اپنی جگہ مگر بہت مقامات پر نیک بندوں کی معاونت، کام کو آسان کر دیتی ہے، یہ میرا تجربہ ہے اور آپ بھی جانتے ہیں۔"

''میں جانتا ہوں تم نے اکثر یہ کیا ہے، چونکہ تم نیک کام کرتے ہو اس لئے تمہاری معاونت بھی ہوتی ہے۔''
حکیم وقار نے کہا۔
''کسی بھی انسان کو اپنے آپ کو عقل کل نہیں سمجھنا چاہئے، ہر آدمی غلطی کرتا ہے مگر غلطی کے امکانات کو کم سے کم تو کیا جا سکتا ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے سے برتر لوگوں کے مشورے قبول کرے۔'' رولوکا نے کہا۔
''یہ پروگرام بھی لمبا ہی ہوگا۔'' حکیم وقار بولے۔
''ابھی مقابلہ شروع نہیں ہوگا مگر کھیل تو شروع ہو گیا ہے۔'' رولوکا بولا۔
رولوکا کا کارندہ رتن کمار کے قریب تھا مگر کسی کام میں مداخلت کرنے کا حکم اس کو نہ تھا غیر معمولی بات کو رولوکا تک پہنچانا اس کا کام تھا۔
رتن کمار ایک بہت بھاری پتھر پر کام کر رہا تھا اس کے پاس ایک ہتھوڑا اور چھینی تھی اور وہ اس پتھر کو تراش رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ ماتھے پر پسینہ تھا، وہ جانتا تھا کہ جتنا بڑا بت اس کو بنانا ہے اس میں کئی سال کی مدت درکار ہوگی اس کے قریب ہی داسی موجود تھی اس کے پاس ایک پیتل کا برتن تھا۔
رتن کمار کا ہاتھ رکا تو وہ بولی۔ ''کلا کار لوجل پانی پیو تم تھک گئے ہوں گے۔''
رتن کمار نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''تم کیا جانو تھکن کیا چیز ہے؟''
''یہ تو تم نے ٹھیک کہا، میں انسان کب ہوں۔''
''تم نہیں جانتی ہو کہ انسان کے اعضاء ایک حد تک کام کرتے ہیں پھر ان کو آرام اور بدن کو توانائی کی ضرورت ہوتی ہے اگر ضرورت کے مطابق توانائی نہ ملے تو یہ دن بدن کمزور ہوتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، آج جتنا کام کیا ہے وہ میرے شریر کے لئے بہت زیادہ ہے میں کلا کار ہوں، مزدور نہیں ہوں، مجھے ایک نئی چیز بنانی ہے ایسی جو آج تک کسی نے نہ بنائی ہو اس کے لئے دماغ اور ہاتھ دونوں کی ضرورت مجھے ہے اس لئے میں اب صرف اتنا کام کروں گا میرے چہرے پر نمی نہ آنے پائے، تم میری بات آگے بڑھانا چاہو تو بھی مجھے اعتراض نہیں ہے۔''
داسی بولی۔ ''میں کلا کار کی بات سمجھ گئی ہوں مگر تم پر کام ختم کرنے کے لئے پابندی بھی تو نہیں ہے۔'' ''میں جانتا ہوں مگر کام کی نوعیت کے اعتبار سے میں پہلے ہی بتا رہا ہوں۔'' رتن کمار نے کہا۔
''تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ تمہارے نقطہ نظر سے درست ہے اس سے اگر تم وقت لینا چاہتے ہو تو یہ بات پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے، کام کی رفتار اور نوعیت کو دیکھا تو جا رہا ہے اس لئے میں ایسے اچھے کلا کار کا اپنا خیال کرنا صحرائی گدھ بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔''
رولوکا کا کارندہ پوری بات سن رہا تھا اس نے پوری بات رولوکا تک پہنچا دی اور رولوکا نے اندازہ کیا کہ رتن کمار، مورتی بنانے میں زیادہ سے زیادہ وقت لگانا چاہتا ہے اس کی وجہ اس کو اپنی پوزیشن کا پورا احساس ہے کہ وہ کتنے بڑے جنجال میں پھنس چکا ہے۔ مگر داسی کی باتیں ثابت کرتی ہیں کہ اس کے اس ارادے کا اندازہ اس کو ہے اسی لئے اس نے صحرائی گدھوں کا حوالہ دیا ہے اور رتن کمار کو ڈرایا ہے کہ اگر کام نہ کیا تو اس کا حشر کیا ہو سکتا ہے؟''
رتن کمار ہوشیار ہو گیا تھا اور برابر کام کر رہا تھا وہ زندہ رہنا چاہتا تھا، جس رفتار سے وہ کام کر رہا تھا وہی رفتار تھی اس کی، اس لئے اس کے بعد اس کو کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ اس کے لئے یہ زندگی کی جنگ تھی اور یہ جنگ اس کو ابھی دو تین سال مورتی کے مکمل ہونے تک لڑنی تھی۔
رولوکا رتن کمار کی طرف سے بے خبر نہ رہا مگر اپنا کام کرتا رہا اس دوران اس نے بہت لوگوں سے ملاقات کی اور ملاقات سے ان کو بھی آگاہی دلائی اور اس کو ہر طرف

سے حوصلہ افزا جواب ملا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ جے پور کی طرف روانہ ہوا۔ حویلی آج بھی پہلے کی طرح ویران تھی، اس میں کوئی انسان نظر نہ آتا تھا، البتہ سانپ، چھپکلی اور مکڑیوں کی بھرمار تھی مگر جو مکان قابل رہائش تھا اس طرف یہ حشرات الارض نہیں تھے اس کے اطراف نظر آتے تھے ایک نیم کا پرانا درخت کھڑا تھا اس کے نیچے ایک بہت بڑے پتھر کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا اور اس پتھر کو تراش رہا تھا مگر اس پتھر میں اب تک کسی کے نقوش نہیں ابھرے تھے۔

وہ ایک لمبا سا پتھر ہی تھا اس پتھر کا وزن اتنا تھا کہ دس بارہ آدمی اس کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتے، پتھر کا رنگ سرخ تھا اور وہ جے پور کی پہاڑیوں سے لایا گیا تھا۔

رولوکا سنگ تراش اور پتھر کے گرد کئی چکر لگا چکا تھا اور اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں پر کوئی ایسا نہیں جو اس کی موجودگی کو محسوس کرے۔

شام تک رتن کمار اس پتھر پر کام کرتا رہا۔ شام کو اس کے پاس داسی آ گئی اس کے پاس وہی پیتل کا برتن تھا اور اس میں کوئی مشروب بھرا ہوا تھا۔

وہ بولی۔ ''اب ہاتھ روک لو، کلاکار بہت محنت کر لی جل پانی پی لو۔''

رتن کمار نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''صحرائی گدھ بڑے بے رحم ہوتے ہیں وہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس کا ماس کھا رہے ہیں، یہ کوئی اونٹ ہے گدھا ہے یا کوئی نرم و نازک، خیالات رکھنے والا اور نئی نئی مورتیاں بنانے والا کلاکار اس لئے ڈرتا ہوں تو گواہ رہنا کہ میں پوری محنت کر رہا ہوں۔''

داسی بولی۔ ''میری گواہی کی ضرورت نہیں ہے سب کی نگاہیں تم پر ہیں سب تمہارے گواہ ہیں۔''

''میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' رتن کمار بولا۔

''مجھے بھی اس لئے دیکھ رہے ہو کہ اس کی ضرورت ہے یہ دنیا تمہاری دنیا سے الگ ہے صحرا میں پھول تم نے دیکھے ہیں، صحرا میں جھیل، پرندے، پھل دار درخت تم نے دیکھے ہیں، تم نہیں سوچ سکتے کہ یہ عجوبہ کیا ہے؟''

یہ باتیں انسان کی عقل سے ماورا ہیں، تمہاری سمجھ میں کیا خاک آئیں گی۔

رتن کمار بولا۔ ''اس ماورائی دنیا کا کوئی خالق ہوگا، رکھوالا ہوگا؟''

وہ وہی ہے، یہ دنیا جب سے بنائی گئی ہے موجود ہے اور اس کا ہی یہ سارا طلسم ہے لاکھوں سال سے وہ ہے اور اس کا کہنا ہے وہ اس وقت تک رہے گا جب تک یہ دنیا آباد ہے۔'' داسی بولی۔

رتن کمار نے جواب دیا۔ ''میں کسی کو نہیں جانتا انسان کا پیدا ہونا ایسا ہی ہے جیسے گھاس اور پودوں کا پیدا ہونا ہے، انسان دو ہاتھ اور پیر لے کر پیدا ہوتا ہے اور اپنی بھوک کو خود ختم کرتا ہے۔''

داسی بولی۔ ''مگر جب پیدا ہوتا ہے تو کیا وہ اس قابل ہوتا ہے، اس میں شعور ہوتا ہے کہ اپنی حفاظت کرے جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، پیروں پر کھڑا کرتا ہے وہ اس کی ماں ہوتی ہے۔''

''ہاں میں ماں کی ہستی کو مانتا ہوں اور اس کو سلام کرتا ہوں۔'' رتن کمار بولا۔

اس کے بعد رولوکا کی آواز آئی۔ ''اور اس ماں کے اندر اپنے بچے کے لئے محبت تم اس کو ممتا کہو گے کون ڈالتا ہے؟ ماں کے شکم میں بچے کو غذا کون دیتا ہے تم نے اس پر کبھی غور کیا؟''

داسی بولی۔ ''یہ آواز کس کی تھی یہ تو نئی آواز ہے۔''

رتن کمار نے کہا۔ ''آواز کسی کی ہو مگر اس نے غور کرنے کے قابل بات کہی ہے۔''

''اس مقام پر کسی اور کی آواز میں نے پہلی بار سنی ہے یہ انہونی آج کیسے ہو گئی؟'' داسی نے کہا۔

''تم نے ہی کہا تھا! یہ دنیا ایک عجوبہ ہے تو اس میں عجب بات تو ہوگی۔'' رتن کمار نے کہا۔

''یہاں پر صرف ایک حکم چلتا ہے وہ حکم میرے آقا

کا ہے دوسری آواز کیسے آ گئی؟'' داسی نے کہا۔
''کیا ایسا تو نہیں کہ تیرے آقا کے علاوہ بھی کوئی آقا پیدا ہو گیا ہے؟ یا پہلے سے موجود ہو۔'' رتن کمار بولا۔
رولوکا کی آواز پھر آئی۔ ''اس دنیا کا صرف ایک آقا ہے، وہی پوری کائنات کا مالک و مختار ہے اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے، یہ زمین و آسمان، چاند و سورج سب اس کے پیدا کردہ ہیں، تم بھٹکے ہوئے انسان ہو، تم کو غلط تعلیم کیا گیا ہے مگر ہر بھٹکے ہوئے کو ایک موقع وہ ضرور دیتا ہے کہ وہ اس پاک اور مالک حقیقی کو پہچان لے اور خود میں تبدیلی پیدا کرے۔ اس کے علاوہ اس کائنات کا مالک کوئی نہیں ہے تم بھی غور کرو، اے کلاکار اپنے آپ کو پہچان لو، غور کرو، تم کو یہ ہاتھ کس نے دیئے ہیں جن سے تم کام کرتے ہو، دماغ کس نے دیا ہے جس سے تم نئی نئی باتیں سوچتے ہو، تمہارے جسم کے سارے اعضاء اور ان میں حرکت کون دیتا ہے؟ تم کیا ہو صرف مٹی مگر اس مٹی سے کتنے بڑے کام کرتے ہو، غور کرو، فکر کرو، تم مورتی بناتے ہو اس کے نقوش بناتے ہو ان میں رنگ بھرتے ہو مگر پھر بھی وہ پتھر ہی رہتی ہے، تم اس میں جان کیوں نہیں ڈال پاتے، وہ جو صورت بنتی ہے وہ دماغ رکھتی ہے سوچ رکھتی ہے، طاقت رکھتی ہے تم ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے کوئی نہیں بتا سکتا غور کر، کلاکار فکر کر۔'' اور آواز بند ہو گئی۔ رولوکا رتن کمار کے لئے بہت سے سوالات چھوڑ کر واپس آ گیا۔
رتن کمار سوچ میں پڑ گیا، ہتھوڑا اس نے رکھ دیا تو داسی نے کہا۔
''کس فکر میں پڑ گئے ہو کلاکار۔''
رتن کمار بولا۔ ''آواز نے کہا غور کر فکر کر، میں وہی کر رہا ہوں۔''
''تم جانتے ہو، یہاں پر صرف ایک حکم چلتا ہے کسی اور پر غور و فکر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''
''کچھ کچھ جان گیا ہوں مگر یہ آواز کیسی تھی؟ اس آواز میں نفرت نہیں اس آواز میں کسی کو برا نہیں کہا تھا، ایک مشفقت بھرا انداز تھا جیسے کوئی مہربان استاد کسی طالب علم کو نیا سبق یاد کرا رہا ہو۔'' رتن کمار نے جواب دیا۔
''ہاں میں نے بھی سنا تھا مگر مجھ پر تو اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔'' داسی بولی۔
''اس لئے کہ تم انسان نہیں ہو، میں زندہ انسان ہوں اور وہ آواز زندہ آواز تھی اور زندوں کے لئے تھی۔'' رتن کمار نے جواب دیا۔
''اپنا ہوش کرو تم بھٹک جاؤ گے اور اپنے کام پورے نہیں کر پاؤ گے۔'' داسی بولی۔
رتن کمار نے کہا۔ ''میں وعدے کے مطابق کام کروں گا مگر میرے خیالات کو کون روک سکتا ہے۔''
''تمہارے اندر کی کیفیت تمہارے فن پر بھی تو اثر انداز ہو گی انسان کی اصل تو اندر ہی ہوتی ہے اور وہ ضرور باہر آتی ہے۔'' داسی نے کہا۔
''شاید ایسا ہوتا ہو مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے مگر میں ایک کلاکار ہوں میرا دماغ میرے ہاتھ کلا کے معاملے میں کبھی خطا نہیں کرتے، میرے کام میں ذرا فرق نہیں پڑے گا میں اس کا یقین رکھتا ہوں اور تیرے آقا کو ذرا شکایت نہیں ہو گی۔'' رتن کمار نے جواب دیا۔
''تم ناستک ہو اور مورت بنا رہے ہو؟ کیا یہ بات تمہارے عقیدے کے خلاف نہیں ہے؟'' داسی بولی۔
رتن کمار بولا۔ ''ہے مگر اب جو میں بنا رہا ہوں وہ کسی دیوی یا دیوتا کی مورتی نہیں ہے یہ تو دنیا کو ختم کرنے والے راکھشش کی مورتی ہے اور رہا یہ کہ میں اس سے پہلے جو بناتا رہا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا زندہ انسان کو زندہ رہنے کو بہت کچھ درکار ہوتا ہے مگر روٹی، کپڑا اور اس کو پورا کرنا لازمی ہوتا ہے اس کے لئے روپے کی ضرورت پڑتی ہے دنیا کے بازار میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی کچھ دیتے ہیں تو اس کے بدلے میں مطلوبہ چیز موصول ہوتی ہے تم کو اس لئے بتا رہا ہوں

کہ تم ان چیزوں سے دور ہو تم کو روپے کی ضرورت نہیں ہے تم کو بھوک نہیں لگتی۔''

داسی بولی۔''میں تمہاری بات مانتی ہوں۔مگر جب انسان کے گلے میں غلامی کا پٹہ پڑ جاتا ہے تو اس کو مالک کے حکم پر چلنا پڑتا ہے، تم اگر ناستک نہ ہوتے اور صرف کلا کار ہوتے، کسی بھی دھرم کے پابند ہوتے تو تم میرے آقا کے لئے بیکار چیز تھے مگر ایسا نہیں ہے، تم بہت کٹر ناستک ہو، تم نے ہر دھرم کا مذاق اڑایا ہے تم اندر اور باہر سے پورے ناستک ہو اور یہی خوبی آقا کو پسند آ گئی اور اس نے تمہارے لئے یہ خوب صورت حویلی رکھ دی اور اس میں تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کر دیں اور تم کو ایک کام سونپ دیا تم دیکھو گے اس کام کے پورا ہوتے ہی دنیا کا کیا نقشہ ہونے والا ہے۔''

''اور اس کے ساتھ ہی میرا بھی! یہ بھی تو بتاؤ۔'' رتن کمار نے کہا۔

''اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔'' داسی بولی۔

''میری سمجھ میں آ گیا ہے، تم بہت کچھ جانتی ہو مگر بولتی ضرورت کے مطابق ہو۔'' رتن کمار نے کہا۔

رولوکا نے ایک تیر چلایا تھا کلا کار کو غور و فکر کرنے کی دعوت دے کر رولوکا جانتا تھا کہ کلا کار پکا ناستک ہے اس کے سامنے ایک دم رکاوٹ کھڑی کرنا اس کو چونکا دے گا۔ لوہے میں سوراخ کرنا ہو تو پہلے باریک سوراخ کیا جاتا ہے اور پھر اس باریک سوراخ کو بہت آہستہ آہستہ بڑا کرنا پڑتا ہے تب جا کر ضرورت کا سوراخ بنتا ہے ایک ناستک کے دل میں خوف خدا ڈالنا اور خدا سے تعارف کرانا بھی ایسا ہی فعل ہے اور اس کے لئے رولوکا کے پاس بہت وقت تھا مورتی کے بننے میں بہت مدت درکار تھی اور مورتی کے بننے تک رتن کمار محفوظ تھا۔

ایک مہینہ گزر گیا دس بارہ فٹ لمبے اور تین فٹ چوڑے پتھر پر ابھی تک کوئی نقش نہیں ابھرا تھا پتھر سخت تھا اور صرف اکیلا رتن کمار ایک چھینی اور ہتھوڑے کی مدد سے اس کو تراش رہا تھا۔ یہ کام نہایت محنت طلب بھی تھا ہنرمندی کا بھی تھا اگر جلدی کی جائے تو کٹائی میں فرق آ جاتا تھا۔ چھینی پر صرف اتنے زور کی چوٹ مارنی ہوتی ہے جتنا پتھر کو کاٹنا ہوتا ہے زیادہ کٹ جانے پر اس کو جوڑا نہیں جا سکتا اور ساری کی ساری محنت برباد ہو جاتی ہے اچھے فنکار کا ہاتھ ہر چوٹ کو نہایت ناپ طول کے لگاتا ہے یہی اس کی خوبی ہے۔ رتن کمار ایک سچا کلا کار ہے اس کو اپنی زندگی بھی عزیز ہے وہ تو اور زیادہ احتیاط سے کام کر رہا ہے، اس کی غلطی بھی ریا کاری سمجھی جا سکتی ہے۔ رولوکا اس کے کام کرنے کے انداز کو دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا مگر اس نے خود کو دور ہی رکھا ہوا تھا۔

ایک سال گزر گیا اور پتھر کے کاندھے اور گردن نظر آنے لگی، سر کا حصہ ابھی تک نہیں ابھرا تھا۔ کاندھوں کے بعد اس میں ہاتھ کے آثار نظر آنے لگے مگر ابھی تک نمایاں کوئی چیز نہ تھی۔ مگر فنکار بڑی مہارت سے سخت پتھر کو تراش رہا تھا، ابھی تک نمایاں کوئی چیز نہ تھی مگر اس کے باوجود یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ کچھ بن رہا ہے۔

داسی اس کے ارد گرد ہی رہتی تھی اور رتن کمار کے اشارے کی منتظر تھی۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتی تھی۔ شام کو اس نے پیتل کے برتن سے رتن کمار کو مشروب پلایا اور بولی۔

''تمہارا کام نظر آ رہا ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ کام بہت لمبا ہوگا۔''

رتن کمار نے کہا۔''تم کو جلدی ہے؟''

''نہیں مجھے جلدی نہیں ہے کیونکہ مجھے مرنے کا ڈر نہیں ہے مگر تم انسان ہو ہر انسان کی ایک عمر ہوتی ہے اور کسی کو اس عمر کا پتہ نہیں ہوتا۔'' داسی نے جواب دیا۔

''تمہارے کہنے کا مقصد شاید یہ ہے کہ میں اپنی عمر طبعی پوری کر لوں گا اور کام پورا نہ ہوگا تو اس میں گھبرانے کی ضرورت کیا ہے تیرا آقا تو بڑا شکتی مزاج رکھتا ہے وہ پھر بھی مجھ سے کام پورا کروا لے گا۔'' رتن کمار نے جواب دیا۔

''اس کی شکتی کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں ہے کہ

کتنی ہے وہ یہ کام تم سے کروا سکے گا، میں نہیں جانتی مگر یہ کام ہوگا ضرور اور تم ہی کرو گے اس لئے کہ تم کو سونپا گیا ہے۔'' داسی نے جواب دیا۔

اب رولوکا کی آواز آئی۔ ''اصلی آقا کے بارے میں کبھی غور کیا ہے اس نے یہ دنیا کا کارخانہ بنایا ہے اور اس کو چلا رہا ہے تم نے سوچا ہے یہ دنیا کا نظام خود بخود چل رہا ہے یا کوئی قوت اس کو چلا رہی ہے۔ اس پر غور کرو فکر کرو۔'' آواز بند ہوگئی اور رولوکا ان دونوں کا ردعمل دیکھنے لگا۔

داسی بولی۔ ''یہ آواز پھر آ گئی۔ یہ کس کی آواز ہے؟ جو صرف ہم سنتے ہیں۔ آقا تک کیوں نہیں جاتی؟ اگر جاتی تو وہ ضرور آتا، میرے لئے یہ انہونی ہے نرالی بات ہے۔''

''نرالی تو ہے پر میں اس کو انہونی اس لئے نہیں کہوں گا کہ اس دنیا میں نہ جانے کتنے چہرے ہیں، کیا پتہ تمہارے آقا سے بھی بڑھ کر کوئی شکتی والا موجود ہو۔'' رتن کمار نے کہا۔

''ہزاروں سال سے دیکھ رہی ہوں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔'' داسی بولی۔

اب عورت کی ایک ہیئت سامنے آ رہی تھی گردن کے اوپر ابھی کچھ نہ تھا۔ بڑے بھاری بھاری ہاتھ اور پیر نمایاں ہو رہے تھے مگر صرف سامنے کے رخ سے پیچھے ابھی تک سیدھا پتھر تھا، ایک سال اور گزرا کچھ اعضاء اور نمایاں ہوئے، رولوکا برابر نظر رکھے ہوئے تھا۔

رات کو حکیم وقار سے اس نے رابطہ کیا اور کہا۔ ''کام بہت صبر آزما ہو رہا ہے۔''

حکیم وقار نے کہا۔ ''تم نے آخر اس بت کے مکمل ہونے کا انتظار کیوں کیا ہے؟''

''اس لئے کہ مقابلہ اس نوعیت کا ہے، میں صبر کر رہا ہوں تو وہ بھی بے چین ہوگا اور جب وہ خوفناک بت بنے گا اور وہ خوشیاں منا رہا ہوگا اس وقت اس کو اس بت کی بربادی کا صدمہ زیادہ ہوگا اور وہ پھر اس قسم کی پلاننگ شاید نہ کرے۔ دوسرا ایک کام اس کے ساتھ یہ ہو رہا ہے کہ ایک لامذہب کے دل میں کچھ سوالات ابھر رہے ہیں اور جب اس کے بنائے شاہکار اور محنت کا حشر اس کے سامنے آئے گا تو ضرور اس میں انقلابی تبدیلی واقع ہوگی۔''

رولوکا نے وضاحت کردی تو حکیم وقار نے پھر پوچھا۔ ''کیا ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ تم ابتداء سے ہی اس بت کو نہ بننے دیتے؟''

''ہاں ایک طریقہ ہوسکتا تھا مگر اس سے ایک تو فنکار پر کچھ اثر نہ ہوتا جو اس نگری کا پیدا کرنے والا ہے جس نے صحرا میں کچھ علاقے پر اپنے طلسم سے باغ بنایا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کون ہے؟ وہ پوری طرح مقابلے پر آ جاتا تم جانتے ہو اس کو قدرتی طور پر بڑی رعایت ملی ہوئی ہے۔ وہ مقابلہ ضرور کرتا اس مقابلے میں وہ سب سے پہلے رتن کمار کو اپنا نشانہ بناتا اور اس کے بعد اپنا جادو پھیلاتا نا معلوم کتنے لوگ اس کی زد میں آ جاتے، میں نے کوشش یہ کی ہے کہ وہ یہی سوچتا رہے کہ وہ اپنے پلان میں کیوں کامیاب نہیں ہوا جبکہ کلاکار نے کام پورا کیا ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق ہوتی۔'' رولوکا نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے مقابلہ نہیں کرنا چاہا ہے۔'' حکیم وقار نے کہا۔

''درست کہا آپ نے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حویلی آبادی میں ہے اس کی تباہی اوروں کو بھی جو کہ ظاہر بے گناہ ہوتے اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھی اس کو تو اس بات کی ذرا فکر نہ ہوتی کہ کتنے بے گناہ مارے گئے وہ تو پھر وار کرتا مگر میں تو یہ سمجھ سکتا ہوں مجھے تو اس ماورائی جادوئی جنگ سے بچنا ہے اس لئے میں ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش میں ہوں کہ وہ میری چال کو نہ سمجھ سکے اور میرا دماغ بھی مستحکم ہوجائے۔''

''تمہاری حکمت عملی ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے اللہ تم کو ضرور کامیابی عطا کرے گا'' حکیم وقار نے کہا۔

اب بت کے پچھلے حصے پر کام ہو رہا تھا گھٹنے کے اوپر دو بڑی بڑی مورتی کی ٹانگیں نظر آ رہی تھیں، پیٹھ اور نچلا دھڑ ابھر رہا تھا مگر گردن کے اوپر سر کی طرف ابھی کچھ کام نہیں ہوا تھا پیروں کی طرف اس لئے نہیں ہوا تھا کہ بت کو کھڑا رکھنا ضروری تھا فنکار ایک بڑے پتھر پر کھڑا ہو کر کام کر رہا تھا۔

مسلسل کام نے اس میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ داسی سے مشروب پیتا تھا۔

ہم میں بھی کمزوری کے آثار تھے اور داڑھی چہرے پر جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھ گئی تھی۔

مگر وہ زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا وہ جانتا تھا کہ موت اس کے تعاقب میں ہے اور وہ بھاگ رہا تھا اس کو اپنی حالت کا کب ہوش تھا اس کے تصور میں صحرائی گدھ منڈلاتے رہتے تھے اور اس کے ہاتھ کام کرنے میں اور تیزی پکڑ جاتے تھے۔ داسی کی تیز نگاہیں اس کے ارد گرد ہر وقت رہتی تھیں۔

اب دور سے بت کھڑا نظر آتا تھا ایک طویل اور نہایت قوی ہیکل مگر اس کا سر اور دونوں پیر ابھی مکمل نہ تھے اب کلا کار سر پر کام کر رہا تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں پر اس کو اپنی ہنرمندی کا ثبوت فراہم کرنا تھا اور اس نے کچھ اس طرح سر کو تراشا کہ بت کے چار چہرے نظر آنے لگے کسی سمت سے دیکھا جائے تو ایک ہی چہرہ نظر آئے، ہر چہرہ ایک جیسا خوفناک اس کی زبان منہ سے باہر لٹکی ہوئی، ماتھے پر ایک بڑی سی آنکھ اور سر کے اوپر دو بڑے بڑے سینگ، چہرے پر سفا کی کے تاثرات ابھارنے میں فنکار نے اپنا کمال دکھایا تھا، چاروں چہروں پر ایک جیسا تاثر تھا ابھی رنگوں کا استعمال باقی تھا اس کے بعد بت کی ہیبت ناکی اور کئی گنا بڑھنے والی تھی اب بھی اس کا چہرہ ایسا تھا کہ کوئی انسان دیکھ نہیں سکتا۔

چہرہ مکمل ہونے کے بعد اس کو زمین پر لٹانا ضروری تھا اس لئے کہ پنڈلیوں اور پیروں کو ابھارنا تھا مگر اس سے پہلے چہرے پر جو رنگ و روغن کی فنکاری تھی کرنا تھی جسم پر بھی ہر جگہ رنگ بھرنا تھا، بت ننگا تھا۔ اس کے جسم کے تمام حصوں پر ایسا رنگ کرنا تھا کہ اس کی ہیبت میں اضافہ ہو جائے۔ یہ کام بھی وقت طلب تھا اور باریک کام تھا اور فنکار ماہر کاریگر تھا رنگوں کے اثر کو وہ جانتا تھا جسم کے کس حصے پر کون سا رنگ موزوں ہو جو بت کو زیادہ سے زیادہ خوفناک بنائے رہتا۔

رولو کا فنکار کے قریب ہر وقت تھا اس کے کارندے حویلی کی دیواروں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے اور ہر وقت چوکس تھے رولو کا جانتا تھا کہ اب کسی وقت بھی داسی کا آقا اور زمین کا شیطان اس وقت ضرور آئے گا کیونکہ بت مکمل ہونے کے مرحلے میں آ گیا تھا۔

رولو کا کے اندازے درست ہوئے اور کسی غیبی آواز نے کلا کار کو مخاطب کیا اس کے قریب ہی داسی موجود تھی۔ آواز نے کہا۔ ''اے کلا کار تو نے اپنا کام خوب کیا ہے، تیرے انعام کا وقت آیا چاہتا ہے میں تجھے ایسا انعام دوں گا جو کسی نے کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ میں تجھے دنیا کا راجہ بناؤں گا مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے اندر کچھ ذرا سی تبدیلی آ رہی ہے یاد رکھ تیرا ناستک ہونا ہی تیری بڑی خوبی ہے۔ تو اس خوبی کو قائم رکھنا اب میں اس وقت آؤں گا جب تو کام ختم کر لے گا پھر تو دیکھے گا کہ آدم کا بت جس طرح چلا تھا یہ بھی اسی طرح دوڑے گا۔ آدم نے دنیا کو آباد کیا تھا اور یہ دنیا کو نیست و نابود کرے گا اس میں میری پوری شکتی کارفرما ہوگی، میری کامیابی کا وقت قریب آ رہا ہے۔'' اور پھر زوردار قہقہہ آواز نے لگایا اور آواز بند ہو گئی۔

داسی اس دوران تھر تھر کانپتی رہی فنکار کے ہاتھ ساکت رہے اور یہ حشرات الارض اپنی اپنی جگہ ساکت رہے، آواز کے بند ہوتے ہی سب میں دوبارہ جان پڑ گئی اور وہ حرکت کرنے لگے۔

رولو کا نے بھی اس کی لن ترانی سنی اور اس کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آ گئی اور اس نے ایک پلان بنانے کی داغ بیل ڈالی اس لئے کہ دشمن بہت ہوشیار،

چالباز اور طاقتور تھا۔
اس کی طاقت کا اندازہ رولوکا کو نہیں تھا اور اسی وجہ سے رولوکا نے برائے راست مقابلے سے گریز کیا تھا۔
وقت گزرتا رہا، بت کی شکل اور جسم میں نمایاں تبدیلیاں رنگوں نے کردیں اور اس کی ہیبت ناکی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اور بت کو پھر کھڑا کر کے اس کو لکڑی کے موٹے موٹے شہتیروں سے گرنے سے محفوظ کردیا اور اس کے گھٹنے کے نیچے کی طرف کام شروع ہوا تو رولوکا نے کلاکار کو مخاطب کیا۔
''رتن کمار تو نے زندگی میں بہت کام کئے کبھی ایسا کام کیا جو تو اب کر رہا ہے۔ جواب دو گا۔''
رتن کمار حیرت سے ہر طرف دیکھنے لگا مگر منہ سے آواز نہ نکلی تو رولوکا پھر بولا۔
''ڈرومت میں وہ نہیں، جو دنیا کو برباد کرنے کے درپے ہے، میں آباد کرنے والوں میں سے ہوں، جواب دے۔''
رتن کمار بولا۔ ''نہیں میں نے ایسا گھناؤنا کام کبھی نہیں کیا، حالانکہ میں کسی مذہب کو نہیں مانتا مگر پھر بھی دنیا کو برباد کرنا نہیں چاہوں گا، میں نے اپنی جان بچانے کے لئے یہ کام کیا ہے۔''
رولوکا بولا۔ ''اگر تو ناستک نہ ہوتا تو تجھے زندگی اتنی عزیز نہ ہوتی تیرے سر پر کسی دھرم کا سایہ ہوتا اور وہ سایہ تیرے اندر کے خوف کو زائل کرتا انسان کسی نہ کسی دھرم سے متاثر ہوتا ہے چاہے وہ کوئی وجوہات ہوں مگر تو نے اپنی راہ خود بنائی اور اس راہ پر بھٹک گیا۔ ہر لامذہب کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے اور اس نے اپنے آخری دور میں ضرور کسی نہ کسی مذہب کا سایہ تلاش کیا ہے۔ میں تیری بھلائی کو کہتا ہوں ابھی وقت ہے اس پر غور کر اور فیصلہ کر کہ تجھے ناستک رہ کر کیا ملا، تیرے عزیز تیرے دوست تجھ سے خود بخود دور ہوگئے تو نے اب تک اپنی نسل کو آگے بڑھانے کو کچھ نہیں کیا تیرے مرنے کے بعد کون تجھے یاد رکھے گا لوگ کہیں گے اچھا ہوا ایک لادین مر گیا۔ تو اس شیطان سے ڈر کر یہ بت تیار کر رہا ہے اگر تیرے پاس کسی مذہب کی آڑ ہوتی تو اس مصیبت میں کیوں پڑتا، پھر اس شیطان سے اور صحرائی گدھوں کا خوف تجھے کیوں ہوتا؟ تو کیا سمجھتا ہے جب یہ دنیا نہیں ہوگی تو تیرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ سارا کھیل جھوٹ، مکاری اور ریاکاری نے تیار کیا ہے کیونکہ یہ شیطان ہے اور لاکھوں سال سے اس خوب صورت دنیا کو برباد کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی سب سے بڑی رکاوٹ صرف مذہب رہا ہے اور مذہب کے پیروکاروں نے اس کو ہر جگہ سے دوڑایا ہے۔
میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا اب فیصلہ تجھے کرنا ہے، تیرے پاس دو راستے ہیں، ایک راستہ تجھے دور کرتا ہے اور ایک قریب اور جو راستہ قریب کرتا ہے وہی تیری تباہی کا راستہ ہے، ذرا سوچ یہ دنیا نہ ہوگی تو تو کہاں ہوگا، یہ ایک فریب ہے، میں نے اپنا کام کردیا، یہ حسین دنیا تو رہے مگر تیرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، اس کا فیصلہ کرنا تیرا کام ہے۔''
رولوکا کے خاموش ہوتے ہی، رتن کمار کے چہرے پر فکر کی لکیریں نمایاں ہوگئیں اس نے اوزار زمین پر ڈال دیئے اور گھٹنوں میں سر ڈال کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا۔ ''میں کون ہوں؟ میرا باپ کون تھا؟ مجھے کس نے پیدا کیا؟ یہ ہنر کس نے دیا؟ میں جب کسی اچھی بری بات کا شعور نہیں رکھتا تھا مجھے سن شعور تک کس نے پہنچایا ہے؟ پھر ایک شخص نے مجھے اپنا ہنر کیوں دیا؟ وہ کون تھا؟ وہ میرا باپ تھا اس نے اپنی زندگی کا نچوڑ مجھے دے دیا آخر اس نے کیوں ایسا کیا؟ ایک عورت جس نے مجھے گود میں رکھ کر سرد گرم سے بچایا وہ کون تھی؟ وہی میری ماں تھی میں نے کسی کے ساتھ کچھ نہیں کیا ہے۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ مندروں میں جاتے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے میں نے مسجدوں میں جانے والوں کی تضحیک کی ہے، خدا کو یاد کرنے والو! مجھے دکھاؤ کہ خدا کہاں ہے۔ وہ کیسا ہے؟ میں بنا دیکھے

اس کو کیسے مان لوں؟ میں نے اپنی بات کی، اپنے نظریات کو لوگوں پر ٹھونسنا چاہا مگر ایک بھی میرے ساتھ نہ آیا سب اپنے ان دیکھے خدا کے پاس جاتے رہے میں اکیلا ہی رہا، اگر میں سچا تھا میرے نظریات درست تھے تو میں اکیلا کیوں رہا؟ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ سب درست سمت میں جا رہے ہیں اور میں ہی غلط راستے پر اب تک چلتا رہا ہوں، کیا میں انہی پر چلتا رہوں، نہیں یہ غلط ہے، میں غلط ہوں، میرے خیالات ونظریات غلط ہیں تو پھر میں کیا کروں؟ یہ بت چلے گا تو بربادی کرے گا اور اگر پیر نہ ہوں گے پھر نہیں چلے گا۔ اس کو نہیں چلنا چاہئے اس کے چلنے سے اس دنیا میں تباہی آ سکتی ہے، ہزاروں لوگوں کو دکھ پہنچائے گا اور اس کا سارا الزام مجھ پر ہی آئے گا اس لئے یہ نہیں چلے گا میں اس کے پیر نہیں بناؤں گا۔''

رتن کمار کی گردن گھٹنوں میں تھی کہ داسی کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

''کس سوچ میں پڑ رہے ہو کلاکار اب تمہارا کام آخری دور میں ہے تمہارے انعام کا وقت آ رہا ہے، تم بڑے راجہ بننے والے ہو، اس وقت تو تمہارے ہاتھ اور تیز چلنے چاہئیں اور تم بیٹھے ہو۔''

رتن کمار نے کہا۔ ''میرا کام ختم ہوا اب اس سے زیادہ میں نہیں کر سکتا۔''

داسی حیرت سے بولی۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو اس کے پیر کہاں ہیں؟''

''اس کے پیر ہی تو نہیں بنانے ہیں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

''تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے، میں کہتی ہوں تمہیں کام پورا کرنا ہے، ادھورا کام، کام نہیں ہوتا۔'' داسی بولی۔

''یہ ادھورا ہی رہے گا اس لئے کہ مجھے فیصلہ کرنے میں بہت دیر لگی، میں نے زندگی میں کوئی کام اچھا نہیں کیا ہے اور یہ کام بھی میرے خوف نے کروایا ہے مگر اب میں بے خوف ہوں اب مجھے صحرائی گدھوں کا ڈر نہیں اب میں صحرا کی جلتی ریت پر چل سکتا ہوں، میں ناستک نہیں ہوں، میں مانتا ہوں کہ اس کائنات کو کوئی چلا رہا ہے، بارش، ہوا اور پھول پھل سب کوئی ہم تک پہنچا رہا ہے، میں مانتا ہوں۔'' اے کاش مجھے یہ آگاہی پہلے آ جاتی تو میں اتنی بڑی مصیبت میں کاہے پھنستا۔'' رتن کمار نے مصمم ارادے سے کہا۔

داسی بولی۔ ''تمہارے من میں یہ سب اس آواز نے ڈالا ہے، تم ناستک ہو، تم نے کسی کے آگے سر نہیں جھکایا، تم نے اب تک کسی کو نہیں مانا، تمہیں کون قبول کرے گا۔''

رولوکا کی بھاری اور رعب دار آواز فضا میں لہرائی۔ ''اے بنی ہوئی عورت تو نہیں جانتی، تیرے گرو نے کروڑ سجدے کئے تھے۔ وہ سجدے اپنے رب کے لئے تھے ان سجدوں نے اس کو مغرور کر دیا وہ سمجھنے لگا بس اس کا کام ختم ہوا، اب خدا اس کا ہوا مگر صرف ایک نافرمانی نے اس کے سارے سجدوں کو ختم کر دیا اس کی عبادت چھین لی گئی، اس کی سرداری ختم کر دی گئی اور وہ خدا کی نظر میں خراب ہو گیا، مردود ہو گیا اور اس نے خدا کے خلاف کام کرنے کا فیصلہ کر لیا، دنیا کو فنا کرنے کی ٹھان لی اور ہزاروں سال سے وہ یہی کر رہا ہے، مگر دنیا اور پھل پھول رہی ہے وہ اپنی اس کوشش میں بھی ناکام ہوگا، اس کے ساتھ ہی آسمان پر آگ نظر آنے لگی۔ بجلیاں کڑنے لگیں۔ جے پور شہر کے رہنے والے سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے، ایسے سرخ رنگ کے بادل انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے، وہ اپنے اپنے گھروں میں قید ہو گئے، بازار بند ہو گئے، بچے سہم کر ماؤں کی گود میں چھپ گئے۔

وہ بادل زمین کی طرف آنے لگے، زمین کی حدت میں اضافہ ہونے لگا لوگ بلبلانے لگے، مسجدوں میں لوگ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، مندروں میں ناکوس اور گھنٹیاں بجنے لگیں، حویلی کے سارے حشرات الارض اپنی شکلیں بدلنے لگے اور پھر ایک قہر آلود آواز

رولوکا نے سنی، اس آواز کو کسی عام آدمی نے نہیں سنا، اتنی ڈراؤنی اور سماعت کو ناگوار لگنے والی آواز کوئی سن پاتا تو وہ آدمی پاگل ہو جاتا۔" وہ آواز صرف رولوکا کے لئے تھی۔

"اے بے خبر انسان تیرا علم اور تیری طاقت کتنی ہے، میں لامحدود ہوں، تو مجھے نہیں روک سکتا تو نے میرے کام میں رخنا ڈالا ہے، آج تیرا آخری وقت ہے، تو نے مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے، مگر آج تو پھنس گیا آزما لے اپنی طاقت کو اور روک لے اس آگ کے طوفان کو۔"

رولوکا کی اطمینان بھری آواز سنائی دی۔ "میں نے کب اپنی طاقت پر غرور کیا ہے میری طاقت تو وہ ہے جو اس دنیا کا ملک ہے اور تیرے پاس بھی اسی کی دی ہوئی طاقت ہے، ارے بے وقوف! تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تیرے پاس اس کی دی ہوئی طاقت ہے اور اتنی ہے کہ تو اس پر غرور کرتا ہے، ارے تجھے جب اس نے اتنی طاقت دی ہے تو سوچ اس کے پاس کتنی ہوگی تیرا اور اس کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں۔"

جواب نہیں آیا مگر بادل اور آگ چھٹنے لگی اور چند منٹ میں آسمان پر کچھ نہ تھا اور نیلا آسمان صاف تھا مگر اس کے بعد فوراً ہی ایک کالا بادل آسمان پر منڈلانے لگا۔ رولوکا نے سوچا یہ دوسرا حملہ ہے مگر صرف چند منٹ میں زمین پر کالے رنگ کی ٹڈیاں بارش کی طرح برسنے لگیں ان حشرات الارض پر پڑیں کہ ان کو ذرا موقع اپنے بچاؤ کرنے کا ملا، ٹڈیوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ رولوکا اور رتن کمار کو چھوڑ کر وہ سب بھاگ گئیں، ہر چیز کالی ہوئی، یہ کیفیت صرف چند منٹ رہی اور پھر وہ واپس اڑ گئیں، اب حویلی میں نہ پتھر کا بت تھا نہ کوئی حشرات الارض، آسمان پر نیلا بادل صاف نظر آ رہا تھا، اس بادل کے قریب سفید بادل حرکت میں تھے، پھر ان بادلوں نے اس ترتیب سے جھڑنا شروع کیا کہ وہ ایک انسانی پیکر نظر آنے لگے، انسانی پیکر کے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں آسمان کی طرف اٹھے تھے، چند سیکنڈ کا یہ نظارہ تھا۔ رولوکا سجدے میں گر پڑا اور کہا۔ "شکریہ میرے مہربان بزرگ شکریہ، کہ تو نے میری مدد فرمائی۔" رتن کمار رولوکا کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑا اور اس نے کہا۔ "اے دنیا کے بنانے والے میں اب تک اندھیروں میں تھا تو نے مجھے روشنی دی، مجھے مہلت دی، میں کس زبان سے تیرا شکریہ ادا کروں، میں نے تسلیم کر لیا کہ تیرا نظام مکمل اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہے، میں گناہ گار ہوں، معاف کر دے۔"

حکیم وقار نے کہا۔ "یہ تو خوب مقابلہ ہوا، تم نے ایک کارتوس نہیں چلایا اور جیت گئے۔"

رولوکا بولا۔ "میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا، میں اکیلا ہی اس سے مقابلہ کر سکتا تھا اس کی طاقت کا اندازہ کس کو ہے مگر دنیا میں اللہ کے سپاہی ہر وقت چوکس ہیں وہ اس کو دوڑاتے ہیں۔"

تم نے درست کہا" اور میاں رتن کمار تمہارا کیا ارادہ ہے؟" حکیم وقار نے کہا۔

"حکیم صاحب میں نے دین حق کو اپنانے کا فیصلہ بہت پہلے ہی کر لیا تھا۔ میں نے جو نظارے اس خوفناک مقام پر کئے ہیں اور پھر اس خوننا کی کو ختم کرنے والے روح پرور نظارے کئے ہیں میں خدا کی ذات کا تہہ دل سے اعتراف کرتا ہوں اب میں رتن کمار نہیں ہوں۔" رتن کمار بولا۔

حکیم صاحب نے کہا۔ "پھر تمہارا کیا نام ہے؟"

میرا نام یہ میرے محسن اور آپ رکھیں گے۔" رتن کمار بولا۔

"اچھا تو پھر تمہارا نام عبدالہادی اچھا لگتا ہے مگر صرف نام سے انسان مسلمان نہیں ہوتا اسلام کے احکامات پر اس کو عمل بھی کرنا پڑتا ہے یہ تم کو سیکھنا ہوگا اور ان پر پوری طرح عمل بھی کرنا ہوگا شرعی باتیں اور اسلام کی بابت تم کو ایک مولوی صاحب بتائیں گے میں خود اس کا انتظام کروں گا۔" حکیم وقار نے کہا تو رتن کمار یا ہادی نے

کہا۔ ''میں بڑا نصیب کا سکندر ہوں کہ میری راہ نمائی ہر مقام پر کی جارہی ہے۔''

آدمی نیکی کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو نیکی اس کی طرف دس قدم بڑھاتی ہے، یہ بات یاد رکھنا اور کبھی کسی کے خلاف انتقامی جذبہ پیدا نہ ہونے دینا۔'' رولوکا نے کہا۔

☆......☆......☆

سکندر بہت بڑے زمیندار تھے۔ بلیا سے دو کوس پر ان کی حدود شروع ہو جاتی تھیں اور سارا علاقہ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں ان کے دادا پردادا کو یہ جاگیر دی گئی تھی انہوں نے مرہٹوں کے خلاف بڑی بہادری کی جنگ کی تھی یہ علاقہ یوپی کا وہ علاقہ تھا جہاں پر کثرت سے اور وقت پر بارش ہوتی ہے اس لئے زمین کا چپہ چپہ پیداوار دیتا ہے یہاں کا کسان اور جاگیردار بہت خوش حال ہے آم، امرود اور جامن کے بڑے بڑے باغات ہیں، زمین زرخیز ہے ہر قسم کی پیداوار خوب ہوتی ہے، سکندر اپنے باپ محراب علی کے اکلوتے بیٹے تھے اور قدرت خدا کی کہ ان کو بھی صرف ایک بیٹا نواب علی پیدا ہوا اس کے علاوہ دو بیٹیاں ہوئیں اور پھر کچھ نہ ہوا، اس لئے نواب علی ہی پوری جاگیر کے وارث قرار پائے۔

نواب علی اپنے باپ پر گئے تھے، لوگوں کے ساتھ برتاؤ دیکھ چکے تھے، لین دین دیکھ چکے تھے اس لئے ان کا چلن وہی رہا۔ باپ کے انتقال کے بعد بھی کسی کو ذرا احساس نہ ہوا کہ اب جاگیردار نواب علی ہیں، ہر کام اسی طرح نواب علی نے کیا جس طرح باپ کی زندگی میں ہوا کرتا تھا۔ باپ نے اپنے آخری دور میں ان کی شادی ایک زمیندار شرافت علی کی لڑکی شہزادی بیگم سے کردی تھی مگر رخصتی باپ کے مرنے کے بعد ہوئی۔

رخصتی کے ایک سال بعد ہی نواب علی باپ بن گئے اور دو جڑواں لڑکے ان کے ہاں ہوگئے اور ان کا گھر خوشیوں سے بھر گیا۔ شہزادی بیگم نہال ہوگئیں اور نواب علی بھی خوش تھے کہ اللہ نے ان کو وارث دے دیئے۔ شہزادی کی قدر و مقبولیت اور بڑھ گئی، یوں تو زمیندار گھرانے کی تھیں ہی حویلی میں نوکروں پر حکم چلانے کی عادی مگر یہاں پر تو پورا پورا ان کا ہی راج تھا۔ نواب علی حویلی کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے، ان کو باہر کے ہزاروں کام تھے۔ صبح سے شام تک فرصت نہیں ہوتی۔ کہیں پر نرمی کہیں پر گرمی، کسی کو ڈانٹ دیا، کسی پر شفقت کا ہاتھ [illegible] یقہ انہوں نے باپ سے سیکھا تھا اور وہ اس میں کامیاب تھے جاگیر کے انتظامات حساب کتاب رکھنے کو آدمی باپ کے زمانے کے تھے اور سب نے کام کا طریقہ دیکھا تھا وہ اسی لائن پر کام کررہے تھے کچھ موقع شناس قسم کے لوگ بھی تھے اور نواب علی کو پٹری بدلنے کا مشورہ دیا کرتے تھے مگر نواب علی نے ان کی کسی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔

شہزادی بیگم چونکہ زمیندارانہ ماحول کی پروردہ تھیں اور یہاں پر خوشامد کرنے والی عورتیں ان کے قریب تھیں وہ ان کو پٹی پڑھاتی رہتی تھیں اور وہ ان کی سب نہیں تو کچھ پر عمل بھی کرلیا کرتی تھیں۔ دو جڑواں بیٹوں کے بعد ان کو پھر جڑواں بچے ہوئے اور وہ دو لڑکیاں تھیں۔ دو دفعہ نے ہی ان کے آنگن کو بچوں سے بھر دیا اور خاندان مکمل ہوا۔ یوپی کے مسلمان زمینداروں کی رعایا زیادہ ہندو تھی۔ پورے پورے گاؤں ہندوؤں کے تھے۔ مگر ان کو مسلمان زمینداروں سے شکایت نہیں ہوا کرتی تھی۔ زمیندار اپنے کسانوں کا خیال کرتا تھا ان کے غم میں ان کے ساتھ رہتا تھا اور خوشی میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا اور ان کی ہر طرح مدد کرتا تھا کیونکہ وہ ان ہی کی وجہ سے زمین آباد رکھ سکتا تھا، کچھ اس کے خلاف کرتے ہوں گے مگر زیادہ تر زمیندار اپنے کسانوں کا خیال کرتے تھے، یوپی کے علاوہ یہ ماحول نہ تھا زمیندار انسانوں کو انسان نہیں سمجھتا ان سے غلامی کراتا ہے اور ستم ڈھاتا ہے۔

نواب علی تو پشتنی جاگیردار تھے ان کے مزاج میں

شاہانہ پن بھی تھا مگر باپ کی تربیت نے ان کو صرف جاگیر دار نہیں بننے دیا تھا بلکہ انسان بھی بنایا تھا۔

مگر ان کے بچوں کی تربیت میں ایسا نہ تھا شہزادی بیگم دونوں لڑکوں کی بڑی شان سے پرورش کر رہی تھیں دونوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی جا رہی تھی کہ وہ ایک بڑے جاگیردار کے بچے ہیں وہ صرف حکم دینے کو ہیں کام کرنے والے ان کے غلام ہیں۔

ماں کی تربیت کے باوجود دونوں بھائیوں میں بڑا فرق تھا اور یہ فرق حیرت انگیز تھا بڑا رجب علی نہایت کھلنڈرا لاابالی اور بے فکر تھا وہ کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا اور اپنی من مانی کرتا تھا اس کے مقابلے میں چھوٹا حیدر علی سنجیدہ مزاج اور غور و فکر کرنے والا لڑکا تھا، وہ تعلیم میں بھی رجب علی سے آگے تھا۔ دونوں نے دس سال کی عمر تک گھر میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد نواب علی نے ان کو الہ آباد کے ایک ہوسٹل میں چھوڑ دیا۔

حیدر علی کی تعلیمی رپورٹ ہمیشہ اچھی رہی اور رجب علی رو پیٹ کر بی اے کر سکا اور واپس ماں باپ کے پاس آ گیا اور اس نے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حیدر علی نے میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا اور ڈاکٹری پڑھنے لگا۔ حیدر علی باپ کے ساتھ زمینداری کے گر سیکھنے لگا مگر اس کو باپ کا طریقہ پسند نہ تھا کیونکہ باپ میں جاگیردارانہ رعب اور دبدبہ نہ تھا، وہ ہر ایک سے دوستوں کی طرح ملتا تھا ان کا دکھ سکھ پوچھتا تھا اور اگر کسی کو اس کی مدد کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی کرتا تھا۔ رجب علی کا دماغ ماں کے دماغ کی طرح تھا وہ حکم چلانا جانتا تھا اور اگر کسی وجہ سے اس کے حکم کی خلاف ورزی ہو گئی تو اس کا رویہ بہت سخت ہو جایا کرتا تھا نواب علی نے کئی دفعہ اس کو اس بات پر سمجھایا، اونچ نیچ بتائی، سختی کے نتائج سے آگاہ کیا مگر اس پر ماں کا جادو چل رہا تھا۔ شہزادی بیگم کی محبت کا جھکاؤ بھی اس کی طرف زیادہ تھا اس کی وجہ شاید یہ بھی رہی ہو کہ رجب علی ان کے پاس تھا اور حیدر علی اپنی تعلیم کے سلسلے میں زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہا تھا۔ وہ مہمانوں کی طرح دو چار دن کو آتا تھا اور پھر الہ آباد واپس چلا جاتا تھا۔

نواب حیدر علی سے باپ بہت خوش تھا اور امیدوں کا مرکز بھی حیدر علی تھا اور شہزادی بیگم کا لاڈلہ رجب علی تھا، یہ اندرونی کشمکش تھی، شہزادی کو بھی نواب علی نے کئی بار سمجھایا کہ "دیکھو رجب علی کو زیادہ سر پر نہ چڑھاؤ میرا زمینداری کا طریقہ وہی ہے جو میرے بزرگوں نے مجھے بتایا ہے اور ظلم کی زمینداری زیادہ دن نہیں چلتی اور رجب علی صرف حکم دینا جانتا ہے۔"

شہزادی بیگم نے کہا۔ "اب تم اپنا چلن بدلو، زمانہ بدل رہا ہے، پہلے والی بات بھول جاؤ، رجب علی نئے زمانے کا زمیندار ہے اس کو اس کی مرضی سے چلنے دو۔"

نواب علی بولے۔ "بیگم تم نہیں جانتی ہو کہ ہمارے سارے گاؤں ہندوؤں کے ہیں، گنتی کے مسلمان ہیں، اگر میرے بزرگ سختی سے زمینداری کرتے ہوتے تو کب کی بغاوت ہو چکی ہوتی، ذرا میری بات پر غور کرو۔"

تم نے اور تمہارے بزرگوں نے کم ذاتوں کو سر پر چڑھا کر رکھا ہے ان کو شروع سے جوتی کی نوک پر رکھا ہوتا تو تم ایسا نہ سوچتے، میں تو کہتی ہوں رجب علی کو کام سونپ دو اور تم آرام کرو۔" شہزادی بیگم نے رائے دی۔

"بہت اچھا مشورہ، آپ نے دیا ہے مگر میں رجب علی میں اتنی سوجھ بوجھ نہیں پاتا کہ وہ یہ کام کر پائے گا، وہ بات بات پر کسانوں پر غصہ کرتا ہے، گالیاں تک دے ڈالتا ہے۔ نہایت لاپروا اور بے فکرا ہے اس کو کسی نقصان، فائدے کی پرواہ نہیں ہے اور تم کہہ رہی ہو میں گھر بیٹھ جاؤں اور سب اس کے حوالے کر دوں، باپ دادا کی جاگیر کو مٹی میں ملا دوں۔ حیدر علی کی تعلیم دو سال کے بعد ختم ہو رہی ہے، وہ نہایت سنجیدہ مزاج اور بردبار طبیعت کا مالک ہے۔ رجب کے

مقابلے میں وہ بہت بہتر ہے اس کے آنے کے بعد اس معاملے پر غور کریں گے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم حیدر علی کو زمینداری دو گے۔" بیگم نے کہا۔

"میرے لئے دونوں برابر ہیں، تم یہ بتاؤ لڑکیوں کے رشتے کا کیا ہوا؟" نواب علی نے پوچھا۔

"بات پکی ہونے والی ہے لڑکے والوں کو میں نے تم سے بات کرنے کو بلوایا ہے۔" بیگم نے کہا۔

اور پھر دونوں لڑکیوں کے رشتے ہو گئے اور شادی کے بعد ان کو بڑی دھوم دھام سے رخصت کر دیا گیا۔ شادی سے فارغ ہو کر نواب علی نے حیدر علی کو کہا۔ "بیٹا اب میں بوڑھا ہو رہا ہوں، تھک جاتا ہوں، تم کب تک فارغ ہو گے، تعلیم سے۔"

حیدر علی نے کہا۔ "ابا میرے فارغ ہونے میں تو بہت وقت لگے گا، آپ رجب علی سے کام کروایا کریں وہ بھی اب بچہ تو نہیں ہے پڑھا لکھا ہے، زمینداری کے کام آپ سے سیکھ جائے گا تو اس کے کام آئے گا۔"

"ارے بیٹا اس کے مزاج میں اور تم میں بڑا فرق ہے اس کے دماغ میں بس حاکمیت بھری ہے اور اس حاکمیت کو تمہاری ماں نے اور زیادہ ہوا دے رکھی ہے، وہ تو کسی کسان سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرتا، زمینداری اس طرح ہوتی ہے، ارے یہی کسان کو کما کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ ہم نفرت کریں گے تو وہ کیا خاک کام کریں گے، مگر رجب علی صرف اپنی ماں کی سنتا ہے۔"

حیدر علی نے کہا۔ "یہ تو آپ نے بہت بری خبر سنائی۔"

"ہاں اسی لئے تو میری نگاہیں تم پر لگی ہیں۔" نواب علی بولے۔

"پر ابا! میرا اب گاؤں میں رہنا بلکہ بلیا میں رہنا بھی مشکل ہے میں ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں، پڑھنے کے بعد بھی تجربہ کام کرنے سے آتا ہے اور وہ مجھے کسی بڑے شہر میں ہی مل سکتا ہے اس لئے رجب علی کو ہی تیار کریں زمینداری تو اس کو ہی کرنی ہے۔" حیدر علی نے جواب دیا۔

"مجھے امید نہیں ہے کہ وہ میرا کہنا مانے گا، پوت کے پیر تو پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں اور پھر اس کے کان میں تو یہ بات ڈالی گئی کہ تو حاکم ہے مالک ہے سب کو تیرا حکم ماننا ہے اور وہ اپنے حکم منواتا ہے مجھے جب پتہ چلتا ہے تو بات گزر چکی ہوتی ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

وقت گزرتا رہا۔ رجب علی کے ہاتھ پیر اور باہر آتے گئے نواب علی کے احکامات کی خلاف ورزی ہونے لگی اور رجب علی کے احکامات چلنے لگے اور زمینوں کی پیداواری صلاحیت کم ہونے لگی، کسانوں میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔ مگر نواب علی خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہے۔ بہت سے کسان گھرانے نقل مکانی کر گئے اور پھر یہ زمانہ بھی آیا کہ زمینوں پر کام کرنے کو آدمی نہ رہے، زمینیں تھیں، پانی تھا اور آدمی نہیں تھے۔

"تم نے اپنی زمینداری کرنے کا طریقہ کار دیکھ لیا۔ اب جاؤ زمین پر ہل چلاؤ کھیتی کرو، کسان تو دوسرے علاقوں میں چلے گئے، تمہارے خوشامدی حواری سب کو لے جاؤ اور کام کرو، تم نے میرے بزرگوں کی بنی بنائی جاگیر کو بنجر کر دیا، میرے بزرگوں کی روح کو تڑپا دیا ہے۔" نواب علی نے نہایت مایوسی کے عالم میں کہا۔

رجب علی نے کہا۔ "ارے ابا سب آ جائیں گے جب بھوکے مریں گے تو۔"

"تم اس خوش فہمی میں رہو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری جاگیر پر یہ وقت بھی آئے گا۔" نواب علی بولے۔

"کوئی وقت نہیں آیا ہے، میں آدمیوں کا انتظام کر لوں گا، گاؤں پھر آباد ہو جائیں گے۔" رجب علی بولا۔

"کرو انتظام مگر یہ بات یاد رکھنا کہ تم پوری زمینوں کے مالک نہیں ہو، بمبئی میں حیدر علی بھی موجود ہے وہ اس جاگیر کے آدھے کا مالک ہے کسی وقت بھی حساب مانگ سکتا ہے۔" نواب علی بولے۔

''ارے واہ! محنت ہم کریں اور وہ بمبئی میں رہ کر آدھے کا مالک خوب رہی۔'' رجب علی بولا۔

''وہ کہیں رہے وارث تو وہ ہے قانونی طور پر'' نواب علی بولے۔

''دیکھ لوں گا اس کو بھی آئے تو۔'' رجب علی نے کہا۔

رجب علی کے حواریوں اور ہاں میں ہاں ملا کر روٹی کھانے والوں نے رجب علی کو پٹی پڑھائی تھی اور حیدرعلی کے خلاف کر دیا تھا حالانکہ حیدرعلی کا اور رجب علی کا اس معاملے میں سامنا نہیں ہوا تھا سارے رنگ ڈھنگ نواب علی کے سامنے تھے وہ نادان نہ تھے سب سمجھ رہے تھے مگر کیا کرتے ان کی تو یہ دونوں ہی آنکھیں تھے، رجب علی کے وہ خلاف نہ تھے مگر اس نے جس طرح جاگیر کو تباہ کیا تھا اس پر وہ رنجیدہ ضرور تھے حالات جب اور خراب ہوئے، اخراجات وہی تھے نوکر چاکر اور حواریوں کے خرچے بات قرض پر آ پہنچی تو وہ خاموش نہ رہ سکے۔

''رجب علی تمہارے جو دل میں آیا وہ کیا۔ اب تو رحم کرو، بے وجہ کے خرچ، تم قرض زمین پر لے رہے ہو، اس قرض کو تم واپس نہیں کرو گے اور زمین بنئے کی ہو جائے گی تم نے میرے کام کو ڈبو دیا ہے۔''

رجب علی بولا۔ ''ابا آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں کیونکہ اب زمانہ آپ کا نہیں رہا۔''

''تم میرے مرنے کا انتظار بھی نہ کر سکے تم نے اپنا حصہ تو برباد کیا ہی تھا حیدر کا بھی برباد کر دیا۔''

رجب علی بولا۔ ''ہاں کر دیا اب آپ کا کام بھی جاگیر پر ختم ہوا، جائیں پیارے بیٹے کے پاس، میں خود پریشان ہوں اور اوپر سے آپ نے پریشان کر دیا ہے، میں اپنا اچھا برا جانتا ہوں۔''

نواب علی سمجھ گئے کہ لکڑی سوکھ گئی ہے گیلی ہوتی تو لچک ہوتی۔ اب کچھ بھی کہنا بے کار ہے اس کے آگے اپنی مزید بے عزتی کرانے کے برابر ہے۔''

اور نواب علی نہایت خاموشی سے بمبئی روانہ ہو گئے حیدر ان کو اچانک دیکھ کر حیران ہوا بولا۔

''ابا آپ اطلاع تو کرتے اور آپ کی صحت کو کیا ہوا بہت کمزور نظر آ رہے ہیں۔''

''بتاؤں گا بیٹا! سب بتاؤں گا، تم کو نہیں بتاؤں گا تو اور کس کو بتاؤں گا۔'' اور پورے حالات انہوں نے حیدر کو بتا دیئے، حیدر اب تک حالات سے بے خبر تھا سن کر بہت حیران ہوا اور بولا۔

''چھوڑیں ابا آپ بے فکر میرے پاس رہیں جاگیر کو بھول جائیں مجھے کسی جاگیر کی ضرورت نہیں ہے، آپ نے مجھے ایسی جاگیر دے دی ہے کہ اس میں کوئی حصہ دار نہیں ہے میرا کلینک ماشاءاللہ خوب چلتا ہے گھر ہے سب چیز اللہ نے دے رکھی ہے، آپ رہیں تو میرا دل بھی خوش ہوگا، اماں کا کیا حال ہے؟''

''جاگیر کی تباہی کا ان کو افسوس تو ہے مگر انہوں نے بھی رجب کو بگاڑا ہے میں ان سے خوش نہیں ہوں۔ صحت ان کی بہتر نہیں ہے۔'' نواب علی نے کہا۔

رجب علی کے حواریوں نے رجب علی کو پٹی پڑھائی۔ ''بڑے میاں بمبئی بیٹے کے پاس گئے ہیں اور وہ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے، ایسا آدمی قانونی بات کرتا ہے اور قانون میں وہ آدمی جاگیر کا مالک تو ہے اس کے بارے میں غور کرنا ہوگا۔''

رجب علی بولا۔ ''بات تو درست ہے پھر کیا کیا جائے یہ بتاؤ۔''

''بمبئی میں اس پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل کام ہے بات اگر یہاں کی یا بلیا کی ہوتی تو ایک دن کا کام تھا نہ رہے بانس نہ باجے بانسریا اللہ اللہ خیر صلا۔''

رجب علی الجھ کر بولا۔ ''ارے تو کیا کریں کہ وہ کورٹ کچہری نہ جا سکے۔''

''اس کا تو بس ایک ہی راستہ ہے۔'' ایک کانا حواری بولا۔

''ارے تو بتائے گا کہ تیری دوسری بھی پھوڑ دوں

تب بتائے گا۔" رجب علی بولا۔

"بتا رہا ہوں۔" کانا بولا۔ "میری نظر میں ایک آدمی ہے سفلی اور کالے جادو کا ماہر ہے، بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیتا ہے مگر رقم نقد اور تگڑی لیتا ہے۔"

"کہاں رہتا ہے؟" رجب علی نے پوچھا۔

"جھانسی میں رہتا ہے آپ کو اس کے پاس جانا پڑے گا پھر کام کرے گا وہ۔" کانا بولا۔

"جائیں گے اس کے پاس کب چلے گا......" رجب علی بولے۔

"میں تو تیار ہوں آپ جب بولو حاضر ہوں۔"

دوسرے ہی دن رجب علی کانے کے ہمراہ جھانسی آ گئے، کانا نے تانگہ کیا اور اس آدمی کے دروازے پر آ گئے، گھر پر عجیب سی ویرانی چھائی ہوئی تھی دروازہ کھلا تھا مگر اندر کوئی نظر نہیں آتا تھا کانے نے دروازے سے ہی آواز دی۔ "پیارے لال جی کیا تم اندر ہو؟"

تیسری آواز پر اندر سے آواز آئی۔ "ابے اندر نہ ہوں گے تو کیا میری ساس کے پاس ہوں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی نہایت بدشکل آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا اس کا جسم ننگا تھا اور صرف ایک لنگوٹی نظر آتی تھی، جسم پر میل کی تہیں جم رہی تھیں سر اور داڑھی کے بال آپس میں دست و گریباں تھے اور ان میں گھاس پھوس اور میل مٹی سب کچھ نہایت احتیاط سے جما ہوا تھا۔

رجب علی اس کی شکل دیکھ کر چونک پڑا تو وہ بوڑھا بولا۔ "ڈرتا ہے، پیارے لال سے کون نہیں ڈرتا، ارے اب آ گیا ہے تو اندر آ جا، اب تو ہماری مرضی سے جائے گا۔"

رجب علی نے دل میں سوچا۔ "کانے نے کہاں پھنسا دیا یہ تو آدمی لگتا ہی نہیں۔"

پیارے لال گول گول آنکھیں لٹکا کر بولا۔ "زیادہ سوچ بچار نہ کر اندر آ جا۔"

کانے نے کہا۔ "اب تو اندر جانا ہی پڑے گا۔"

پیارے لال اندر چلا گیا اس کے پیچھے یہ دونوں بھی اندر آ گئے۔

اندر میدان جیسا تھا اور صرف ایک کوٹھری بنی تھی میدان میں کاٹھ کباڑ بکھرا پڑا تھا۔ بنی مورتیاں زمین پر پڑی تھیں پرانے مٹکے کچھ پکے کچھ کچے زمین پر اوندھے رکھے تھے، کسی کسی میں سے دھواں بھی نکل رہا تھا۔ ایک بڑی سی ٹیڑھی لکڑی پڑی تھی جو دور سے سانپ نظر آئی تھی، اس پر دھاریاں تھیں جیسی سانپ پر ہوتی ہیں، کبھی کبھی وہ حرکت کرتی نظر آتی تھی، اس کاٹھ کباڑ کے درمیان ایک چبوترا بنا تھا پیارے لال اس پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"اب بیٹھ جاؤ آنند سے اور بتاؤ کا ہے آئے ہو؟"

کانا بولا۔ "گرو جی بات یہ ہے کہ یہ جاگیر دار ہیں ان کا ایک بھائی اور باپ بمبئی میں ہیں، بات ہے جائیداد کی ان کا بھائی ڈاکٹر ہے یہ دونوں بھائی آدھے آدھے کے وارث ہیں باپ کی نظر اس بیٹے پر ہے جو بمبئی میں ہے اور ماں رجب علی یعنی ان کو چاہتی ہے اب حالات خراب ہیں کیس عدالت میں گیا تو ان کو کیا ملے گا بہت کچھ تو قرض ادھار میں چلا گیا ہے۔ کچھ ایسا کام کرو کہ کیس عدالت میں نہ جا پائے اور ان دونوں کا بھی دماغ ٹھکانے آ جائے۔"

پیارے لال نے کہا۔ "کیوں رجب علی اس نے جو کہا ہے وہ ہے؟"

رجب علی بولا۔ "اس نے درست کہا ہے۔"

"ان دونوں کو صاف کرنا ہے کہ بے کار کرنا ہے۔"

رجب علی بولا۔ "مارنا نہیں ہے بس ایسے ہو جائیں کہ کورٹ کچہری نہ کریں۔"

پیارے لال نے کہا۔ "کام چوکھا کریں گے پر دام بھی چوکھے لیں گے بول منظور ہے۔"

رجب علی بولا۔ "منظور ہے۔"

"تو پھر نکال ہزار نقد اور اپنے گھر آرام کر اب ہمارا کام ہے۔"

پیارے لال کی باتیں سن کر دونوں واپس آ گئے اور رجب علی اپنے والد اور بھائی کے حالات کا انتظار کرنے

لگا، کانا بہت خوش تھا اور وہ روزانہ رجب علی سے کہتا کہ ''اب دیکھ تیل اور تیل کی دھار۔

ادھر بمبئی میں حیدر علی کے گھر ایک رات اچانک بے شمار چمگادڑوں نے نہ جانے کہاں سے آ کر جو ادھم مچایا اور چیخ و پکار کی کہ اللہ کی پناہ، حیدر علی اور والد نواب علی اور اس کے ساتھ ہی دونوں ملازم خوفزدہ ہو گئے اور رات کی نیند غارت ہو گئی۔ ان چمگادڑوں کی آنکھیں ایسی تھیں کہ جیسے ان آنکھوں میں چھوٹے چھوٹے انگارے فٹ کر دیئے گئے ہوں۔

اذان سے پہلے پہلے وہ چمگادڑیں غائب ہو جاتیں اور پھر یہ روز کا معمول ہو گیا، جسے دیکھ کر نواب علی سنجیدگی سے غور کرنے لگے کیونکہ انہوں نے دنیا دیکھی ہوئی تھی تجربہ رکھتے تھے، ہر روز وہ حیدر علی کو سمجھاتے اور تسلی دیتے کہ ان حالات کا حیدر علی کے ذہن پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد نواب علی نے مصلے پر بیٹھے بیٹھے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی۔ ''یا اللہ تو رحمٰن ہے، رحیم ہے، خالق ہے، مالک ہے، میری غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف فرما کر میری راہنمائی فرما، مصیبتوں اور پریشانیوں سے ہمیں چھٹکارا دلوا اور یہ جو اچانک مصیبت آن پڑی ہے، چمگادڑوں والی، ان کے متعلق تو بہتر جانتا ہے، اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میری مدد فرما۔''

رات کے بارہ بجے چمگادڑوں نے اودھم مچانا شروع کر دیا تو نواب علی کے اچانک دماغ میں آئی ایک بات پر عمل کر ڈالا۔ آیت الکرسی پڑھ کر انہوں نے فضا میں پھونک ماری، کئی مرتبہ اور دونوں ہاتھ سے تالی بجائی تو دیکھتے ہی دیکھتے اچانک چمگادڑیں غائب ہو گئیں تو نواب علی کا ذہن کھٹکا کہ ''ہو نہ ہو یہ کسی دشمن کی کارروائی ہے جو کہ اب ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔'' اس کے بعد وہ بستر پر لیٹ کر سو گئے اور گہری نیند میں چلے گئے۔

رات میں اذان سے پہلے انہیں ایک خواب نظر آیا کہ ان کا بیٹا رجب علی ایک کانے شخص کے ساتھ کہیں جا رہا ہے تانگہ میں بیٹھ کر، اس کے بعد وہ ایک ویران مکان کے قریب اترے اور پھر دستک دینے پر ایک بدشکل بوڑھا اندر سے باہر نکلا اور پھر وہ دونوں اس بوڑھے کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے تو بوڑھا منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا کہ اتنے میں چمگادڑوں کا ایک غول نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا، پھر بوڑھے کے اشارے سے ایک طرف کو اڑتے ہوئے غائب ہو گیا۔

''اللہ اکبر'' کی صدا آئی تو اچانک نواب علی کی آنکھ نیند سے کھل گئی اور وہ چونک کر بستر پر اٹھ بیٹھے اور خواب کے متعلق سوچنے لگے اور پھر وہ اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئے کہ ''یقیناً رجب علی کسی اوچھے ہتھکنڈے پر اتر آیا ہے۔'' پھر انہوں نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور وضو کے لئے اٹھ گئے تاکہ نماز فجر ادا کریں۔

نواب علی کی رات کی نیند ختم ہو چکی تھی اور دن کا چین درہم برہم ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ آئے دن جے پور سے رجب علی کے کرتوتوں کی خبریں بھی مل رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ رجب علی باپ اور بھائی کا دشمن بن سکتا ہے۔ بیگم کی طبیعت بھی کچھ زیادہ ہی ناساز تھی۔ پورا گاؤں رجب علی سے نفرت کرنے لگا تھا اور رجب علی اب قرض کے انبار تلے مزید دبتا ہی چلا جا رہا تھا اور یہ باتیں نواب علی کے چین و سکون برباد کرنے کے لئے کافی تھیں۔

چمگادڑوں کی اودھم بازی ہر رات جاری تھی۔ چمگادڑیں ہر رات صرف شور کرتی تھیں اس کے علاوہ کوئی اور نقصان نہ کرتی تھیں۔ خیر نواب علی نے حیدر کو کوئی بھی بات بتانے سے پرہیز کیا اور چند دن کا کہہ کر دہلی اپنے ایک بہت ہی دیرینہ دوست کے پاس چلے گئے۔ ان کا یہ دوست بہت قریبی تھا جس سے نواب علی اپنی ذاتی اور گھریلو باتوں پر مشورہ کیا کرتے تھے۔

دہلی پہنچ کر نواب علی نے تمام گھریلو باتیں، رجب علی کی نافرمانی اور اپنے خواب کا مفصل ذکر بمعہ چمگادڑوں

کے کیا تو ان کا دوست یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور اس نے نواب علی کو تسلی دی کہ ''تم گھبراؤ نہیں، میرے ایک بہت ہی پہنچے ہوئے حکیم صاحب ہیں ان کے پاس چلیں گے اور مجھے امید ہے کہ اللہ کے فضل سے یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

دوست کی باتیں سن کر نواب علی اچنبھے میں پڑ گئے اور بولے۔ ''اکرام اللہ، مجھے کیا کوئی جسمانی بیماری ہے کہ تم مجھے کسی قابل حکیم کے پاس لے کر جاؤ گے۔''

یہ سن کر دوست مسکرایا اور پھر بولا۔ ''نواب وہ حکیم ہی نہیں، نادیدہ، ماورائی اور جادو منتر کا توڑ بہت موثر طریقے سے کرتے ہیں، میں ان کی شہرت سن چکا ہوں اور کئی لوگوں سے ان کی کارگزاری کا عملی مظاہرے کا بھی دیکھ چکا ہوں، کل صبح کے وقت چلے چلیں گے۔''

دوسرے دن نواب علی کو لے کر اکرام اللہ حکیم وقار کے مطب پہنچ گئے، علیک سلیک کے بعد نواب علی نے اپنی پوری روداد حکیم وقار اور رولوکا کے گوش گزار کر دی۔

نواب علی کی باتیں سن کر رولوکا نے تسلی دی اور بولا۔ ''نواب صاحب اولاد پر سے اگر والدین کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے تو اکثر اولاد نافرمان ہو جاتی ہے اور پھر اوپر سے رقم کی ریل پیل ہو تو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اولاد آزادی چاہتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرے کوئی اور آنکھ اسے نہ دیکھے جو کہ اس کی نگہداشت پر معمور ہو، بہر حال آپ سے اور زیادہ آپ کی بیگم سے غلطی ہوئی کہ آپ لوگوں نے جائیداد کی باگ ڈور اس کے حوالے کر دی۔ خیر آپ سکون سے جائیں اور جتنی جلدی ہو سکے اپنے گاؤں پہنچ جائیں، آپ پتہ دے جائیں آپ کے گھر پہنچتے ہی میں بھی بلیا پہنچ جاؤں گا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔''

نواب علی نے اپنے گھر کا پتہ لکھ کر رولوکا کے حوالے کیا اور مصافحہ کرنے کے بعد اکرام اللہ کے ساتھ ان کے گھر آ گئے۔ وہ دن اور رات نواب علی نے دہلی میں گزارہ اور پھر دوسرے دن اکرام اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دہلی سے بمبئی اپنے بیٹے حیدر علی کے پاس آ گئے۔

حیدر علی باپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور بتایا۔ ''چمگادڑوں کا شور و غل رات میں اب کچھ زیادہ ہی ہے۔'' یہ سن کر نواب علی نے حیدر علی کو تسلی دی اور بولے۔ ''بیٹا گھبراؤ نہیں یہ چند دنوں کی بات ہے، اللہ نے چاہا تو بہت جلد دکھ اور پریشانی سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور میں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ کل کی گاڑی سے گاؤں واپس چلا جاؤں، تمہاری امی کی طبیعت بھی کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی ہے اور رجب علی کی شکایتیں بھی بہت مل رہی ہیں۔ گاؤں آنے کے لئے میں تمہیں خبر کروں تو فوراً آ جانا اور مجھے امید ہے کہ تم میری بات مانتے ہوئے فوراً چند دنوں کے لئے ضرور میرے پاس آ جاؤ گے۔''

حیدر علی نے باپ کی باتیں سن کر انہیں اطمینان دلایا۔ ''آپ پرسکون ہو کر گھر جائیں اور جیسے ہی آپ کی طرف سے کوئی خبر آئی تو میں فوراً آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا، امی اور بھائی کو سمجھایئے گا۔ میں کچھ رقم دے رہا ہوں، یہ اپنی ذات اور امی کے علاج پر خرچ کیجئے گا۔'' خیر نواب علی واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

نواب علی کو دیکھتے ہی ان کی بیگم شہزادی بہت خوش ہو گئیں مگر رجب علی کے ماتھے پر بل پڑ گئے، اس نے کہا۔ ''ابا آپ اچھا بھلا چلے گئے تھے اور وہاں سکون سے تھے، کیوں یہاں پر آ گئے اس جنجال میں۔'' رجب علی کی باتیں سن کر نواب علی تو خاموش رہے مگر شہزادی بیگم سے رہا نہ گیا بولیں۔ ''رجب علی تم بہت بدمزاج اور بد اخلاق بھی ہو گئے ہو، ہمارا لاڈ پیار اور بے جا چھوٹ نے تمہیں سوجھ بوجھ اور اخلاق سے دور کر دیا ہے، بہر حال اب تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو، ابھی ہم زندہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے، بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا آگے کی تم خود سوچ سکتے ہو۔''

تیسرے دن رولوکا نواب علی کے پاس پہنچ گیا تو رولوکا کو دیکھ کر نواب علی بہت خوش ہوئے، نواب علی نے رولوکا کو حالات سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ ہر روز رات

میں چمگادڑوں نے اودھم مچایا ہوا ہے اور ان کی کوشش ہے کہ میں رات میں نہ سوسکوں۔ یہ سن کر رولوکا بولا۔ ''نواب صاحب آپ گھبرائیں نہیں آپ کا جو بھی دشمن ہے وہ منہ کی کھائے گا اور بہت پچھتائے گا، میں نے اصل حقیقت کا پتہ کر لیا ہے، میں تو صرف یہی کہوں گا کہ ''گھر کو آگ لگ گئی ہے گھر کے چراغ سے''

رولوکا کے پہنچنے سے نواب علی کی خوشی کی انتہا نہ تھی وہ بالکل مطمئن ہوگئے تھے کیونکہ رولوکا نے یقین دلایا تھا کہ ''نواب صاحب آپ کے حالات چند دن میں آپ کے قابو میں آجائیں گے اور آپ کا دشمن ہر حال میں پھنسا ہوگا چونکہ یہ جادو منتر کا کام ہے لہٰذا اس کا روکنا اور توڑ کرنا ضروری ہے۔''

رات کے وقت رولوکا روپوشی کی حالت میں پیارے لال کے پاس پہنچ گیا۔ پیارے لال دھونی جمائے بیٹھا تھا اور چند چمگادڑیں اس کے سر پر منڈ لا رہی تھیں کہ اتنے میں اس کی آواز سنائی دی۔ ''ارے اب چلے بھی جاؤ، وقت ہوگیا ہے، تم لوگ کچھ زیادہ سست ہوگئے ہو، کیا تم میں اب زور نہیں رہا، چند دن میں ان کا کام تمام کرو، میں زیادہ دن پابند نہیں رہ سکتا۔''

لیکن یہ کیا! دیکھتے ہی دیکھتے تمام کی تمام چمگادڑیں زمین پر گر کر ختم ہوگئیں جسے دیکھ کر پیارے لال کی سٹی گم ہوگئی اور پھر رولوکا کی رعب دار آواز گونجی۔ ''پیارے لال تو چمگادڑوں کو اڑانے میں اناڑی ہے، دیکھ ان چمگادڑوں کا حال، چمگادڑیں اڑا اڑا کر تو اپنے آپ کو بلوان سمجھنے لگا تھا، مگر تجھے یہ یاد نہیں رہا کہ کوئی تجھے بھی اڑا سکتا ہے۔'' یہ سن کر پیارے لال بولا۔ ''ارے تو ہے کون؟ ذرا میرے سامنے تو آ، پھر میں تجھے دیکھتا ہوں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرے سامنے آ۔''

پیارے لال کے سامنے جو آگ جل رہی تھی اچانک اس آگ میں سے ایک شعلہ لپکا اور پھر پیارے لال کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، پیارے لال کی ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پیارے لال مجسم جل کر خاکستر ہوگیا۔ ایک اور شعلہ اوپر کو اٹھا اور اوپر جا کر ایک طرف غائب ہوگیا۔

صبح کے وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ ایک کڑکتی ہوئی بجلی رجب علی اور اس کے چند دوستوں پر گری جس سے وہ لوگ رجب علی سمیت جل کر مر گئے۔ وہ لوگ رات میں ایک جگہ بیٹھے شراب سے مست ہو رہے تھے۔

نواب علی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ رولوکا ان کے پاس آیا اور بولا۔ ''نواب صاحب کوئی بھی ظالم ظلم کرتے وقت یہ بھول جاتا ہے کہ ایک سپر طاقت بھی موجود ہے جو کہ قلب کو بھی دیکھتی ہے۔ وہ ظالم دندناتے ہوئے تمام رشتے ناتوں کی دھجیاں بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے جو ہوا اس پر صبر کریں آپ کے بیٹے نے بھی ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا، اب آپ اپنے حالات پر نظر رکھیں اور مجھے اجازت دیں۔'' یہ کہہ کر رولوکا نے نواب علی سے مصافحہ کیا اور دہلی واپس آ گیا۔

نواب علی نے بمبئی سے اپنے چھوٹے بیٹے حیدر علی کو بلوالیا اور سمجھا بجھا کر جائیداد کا بار حیدر علی کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حیدر علی بھی اب مجبور تھا لہٰذا اس نے باپ کی بات مانتے ہوئے خود کو حالات کے سپرد کر دیا اور نئے عزم سے آگے بڑھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

☆......☆......☆

کئی دنوں سے رولوکا کے پاس کوئی ایسا کیس نہیں تھا کہ وہ اس میں مصروف ہوتا لہٰذا اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہمالیہ کی ترائی میں جا کر بڑی اور نایاب جڑی بوٹیاں تلاش کروں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ ہمالیہ کی ترائی میں پہنچ گیا۔ جب وہ بے شمار جھاڑیوں کے جھنڈ کے پاس پہنچا تو اسے اچانک کسی کی کربناک سسکیاں اور آوازیں سنائی دیں۔

''میں تھک گیا ہوں، اب مجھ سے پاپ کے کام نہیں ہوتے، میں اکتا گیا ہوں، میں زندگی بھر پاپ کے دلدل میں وقت کے ساتھ ساتھ دھنستا رہا، مرنے

کے بعد بھی میری آتما کو چین نہیں، میں دربدر بھٹکتے بھٹکتے تھک گیا ہوں، ایشور! میری غلطیوں کو معاف کردے، ایشور! مجھے اپنے شرن میں لے لے، مجھے اپنے شرن میں لے کر اذیت ناک سزا دے لیکن مجھے اس اگلوتا نامی بدآتما سے بچالے۔ ایشور! مجھے مکتی دلانے کے لئے اپنی طرف سے کسی مہا پرش کو بھیج دے۔ ایشور......!! ایشور......!! میری آتما کو شانتی دے، میرے گناہوں، غلطیوں کو معاف کردے۔''

سسکیاں مزید تیز ہوگئیں۔ ان سسکیوں میں اتنا درد تھا کہ رولوکا کے آگے بڑھتے ہوئے قدم یکدم رک گئے۔ رولوکا اپنی روحانی طاقتوں کے بل بوتے پر اس آتما کے سامنے ظاہر ہوگیا۔ رولوکا کو دیکھ کر وہ سسکتی ہوئی روح اچنبھے میں پڑ گئی یک ٹک رولوکا کو دیکھنے لگی۔ اس کی آواز گنگ تھی وہ کیا بولتی اپنے سامنے ایک جیتے جاگتے انسان کو دیکھ کر اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی اور یہ سوچنے پر مجبور تھی کہ یہ انسان کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے کیونکہ اکثر بھٹکتی ہوئی روحوں کو عامل لوگ اپنے قابو میں کر کے اپنا غلام بنا لیتے ہیں، اس روح کی حالت غیر کو دیکھتے ہوئے رولوکا بولا۔

''اے مصیبت زدہ روح، لگتا ہے تو مجبوری کے دلدل میں پھنس گئی ہے، کسی غلط آدمی نے تجھے اپنا غلام بنالیا ہے۔ تیری کربناک اذیت ناک باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تو زندگی بھر گناہوں کے سمندر میں غوطے لگا تا رہا ہے۔ یہ اگلوتا کون ہے اور یہ تجھ سے زندگی بھر غلط کام کیوں کراتا رہا ہے اور آج مرنے کے بعد بھی تیری روح پر اس کا قبضہ ہے، میں نے محسوس کیا ہے کہ زندگی بھر تو نے جو کام کئے ہیں اس میں تیری اپنی مرضی کم تھی لیکن بندہ حرص کا پتلا ہے اپنے فائدے اور عیش وعشرت کو دیکھتے ہوئے گناہوں کے دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور تو نے بھی ایسا ہی کیا۔''

رولوکا اتنا بول کر خاموش ہوگیا تو سسکتی ہوئی روح نے خود کو قابو کیا اور بولی۔ ''مہا پرش! لگتا ہے تو بڑی طاقتوں کا مالک ہے، تیری نگاہیں بڑی دور تک دیکھتی ہیں، تو ڈھکی چھپی باتوں کو بھی جان لیتا ہے، ایشور نے تجھے بہت شکتی دی ہے کیونکہ ایک مہاپرش ہی کسی آتما کو دیکھ سکتا ہے اور آتما کی آواز سن سکتا ہے، مہاپرش! میری تجھ سے التجا ہے اور میں تجھے بھگوان کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری آتما کو شانتی دلادے، میں پاپ کے کام کرتے کرتے اب تھک گیا ہوں۔''

رولوکا بولا۔ ''پہلے تو اپنی پوری کہانی سنا کیونکہ بغیر پوری بات معلوم کئے میں اچھائی اور برائی میں کیسے تمیز کرسکتا ہوں اور اگر تو واقعی اپنی غلطیوں پر نادم ہے، زندگی بھر پاپ کے کام کئے اس میں تیرا اپنا کہاں تک کردار رہا، میں کوشش کروں گا کہ تیری روح کو سکون مل جائے اور تیری روح اپنے اصل مقام پر پہنچ جائے، خدا بہت بڑا بخشنے والا ہے اور اس کا کام رحم کرنا ہے۔''

رولوکا کی باتیں سن کر وہ روح مطمئن نظر آنے لگی اور پھر بولی۔ ''مہاپرش یہ بہت لمبی کہانی ہے کیا تو میرے لئے اتنا وقت نکال سکے گا کہ میری پوری کہانی سن سکے۔''

رولوکا بولا۔ ''میں تیری مدد کا عہد کرچکا ہوں اور میری بھی دلی خواہش ہے کہ تیری روح کو سکون ملے اور اگر اس کے لئے مجھے پریشانی بھی اٹھانی پڑی تو میں گھبراؤں گا نہیں۔ آج کا وقت تو ختم ہوا، تھوڑی دیر میں صبح ہوجائے گی لہٰذا کل ہماری ملاقات اسی جگہ پر ہوگی اور ہاں! تو یہ بتا کہ یہ اگلوتا نامی شیطان کب تیرے پاس آتا ہے۔''

رولوکا کی ہمدردانہ باتیں سن کر وہ بولی۔ ''اس کا کوئی وقت مقرر نہیں، جب بھی اس کا دل چاہتا ہے مجھے ڈھونڈ لیتا ہے اور مجھے اذیت پہنچا کر اپنے مطلب کا کام کراتا ہے اس کا زیادہ تر کام نوجوان ناریوں پر قبضہ کر کے اپنی خوراک حاصل کرنا ہے اور یہ کام مجھ سے کراتا ہے، اگر میں انکار کرتا ہوں تو پھر ناقابل برداشت تکلیف میری آتما کو دیتا ہے۔''

''اچھا اب میں چلتا ہوں، کل ہماری ملاقات ضرور

ہو گی اور کل سے میں تیری پوری کہانی سنوں گا اور یہ بھی بتا ۔ یہ کہ تیرا نام کیا ہے؟'' رولو کا نے کہا۔

''مہا پرش! میرا نام دیا رام ہے۔''

☆......☆......☆

''بھئی کیا بات ہے؟ کچھ زیادہ پریشان لگ رہے ہو۔'' حکیم وقار نے رولو کا سے پوچھا۔

حکیم صاحب! کل رات ایک بھٹکتی ہوئی روح سے آمنا سامنا ہوا، اس شخص کو دنیا سے گئے ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے مگر بدی کا ایک ہرکارہ جو کہ اس کی زندگی میں بھی اس سے گندے کام کراتا رہا اور مرنے کے بعد بھی اس سے اپنی من مانی کرار ہا ہے۔ آج کل یہ روح نا قابل برداشت اذیت میں مبتلا ہے اور چاہتی ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس شیطان سے اس کی جان چھوٹ جائے اور اپنی اصل منزل پر پہنچ جائے لیکن مسئلہ بہت گمبھیر ہے کیونکہ بدی کا وہ ہرکارہ ایک جگہ ٹھہرتا نہیں اور جب اس کا دل چاہتا ہے اس کے پاس آتا ہے اور اسے اذیت سے دو چار کر کے اپنا مقصد حل کراتا ہے۔

حکیم صاحب! میں چاہتا ہوں کہ یہ کیس اس طرح حل ہو کہ بدی کے ہرکارے عبرت پکڑیں اور معلوم ہو کہ اللہ کے نیک بندے کمزور نہیں ہوتے، وقتی طور پر ہلکان ضرور ہوتے ہیں مگر سچائی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں، میں اس خبیث کو اتنا ہلکان کروں گا کہ یہ پناہ مانگے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے، اس کے لئے مجھے اپنے استادوں اور بزرگوں سے بھی مدد لینی پڑے گی۔ کام ذرا لمبا ہے اور رات کا ہے۔

''بھئی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مشن میں کامیاب کرے اور جلد از جلد اس روح کی بھی اس شیطان سے جان چھوٹ جائے۔ اس لئے بڑے بزرگوں نے کہا ہے اور اللہ کے پیغامبر بھی دنیا والوں کو یہی بتاتے رہے کہ اچھے کام کرو، بھلائی کا راستہ اختیار کرو تا کہ تمہیں دین و دنیا دونوں میں فلاح ملے لیکن انسان اپنی چند روزہ زندگی کے عیش و عشرت کے لئے اس قسم کے گھناؤنا عمل کرتا ہے کہ انسانیت کانپ جاتی ہے اور لوگ اس شخص کے لئے بددعائیں کرنے لگتے ہیں، شیطان چونکہ ہر وقت اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ لگا رہتا ہے اور پھر موقع ملتے ہی یہ لوگوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور شرمناک غلط قسم کے کام کرانا شروع کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص کی روح آج اذیت سے دو چار ہے اگر یہ اپنی زندگی میں اپنے نفس کا غلام نہ ہوتا تو مرنے کے بعد بھی اس کربناک اذیت میں مبتلا نہ ہوتا۔ بہر حال تم کوشش کرو کہ اس روح کو سکون ملے اور یہ اپنی اصل منزل پر پہنچ جائے، میں پھر کہتا ہوں کہ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' حکیم وقار یہ باتیں کر کے خاموش ہو گئے۔

رولو کا بولا۔ ''حکیم صاحب آج رات سے یہ کام شروع ہو جائے گا۔ رات میں ہماری ملاقات آپ سے ہونا مشکل ہے اور اگر کوئی ایمر جنسی ہوئی تو اس کی الگ بات ہے اور رات میں کوئی بھی میرے کمرے میں نہ آئے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ہی بھاگ دوڑ کا کام ہے کیونکہ اگلوتا ایک جگہ نہ ٹھہرتا ہے اور نہ کوئی اس کا مستقل ٹھکانہ ہے۔ بہر حال مجھے امید ہے کہ آپ کی دعاؤں سے یہ کام اپنے انجام کو پہنچے گا۔''

☆......☆......☆

رات کے وقت رولو کا روپوشی کی حالت میں، وقت مقررہ پر ہمالیہ کی ترائی میں اسی جھاڑی کے قریب پہنچ گیا جہاں کہ دیا رام کی روح کربناک آواز کے ساتھ سسک رہی تھی۔ رولو کا جھاڑی کے قریب پہنچ کر پہلے تو اس نے اپنے پوشیدہ کارندوں کو کچھ اشارہ دیا، اپنے گرد ایک پوشیدہ دائرہ قائم کیا اور پھر دیا رام کی روح کو آواز دی۔

''دیا رام میں حسب وعدہ آ گیا ہوں۔ تو بھی جلدی آ جا۔''

چند منٹ کے اندر ایک آواز سنائی دی۔ ''مہا پرش میں آ گیا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی کے اپنے وعدے

کے مطابق آ گئے اور مجھے اب یقین ہے کہ تم ایک رحم دل پرش ہو اور ایشور نے واقعی تمہیں اپنی مہربانی سے بلوان شکتی دی ہے اور اب مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ میری بھٹکتی آتما کو بہت جلد مکتی مل جائے گی، ایشور سے میری پرارتھنا ہے کہ ایشور تمہیں دوسروں کی بھلائی کے لئے اور بھی زیادہ شکتی دے اور تم بہت بڑے شکتی شالی بن جاؤ۔"

رولوکا بولا۔ "دیا رام اب تو اس شیطان اگلوتا سے بالکل بھی نہ گھبرانا۔ اب وہ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہیں کر سکے گا۔ میرا تجھ سے وعدہ ہے، اب میں ہی اس کے سارے حملوں کا جواب دوں گا۔ تو اپنی کہانی شروع کر کیونکہ یہاں پر وقت کی بہت اہمیت ہے اور مجھے دلی سے آنا پڑا ہے۔"

رولوکا کی باتیں سن کر دیا رام کی روح بولی۔ "مہا پرش میں ایک مرتبہ پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایشور تمہارا بھلا کرے۔ میری کہانی میری ماں کی پیدائش کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔

شہر کان پور کے ایک نہایت غریب گھرانے میں لڑکی پیدا ہوئی، اس کی پیدائش پر نہ باپ خوش ہوا نہ ماں، بس اس کو پیدا ہونا تھا، ہو گئی۔ ذات کے چمار اور لوگوں کی گالیاں جھڑکیاں اور مار کھانے والے آدمی کی زندگی میں کیا خوشی اور کیا غم، اس کے دن رات تو لوگوں کی چاکری کرنے اور ان کی مار کھاتے گزرتے تھے، ہاتھ جوڑنے کی عادت بچپن سے ایسی پڑی تھی کہ ہاتھ جڑے ہی رہتے تھے۔ بڑی ذات کے ہندو اس کو انسان کب گردانتے تھے، وہ تو ایک ایسی مشین تھا جو بیس گھنٹے چلتی تھی۔ دن ہو رات ہو، وہ ایک آواز پر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا، وہ جانتا تھا کہ میں غلام پیدا ہوا ہوں، میری اولاد بھی غلامی کرے گی۔ لڑکی ہو گی تو اور ڈبل محنت کرنا ہوگی خوب صورت ہوئی تو اور زیادہ پریشانی میں پڑے گی۔ ان حالات میں اس کم ذات انسان کو اولاد کی کیا خواہش ہو سکتی تھی مگر ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔

مایاوتی پیدا ہوگئی اور کسی ستم ظریف نے اسے اس کا نام مایا رکھ دیا مگر اس مایا نے ماں کی شفقت بھری گود نہ دیکھی اور پیدا ہوتے ہی مایا کی ماں مر گئی اور اس کے نام کے ساتھ پہلا تمغہ ڈائن کا ملا۔ "ارے ماں کو پیدا ہوتے ہی ڈکار گئی۔ اب دیکھو کس کو کھاتی ہے ارے شکل سے ہی ڈائن لگتی ہے کیا بڑے بڑے ہاتھ پیر ہیں نگوڑی کے منہ تو دیکھو کیا بھاڑ سا ہے۔" محلّہ کی عورتوں کی زبانیں اپنی اپنی رائے دینے لگیں مگر کسی نے اس ننھی سی جان پر ہاتھ نہ رکھا۔ خوشو اس کا باپ پریشان اس لڑکی کا کیا کرے کیا اس کو بھی بیوی کی چتا میں رکھ کر جلا دے مگر جلانے کو لکڑی لگتی ہے گھی لگتا ہے اور جلانے والے کو روپے بھی دینا پڑتا ہے، بہت بھاری خرچ ہے وہ کہاں سے لائے؟ گنگا میں بہا دینا ہی آسان ہے۔ وہاں پر بہت بڑے بڑے کچھوے ہیں کھا پی کر برابر کر دیں گے مگر اس زندہ لڑکی کا کیا کرے زندہ کو تو نہیں ڈالا جا سکتا۔

محلّہ ترکھان میں خوشو کی ایک تائی رہتی تھی وہ بھی خوشو کی طرح ستم رسیدہ تھی اس کی کوئی اولاد نہ تھی خوشو اس کے پاس گیا اور اس سے ہاتھ جوڑ کر بنتی کی کہ وہ اس لڑکی کو اپنے پاس رکھ لے جو دودھ کا خرچ ہوگا میں دے دیا کروں گا۔

تائی بولی۔ "وہ تو ٹھیک ہے مگر دن بھر رکھوالی کون کرے گا میں خود دن بھر چاکری کروں ہوں گھر میں کون ہے جو اس کو رکھے گا اکیلی پڑی رہے گی۔"

خوشو بولا۔ "تائی کچھ کر، میں تجھ سے شکایت نہیں کروں گا بس تو اپنی گود میں لے لے۔"

عورت میں ممتا کبھی نہیں مرتی، دب جائے پر مرتی نہیں۔ تائی کو اولاد نہ ہوئی مگر ممتا تو تھی اور اس ممتا نے اس کو یہ بھاری پتھر اٹھانے کا حوصلہ دیا اور مایاوتی اس کی گود میں آ گئی اور تائی کے پاس پرورش پانے لگی۔ وہ جہاں جاتی مایا کو ساتھ لگائے رکھتی اس طرح اس کے کام میں حرج ہوتا تو لوگ اس کو گالیاں دیتے۔ "ارے یہ کیا دم لگائے رکھتی ہے۔"

مگر تائی کے من میں ایسی ممتا جاگی کہ اس نے مایا کو خود سے جدا نہ کیا ہر قسم کی باتیں برداشت کیں کام میں

مشکل پڑی، روٹیوں میں کمی ہوئی گالیاں بڑھ گئیں مگر اس نے برداشت کیا۔

اور مایا بڑی ہوتی گئی۔ لوگوں کی جوٹھن کھانے والی مایا نے بڑی جلدی ہاتھ پیر نکالے اور وہ بڑی ہوتی گئی اور پھر دس سال کی عمر میں جوان نظر آنے لگی اور تائی کے ساتھ کام کرنے لگی، عورتیں اس کی اس بڑھت سے بیزار ہونے لگیں ان کو اپنے مردوں کی فکر ہوگئی۔

"دیکھ ری تو اس لونڈیا کو نہ لایا کر کہہ دیا ہے میں نے۔"

تائی کہتی۔ "یہ تو دوڑ دوڑ کر سب کام کرے ہے نقصان کا کرے ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے تو دیکھ نہیں رہی کتنی جلدی جانے ہاتھ پیر نکالے ہیں ارے مرد ذات کا کیا بھروسہ کب کودے دار ہڈی کی طرف۔ ۔ پڑے تو کیا نہ جانے مرد تو آخر مرد ہے۔"

اور پھر ایک مرد نے مایا کو بھنبھوڑ ہی ڈالا۔ "تائی کچھ نہ کرسکی اور اس کی جورو نے تائی کو نکال باہر کیا اور پھر یہ سلسلہ رکا نہیں تائی کڑھتی رہی باپ پلٹ کر نہ آیا اور مایا چکی کے دونوں پاٹ کے درمیان آگئی۔

بھیڑ تو جہاں جائے مونڈی ہی جاتی ہے تائی مرگئی اور بھیڑ مونڈتی رہی۔ چودہ سال کی عمر میں اس کے پیٹ میں ہلچل ہوئی اور ٹھیک نو ماہ کے بعد یہ ہوا کہ محلّہ کی عورتوں کے سامنے وہ تڑپ رہی تھی۔ دائی نے اعلان کردیا کہ بچہ الٹا ہے پیدا نہیں ہوگا عورت کے لئے خطرہ ہے مگر وہ ضدی بچہ پیدا ہوا اور مایا ٹھنڈی ہوگئی سب نے کہا۔ "یہ تو الٹا پیدا ہوگیا پر ماں کو نگل گیا۔"

ایک بوڑھی بولی۔ "ارے یہ جنم جلی بھی اپنی ماں کو نگل گئی تھی۔"

جس کو زندہ رہنا ہوتا ہے وہ ہر حالت میں زندہ رہتا ہے، دیا رام یعنی مجھ کو زندہ رہنا تھا تو میں بھی زندگی کی ہزاروں سختیاں برداشت کرتے ہوئے زندہ رہا کسی نے دے دیا تو کھالیا نہ ملا تو مانگ تانگ لیا اور پھر نہ ملا تو چرالیا مگر پیٹ کا دوزخ بھرلیا لڑکپن میں ہی غلامی کی زنجیر گلے میں پڑگئی اور میں بھی اس لائن پر آگیا جو سب سے نچلی ذات کے لوگ کرتے تھے، ان کی زندگی میں خوشیاں نہیں ہوتیں ان کی عورتیں ان کی ہی نہیں ہوتیں ان کی لڑکیاں بڑی ذات کے ہندوؤں کے استعمال کے لئے ہوتی ہیں کیونکہ وہ ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے، زبان نہیں کھول سکتے، ان کی زبانیں کاٹ دی جاتی ہیں۔

میں نے یہی دیکھا تھا اسی ماحول میں، میں نے آنکھ کھولی تھی، میرے مزاج میں یہ سب کچھ تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ مجھ میں ضد اور کینہ بھی تھا، شاید یہ پیڑی در پیڑی غلامی کے بدلے مجھے ملا تھا یا اس طرف سے آیا جو میرا باپ تھا، یہ تو طے تھا کہ میں کسی بڑی ذات کا خون تھا۔ مگر کون تھا وہ؟ یہ تو شاید میری ماں کو بھی اندازہ نہ ہو۔

"دیا رام یعنی میری ضد اور کینہ اپنی جگہ مگر زبان خاموش تھی کیونکہ لات جوتا میرے سر پر ہر وقت موجود تھا میری عمر بیس سال ہوگئی تھی میرے تن پر صاف کپڑا نہیں آیا تھا اور میرے پیٹ میں اچھا کھانا نہیں پڑا تھا مگر اس کے باوجود میں جوان ہورہا تھا۔ جوانی تو ایک آندھی ہے ہر ایک پر آتی ہے اور مجھ پر بھی آرہی تھی، تو کیا تعجب کی بات تھی میرے کام بڑھ رہے تھے، غلامی کی زنجیریں سخت ہورہی تھیں، مجھ میں ضد اور بڑی ذات کے ہندوؤں کے خلاف کینہ بھی بڑھتا جارہا تھا۔

ہندو معاشرے میں شودر کو انسانی مرتبہ نہیں ملتا اس کے کوئی حقوق نہیں ہوتے۔

مختصر الفاظ میں ہندو قوم کا تعارف ہے کہ اس مذہب میں انسانیت سوز ذات پات کا امتیاز ہے کچھ لوگوں نے اس ذات پات کو ختم کرنے کی کوشش ضرور کی تھی مگر وہ ناکام و نامراد ہوئے اس کی وجہ ہزاروں سال سے ہندوؤں کی گھٹی میں ذات پات کا امتیاز رچا بسا ہے اس انسانیت سوز تعلیم کا سرچشمہ ان کی اپنی مذہبی کتب ہیں مثلاً وید میں لکھا ہے کہ برہمن پرماتما کے منہ سے پیدا ہوا، کھشتری بالوں سے پیدا ہوا، ویش ہاتھوں سے پیدا ہوا

اور شودر پاؤں سے پیدا ہوا۔

گویا ہندوؤں کی مذہبی کتب خود ہندوؤں کو چار ذاتوں میں تقسیم کرتی ہیں۔

آگے وہی مذہبی کتابیں کہتی ہیں کہ وید برہمن کے لئے ہے، حکومت کے لئے، کھشتری، کاروبار کے لئے ویش ہے، اور دکھ اٹھانے کے لئے شودر کو پیدا کیا ہے۔ ذات پات کی تقسیم کے متعلق ہندوؤں کی مذہبی کتب مزید کہتی ہیں کہ برہمنوں کے لئے وید کی تعلیم اور خود اپنے دوسروں کے لئے دیوی دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دان لینے کا حق دار صرف برہمن ہے۔"

کسی اور ذات کو اس کا حق دار قرار نہیں دیا گیا۔ تمام ذاتوں میں برہمن فرقہ کو فضیلت حاصل ہے۔ ان کی گزر اوقات دوسری ذاتوں کے دان پر ہے اور دان لازمی ہے۔ برہمن کو دان دینا ہندو کا اعلیٰ ترین فرض ہے ان کی مذہبی کتب مزید کہتی ہیں جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ برہمن کا مال ہے۔

برہمن اگر ضرورت پڑے تو غلام شودر کا مال جبراً لے سکتا ہے اس سلسلے میں اس پر کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا مذہبی کتب برہمن کے متعلق آگے کہتی ہیں کہ بادشاہ کو کیسی ہی سخت ضرورت ہو وہ مرتا بھی ہو تو اسے برہمن سے محصول نہیں لینا چاہئے، سزائے موت کے عوض میں برہمن کا سر مونڈا جائے لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے، راجہ کو نہیں چاہئے کہ برہمن کو کسی حالت میں قتل کیا جائے حالانکہ اس نے کتنا ہی بڑا جرم کیوں نہ کیا ہو۔ ایسے مجرم کو مال اور جان کے ساتھ صرف ملک بدر کر دینا چاہئے۔

ذرا غور کریں یہ قوانین برہمن کے بنائے گئے ہیں ان کو بنانے والا کون ہو سکتا ہے؟ بنانے والے نے برہمن کی ہر خطا کو معاف کر دیا ہے اگر ان کتابوں کو لکھنے والا کوئی غیر جانب انسان تھا تو اس نے برہمن کو اتنی مراعات کیوں دی ہیں؟

شودر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بڑی ذات کے مندروں کے قریب بھی نہ جائے اگر اس کے کان میں بڑی ذات میں بولے جانے والے اشلوک آ جائیں تو اس کے کان میں سیسہ ڈال دیا جائے اور سخت سزا دی جائے۔

ایک انسان کو اتنا اونچا اور دوسرے کو اتنا گرا دینا انسانیت کے زمرے میں نہیں آتا۔ شودر کے بارے میں بڑی سخت پابندیاں ہیں وہ اس راہ پر نہیں چل سکتا جس پر بڑی ذات کے ہندو چلتے ہوں وہ اس خوراک کے کھانے کا بھی حق دار نہیں جو بڑی ذات کا ہندو کھاتا ہے۔ وہ صرف اعلیٰ ذات کے وہ کام کر سکتا ہے جو گندے ہوں۔ شودر پر زندگی کے تمام دروازے بند ہوتے ہیں۔

نہانا دھونا ان کے لئے ناممکن ہوتا ہے کیونکہ کنوئیں چشمے پر اعلیٰ ذات قابض ہوتی ہے اور آگے چلیں شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہ عضو کاٹ دینا چاہئے۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا کر اسے سزا دی جائے۔

اگر شودر وید سنے تو اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈال دو اور وید پڑھے تو زبان کاٹ دو اگر وید یاد کرے تو اس کا دل چیر دو۔

ہندو دھرم میں ذات پات ایک ایسا آہنی بندھن ہے کہ ہر ذات کا آدمی جس ذات میں جنم لیتا ہے مرتے دم تک اسی میں رہتا ہے تعلیم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس کے باوجود وہ اپنی ذات برادری سے بغاوت کرنے کا تصور نہیں کرتے۔

اور میں اس ماحول میں پرورش پا کر جوان ہوا اور میری عمر 21 سال ہو گئی۔ میری نظریں زمین کی طرف ہو گئیں تا کہ کسی بڑی ذات کی ناری پر نہ پڑیں۔ مجھ پر کام کا اور بوجھ آ گیا۔ میں جس زمیندار کے تمام گندے کام کرتا تھا دن رات خدمت کرتا تھا اس کے دل میں میری عزت صرف اتنی تھی کہ وہ مجھے اپنے پالے ہوئے کتے سے بھی کم اہمیت دیتا تھا، میرا نام دیارام تھا مگر کسی نے بھی میرا نام نہیں لیا تھا سب اوئے "دیالو" کہتے تھے دیالو بگڑتے بگڑتے "دالو" ہو گیا تھا مگر مجھ کو اس پر کوئی اعتراض کرنے

کا حق نہ تھا۔ نصیب میں لات جوتا اور گالیاں تھیں ''ارے اوحرامی'' یہ جملے تھے، روزانہ مجھے سننا پڑتے تھے مگر میری زبان پر اس کا جواب نہیں آتا تھا، اندر کھولن ہوتی تھی دل جلتا تھا میں حرامی تھا مگر اس میں میرا کیا قصور تھا اور شودر کو یہ معاشرہ زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

میری زندگی اس طرح گزر جاتی مگر ایسا نہ ہوا اس لئے کہ مجھ میں اور ایک عام آدمی میں کچھ فرق ضرور تھا وہ فرق یہ تھا کہ میں پیروں کے بل پیدا ہوا تھا اور آدمی کے پیروں میں پڑا تھا، پر ماتما کے پیروں سے بنا ہوا میں پیروں کی طرف سے پیدا ہوا تھا، میری میں نے پیدا ہوتے ہی ماں کو مار ڈالا تھا اور وہ خود دنیا کے ستم سہتے سہتے جوان ہونے سے پہلے جوان کردی گئی تھی اور پھر میرے پیدا ہوتے ہی ماں کو مار ڈالا۔ ان خصوصیات کے ساتھ بھی میں شودر تھا اور وہی کام تھے میرے جو اس ذات کے ہزاروں سال سے نصیب تھے یہی ہوتا رہتا مگر ایسا نہ ہوا۔

میری ان خصوصیات نے مجھ کو انوکھا بنا ڈالا...... میں ایک مرا ہوا فرد تھا لیکن مجھ کو زندہ کردیا۔ میں ساری رات زمیندار جوگندر سنگھ کی لاڈلی بیٹی کی بارات کے پنڈال کے باہر بیٹھا رہا۔ پنڈال ایک میدان میں بنا تھا اور وہ گاؤں سے باہر تھا۔ رات میں ہر قسم کے جانور آیا کرتے تھے ان جانوروں میں جنگلی سور بھی تھے۔ میری ڈیوٹی تھی کہ جانوروں کو پنڈال کے قریب نہ آنے دوں اور خود بھی پنڈال سے دس بیس قدم دور اندھیرے میں رہوں، کسی جانور کو کسی کی نظر میں نہ آنے کی ہدایت تھی اگر یہ ہدایت نہ بھی ہوتی تو بھی میں اپنے بارے میں تو جانتا تھا کہ مجھے دور ہی رہنا ہے۔ مجھے زمیندار کی ہدایت کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی میرے کان میں دور رہنے کی ہدایت ڈال دی گئی تھی۔

رات بھر جاگنے کے بعد آدمی کو دن میں تو اونگھ آتی ہی ہے۔ تو میں بھی ڈیوڑھی کے باہر ایک کنارے بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ اچانک میرے سر پر ایک بھاری جوتا پڑا وہ جوتا بھی میری برادری کے کسی چمار کا بنایا ہوا تھا جس کے تلے میں گندگی لگی تھی میں نے گھبرا کر آنکھ کھول دیں بولا۔

''کون ہے؟''

آنے والے نے کہا۔ ''ارے حرامی کے پلے تو یہاں پر سو رہا ہے۔''

''تو اور کا کروں کام بتا ٹھاکر۔'' میں بولا۔

آنے والا زمیندار کا کارندہ اور ذات کا ٹھاکر تھا اکڑ کر بولا۔ ''ابے گندگی کے کیڑے یہاں پر کسی کی نظر پڑ گئی تو وہ تیرے متھے لگ جائے گا۔''

''تو پھر کہاں جاؤں سرکار! میں اس لئے یہاں تھا کہ شاید کوئی کام پڑ جائے۔'' میں نے کہا۔

''تو ایسا کر یہاں سے ٹل جا اور دیکھ کھیتوں کھیتوں جا سارے گاؤں میں براتی گھوم پھر رہے ہیں کسی کی نظر میں مت آئیو ورنہ زمیندار کی بدنامی ہوگی کہ سب کو کھلا چھوڑ دیا ہے اور ہماری کم بختی آ جاوے گی۔''

ابھی میں اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہ تھا کہ مجھ کو لگا جیسے میرے کاندھے پر کچھ گرا ہے، میں نے ہاتھ کاندھے پر مارا تو کچھ نہ تھا، کارندہ چلا گیا مگر ایک ہلکا سا بوجھ میرے کاندھے پر موجود تھا۔ میں کارندے کی ہدایت کے مطابق کھیتوں کی طرف چلا کہ میرے کان میں ایک بھاری آواز آئی۔ ''کدھر جا رہا ہے۔'' میں چونک کر کھڑا ہوگیا اور میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا مگر دور دور کوئی نہ تھا۔ میں نے سوچا۔ ''میرا ذہن نیند میں ہے میرے پاس کوئی نہیں ہے۔'' یہ سوچ کر میں نے پھر قدم آگے بڑھایا، پھر آواز آئی۔ ''کہاں جا رہا ہے؟ میں ہوں تیرے کاندھے پر تیرے ساتھ، میں تیرا متر ہوں، تیرا دوست ہوں، تیرے برے دن ختم ہوئے، میں نے تیرے جوان ہونے کا انتظار بہت کیا ہے۔ تو اس جگ میں اکیلا ہے جیسا مجھے چاہئے تھا میں تیری تلاش میں تھا اب میں تیرا دوست تیرے پاس ہوں بول مجھ سے بات کر ڈر مت کہ اب تو کمزور نہیں۔''

''میں ڈرتے ڈرتے بولا۔ ''تو کون ہے؟ اور نظر تو آتا نہیں۔''

''میں اکلوتا ہوں! پورے جگ میں میں کسی کو نظر

نہیں آتا۔ تجھے بھی نظر نہیں آؤں گا۔ پر جو کروں گا وہ سب کو نظر آتا ہے جو تو حکم کرے گا وہ ضرور پورا ہوگا۔"

میں بولا...... "تو میرے کہنے پر کام کرے گا ارے میرے کام تو سب الٹے ہوں گے تو کرے گا۔"

تو خود الٹا پیدا ہوا ہے تو تیرے کام بھی الٹے ہوں گے سیدھے کی امید تجھ سے کیا ہوگی۔" اگلو تا بولا۔

"رات بھر سور پریشان کرتے رہے کسی نے کھانے اور پانی کا نہیں پوچھا۔ دن میں بھی کچھ نہ ملا بھوکا پھر رہا ہوں۔ وہ سسرا پنڈال میں ایک سے ایک مٹھائی کھائی جا رہی ہے گرم گرم پوری اور ساگ کی لوٹ مچی ہے اور میں کل سے بھوکا ہوں بول میرے متر کیا یہ انصاف ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ انیائے ہے تیرے ساتھ بہت بڑا انیائے ہے بول میں کیا کروں تیرے لئے؟"

"ارے آگ لگا دے اس سسرے پنڈال میں اور میرے کھانے کا انتظام کر۔" میرے کاندھے سے بوجھ اتر گیا اور میں بہت تیزی سے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ گاؤں کی طرف سے آگ آگ کی آوازیں آنے لگیں لوگ دوڑ دوڑ کر پانی اس آگ پر ڈالنے لگے ایک افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا کان پڑی آواز سمجھ نہ آتی تھی ایک شور تھا اور میرے سامنے لذیذ مٹھائی کا تھال اور گرم گرم پوریاں اور ساگ رکھا تھا کہ میرے کان میں بھاری آواز سنائی دی۔ "لے متر تیرا کہا پورا ہوا تو بھوجن کر۔" میں نے ایسا بھوجن زندگی میں کب کیا تھا۔ ٹوٹ پڑا اس پر اور خوب رجھ کے پیٹ بھرا اور پھر گردن اٹھائی تو میرے کان میں آواز آئی۔

"اور بول پنڈال جل گیا ہے اور دولہا بھی جل کر بھسم ہو چکا ہے براتی اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے ہیں گاؤں والے جلے پنڈال میں اپنے کام کی چیزیں تلاش کرنے میں لگے ہیں زمیندار کے گھر سب سوگ میں پڑے ہیں تو یہی چاہتا تھا نا دیکھ جا کر تیری طبیعت نہال ہو جائے گی۔"

"ارے تو کیا دولہا بھی مر گیا۔" میں بولا۔

"اس کا مرنا ہی تو ضروری تھا سارا کھیل تو اس کا رچایا ہوا تھا پر تو کیوں فکر کرتا ہے تیرے ساتھ جو کچھ اب تک ہوا ہے یہ تو تیرا معمولی سا جواب ہے، تو کون ہے؟ ذرا غور کر، تو نفرت کی پیداوار ہے، تو گندگی کی پوت ہے، تو اس سماج کا دھتکارا ہوا آدمی ہے، تجھ سے سب نفرت کرتے ہیں تو برا ہے تیری ماں کے ساتھ برا کیا گیا اور اس پر ظلم وستم توڑے گئے پھر تو پیدا ہوا تیرے ساتھ اب تک کسی نے سوائے نفرت کے کیا سلوک کیا، تیرا نام اوئے حرامی اس سماج نے رکھا، دولہا بھی اس سماج کا تھا اور زمیندار کی نک چڑھی راج کماری بھی ذرا دل میں جھانک کر دیکھ کیا تیری یہی اچھا نہ تھی۔ میں تیرے دل کی ہر اچھا کو پورا کروں گا، تیرا ہر کام کروں گا، میں جانتا ہوں تیرے من میں ہزاروں سال کی نفرت ہزاروں سال کا بدلہ لینے کا جذبہ بھرا ہے، میں اس کو ہی پورا کرنے تیرے پاس آیا ہوں مگر کبھی میرے بارے میں نہ سوچنا کہ میں کون ہوں؟ میرے بارے میں کوئی نہیں جانتا کسی کو میرا نام پتہ نہیں ہے اس لئے کہ اس دنیا میں کیا کچھ ہے کسی کو اس کا اندازہ نہیں ہے، منش بہت جانتا ہے مگر اس پر بھی میں کہوں گا بہت کچھ نہیں جانتا تو اور تیری دنیا کے باشی میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں ایک غائب حاضر چیز ہوں اور کسی پر رحم نہیں کرتا، میرا کام بربادی ہے، مجھ سے کوئی کام ایسا کرنے کا نہ کہنا جس میں بربادی نہ ہو۔ میں تیرا متر ہوں تیرے لئے سب کروں گا مگر تو بھی کسی ایسے کام میں مجھے نہ لگانا جس سے کسی کو فائدہ ہوتا ہو۔ یاد رکھنا کہ کام تو ہو جائے گا پر اس کا بھلے کے ساتھ نقصان بھی ہوگا۔ دیکھ لے میں نے اپنے بارے میں اتنا بتا دیا اس سے زیادہ کبھی طلب نہ کرنا تو اس سماج کا سب سے کمتر وجود ہے مگر آج کے بعد تو اوپر آئے گا تو اسی سماج کا راجہ بنے گا۔ بول بنے گا راجہ۔"

میرے لئے یہ باتیں نئی تھیں میں نے تو صرف لات جوتا اور گالیاں سنی تھیں میں نے تو اب تک صرف

نفرت کمائی تھی میری سمجھ میں اتنی آسانی سے اگلوتا کا بھاشن کب آ سکتا تھا۔ میں منہ پھاڑ کر اس کی طرف یعنی آسمان کی طرف دیکھتا رہا بول تو کچھ نہ سکا۔ تو پھر میرے کان میں اگلوتا کی بھاری آواز آئی۔ ''میں جانتا ہوں تو اتنی جلدی اپنی موجودہ حیثیت کو نہیں پہچانے گا اس میں وقت تو لگے گا۔

کسی فقیر کو بادشاہ بنا دیا جائے تو اس کو بھی کئی دن یقین نہیں آتا اور تو تو کسی بھی بادشاہ سے بڑھ کر ہے تیرے حکم پر میں، وہ کروں گا جو کوئی نہیں کر سکتا۔''

پھر میں نے بڑی مشکل سے پوچھا۔ ''تیری باتیں نرالی ہیں میری سمجھ سے بہت اوپر ہیں، میں کم ذات بڑی ذات کے ہندوؤں کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں میرے دھرم نے بتایا ہے اور یہی پرکھوں سے ہوتا آ رہا ہے۔ پرانی پوتھیوں میں یہی لکھا ہے جب بھگوان نے انیائے کیا ہے تو ضرور کوئی وجہ تو ہوگی کیونکہ وہ تو مالک ہے۔ پھر آدمی سے کیا شکوہ کیا شکایت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

اگلوتا بولا...... ''آ جائے گی سن تو اگر ایک باغ آم کا لگاتا ہے اس میں پودے لگاتا ہے۔ پھر ان کی خدمت کرتا ہے سب پودے درخت بن جاتے ہیں اب تو یہ بتا تو سب سے برابر محبت کرے گا یا کسی سے کم کسی سے زیادہ کرے گا یا کسی سے کرے کسی سے بالکل نہیں کرے گا۔''

''میں بولا۔ ''میرے لئے تو سب برابر ہیں کیونکہ میں نے ان کو سینچا ہے۔''

''تو پھر اس دنیا کے بنانے والے سے یہ غلطی کیوں ہو رہی ہے کہ کچھ کو قابل نفرت اور کچھ کو قابل محبت بنا ڈالا ہے مگر یہ سب دھوکا ہے انسان کے ساتھ انسان کا فراڈ ہے یہ دھرم دھوکا ہے اس میں کچھ نے اپنے فائدے کے لئے یہ ذات پات اونچ نیچ کی خلیج پیدا کر دی ہے یہ سارے قانون اوپر کے نہیں ہیں دھرم کی بات تو تو کرتا نہیں، تو نے دیکھ لیا دھرم نے تجھے کیا دیا ہے سوائے نفرت کے، تجھے کچھ اور ملا ہے تو بتا، دھرم کی بات دھرم کے ٹھیکداروں کو کرنے دے کیونکہ اس میں صرف ان کا فائدہ ہے۔ ارے تجھے کچھ دیا ہے کہ تو دھرم کی بات کرے۔''

اور میرے دماغ میں یہ بات آ گئی کیونکہ میں تو اب تک نا قابل نفرت چیز تھا۔ انسان کب تھا۔

گردن ہلا کر بولا۔ ''تیری بات میری سمجھ میں آ گئی ہے یہ آدمی کے ساتھ آدمی کا دھوکا ہے اور یہی دھوکا ہزاروں سال سے ہوتا آ رہا ہے کوئی آواز نہیں اٹھاتا کہ بتائے یہ دھوکا ہے یا کوئی حیرت کی بات ہے۔''

اگلوتا بولا۔ ''میں جو بتانے آیا ہوں تیری قسمت کے لکھے کو میں بدلنے آیا ہوں تو خود حیران ہوگا کہ تو کیا سے کیا ہو جائے گا اب بول تو کیا چاہتا ہے؟''

''میں زمیندار کے پاس جاتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ وہاں کا کیا حال ہے؟''

اگلوتا بولا۔ ''ضرور جا میں تیرے ساتھ ہوں۔''

میں گاؤں میں داخل ہوا اور سیدھا زمیندار کی حویلی کی طرف چلا حویلی کے چاروں طرف سوگواری کی فضا تھی میدان میں پنڈال کے جلنے کے نشانات موجود تھے سارے گاؤں کے لوگ اور زمیندار کے سمدھیانے کے لوگ موجود تھے سب کے چہرے اترے ہوئے تھے ہر شخص سرگوشیوں میں باتیں کر رہا تھا۔

ان سب کے درمیان میں دولہا کی جلی لاش رکھی تھی اور ارتھی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ایسے نازک موقع پر میرا ان کے درمیان جانا خطرناک ہو سکتا تھا مگر آج میرے دل میں کوئی خوف نہ تھا، زمیندار اور اس کی ٹھاکر برادری کا کوئی خوف نہ تھا۔ میں بے دھڑک لاش کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کسی کی آواز میرے کان میں پڑی۔ ''ارے او حرامی کہاں جا رہا ہے، چل دفع ہو جا یہاں سے۔''

میں نے پلٹ کر آواز کی طرف دیکھا میرے سامنے ٹھاکر گوبند رام کھڑا نفرت سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔ ''ٹھاکر لکڑی جل جائے تو کوئلہ بن جاتی ہے اور کوئلہ دہکتا انگارہ ہوتا ہے اس غم کی گھڑی

میں نفرت کی اور آنچ نہ بھڑکا میں کہتا ہوں ارتھی کے قریب نہ جانا مرنے والے کی آتما کو شانت رہنے دے تو قریب رہا تو اس کی آتما کو بہت کشٹ ہوگا۔''

میں ٹھاکر گوبند کے قریب آ گیا اور اطمینان سے بولا۔ ''تو کیا ہوا، کشٹ ہی تو ہوگا، تم نے اور تمہارے پرکھوں نے ہزاروں سال ہماری آتماؤں کو کشٹ دیا اس کا کچھ تم کو احساس ہے۔''

ٹھاکر گوبند کو اس جواب کی کب امید تھی وہ بھڑک گیا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور نفرت کی لکیریں ماتھے پر ابھر آئیں وہ نہایت تیز آواز میں بولا......

''ابے او حرامی ہمارا جھوٹا کھانے والے آج کیا بھنگ پی لی ہے۔''

میرا اطمینان اب بھی قائم تھا بولا۔ ''ٹھاکر ہوش میں بات کر میرا نشہ تیرے لئے خطرناک ہوگا۔''

ٹھاکر گوبند کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے اپنے دو تین کارندوں کو اشارہ کیا اور بولا۔ ''اس حرامی کو اتنے جوتے لگاؤ کہ اس کا نشہ ناک کے رستے بہہ جائے۔''

دو تین جوان میری طرف مارنے کو آگے آئے مگر قریب آ کر رک گئے ان کے اٹھے ہاتھ اپنی جگہ جم گئے ان کے چہروں پر وحشت برسنے لگی آنکھوں میں خوف نظر آنے لگا اور زبانیں باہر آ گئیں اور حلق سے بھیانک آوازیں آنے لگیں ان کی یہ حالت دیکھ کر ٹھاکر گوبند ان کے قریب گیا اور بولا۔ ''ارے ہجڑو مارو جوتے اس چمار کو۔'' مگر اس کی آواز کسی مارنے والے نے نہیں سنی اور وہ اب میرے پیروں میں گر پڑے۔ میں نے گوبند ٹھاکر کی طرف دیکھا اور نفرت سے کہا۔ ''اور کسی کو بلا لے کہ اب تیرا بھی برا وقت قریب ہے۔''

اب میری آواز میں ایسی سختی تھی کہ ٹھاکر کے ہاتھ پیر پھول گئے اس کی آواز نہ نکلی مگر دونوں ہاتھ خود بخود جڑ گئے اور وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ مگر میں نے اس کو کچھ نہیں کہا اور میں لاش کی طرف بڑھ گیا۔ لاش کے قریب جا کر اس لاش کے منہ پر سے کپڑا اٹھایا اور بولا۔ ''دیکھ لے کشٹ ایسا ہوتا ہے، تیری آتما اگر قریب میں ہے تو سن لے کہ اب صرف کشٹ ہی کشٹ ہے اس کے لئے۔''

دور دور جو لوگ تھے کسی نے میرے قریب آنے کی جرأت نہیں کی اور میں کھیتوں کی طرف چل دیا۔ میرے جانے کے بعد زمیندار کو جب پتہ چلا کہ دیا رام ارتھی کے پاس گیا تھا اور اس نے اس کا چہرہ بھی دیکھا تھا تو اس کے تن بدن میں اگنی بھر گئی۔ اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے اور وہ نفرت سے دہاڑ کر بولا۔ ''اس چمار کم ذات کی یہ ہمت دوڑو اور جوتے مارتے اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کی برادری کے ہر عورت مرد بچے کو جوتے مارتے مارتے میرے گاؤں سے دور کر دو گھورے کی اینٹ کو گھورے پر ہی رہنا چاہئے۔

ٹھاکر کے نمک خوار دوڑے، پر وہ گھورے کی اینٹ ان کو نہ ملی انہوں نے گاؤں کے چاروں طرف کے کھیت اور جنگل کھنگال ڈالا مگر دیا رام کا نشان ان کو نہ ملا اور وہ سب مایوس واپس آ گئے یہ بات ٹھاکر کے لئے تعجب کی تھی۔ ''ارے وہ حرامی کب تک چھپے گا اس کی بوٹی بوٹی چیل کوؤں کو نہ کھلائی تو میں زمیندار نہیں۔'' وہ غصے سے اناپ شناپ بڑبڑاتا رہا اور داماد کا کریا کرم ہو گیا۔

رات آ گئی اور ٹھاکر اپنے کمرے میں آ گیا اس کے ساتھ اس کی پتنی بھی تھی ٹھاکر مزاج اب تک بگڑا ہوا تھا پتنی بولی۔ ''اب شانت ہو جاؤ جو ہونا تھا ہو گیا خود پر قابو رکھو۔''

''میں نے بہت قابو رکھا ہے پر اس چمار کو جب تک ٹھکانے نہ لگا دوں میرے من کو چین نہیں ملے گا۔''

پتنی گرمنی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بس اب لیٹ جاؤ جو کرنا ضرور کرنا مگر شانتی سے کرنا اس طرح تو تم خود بیمار ہو جاؤ گے مجھے تو تمہاری چنتا ہے بس۔''

''تو کیسی ماں ہے ارے تیری پوتری راج کماری کی زندگی آباد ہونے سے پہلے ہی برباد ہو گئی اس کے سرخ جوڑے کا رنگ اتر گیا وہ سفید ہو گیا وہ زندگی بھر کو سفید

کپڑوں کی ہوگئی اس سے خوشیاں روٹھ گئیں اور تجھے صرف میری پڑی ہے تو کیسی ماں ہے۔'' ٹھاکر نے پتنی کو کہا۔

''میں ٹھاکر باپ کی اولاد ہوں میرے کان میں بچپن سے پتنی کو اول اور سب کو دوئم رکھا گیا ہے۔ راج کماری کا غم اپنی جگہ پر تمہاری زندگی میرے لئے پہلے نمبر پر ہے میں ٹھکرائن ہوں پتی ورتا ہوں تم مجھ سے میرا حق مت چھینو اولاد اپنی جگہ پر تمہارا مرتبہ میرے لئے بہت اونچا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ پتی ورتا استری پتی کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ چتا میں جاتی ہے اور اف نہیں کرتی۔''

ٹھاکر نے پتنی کی بات سنی اور بولا۔ ''اچھا گرمنی میں نے تیری بات مان لی۔''

''تو پھر شانتی سے سو جاؤ سویرے ٹھنڈے دماغ سے جو کرنا ہو کرنا میں روکوں گی نہیں۔ اب میں جا رہی ہوں راج کماری کے پاس۔'' ٹھاکر نے آنکھیں بند کرلیں مگر اس پر بھی دن بھر کے تعجب خیز واقعات اس کی نظروں میں آتے رہے۔ پنڈال میں اچانک آگ کا بھڑک اٹھنا اور نہ جلنے والی چیزوں کا بھی جلنا پھر آگ کا دولہا کی طرف بڑھنا اور اس کو چند منٹ میں کوئلہ بنا ڈالنا افراتفری، دوڑ بھاگ ہاہا کار اور پھر اس چمار کی ہمت اور غائب ہونا سارا دن ہی حیرت ناک واقعات ہوئے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا وہ ایک زمانے سے اپنے علاقے کا راجہ تھا اس کے اشارے پر اس گاؤں اور دور دور کے علاقے کے لوگوں کی قسمت کا فیصلہ ہوتا تھا۔

مگر آج کے واقعات نے اس کو لاچار کر دیا تھا اس کا کسی پر زور نہیں چل رہا تھا۔ آج اس کو کچھ احساس ہو رہا تھا کہ انسان مجبوری میں کیسا محسوس کرتا ہے۔

رات بھر وہ بے چین رہا۔ سویرے اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ اس چمار کو تلاش کیا جائے۔''

مگر اس کی ضرورت نہ پڑی، میں خود اس کے پاس آ گیا۔ ٹھاکر کا چہرہ مجھ کو دیکھ کر بل ڈاگ کتے کی طرح ہوگیا اور وہ نفرت سے بولا..... ''او حرامی میرے جوتے پر زندگی گزارنے والے تیری اتنی جرأت کہ تو نے میرے سورگباشی داماد پوتر ارتھی کو چھولیا اور اس کی شکل دیکھ لی۔''

''ہاں ٹھاکر میں نے ایسا کیا تھا صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ٹھاکر مرنے کے بعد کیسا لگتا ہے انسان نظر آتا ہے یا کچھ اور۔''

ٹھاکر یہ سن کر غصے سے تھرا گیا اور بولا۔ ''تیری موت بڑی بھیانک ہوگی شکاری کتے چھوڑوں گا تجھ پر۔''

میں بولا۔ ''تو نے اور تیرے پرکھوں نے اب تک ایسا ہی کیا ہے۔ تو نے انسان کو کب انسان مانا ہے مگر اب وقت نے کروٹ بدل لی ہے تیرا زمانہ بیت گیا ٹھاکر۔''

''ارے حرامی میں اب بھی زمیندار ہوں مالک ہوں اس زمین کا تو دو کوڑی کا چمار ابھی بتاتا ہوں۔'' اور اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا چند کارندے میرے قریب آئے مگر کسی نے مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا تو ٹھاکر دہاڑ کر بولا۔ ''اس کو پکڑ کر لے جاؤ اور ڈال دو شکاری کتوں کے سامنے کھڑے کیوں ہو۔''

''ٹھاکر میں جانتا ہوں تو کتنے پانی میں ہے تجھے انسانوں سے کتنی نفرت ہے تو ظلم و ستم کی کتنی لمبی رسی رکھتا ہے مگر میری بات غور سے سن لے اب تو اپنی بساط لپیٹ لے اور اس نگری سے دور چلا جا ورنہ تیرے پریوار کا اور تیرا حشر بہت خراب ہوگا۔''

ٹھاکر بولا۔ ''ارے جا تو خراب کرے گا میرا حشر۔''

''تو نے دیکھ لیا تیرے پالے ہوئے یہ غلام تیرا کہنا نہیں مان رہے کھڑے ہیں ان کے چہرے دیکھ حالت خراب ہے ان کی، تین دن کے بعد تیرا حساب کتاب میں کروں گا تو رحم کے قابل نہیں ہے۔'' اور میں پلٹ کر پھر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔

اگلوتا نے کہا۔ ''تو نے تین روز کا وقت کیوں مقرر کر دیا۔ آج ہی کر ڈالتا۔''

اگلوتا کو میں نے جواب دیا۔ ''مجھے اس کھیل میں مزا آ رہا ہے کروں گا تو وہی جو اس ٹھاکر کا حق ہے ذرا مزے تو

لے لوں۔"

"طاقت انسان کو عقل بھی دیتی ہے تجھے بھی عقل آتی جارہی ہے۔" اگلوتا بولا۔

"یہ سب تیری مہربانی ہے میں کیا ہوں اپنی اوقات جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو جو بات کرے گا وہ میری زبان ہوگی اور اسی دائرے میں بات کرے گا جو میں نے تیرے گرد بنادیا ہے کسی کی طرف اس طرح مت دیکھنا کہ وہ اس نظر کو رحم یا محبت کی نظر سمجھ لے یاد رکھ کہ تو نفرت کی پیداوار ہے۔"

"ہاں میں مکمل نفرت ہوں میری پیدائش قابل نفرت میرے وجود کا نطفہ قابل نفرت میری زندگی کا ایک ایک لمحہ نفرت میں ڈوبا ہوا ہے، میرے کانوں نے کبھی محبت کی زبان نہیں سنی۔" میں نے جواب دیا۔

"شاباش تو آگے ضرور جائے گا میں تجھے اتنا طاقتور بناؤں گا کہ تیرے سامنے ٹھاکر جیسے تجھے بونے نظر آئیں گے۔"

ٹھاکر زمیندار تھا اور پرکھوں سے راج کررہا تھا دولت بھی اس کے پاس تھی اور اقتدار کا مزا بھی، وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی جوتیاں سیدھی کرنے والا اس سے نظر ملا کر کیوں بات کررہا ہے۔

اس کے داماد کو مارنے اور شادی کے منڈپ اور پنڈال کو جلانے والا وہی چمار ہے جس کے آگے پیچھے کا کچھ پتہ نہیں اس کا توڑ تو کرنا پڑے گا اور پہلے دن ہی وہ قریبی شہر کان پور چلا گیا۔ یہاں پر پنڈت ودیاناتھ بڑے مشہور آدمی تھے اور ٹھاکر کے پرانے متر تھے۔

ٹھاکر نے اپنی پوری کتھا ان کو سنادی۔ پنڈت جی پوری بات سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے اور پھر کچھ دیر کے بعد بولے۔ "بات بڑی حیرانی کی ہے تین دن کا وقت تو بہت کم ہے میں ہوم کروں دیوی بھوانی کو راضی کروں کہ وہ مدد کرے اور اس شکتی کا پتہ چلائے تو کہہ نہیں سکتا کہ دیوی کتنی دیر میں میری طرف توجہ کرے اور تیرا کام تین دن کے بعد گڑبڑ ہوجائے تو مجھے دوش دے گا، تیرے میرے پرانے تعلقات ہیں بول میں کیا کروں؟"

ٹھاکر بولا۔ "میں تو آپ کے شرن میں سہائیتہ کے لئے آیا تھا۔ میں کیا بتاؤں۔"

"میری مانے تو پریوار کے ساتھ ضروری سامان کے ساتھ کان پور آجا، زمینداری، منشی اور کامدار کے حوالے کردے یہ وقت کی ضرورت ہے زندگی کا معاملہ ہے کبھی کبھی جنگ میں ایسا کرنا پڑتا ہے کہ فوجوں کو پسپا ہونا پڑتا ہے مگر جنگ جاری رہتی ہے اور کسی وقت بھی وہی پسپا فوجیں فتح یاب ہوجاتی ہیں۔"

ٹھاکر کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس نے کان پور میں فوراً پنڈت کی مدد سے ایک گھر لے لیا اور واپس چلا گیا اور پھر دوسرے ہی دن لڑکی، دونوں لڑکوں اور بیوی کو لے کر واپس کان پور آگیا۔ گاؤں میں سب کو اس نے ایک شادی میں جانے کا کہہ دیا اور سب کو ان کے کام بتادیئے اصل ماجرا کسی کو نہ بتایا۔

پنڈت ودیاناتھ مندر میں بھوانی کو یاد کرنے لگے۔

تین دن کے بعد جب میں گاؤں آیا تو پتہ چلا کہ زمیندار ٹھاکر جوگندر سنگھ شہر کسی شادی میں پریوار کے ساتھ چلا گیا ہے۔ میں نے منشی اور کامدار کو بلایا اور کہا۔ "سن اوئے منشی تیرا زمیندار تو بھاگ گیا ہے اب اس کا آنا مشکل ہے اب تو میرا حکم مانے گا۔"

منشی اور کامدار کو میرا انداز گفتگو پسند نہ آیا اور آتا بھی کیسے کل تک ان کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا گردن نہیں اٹھاتا آج ان پر حکم چلارہا تھا۔ منشی نے ہمت کی اور بولا۔

"اوئے دیالو تو کیا بکواس کررہا ہے۔ زمیندار نے سن لیا تو تیرے سر پر ایک بال نہیں بچے گا جوتے مار مار کر گنجا کردے گا تجھے پتہ ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر مارا اس تھپڑ میں میری طاقت کم اور اگلوتا کی زیادہ تھی۔ منشی سلیپر کی طرح زمین پر گرا اور اس کی آنکھوں میں دن میں تارے ناچ گئے۔

میں اس کے قریب گیا اور بولا۔ "بہت تو نے

دیالو کہہ لیا اب نہ کہنا اب میں دیالو نہیں ہوں میرا نام شری دیا رام زمیندار ہے، میں اس زمین کا مالک و مختار ہوں۔ زمیندار میرے ڈر سے بھاگ گیا ہے اور سن اوئے کامدار اب تجھ کو سارے انتظامات کرنا ہیں وصولیابی اور کسانوں پر حکم چلانا بھی تیرے کام ہیں سب کام اسی طرح کرتے رہنا اور سب آمدنی کا حساب منشی کو دینا یہ مجھے بتائے گا، بھول جاؤ جوگندر سنگھ کو میں ہوں تمہارا زمیندار سب گاؤں کے لوگوں کو بتا دو جوگندر بھاگ گیا ہے لاٹھی میرے ہاتھ میں ہے تو بھینس بھی میری ہے سن لیا نہیں سنا تو دوبارہ نہیں کہوں گا۔

پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی قانون وہی رہے مگر منشی اور کامدار جو ذاتی آمدنی کرتے تھے وہ بند ہو گئی منشی کو ایک تھپڑ نے ایماندار بنا دیا تھا اور کامدار اس کی حالت دیکھ کر سیدھا ہو گیا تھا۔

یہ خبر گاؤں تک ہی نہ رہی بلکہ کان پور میں زمیندار جوگندر تک پہنچ گئی۔ جوگندر غصے میں بل کھاتا رہا مگر اس نے گاؤں کا رخ نہ کیا۔ اس کو اپنا پریوار بہت پیارا تھا لڑکی کو وہ پیار سے راج کماری کہتا تھا۔ لڑکے چھوٹے تھے مگر اس کی آنکھ کا تارہ تھے اس نے ان کی خاطر زمینداری اور دھن دولت کو داؤ پر لگا دیا اور وقت کا انتظار کرنے لگا اس کو یہ اطمینان تھا کہ قانونی طور پر وہی زمیندار ہے حالات ذرا بہتر ہوں گے تو کورٹ کچہری کے ذریعہ وہ پھر زمینداری حاصل کر لے گا اس وقت تو جان بچانے کی ضرورت ہے۔

پنڈت ودیا ناتھ نے بتایا کہ بھوانی نے سہائیتہ کا وعدہ کر لیا ہے اور اس کے بیر کام میں لگ گئے ہیں تو فکر نہ کر۔ بھوانی کی شکتی سب کام کر لیتی ہے ایک ماہ گزر گیا پر کچھ نہ ہوا گاؤں سے خبریں آ رہی تھیں کہ دیا رام کی چیرہ دستیاں بہت بڑھ گئی ہیں گاؤں کے کسان سخت پریشان ہیں بڑی ذات کے ٹھاکر گاؤں سے آہستہ آہستہ فرار ہو رہے ہیں ان کی عزت اور مال دونوں کو دیا رام لوٹ رہا ہے اور ڈٹ کے ان کی بے عزتی کر رہا ہے جوگندر سنگھ خود بھی رحم دل زمیندار نہ تھا مگر وہ اتنا کرتا تھا کہ آدمی برداشت کرے بھاگے نہیں۔

اب وہ بے بس تھا ودیا ناتھ روزانہ نئی تسلی دے دیا کرتا تھا مگر کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ودیا ناتھ نے اس کام سے ہاتھ اٹھا لیا اور بولا۔ ”دیکھ جوگندر تیرا کام میرے بس کا نہیں میں بھوانی کا بھگت ہوں اور اس کی شرن میں ہوں اسی کے اشارے پر کام کرتا ہوں مگر اس کام میں بھوانی نے میری سہائیتہ نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کو گی، نہیں کرے دیکھ بھئی یہ معاملہ دیوی دیوتاؤں کا ہے منش اس کو نہیں سمجھ سکتا منش کا کام ہے دیوی سے بنتی کرنا وہ کام کرے نہ کرے یہ تو اس کی مرضی ہے ہم اس پر زور تو نہیں ڈال سکتے، میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا بات یہ ہے کہ انسان کا ذہن اور دماغ بہت کم ہے اور دنیا میں بکھرے طلسمات بہت ہیں بھگوان نے اس دنیا میں بڑی بڑی عجیب چیزیں پیدا کر دی ہیں ان کو سمجھنا ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے ان کو تو دیوی دیوتا ہی سمجھتے ہیں ان کے لئے بھی کوئی حد تو ہوگی کہ وہ کہاں تک جائیں بھوانی کی خاموشی کے بارے میں میرا یہی خیال ہے کہ کام اس کی حد سے باہر کا ہے۔ میں دیوی کی شان میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا کیونکہ قدیم پوتھیوں میں لکھا ہے کہ جو منش دیوتاؤں کی حکم عدولی کرتا ہے اس کا جنم آگے کا کیڑے مکوڑوں میں ہوتا ہے اور اس کی مدت چوراسی سال پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر سے انسانی جنم میسر آتا ہے تو میرے متر میں کیڑے مکوڑوں میں جنم لینا نہیں چاہتا میں کسی دیوی کے متعلق بدگمانی نہیں کر سکتا وہ کام کریں نہ کریں ان کی مرضی ہے۔

ہماری آتما شریر کی قید میں ہے ہماری ودیا میں گرہستی اور پریوار کی محبت شامل ہے ہم صرف بنتی کرنے والے ہیں۔“

جوگندر نے پہلی بار زبان کھولی۔ ”ایسا آدمی میں کہاں تلاش کروں جو میرا کام کر دے۔“

''ہاں یہ مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں ہے میں خود ایسے کسی شخص سے واقف نہیں ہوں۔ مگر میں تجھے ایک نام بتاتا ہوں تجھے بنارس جانا ہوگا وہاں پر کالی کا بڑا مندر ہے وہیں اس آدمی کا ایک ٹھکانہ ہے وہ وہاں پر رہتا نہیں مگر آتا ہے یہ تیرے نصیب کہ وہ کب وہاں پر آتا ہے یا شاید وہیں پر ہو اس کی شکتی کتنی ہے اس کا اندازہ کسی کو نہیں ہے شرط یہ ہے کہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے اور تیرے کام کے لئے ہاں کر لے۔ یاد رکھنا کہ وہ بہت اونچا آدمی ہے کالی کا بھگت ہے اور کالی کی اس پر خاص نظر ہے اس مندر کا بڑا پجاری گوکل ناتھ ہے وہ میرا پرانا ساتھی ہے اس کو میرا نام بتاؤ گے تو وہ مندر میں تم کو رہنے کی اجازت دے دے گا...... سوامی نندشور سے ملاقات کا بندوبست بھی کر دے گا بس میں اتنا ہی کر سکتا ہوں آگے تیرے نصیب کہ سوامی تجھ سے راضی ہو جائیں۔

دوسرے ہی دن زمیندار جوگندر بنارس چلا گیا۔

گاؤں میں ایک اندھیر مچا ہوا تھا کسان موقع دیکھتے ہی بھاگ رہے تھے ٹھاکر اور دوسری بڑی ذات کے ہندو ایک ایک کر کے گاؤں چھوڑ رہے تھے۔ کھیت ویران ہوتے جا رہے تھے۔ گاؤں ویران ہوتا جا رہا تھا اور مجھ کو اس کی پروا نہیں تھی گاؤں ویران ہو جائے کھیت جنگل بن جائیں باغات میں جنگلی جانور بسیرہ کر لیں، مجھ کو تو اپنی غذا کی ضرورت تھی اور وہ غذا عورت تھی، میں ہر روز گاؤں کی بہو بیٹیوں کو خراب کرتا ان پر ظلم کرتا ان کے گھر والوں کو نشانہ بناتا اور اگلوتا کو خوش کرتا اس کا آخر یہ نتیجہ ہوا کہ گاؤں اجڑ گیا کسی گھر میں کوئی نہ رہا زمیندار کی حویلی میں صرف میں رہ گیا اب اس گاؤں میں میرے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔

''اب کیا کروں؟'' میں اگلوتا سے بولا۔

''جو اب تک کرتا آیا ہے وہی کر اور تیرا کام کیا ہے۔''

''مگر گاؤں تو اجڑ گیا کسی گھر میں کوئی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ارے پورا سنسار تو نہیں اجڑا ابھی تو بہت کچھ باقی ہے آگے بڑھ جا اور دیکھ کہ ابھی بہت مال ہے۔''

اور میں اس اجڑے گاؤں کی اجڑی حویلی کو کھلا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا دس کوس کے فاصلے پر برہمنوں کا ایک گاؤں تھا اس کا نام برہمن آباد تھا اس کا زمیندار ایک برہمن خاندان تھا جو کہ ایک زمانے سے زمینداری کر رہا تھا اس خاندان کا بڑا کاشی ناتھ وہ ایک امن پسند اور انصاف کرنے والا آدمی تھا اس کے گاؤں میں خوش حالی تھی اور پیداوار ہوتی تھی لب دریا تھا اس لئے یہاں پر پانی کی بھی قلت نہیں ہوتی تھی بارش کا انتظار یہاں کا کسان نہیں کرتا تھا عورت مرد محنتی اور صحت مند تھے ان کے کھیت ان کی محنت کا صلہ ان کو خوب دیتے تھے بڑا گاؤں اور اس سے بھی بڑا ان کا زمیندار سب کے دکھ سکھ میں شامل رہتا تھا۔

گاؤں میں آتے ہی میں نے کاشی ناتھ کو طلب کر لیا کاشی ناتھ آ گیا تو میں بولا۔

میرا نام تو نے سنا ہے کہ نہیں میرا نام دیارام ہے میں ذات کا چمار ہوں۔ میں جہاں جاتا ہوں اس جگہ کا میں مالک ہوتا ہوں تو اپنی اور اپنے پریوار کی زندگی چاہتا ہے تو اس گاؤں سے دور چلا جا اور اگر نہ گیا تو تیرا بہت برا حشر ہوگا اور تو میرا کچھ نہ کر سکے گا اب صرف میرا حکم چلے گا بول کیا بولتا ہے۔''

کاشی ناتھ میری باتیں سن کر سناٹے میں آ گیا مگر پھر بھی اس نے خود پر قابو رکھا اور بولا۔

''پر یہ تو پتہ چلے کہ میرا قصور کیا ہے سزا تو تم نے سنا دی۔''

''تیرا قصور صدیوں پرانا ہے تیری ذات نے صدیوں سے ظلم کیا ہے اپنے مطلب اور فائدے کے قانون دھرم بنائے ہیں ان کے بل بوتے پر تو راج کر رہا ہے مگر اب آگے ایسا نہیں ہونے والا کیونکہ میں آ گیا ہوں۔ میں جہاں ہوں وہاں پر صرف میں ہوتا ہوں۔''

کاشی ناتھ بولا۔ ''اور اگر میں نہ جاؤں! آخر

میرے بھی ہاتھ پیر ہیں تو پھر۔''

''تو پھر تیرے ہاتھ پیروں کو توڑ دیا جائے گا اس کے ساتھ ہی میری ٹانگ چلی اور کاشی ناتھ کے دونوں پیروں سے ٹکرائی۔ کاشی ناتھ کو ایسا لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے کوئی بہت بھاری پتھر ٹکرایا ہے۔

اور وہ ''ہائے'' کر کے گرا اس کے دونوں پیر اب کھڑا ہونے کے قابل نہ تھے اور وہ تکلیف کے مارے ''ہائے'' کر رہا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر میری طرف کئی لٹھ بردار بڑھے مگر میرے قریب آتے ہی زمین پر گر پڑے۔

پھر میں نے زور دار آواز میں سب لوگوں کو کہا۔

''لوگو! دیکھ لو کوئی اپنی طاقت کے نشے میں اپنی زندگی نہ ہارے کیونکہ میں دیا رام چار شکتی والا ہوں میں تم سب پر بھاری ہوں اب تم سب کو میرا کہا ماننا ہے میری ضرورت پوری کرنی ہے، بولو مانو گے اور جو نہ ماننا چاہے وہ اس گاؤں سے چلا جائے اگر نہ گیا تو پھر میں اس کا بندوبست کردوں گا۔ تمہارا زمیندار کاشی ناتھ تو دونوں ٹانگوں سے چل نہیں سکتا۔ یہ تو بیکار ہوا مگر اس کے پریوار میں کوئی سورما ہوا تو اس کا بھی یہی حشر کروں گا۔''

سارے گاؤں کے لوگ گردن جھکائے کھڑے رہے کسی نے جواب نہیں دیا تو میں پھر بولا۔ ''اب تم سب جاؤ۔''

سب لوگ زمیندار کا حشر دیکھ کر اداس تھے اور پریشان تھے جو جوان لٹھ لے کر آئے تھے انہوں نے بتایا کہ ان کے سامنے ایک بپھرا ہوا سانڈ کھڑا تھا اور اس کے نتھنوں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی اس کی آنکھیں سرخ اور بڑی بڑی تھیں اس کو دیکھ کر کوئی بھی ڈر سکتا تھا تو ہم کیا کرتے ان کے اس بیان نے سب کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا وہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی انسان نہیں یہ کوئی راکھشش ہے کوئی بلا ہے جو گاؤں پر نازل ہوگئی ہے سب کو اپنی اپنی فکر ہونے لگی تھی۔

اور اسی رات کو زمیندار کی پتنی پر ستم ہوا اور یہ سلسلہ آگے بڑھا اور اس کے پریوار کی حالت خراب ہوتی گئی آخر وہ گاؤں سے جانے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے بعد دوسروں کی باری آ گئی۔ مجھ کو کسی کھیت کی پیداوار سے کسی باغ کے اجڑنے سے دلچسپی نہ تھی۔ کوئی رہتا ہے یا جاتا ہے اس کی بھی مجھ کو فکر نہ تھی مجھے تو صرف اپنے کام سے دلچسپی تھی۔

اگلوتا بربادی پسند کرتا تھا اور میں وہی کر رہا تھا۔ اس گاؤں کا حشر بھی وہی ہوا اور برہمن آباد ہرا بھرا خوش حال گاؤں صرف ایک سال میں ویران ہوگیا۔ جن زمینوں سے ہزاروں کو رزق ملتا تھا، اب وہاں پر کانٹے دار جھاڑیاں کھڑی تھیں، جہاں پر باغات تھے وہاں پر ویرانہ تھا اور دور دور انسان نظر نہ آتا تھا۔ لوگ اپنی عزت بچانے کو اور جان بچانے کو گاؤں سے دور چلے گئے اور پھر میں سب کچھ اجاڑ کر آگے بڑھا۔

ٹھاکر جوگندر بنارس میں سوامی نند کشور کے انتظار میں پڑا رہا اس کے سوا وہ اور کیا کرتا کس سے مدد مانگتا مندر میں اس کے رہنے کا بندوبست پجاری نے کر دیا تھا مگر سوامی جی کے بارے میں وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

سوامی جی کسی برفانی پہاڑی میں گھیان دھیان میں لگے تھے اور بیچارہ جوگندر ان کے انتظار میں مندر کی ایک کٹیا میں پڑا تھا اور اس کو سوامی جی کی آمد کی امید ہوتی تھی اور شام کو وہ مایوس ہو جاتا تھا۔

دیا رام کے بارے میں دور دور کے گاؤں والوں کو پتہ چل گیا تھا کہ کوئی راکھشش آ گیا ہے اور گاؤں اجاڑ رہا ہے عورتوں اور لڑکیوں پر ستم ڈھا رہا ہے اس بات کی اطلاع سرکاری طور پر بھی ہوگئی تھی اور پولیس یعنی دیا رام کو تلاش کر رہی تھی مگر میں ان کو نہیں مل رہا تھا۔ برہمن آباد کے برباد ہونے کے بعد میں کسی گاؤں میں نہ جا سکا کیونکہ ہر طرف پولیس کے مخبر میری ٹوہ لینے کو موجود تھے۔

''میں اپنی عادت سے مجبور تھا مجھے غذا نہ ملی تھی میں اگلوتا سے بولا۔

''گاؤں میں اب جانا مشکل ہے سب ہوشیار ہیں

اور سرکاری آدمی میری تلاش میں ہیں اب کیا کریں۔"

"اب کچھ دن کو خاموشی اختیار کرنا پڑے گی سب کو نمٹ سکتا ہوں ہزار آدمی بھی میرا کچھ نہیں کر سکتے مگر یہ جو سرکاری لوگ ہیں یہ جس کے خلاف ہو جائیں تو سب ان کے ساتھ ہوں گے۔

ان سے لڑائی مول لینا درست نہیں ہے میں جانتا ہوں تیرا دل اس ویرانے میں گھبراتا ہوگا تو میرا متر ہے میں تیری خاطر سب کچھ کروں گا ایسا کرتے ہیں گاؤں کی طرف سے دھیان ہٹا کر کسی بڑے شہر میں ڈیرہ جماتے ہیں۔ کان پور کے لوگوں کے کانوں میں تیرے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ پڑا ہوگا اور وہ ضرور ہوشیار ہوں گے۔ وہاں پر تو جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں کسی بڑے شہر چلتے ہیں وہ انسانوں کا جنگل ہے وہاں پر تیرا بھی دال دلیہ ہوتا رہے گا کسی کو اندازہ بھی نہیں ہوگا دولت اور روپے کی تو فکر نہ کر وہاں پر بہت بڑے بڑے دولت مند پڑے ہیں عورتوں سے بھرے بازار موجود ہیں تیری مرضی کی عورت وہاں پر مجھے ملتی رہے گی جب ذرا بات دب جائے گی تو پھر اپنا کام کریں گے۔"

میں اگلوتا کی بات سن کر بولا۔"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آ رہی تو دنیا کا انوکھا نرالا شکتی شالی ہے تو وہ کر سکتا ہے جو کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ پھر اس طرح چھپ کر اور موقع کو تلاش کرنا کیا مطلب ہے؟ لگا دے آگ اس سنسار کو اپنی شکتی سے ڈرنا کیسا۔"

اگلوتا میری بات سن کر مسکرایا اور پھر بولا۔

"تو نے صرف شکتی کا ایک روپ دیکھا ہے شکتی کے ہزار روپ ہیں ایک سے ایک بڑھ کر شکتی دنیا میں موجود ہے اور ہر شکتی الگ الگ ہے تو گاؤں میں تھا تو مجھے بتانے کی ضرورت نہ تھی مگر شہر میں ہر قسم کے لوگ ہیں ان میں شکتی اور وہ سب ہے جس کی کاٹ میرے تو کیا شاید کسی کے بھی پاس نہیں ہے آنکھیں بند کر کے شکتی کے نشے میں ہر ایک سے نہیں بھڑ جانا۔ اپنا وزن کرنے کے ساتھ ساتھ دشمن کا بھی وزن کرنا ضروری ہے۔ میں تیری سہائیتہ تو ضرور کروں گا مگر تجھے بھی میری بات یاد رکھنا ہوگی مندر اور مسجد میں تمیز کرنا ہوگا میں کچھ مقامات پر نہیں جا سکتا ان میں ایک جگہ مسجد ہے تو سب کچھ اپنی مرضی سے کرنا، میں تجھے بچالوں گا مگر مسجد میں نہیں جا سکتا وہ جگہ میرے لئے بند ہے میری شکتی وہاں پر کام نہیں کرتی کیوں کر کام نہیں کرتی کیوں کام نہیں کرتی یہ مجھے بھی پتہ نہیں ہے۔"

"مسجد میں کوئی غیر معمولی چیز رکھی ہے کہ وہاں پر تیری شکتی بھی بے جان ہے۔" میں بولا۔

میں کیا بتاؤں میں نے کبھی ادھر جانے کی کوشش ہی نہیں کی۔" اگلوتا بولا۔

بمبئی میں بھاری قیمت دے کر میں نے ایک اچھا سا مکان خرید لیا، شہری انداز میں اس کو سجایا، نوکر رکھے اور کسی رئیس کی طرح رہنے لگا۔

اگلوتا نے کہا۔" یہ سب تو تو نے کر لیا مگر اپنے انداز اور لباس کی طرف بھی توجہ کرنا یہاں پر خود کو چھپانا ہے کسی کو پتہ نہ چلے کہ تو کان پور کا بدنام زمانہ وہی حرامی چمار ہے جس نے گاؤں اجاڑے ہیں۔ یہاں پر سرکاری مشینری بہت تیز اور قریب ہے اور اس سرکاری مشینری میں بڑے خطرناک لوگ ہیں ان کے زبان سے نکلے شبد بڑے کارگر ہوتے ہیں ان پر میرا بھی بس نہیں چلتا۔"

"وہ کون لوگ ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دیکھنے پر سب ایک سے ہیں مگر اندر سے ان میں فولاد بھرا ہے ان پر میرا کچھ بس نہیں چلتا۔" اگلوتا بولا۔

"تو پھر یہ جگہ ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے کسی اور مقام پر چلو۔" میں نے کہا۔

"خود کو روپوش کرنے کے لئے کسی نہ کسی شہر میں ہی جانا ہوگا اور ہر شہر میں ایسے ہی لوگوں سے واسطہ ہوگا تو جنگل میں رہ نہیں سکتا تجھے ناری چاہئے یہاں پر اس کی کوئی کمی نہیں ہے بس ذرا احتیاط کی ضرورت ہے تو کیوں فکر کرتا ہے میں تیرے ساتھ ہوں۔" اگلوتا نے کہا۔

"میں رات کو شکار کی تلاش میں نکلا اور ایک بازار میں پہنچ گیا۔ رات آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس

بازار میں دوسرے بازاروں سے زیادہ رونق تھی، ہار پھول اور گجرے کی دکانیں روشن تھیں ہر طرف گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں آڑی ٹوپی اور ململ کے کرتے والے گلے میں موتیا کے ہار ڈالے لوگ مکانات کے سامنے کھڑے تھے اور آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ میں ابھی ایک پانی کی دکان پر کھڑا ہی ہوا تھا کہ ایک ترچھی ٹوپی والا آدمی میری طرف بڑھا اور دانت نکال کر اس نے اپنے سونے کے دانت کی نمائش کی اور جھک کر بولا۔

''آیئے نواب صاحب تشریف لایئے۔''

میں بولا۔ ''تو مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے۔ تو کون ہے؟''

سونے کے دانت والا بولا۔ ''میں آپ جیسے قدر دانوں کا خدمت گار ہوں سچ کہہ رہا ہوں پورے بازار میں ایسی قیامت نہیں ہے۔ آواز بلبل کی طرح اور بدن بجلی کی طرح، قسم سے ہزاروں اس پر مرتے ہیں، آپ آئیں تو دل خوش نہ ہو تو سوجوتے اس کے سر پر لگا دیں۔''

''پر وہ کون ہے؟'' میں بولا۔

وہ شخص بولا۔ ''ارے نواب صاحب قیامت ہے قیامت ایک بار جو اس کے روبرو ہوا وہ اس کا ہو گیا اس کی ادائیں حور پریوں والی ہیں۔''

''میں بولا۔ ''تم نے حور پریاں دیکھی ہیں۔''

وہ بولا۔ ''ان کی تعریف تو سنی ہے قسم آپ کے سر کی جھوٹ میں بولتا نہیں۔''

مجھے تو جانا تھا اور وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ کسی عورت کے بارے میں بات کر رہا ہے بولا۔

''اچھا چل تیری حور پری کے درشن بھی کر لیتے ہیں۔''

پان کی دکانوں کے برابر زینہ تھا سونے کے دانت والے نے ادھر اشارہ کیا اور آگے آگے زینہ چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اوپر بڑا کھلا دالان تھا اس میں خوب روشنی تھی اور ایک قطار میں کمرے بنے تھے۔

''آیئے نواب صاحب۔'' وہ بولا اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا کمرہ بھی بہت روشن تھا، فرش پر سفید چاندنی کے اوپر گلاب کے پھول پڑے تھے اور ایک بڑی بھاری عورت بڑا سا پاندان رکھے آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پر پوڈر سرخی لگائے بیٹھی تھی۔ مجھ کو دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''واہ نواب صاحب خوب آئے بس مجرا شروع ہونے کو ہے، لمڈیا بس آتی ہی ہوگی۔''

اور پھر چند منٹ کے بعد وہ حور پری بڑے بھڑکیلے لباس میں آ گئی اس کے آتے ہی سازندوں نے اپنے اپنے سامنے رکھے سازوں کو چھیڑا اور حور پری نے بڑے ناز سے حاضرین کو جھک کر سلام کیا اور پاندان والی کے پہلو میں بیٹھ گئی سازندوں نے لے ملائی اور حوری پری غزل گانے لگی۔

اس کی ادائیں اور بھاؤ اس کی عمر سے میل نہیں کھاتے تھے مگر پیشہ ورانہ انداز ایسے تھے کہ لوگ اس پر روپے نچھاور کر رہے تھے تماشائیوں میں سب سے زیادہ روپے میں نے اس پر لٹائے۔ رنڈی سب پر نظر رکھتی ہے جو زیادہ دیتا ہے اس پر بھی اور جو کم دیتا ہے اس پر بھی، میری قدر اس کی نظر میں زیادہ تھی میں اس کو کوئی بگڑا رئیس لگا سب تماشائی چلے گئے مگر میں وہیں رہا۔ موٹی پاندان بردار نے کہا۔ ''مجرا ختم ہو گیا نواب صاحب رات گئی بات گئی۔''

میں بولا۔ ''مگر ہماری تسلی نہیں ہوئی کل رات تم مجرا نہیں کرو گی جو کچھ تم رات بھر میں کماتی ہو ہم دیں گے مگر تم ہمارے مکان پر رہو گی۔''

موٹی نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا نواب صاحب، ہم صرف ناچ گانے کے پابند ہیں لمڈ یا رکھیل نہیں یہ کسی کے ساتھ رات کو نہیں رہ سکتی یہ پابندی ہے ہم بازار میں دھندہ کرتے ہیں مگر ایمانداری سے کرتے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں اس کی پاسداری بھی کرتے ہیں۔''

''تم نے کیا کہا! میری سمجھ میں نہیں آیا، میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس بازار کی عورت بکاؤ مال ہے میں قیمت

دے رہا ہوں اور خرید رہا ہوں تم اپنا بھاؤ بڑھانے کو کچھ اور طلب کرو وہ بھی دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

میری سنجیدگی اور بارعب لہجے نے نائیکہ کو متاثر کیا اور اس کے دل میں لالچ آیا وہ بولی۔

"بات کو آپ نواب صاحب نہیں سمجھ رہے یہاں کا دستور ہے کہ جو شخص ماہانہ خرچ ادا کرتا ہے اس کی کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں جس رئیس نے میری لاڈو کو رکھیل بنایا ہے وہ اس کا پورا خرچ ادا کرتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ یہ صرف ناچ گانا محفل میں کرسکتی ہے کسی کے پاس رہ نہیں سکتی۔"

"میں کسی شرط کو نہیں مانتا کل رات اس کو میرے گھر رات گزارنی ہے ہر حالت میں یہ بات کان کھول کر سن لے تو بھی اور تیرے یہ سب آدمی بھی میں کل آؤں گا۔"

اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

نائیکہ اور اس کے سازندے کچھ نہ بولے مگر میرے دروازے سے باہر آتے ہی ان کی زبانیں کھل گئیں نائیکہ بولی۔ "کوئی بگڑا نواب لگتا ہے۔"

استاد فتح خاں طبلہ نواز نے کہا۔ "ارے نہیں بائی جی نواب تو وہ دور دور کا نہیں لگتا اس کا چہرہ نہیں دیکھا آپ نے بائی جی مجھے تو کوئی چور ڈاکو لگتا ہے۔" کہیں پر بڑا ہاتھ مارا ہے تو لٹا رہا ہے۔

سارنگی نواز استاد چمن بھی بولے۔ "بائی مانو نہ مانو مجھے بھی فتح خان کی بات میں وزن لگتا ہے۔"

نائیکہ بولی۔ "حکم تو وہ ایسے چلا کر گیا ہے جیسے پہلے کچھ دیکر بھول گیا ہو تم ایسا کرو جمن کو میرے پاس بلا لاؤ کیا پتہ دیوانہ کل آ جائے اور کوئی ٹنٹا کھڑا کر دے جمن کو بتا دوں وہ خود انتظام کرے گا آخر وہ بھی ہم سے بھتہ لیتا ہے۔"

دن کے دس بجے جمن استاد آ گئے استاد جمن اس بازار کے رکھوالے تھے اور بہت سے کوٹھے ان کو پالتے تھے ان کا کام صرف یہ تھا کہ ان کوٹھوں کی دیکھ بھال، کسی سر پھرے کو لڑائی جھگڑا نہ کرنے دیں، سفید کرتا اور سر پر ٹوپی پہن کر جیب میں نوگراری کا چاقو ڈال کر گھومتے رہیں ان کے ساتھ ان کے ایک دو چیلے موجود ہوں مفت پان کھائیں اور بازار کے کسی ہوٹل میں مفت روٹیاں کھائیں۔

نائیکہ تو ان کے انتظار میں تھی بولی۔

"میاں جمن ایک بگڑا رئیس ہے کہ چوراچکا ہے پتہ نہیں کون ہے ایک حکم دے کر رات کو گیا ہے۔"

جمن بولے۔ "بہت اچھے بائی جی ارے ہمارے ہوتے تم پر کوئی حکم چلائے بھئی خوب کہی۔ مال تو اس کے پاس تھا رات بھر اس نے لاڈو پر نوٹ برسائے میں تو اس وقت ہی سمجھ گئی تھی کہ ضرور بات گانا سننے تک نہیں رہی اس کا دل پھسل گیا ہے لاڈو پر مگر تم جانو وہ تو نواب بن مرزا کی رکھیل ہے آخر بات بھی کوئی چیز ہے نواب بن مرزا نہ بھی آئیں تو کیا آخر خرچ تو دے رہے ہیں لاڈو ان کی امانت، ان کی امانت میں خیانت کیسے کرلوں کل تو انہوں نے دیا واپس مانگ لیا اور خیانت ہوئی تو ان کا حق ہے کہ وہ طلب کریں استاد جمن تم جانتے ہو میری ماں اور نانی کے زمانے سے کبھی ایسا نہیں ہوا میں بھی ایسا نہیں کروں گی مگر وہ نگوڑ مارا ایسے حکم دے کر گیا ہے کہ جیسے وہی اس بازار کا کھیا ہے۔"

استاد جمن نے بڑے دھیان سے نائیکہ کی بات سنی پھر چاقو جیب سے نکالا پھر ایک بٹن دبا کر اس کو کھولا اس کی دھار پر انگلی رکھی اور پھر بولے۔ "بائی جی بہت دن سے اس چاقو کو خوراک نہیں ملی شاید اس لئے وہ آیا ہے کہ میں بھی ذرا پرانے پینترے استعمال کرلوں تم فکر نہ کرو جو ہمارا خیال کرتا ہے ہم بھی اس کو اکیلا نہیں چھوڑتے اگر تم خاندانی ہو تو ہم بھی خاندانی ہیں۔ اللہ بخشے ہمارے ابا بھی اسی بازار میں یہی کام کرتے تھے جو میں کر رہا ہوں بڑا رعب و دبدبہ ان کا تھا پولیس کچہری سے ذرا نہ ڈرتے تھے بہت اصولی آدمی تھے وہ۔"

نائیکہ ان کی لن ترانی سے تنگ آ کر بولی۔ "میرے کوٹھے پر خون خرابہ نہیں ہوگا اس سے بدنامی ہوتی ہے اور

مقصد ختم ہو جاتا ہے جو کرنا ہے بازار میں کرنا اور میرا نام درمیان میں ہرگز نہ آئے تم سیڑھیوں کے اورے دھورے لگے رہنا اور جب وہ آ جائے تو بھی دروازے کے پاس آ نا اگر وہ گڑ بڑ کرے تو اندر آ جانا اور پکڑ کر نیچے لے جانا اور پھر جو مرضی ہو وہ کرنا بس میری بات کا خیال رکھنا۔"

استاد جمن بولے۔ "ارے تم فکر ہی نہ کرو تمہارا اور لمڈیا کا نام تو میں آنے نہیں دوں گا اور تم جانو میرے ہاتھ میں کتنی صفائی ہے کہ "چمن استاد آگے بھی کچھ بتاتے کہ نائیکہ نے ان کی بات کاٹ دی اور بولی۔

"انتظام پورا کرنا شاید وہ بھی انتظام سے آئے۔"

استاد جمن چلے گئے اور لگ گئے اپنے شاگردوں کو جمع کرنے میں۔ بہت دن کے بعد ان کے پاس اس قسم کا کام آیا تھا سارے دن وہ اپنے چاقو کی دھار تیز کرتے رہے پرانے چاقو باز ہے اور رہنے والے بھی رام پور کے تھے ابا رام پور چھوڑ کر دلی آ گئے تو ان کا ٹھکانا بھی دلی ہو گیا۔ چاقو پکڑنا اور اس کے پینترے دبانے بتائے استاد جمن کے ابا ماہر چاقو باز تھے وہ کہتے تھے چاقو چلانے میں جسمانی طاقت سے زیادہ دماغ کو استعمال کرنا پڑتا ہے، دشمن کی نظروں میں نظریں ڈالنا پڑتی ہیں اس کے جسم کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھنا ہوتی ہے۔ یہ نظروں کا کھیل ہے ذرا نظر چوکی اور مار کھائی، بڑے بڑے چاقو باز ذرا سی آنکھ کی غفلت سے چت ہو گئے، استاد جمن نے اپنے سارے سبق یاد کئے دن بھر شاگردوں کے ساتھ مشق کرتے رہے اور شام کو چکن کا کرتہ اور علی گڑھ کٹ پہن کر سر پر دو پلی ٹوپی لگا کر وہ بازار میں آ گئے آج بہت دن کے بعد ان کی یہ شان لوگوں نے دیکھی لکھی پان والے نے کہا۔ "استاد آج ضرور کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

استاد بولے۔ "ابے چمروٹے کی اولاد تیری نظر بہت تیز ہو گئی ہے۔"

"ارے استاد تم لوگوں کی خدمت کرتے کرتے زندگی گزر رہی ہے۔" لکھی پان والے نے جواب دیا۔

"اچھا چل زیادہ باتیں نہ بنا ایک ذرا بڑھیا سی گلوری کھلا۔"

"ابھی لو استاد۔" اور لکھی نے ایک بڑی سی گلوری استاد کو پیش کر دی۔ استاد آگے بڑھ گئے۔

استاد نے پورے بازار کا چکر لگایا آج ان کے شاگرد ان سے دور دور مگر سب چوکنے تھے۔ ان کی یہی تاکید تھی کام تو کسی ایک کو ہی کرنا ہوتا ہے پھر سب کو ملوث کیوں کیا جائے۔

رات دس بجے میں کوٹھے پر آ گیا مگر مجرے کے کمرے میں نہ گیا۔ ابھی نائیکہ اپنے کمرے میں تھی اس کے پاس سارنگی نواز استاد بھی تھے۔ مجھ کو دیکھ کر سارنگی نواز زینے سے اتر کر نیچے چلے گئے استاد جمن کو خبر کرنے، میں نے کہا۔ "میں آ گیا ہوں بول تیری کتنی مانگ ہے لڑکی کو میرے حوالے کر دے سویرے آ جائے گی۔" نائیکہ کے چہرے پر سخت ناگواری کے تاثرات آ گئے وہ بولی۔

"میں نے کل ہی منع کر دیا تھا بہت کوٹھے ہیں اس بازار میں اس کام کے لئے کسی اور کوٹھے پر چلا جا یہاں پر تیرا کام نہیں ہوگا۔"

میں بولا۔ "دیکھ اب تک میں انسانی زبان میں بات کر رہا ہوں۔"

نائیکہ بھڑک کر بولی۔ "تو پھر جانور کی زبان میں بات کر کے دیکھ لے، ہم بھی بے سہارا دھندہ نہیں کرتے۔"

دروازے سے استاد جمن کو اندر آتے دیکھ کر وہ اور شیر ہو گئی اور زور دار آواز میں بولی۔ "بس اب چلا جا......کوئی اور در دیکھ۔"

میں نے استاد جمن کی طرف دیکھا استاد جمن کی حالت ایسی ہو گئی جیسے اس کے سامنے اچانک ببر شیر آ گیا ہو اور پھر اس نے نائیکہ کی طرف دیکھا اور نائیکہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی آواز گلے میں اٹک گئی، میں نے حکم دیا۔ "لڑکی کہاں ہے اس کو لے کر آ، نہیں تو تجھے ننگا کر کے بازار میں چھوڑ دوں گا۔"

نائیکہ سب لن ترانی بھول گئی اور دوڑ کر اپنی حور پری

کو لے آئی وہ بھی مجرے کی تیاری پر تھی۔ میں نے اس کو کہا۔ ''چل میرے ساتھ۔'' اور وہ حور پری لاڈو کسی زنجیر سے بندھی کتیا کی طرح چل پڑی اور چند منٹ میں وہاں پر کوئی نہ تھا۔ بازار میں اب بھی طبلے کی آواز اور سارنگی کی ایں ایں کی آواز آ رہی تھی۔

میرے جانے کے بعد استاد جمن اور نائیکہ کو ہوش آیا اور دونوں ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ بڑی دیر کے بعد استاد بولے۔ ''ارے یہ کون تھا انسان تو لگتا نہ تھا؟''

نائیکہ بولی۔ ''میری طرف اس نے دیکھا تو مجھے لگا کہ کوئی بڑا خونخوار بھیڑیا زبان نکالے کھڑا ہے۔''

''اور مجھے ببر شیر نظر آیا یہ تو معاملہ کچھ اور ہے۔'' استاد جمن بولے۔

''ارے مجھے تو لمڈیا کی فکر ہے نہ جانے اس کا کیا حشر کرے گا وہ حرامی۔''

''میں تو جانو تیری لمڈیا تو گئی ارے وہ انسان تھوڑی تھا وہ تو کوئی بھوت تھا چولا بدل کر آیا تھا لے گیا لمڈیا کو لمڈیا کو میرے سامنے لے گیا اور میرے چہرے پر کالک مل گیا۔''

''ارے تم ہو کس کام کے میری تو لمڈیا چلی گئی تم کو لیا دیا سب بیکار گیا تم نے ذرا کچھ نہ کیا۔''

''بائی جی ہم انسانوں سے لڑتے ہیں کسی بھوت سے ہم نے کبھی مقابلہ نہیں کیا ہے۔''

''ارے اب میں کیا کروں میرا بڑھاپا تو خراب ہوا، میری ایک ہی تو کمانے والی تھی اب تو نواب بن بھی منہ پھیر لیں گے۔ ہائے میں تو چوپٹ ہو گئی۔'' نائیکہ سینے پر ہاتھ مار کر بیٹھ گئی۔

میری مانو تو ابھی اس بات کو اپنے تک رکھو بازار میں نہ پھیلاؤ شاید سویرے لمڈیا آ جائے فقط آج مجرا نہ کرو اعلان کر دو کہ آج لمڈیا کی طبیعت ناساز ہے۔'' استاد بولے۔

''اور اگر نہ آئی تو سویرے پھر کیا کروں۔'' نائیکہ نے پوچھا۔

''پھر پولیس کو خبر کر دیں گے اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دیں گے اور اس کا حلیہ بتلا دیں گے پولیس تلاش کرے گی۔''

''مجھے لگتا ہے یہی کرنا پڑے گا اس کے سوا اور چارہ نظر نہیں آتا۔'' نائیکہ بولی۔

''بائی جی میں شرمندہ ہوں کہ میرے سامنے یہ سب ہوا مگر تم نے بھی دیکھا تھا اور میں نے بھی دیکھا وہ انسان نہ تھا اس کے ساتھ لمڈیا ایسے گئی جیسے بندر یا رسی میں بندھی سواری کے ساتھ جاتی ہے اس کے منہ سے ذرا آواز نہ نکلی تم نے اس پر غور کیا۔'' استاد نے کہا۔

''تمہاری بات درست ہے، میں نے دیکھا تھا اب اگر پولیس کو یہی بتایا جائے گا تو کیا وہ ہماری بات کا یقین کرے گی تم کو اور مجھے پاگل نہ کہے گی میرے اور تمہارے بیان کو کون مانے گا۔'' نائیکہ بولی۔

''مانے نہ مانے بیان تو میں یہی دوں گا کیونکہ پولیس کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہئے کہ اس کو کسی مافوق الفطرت مجرم کو تلاش کرنا ہے اگر کچھ اور کیا تو پولیس بھٹک جائے گی اور بے گناہوں کو تنگ کرے گی۔'' استاد بولے۔

''تیری اس بات میں بھی وزن ہے پولیس درست سمت چلے گی تو شاید مجرم کو پکڑ ہی لے۔'' نائیکہ نے تائید کی۔ ''تو پھر سویرے جو کرنا ہو گا کریں گے۔''

ساری رات استاد نائیکہ کو تسلی دیتے رہے بڑی لمبی رات ہو گئی مگر سویرے لمڈیا نہ آئی نائیکہ کی حالت خراب تھی اور استاد کی پریشانی الگ تھی گیارہ بجے استاد نے کہا۔ ''اب تو امید نہیں ہے تیاری کر و تھانے چلتے ہیں، داروغہ کو بتاتے ہیں اس کے سوا اب اور کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''ارے مجھے کیا تیاری کرنی ہے کیا مجرا کرنے جا رہی ہوں کہ تیاری کروں۔'' نائیکہ جل کر بولی۔

داروغہ نے پوچھا۔ ''لڑکی خوشی سے گئی کہ زبردستی اٹھایا گیا ہے۔''

استاد بولے۔ ''پتہ نہیں جی کیا معاملہ ہے آپ پوری بات سن لیں اور خود فیصلہ کریں۔''

داروغہ بولا۔ ''تو سناؤ معاملہ کیا ہے؟''

پہلے نائیکہ نے بیان دیا اس کا بیان سن کر داروغہ مسکرایا اور بولا۔ ''اچھا تو بھی کوئی کہانی سنا دے۔''

استاد جمن کے بیان کے بعد داروغہ صبر نہ کر سکا بولا۔ ''ابے تم دونوں کیا ہم کو بے وقوف بنانے آئے ہو ابے آدمی شیر بن گیا۔ بھیڑیا بن گیا اور لمڈیا خوشی سے اس کے ساتھ چلی گئی ابے یوں نہیں کہتے کہ لمڈیا کو وہ پسند آ گیا اور چلی گئی بس بات ختم، شیر اور بھیڑیا کہاں سے آ گیا بیچ میں۔''

استاد بولے۔ ''ہم جانتے تھے ہمارے بیان کے بعد آپ یہی کہو گے مگر ہم نے آپ کو بھٹکایا نہیں ہے جو کچھ ہوا ہے وہی بیان کیا۔ معاملہ کچھ اور نظر آتا ہے ذرا غور کریں لمڈیا تو اس کو جانتی بھی نہیں اور رنڈی تو جانتی بھی ہو تو بھی اتنی آسانی سے نہیں جاتی اپنی شرطیں رکھتی ہے۔ اپنا بھاؤ بتاتی ہے کسی بکری کی طرح نہیں چلی جاتی۔ حضور آپ تو خود تجربہ کار ہیں ایک رنڈی اور عام عورت میں فرق خوب جانتے ہوں گے۔''

داروغہ نے ذرا غور کیا اور بولا۔ ''اس آدمی کا حلیہ تو بیان کر۔''

''اچھا لمبا تڑنگا مرد تھا اس کے بدن پر سفید کرتا اور سفید کناری والی دھوتی تھی سر پر بڑے بڑے بال اور داڑھی صاف تھی، آنکھیں سرخی مائل بڑی بڑی اور چہرہ رعب دار تھا کیونکہ مونچھیں کھڑی کھڑی تھیں۔''

''کسی نے اس کے بارے میں پتہ نہیں کیا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟'' داروغہ نے پوچھا۔

استاد بولے۔ ''اس کی تو ضرورت ہی نہیں پڑی کیونکہ پہلے روز ہی بائی جی نے انکار کر دیا تھا مگر وہ اس کے باوجود آ گیا اور لے گیا لمڈیا کو۔''

''خیر معاملہ بڑا الجھا ہوا ہے اس کا نام پتہ کچھ نہیں ہے میں نے رپورٹ لکھ لی ہے۔ کچھ پتہ چلا تو بتاؤں گا۔''

بائی جی اور استاد جمن واپس آ گئے مگر لاڈو کا پتہ نہ چلا اس کے بعد اسی قسم کی واردات اور کئی کوٹھوں پر بھی ہوئی، فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں پر لڑکی خوشی سے بھاؤ تاؤ کر کے گئی تھی اور واپس نہ آئی جو شخص اس لڑکی کو لے کر گیا اس کا حلیہ اور شکل پہلے والے سے ملتی جلتی تھی اس لئے پولیس کا خیال تھا کہ یہ واردات بھی پہلے والے نے کی ہے سادہ لباس میں پولیس کا گشت بڑھا دیا گیا مگر کسی نہ کسی طرح اس بازار کی اچھی اور خوب صورت عورتیں جاتی رہیں پورے بازار میں خوف پھیل گیا کئی کوٹھے بند ہو گئے اور کئی نامی گرامی نائیکہ دوسرے شہروں کی طرف چلی گئیں۔ پولیس کے بڑے افسران پر سخت دباؤ آ گیا یہ زمانہ انگریز سرکار کا تھا اور بمبئی شہر میں یہ وارداتیں ہو رہی تھیں پولیس کی سخت بدنامی ہو رہی تھی اس لئے بازار میں اور سخت انتظامات کر دیئے ہر آنے جانے والے پر نظر رکھی جانے لگی آخر ایک روز میں پولیس کی گرفت میں آ گیا اور مجھے گرفتار کر لیا۔

مجھے تھانے کے لاک اپ میں بند کر دیا اور سخت پہرہ لگا دیا گیا مگر میں رات بھر تھانے میں نہ رہا، سویرے لاک اپ میں میں موجود نہ تھا تالے اسی طرح موجود تھے اور پہرے دار رات بھر جاگے تھے۔ پولیس کے لئے یہ اور بدنامی کی بات تھی اب تو بات اور اوپر تک چلی گئی بڑے بڑے پولیس افسران کی دوڑیں لگ گئیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ ہوا کیا ہے لاک اپ بند ہے تالے لگے ہیں پہرہ موجود ہے اور مجرم غائب اس پر ایک اور تازیانہ کہ دوسری رات ہی ایک عورت پھر غائب گویا یہ پولیس کو کھلا چیلنج تھا۔

ٹھاکر جوگندر سنگھ بنارس میں سوامی نند کشور کے انتظار میں پڑا تھا۔ مجرم کا جو حلیہ بیان کیا گیا تھا وہ میرا ہی حلیہ تھا ٹھاکر کے ذہن میں میرے بارے میں یہ خیال گیا کہ یہ تو ضرور وہی راکھشش ہے جس نے اس کو برباد کیا ہے، غلط نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قانونی طور پر پولیس میرا کچھ نہیں کر پائے گی اس نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔

اس راکھشش کے پاس ضرور کوئی ایسی شکتی ہے جو اس کا بچاؤ کرتی ہے اور وہ شکتی پوتر نہیں اس لئے کہ اس کے سارے کام گندے اور انسانوں کو تکلیف پہنچانے والے ہیں۔ سوامی نند کشور کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ان کی تپسیا اور بھگتی ضرور اس راکھشش کو اس کے انجام تک پہنچا دے گی اور اس کارن وہ ان کے استھان پر پڑا تھا۔ سوامی نند کشور کے علاوہ اس کی نظر میں ان سے بڑا شکتی مان بھگوان شیو کا بھگت کوئی اور نہ تھا۔

اب بمبئی میں کسی ایک مقام پر کسی ایک بازار میں یہ وارداتیں نہیں ہو رہی تھیں سارے شہر میں کسی بھی محلے سے بازار سے نوجوان لڑکیاں غائب ہو رہی تھیں اور پورے شہر کی پولیس مجرم کی تلاش میں تھی۔

تین مہینے کے بعد ایک رہائشی نے بتایا۔ ''اس کے محلے میں ایک بڑا مکان ہے پرانے زمانے کی حویلی کہہ لو مگر اس مکان میں صرف ایک آدمی رہتا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ وہ آدمی دن بھر گھر کے اندر رہتا ہے اور رات کو نکلتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو اس کے ساتھ ایک عورت ہوتی ہے کبھی کبھی وہ تین تین راتیں نہیں نکلتا مگر جب واپس آتا ہے تو ایک نئی عورت اس کے ساتھ ہوتی ہے میں نے اس کی کھوج میں بہت راتیں برباد کی ہیں اور اس کے دروازے پر نظر رکھنے کے لئے ایک روشن دان خاص طور سے بنوایا ہے۔

شہر میں جو کچھ ہو رہا تھا مجھے اس کا پتہ تھا اور مجھے اپنی بھی فکر تھی حیرت کی بات یہ تھی کہ جو عورت اس کے ساتھ آتی تھی وہ ہنستی مسکراتی آتی تھی مگر میں نے کسی عورت کو واپس جاتے نہیں دیکھا اور یہی وجہ اس پر شک کرنے کی بنیاد بنی ہے۔''

پولیس کو تو ایک اشارے کی ضرورت تھی اس نے اجمیری گیٹ کے اس محلّہ کا بڑی ہوشیاری سے محاصرہ کر لیا۔ تمام راستوں پر سادہ لباس کے جوان لگا دیئے اور پھر رات دس بجے جو کہ میرا باہر آنے کا وقت تھا اس مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا مگر ہزار کوشش کے باوجود دروازہ نہ کھلا پولیس نے دروازہ توڑ دیا اور اندر گھس گئی مکان کے اندر ہر طرف پولیس پھیل گئی اور تلاشی لینے لگی مکان میں کوئی نہیں تھا۔

ہر طرف اندھیرا تھا پولیس نے روشنی کا بندوبست کیا اور کونے کونے میں تلاش کیا گیا مگر مکان خالی اس طرح رات گزر گئی دن کی روشنی میں بھی دوبارہ یہ کام ہوا پولیس کو اور تمام اعلیٰ افسران کو حیرت اس بات پر تھی کہ وہ عورتیں جواب تک یہاں آئی تھیں ان کے بارے میں بھی یہاں پر کوئی نشان نہ تھا۔ مجرم خود نہ تھا آکر وہ اس گھر میں رہتا تھا تو اس کے زیر استعمال جو چیزیں ہوں گی وہ تو ہوں۔ پورا مکان ایسا لگتا تھا جیسے یہاں پر کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ مخبر حیران تھا اور شرمندہ بھی تھا۔ اس نے میرے آنے جانے کا پورا چارٹ بنایا تھا۔ راتوں کو جاگا تھا مگر اس کی ساری محنت بے کار گئی اور پولیس پارٹی ناکام واپس آ گئی مگر اس کے بعد بمبئی شہر میں کوئی واردات نہ ہوئی البتہ متھرا سے خبر آئی کہ وہاں پر ایک عورت اور مرد کا قتل ہوا ہے بمبئی پولیس نے ان سے اس واردات کے بارے میں تفصیل پوچھی تو جواب آیا۔

''کوئی آدمی ان کے خالی مکان کو کرائے پر لینے آیا تھا وہ لمبا تڑنگا تھا چہرے پر خوفناک مونچھیں تھیں، بدن پر سفید کرتا اور کناری والی دھوتی تھی چہرہ وحشت ناک تھا مرد نے اس کو مکان دینے سے انکار کر دیا اور اس کے بارے میں اپنی دھرم پتنی اور برابر کے مندر کے پجاری کو بتا دیا اس آدمی کا پجاری کے پاس آنا جانا تھا پجاری کو مکان نہ دینے کی وجہ اس نے اس کی شکل اور ہیبت ناکی کو بتایا، پجاری نے کہا۔ ''اب اگر آئے تو مجھے بتانا۔''

وہ شخص رات کو آیا مگر اندر کس طرح آیا کچھ پتہ نہیں دروازہ بند تھا کمرے کا دروازہ بھی بند تھا اس نے آتے ہی مرد کو نشانہ بنایا مگر حیرت یہ ہے کہ عورت نے کسی قسم کا شور نہ کیا اور اس کے کسی ہتھیار کے استعمال کے آثار بھی کہیں نہیں ملے مرد کے اندرونی اعضا بھی لاش میں نہ تھے۔

اس کے بعد اس نے عورت کے ساتھ برا فعل کیا اور

اندازہ ہے کہ ساری رات کیا عورت اس کام سے مرنے کے قریب ہوگئی تو اس نے اس کو بھی مار دیا یہ بھی بغیر کسی ہتھیار کے ماری گئی ہے۔

اس واردات کا چشم دید گواہ کوئی نہیں ہے مجرم کے حلئے کے بارے میں مندر کے پجاری نے بتایا ہے اس واردات میں ایک نئی چیز بھی آئی ہے وہ ہے لاش کے اعضا کا غائب ہونا اس کا تو مطلب ہوا کہ مجرم آدم خور بھی ہے اور جنسی جنونی بھی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آخر غائب کس طرح ہو جاتا ہے۔

انگریز کمشنر یہ بات ہرگز تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہوتا تھا کہ مجرم کے پاس کوئی خطرناک قسم کی ماورائی طاقت ہے اور قانونی اقدامات کرنے پر زور دیتا رہا اس کے ان اقدامات سے ذرا فرق نہ پڑا اور کسی نہ کسی جگہ کوئی نہ کوئی واردات ہوتی رہی ان وارداتوں میں قدر مشترک صرف عورت تھی اور خاص طور سے نوجوان اور حسین عورت۔

اب عورت کی لاش مل جاتی تھی مگر خراب حالت میں اس کے جسم کے بہت سے نازک اعضاء نہیں ہوتے تھے اور ان کو کسی چھری چاقو سے کاٹنے کے آثار بھی نہیں پائے جاتے تھے۔

انگریز کمشنر ہڈسن نے اب بھی مجرم کو جنونی کہا تھا وہ اس کی کسی شکتی کو نہیں مانتا تھا اس کا ماتحت عملہ اس کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتا تھا مگر وہ ہڈسن کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہڈسن پولیس لائن کے جس بنگلے میں رہتا تھا اس کے چاروں طرف پولیس کے مکانات تھے اور اس کے بنگلے پر ہر وقت چار نوجوانوں کا پہرہ رہتا تھا ہڈسن اور اس کی بیوی میری دو ہی فرد گھر کے تھے باورچی اور بیرہ رات کھانا کھلانے کے بعد چلے جاتے تھے صرف باہر پہرے دار اپنی ڈیوٹیوں پر ہوتے تھے روز کی طرح اس روز بھی وہی ہوا جو روز ہوتا تھا رات کو پہرے دار بنگلے کے باہر گردش کرتے رہے اور واردات ہوگئی۔ ہڈسن اور میری جس کمرے میں سو رہے تھے اس میں ایک بڑا پلنگ پڑا تھا اور دونوں ساتھ اس پر ہی سو رہے تھے ہڈسن نہ جانے کیسے فرش پر پڑا تھا اور بیوی کے ساتھ وہ ہوا، جواب تک ہوتا رہا تھا نہ ہڈسن کی آنکھ کھلی نہ کسی پہرے دار نے کوئی آواز سنی۔ میری ایک خوب صورت عورت تھی اس کے جسم کے اعضاء بھی لاش میں نہ تھے۔ ہڈسن کو کچھ نہیں کیا گیا تھا وہ فرش پر پڑا رہا۔

یہ واردات کوئی معمولی واردات نہ تھی یہاں پر بھی دروازے بند ہی تھے تمام پہرے داروں کے بیانات ایک سے تھے کہ انہوں نے کوئی آواز نہیں سنی اور کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ ہڈسن دیوانہ سا ہوگیا اور اس کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ مجرم کوئی معمولی آدمی نہیں ہے اس کے پاس ضرور کچھ ایسی طاقت ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرتی ہے اور اس کو روایتی پولیس کے انداز میں گرفتار نہیں کیا جاسکتا سابقہ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے اس کو ایک دفعہ گرفتار بھی کرلیا تھا مگر وہ لاک اپ میں ایک رات نہ رکا اس وقت بھی تالے لگے تھے اور سنتری موجود تھے۔

اب ہڈسن دوسرے رخ پر سوچ رہا تھا اس کے ماتحت زیادہ تر ہندو آفیسر تھے ایک آفیسر گنگا دھر نے کہا۔ ”سر اس کے اس گندے علم کا توڑ وہی کرسکتا ہے جو خود بھی ماہر جادوگر ہو اور گندے علم کو جانتا ہو، میں ایک شخص کو جانتا ہوں مگر وہ شخص یہاں سے بہت دور ہے وہ بنگالی ہے اور دریائے گنگا کے کنارے ایک کشتی میں رہتا ہے۔“

”اگر آپ اجازت دیں گے تو میں اس کے بارے میں پتہ کروں گا اور آپ کو رپورٹ دوں گا۔“

ہڈسن نے کہا۔ ”تم فوراً اس کا پتہ کرو اور ضرورت پڑے تو سرکاری خرچ پر اس کے پاس جاؤ اور اس کو لے کر آجاؤ مجھے ہر حالت میں اس مجرم کو پکڑنا ہے انگریز سرکار کی بہت بدنامی ہو رہی ہے۔“

اس میٹنگ کے چار روز کے بعد گنگا دھر سادہ لباس میں بنگال روزانہ ہوگیا اور اس بنگالی جادوگر کو تلاش کرتا رہا۔ آخر وہ کامیاب ہوا اور شہر کے باہر وہ اس کشتی تک پہنچ گیا۔ کشتی دریا کے کنارے کھڑی تھی ایک بانس کی جھونپڑی کشتی کے درمیان تھی اور اس میں سے دھواں نکل

رہا تھا۔ گنگا دھر فوراً کشتی میں نہ گیا کنارے پر کھڑا رہا کچھ دیر گزری تھی کہ اندر سے آواز آئی۔ ''کاہے کھوج ہے میری اب اندر آ جا ہم تم کو مل تو گیا ہے۔''

گنگا دھر کشتی کے اندر چلا گیا اور چٹائی کا پردہ اٹھا کر جھونپڑی کے اندر دیکھنے لگا۔

''ارے اندر آ جا باہر کیا کرتا ہے۔'' آواز آئی۔ گنگا دھر اندر چلا گیا۔ جھونپڑی میں باہر کی نسبت ذرا اندھیرا تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ کچھ نظر نہ آئے۔ بانس اور چٹائی کی بنی اس جھونپڑی کے بانسوں پر بہت کچھ نظر آ رہا تھا کسی جگہ کوئی ہڈی لٹک رہی تھی کسی بانس کے سرے پر کوئی کھوپڑی تھی کسی جگہ سوکھے پھولوں کے ہار لٹک رہے تھے کہیں پر سیندور اور پھول پڑے تھے گیندے کے پھول تو ہر جگہ نظر آتے تھے گول ہانڈیاں رکھی تھیں، لوہے کے ٹکڑے اور سڑی کلیجی کی بدبو کے ساتھ لوبان کی خوشبو بھی آ رہی تھی اس جھونپڑی کا ماحول اس طرح تھا کہ یہاں پر کوئی نارمل آدمی منٹ گزارنا نہیں چاہے گا مگر گنگا دھر اپنی غرض سے آیا تھا اس کو تو رکنا تھا اپنی بات اس تک پہنچانی تھی۔ بنگالی ایک طرف بیٹھا تھا اور اتنا مختصر تھا کہ پہلی نظر میں نظر نہیں آتا تھا مگر گنگا دھر نے اس کو دیکھ لیا آخر اس کی نظر ایک پولیس مین کی نظر تھی وہ کھڑا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ بنگالی آگے کیا جانے حکم دیتا ہے وہ جانتا تھا کہ کام وہ کرانے آیا ہے اس لئے اس نے بنگالی کو ناراض نہیں کرنا ہے اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرنا ہے۔

بنگالی کی سرخ آنکھیں اس کے جسم کی سب سے زیادہ نمایاں چیز تھیں وہ ان سے گنگا دھر پر نظریں جمائے تھا اور اس کے چہرے کے ہر تاثر کو نوٹ کر رہا تھا چند منٹ گزر گئے اور بنگالی نے گنگا دھر کے اندر اور باہر سب پڑھ لیا اس کی تلاشی لے لی اور پھر بولا۔

''لوہے کا اوزار ہماری ناؤ میں نہیں چلے گا کیوں لایا ہے۔ مورکھ۔''

گنگا دھر سمجھ گیا کہ اس سے کسی قسم کا جھوٹ بولنا اعتماد کھونے کے برابر ہے اس کو پتہ ہے کہ میرے پاس کیا ہے اس نے اپنے ذہن کو سچ بولنے کے راستے پر ڈالنے کا فیصلہ کیا اور پھر بڑی متوازن آواز میں بولا۔ ''آپ انتریامی ہو اندر اور باہر کا حال آپ سے کیا چھپا ہے میں ڈیوٹی پر ہوں اور آپ کی مدد کی ضرورت پولیس ڈپارٹمنٹ کو پڑ گئی ہے اور میں سرکاری ڈیوٹی پر ہوں آپ کو تلاش کرنے میں، میں بنگال کے کونے کونے میں گیا ہوں میں نے ہر کشتی میں آپ کا پتہ کیا ہے۔ آپ کی ضرورت انگریز سرکار کو پڑ گئی ہے، بات ہے انسانی زندگیوں کی پورے دیش میں ایک راکھشش پھر رہا ہے اس کا نشانہ ناری ہے وہ ناری کے شریر کو کھا بھی جاتا ہے کسی کے ہاتھ نہیں آتا ایک دفعہ گرفتار بھی ہوا پھر راتوں رات حوالات سے نکل گیا اب آپ کی سائیتہ کی ضرورت ہے۔''

بنگالی نے اس کی بات خاموشی سے سنی اور پھر بولا۔

''پورے دیش میں میری نظر میں تو کوئی شکتی یہ کام نہیں کر رہی اور وہ بھی اگھوری شکتی جو شریر کو کھاتی ہے ارے شکو بھولے کے ہوتے ایسا کون آ گیا ہے میں ہزار بردوں کا برا، یہ مجھ سے بڑھ کر نہیں چھوڑے گا، اس کو نہیں چھوڑے گا، ہم سے پوچھا نہیں اور آ گیا، اب نہیں چھوڑے گا۔''

گنگا دھر خوش ہوا کہ اس نے شکو بھولے کے دل میں اس راکھشش کے خلاف نفرت ڈال دی اور وہ اس کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو گیا۔

شکو بولا۔ ''اس کو دیکھتا ہوں وہ کدھر ہوتا ہے اس کو ادھر ناؤ میں لائے گا۔''

گنگا دھر بولا۔ ''وہ راکھشش آپ کے علاقے سے بہت دور یو پی میں وارداتیں کرتا ہے آپ کو ادھر جانا پڑے گا۔ بنگالی ترنت بولا۔ ''جائے گا ادھر جائے گا اپنی ناؤ پر جائے گا۔''

''پر اتنی دور یہ ناؤ چلی جائے گی۔'' گنگا دھر بولا۔

''تم جاؤ کتنا دن میں بمبئی پہنچے بتاؤ۔''

گنگا دھر بولا۔ ''تین چار دن تو لگ جائے گا۔''

''جمنا کنارے تم کو یہ ناؤ نظر آ جائے گا تو میرے

پاس آجانا لیکن اکیلا آنا اور اس طرح آنا جیسا تم ابھی آیا ہے اب تم جاؤ تمہارا ڈیوٹی پورا ہوا۔"

"گنگا دھر خاموشی سے جھونپڑی سے باہر آیا اور پھر پھلانگ کر ناؤ سے باہر آگیا۔ دور دور اس ناؤ کے کوئی نہ تھا اور پھر وہ بمبئی کے لئے روانہ ہوا تیسرے دن رات کو وہ شہر آگیا رات گزار کر سویرے ہڈسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری رپورٹ دی، ہڈسن خوش ہوا اور بولا۔ "اس مشن کے پورا ہوتے ہی ہم تم کو انعام دے گا۔"

ہڈسن کو رپورٹ دے کر وہ جمنا کے کنارے چلا گیا اور مرگھٹ تک چلتا گیا۔ پھر مرگھٹ کے درمیان وہ شکو بھولے بنگالی کی ناؤ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ناؤ پانی میں کھڑی تھی اور وہ کنارے پر تھا مگر ناؤ آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہی تھی اور پھر عین اس کے سامنے آگئی اور شکو بھولے جھونپڑی سے باہر آگیا۔ اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں لگتا تھا کہ خون اس کی آنکھوں سے نکلنے والے ہے۔ گنگا دھر اس کو دیکھ کر ڈر گیا۔ شکو بھولے کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ "تم نے جھوٹ بولا ہم کو ادھر ادھر بلایا ادھر کیا ہے۔"

بیروں نے تلاش کیا، کچھ نہیں ہے میرے بیر سارے اس کی کھوج میں لگ گئے پر وہ نہ ملا۔ ارے میں نے سنکھا کو حکم دیا اس سے بڑی شکتی کیا ہے پر وہ بھی ناکام ہوا میں بھینٹ دے دے کے تھک گیا۔ تو نے مور کھ مجھے بڑا کشٹ دیا بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟"

گنگا دھر ڈر کے مارے کانپ رہا تھا بڑی مشکل سے بولا۔ "میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔

"ارے دیوانے میری شکتی ایک نہیں ہے پر میں نے اپنی ہر شکتی کو آزمالیا مگر کوئی راکھشش نہ ملا" بھولے نے کہا۔

"پر میری بات کی گواہی پولیس ریکارڈ اور ہزاروں آدمی دیں گے آپ کی شکتی نے آپ کو نہیں بتایا مگر وہ اس زمین پر ہے آپ کو انتظار کرنا ہو گا وہ ضرور کوئی نہ کوئی واردات کرے گا"

"میں رکتا ہوں ادھر دیکھتا ہوں اگر تیری بات جھوٹ ہوا تو تم کو نہیں چھوڑے گا۔ "میں بنگال کا اکلوتا راجہ ہوں اور مجھ سے بڑا گھوری کون ہو گا۔"

گنگا دھر اس کی لن ترانی سن رہا تھا مگر اس سے ڈرتا بھی تھا اس کی ناک بڑی خستہ اور اس پر پھونس کی جھونپڑی مگر بنگال کی بوڑھی گنگا سے آگئی تھی۔ حیرت کی بات تو گنگا دھر کے لئے یہ بھی تھی اس کے علاوہ جھونپڑی کے اندر کا سامان بھی اس کے لئے کم حیرت ناک نہ تھا۔

شکو بھولے نے پھر کہا۔ "کدھر بھی کوئی گڑبڑی ہوتا ہے تم میرے پاس ادھر آؤ۔"

گنگا دھر نے ہاں میں گردن ہلائی اور بولا۔ "اب میں جاؤں؟"

بھولے نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو جانے کی اجازت دی اور جھونپڑی کے اندر آگیا۔

گنگا دھر کو گھر جانا تھا مگر وہ گھر نہ گیا اور دوبارہ کمشنر ہڈسن کے پاس دوڑا اور اس کو شکو بھولے کے آنے اور اس سے جو بات ہوئی اس کی رپورٹ دی۔

اب شہر میں کوئی واردات نہ ہوئی مگر شہر کے قریب ایک آبادی میں پتہ چلا کہ کسی عورت کو اغوا کیا گیا ہے وہ عورت بھی پیشہ کرانے والی تھی اور اپنی برادری میں بڑی مشہور تھی اس کے کوٹھے پر ایک شخص آیا اور ناچ گانا بند کر کے ساتھ چلنے پر اسرار کیا مگر عورت گھاک قسم کی تھی راضی نہ ہوئی اس کے آدمی چاروں طرف موجود تھے اس کے اشارے پر اس شخص پر ٹوٹ پڑے مگر اس اکیلے شخص نے ان سب کو مار مار کر حلیہ بگاڑ دیا۔

اور عورت کو بھرے بازار میں سے لے گیا اس دفعہ صرف اتنی تبدیلی ہوئی کہ عورت اپنی مرضی سے اس کے ساتھ نہ گئی مگر اس شخص کا حلیہ پٹنے والوں نے جو بتایا وہ ہو بہو میرا تھا۔

رات بھر وہ عورت غائب رہی پھر دریا کے کنارے ایک جھاڑی میں اس کی لاش مل گئی۔ اس کی لاش کی حالت بھی بتاتی تھی کہ یہ کام اسی راکھشش کا ہے۔

گنگا دھر دوڑا شکو بھولے کے پاس اور پوری کتھا اس نے سنادی۔

پھر شکو اپنی ناؤ سے باہر آیا تو اس گلے میں ایک تھیلا پڑا تھا اور ہاتھ میں ایک ٹیڑھی میڑھی لکڑی تھی۔

شکو نے گنگا دھر سے کچھ نہ پوچھا اور روانہ ہوگیا اس کی چال حیرت انگیز طور پر تیز تھی۔

گنگا دھر واپس دفتر ہڈسن کے پاس گیا اور گاڑی لے کر وہ بلم گڑھ روانہ ہوا، بلم گڑھ بمبئی سے تیس یا کچھ زیادہ میل پر ہے گنگا دھر بہت تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں پر لاش پڑی تھی اس کو اسی حالت میں رکھا گیا تھا مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شکو بھولے وہاں پر پہلے سے موجود تھا اور لاش کے چاروں طرف گردش کر رہا تھا اس کے ہاتھ میں وہی ٹیڑھی میڑی لکڑی تھی مگر گنگا دھر کو ایسا لگا جیسے وہ لکڑی بے جان نہ ہو۔

بھولے نے جب بھی وہ لکڑی لاش کے قریب کی لکڑی نے لاش کو نہیں چھوا بھولا کوشش کرتا رہا مگر لکڑی ہر مرتبہ خود بخود مڑ گئی اور لاش سے دور ہوگئی۔ بھولے کے چہرے پر عجیب قسم کے ناگوار تاثرات تھے وہ پریشان نظر آتا تھا آخر وہ لاش کے قریب بیٹھ گیا اور لاش سے بولا۔

''تیری آتما بیاکل رہے گی مجھے بتا کہ تجھے کس نے مارا ہے میں تیری آتما کو شانتی دے دوں گا۔''

گنگا دھر حیرت سے شکو کی حرکتوں اور لاش سے بات کرنے پر حیران تھا اس نے بڑے مجرم کا پیچھا کیا تھا اور اکثر جگہ پر وہ ناکام نہیں ہوا تھا مگر آج وہ ہر بات ایسی دیکھ رہا تھا جو اس کے تجربے میں پہلے نہ تھی۔ بار بار بھولے نئے نئے پینترے آزما تا رہا نہ معلوم کن لوگوں کو حکم دیتا رہا مگر ناکام ہوا اس نے اپنا تھیلا کاندھے پر ڈالا اور گردن جھکا کر واپس چل پڑا گنگا دھر بھی اس سے دو چار قدم پیچھے آنے لگا۔

چند قدم چلنے کے بعد شکو رک گیا اور بولا۔ ''تم نے اس کو دیکھا یہ لکڑی نہیں ہے سانپ ہے۔''

اب شکو کے سر پر ایک بھوت سوار تھا وہ خود کو کالے اور گندے علم کا بادشاہ کہتا تھا مگر اب اس کو احساس ہو رہا تھا کہ بھوانی یا کالی کے علم ہی حرف آخر نہیں ہے گیارہ سو پورنیاں اور ان کے ماتحت بھی ناکافی ہیں بڑے سے بڑی قربانی دے کر بھی یہ کام نہیں ہو رہا ہے کالی شکتی کی آخری سیڑھی کھنڈولا کی ہے بے شک کھنڈولا بڑی شکتی ہے اس کے سامنے ہر شکتی جھک جاتی ہے مگر یہ کیسی شکتی ہے یہ کون ہے یہ کون سا بیر ہے اس کا منتر کیا ہے؟ اس کو کس طرح قابو کیا جاسکتا ہے، آج تک اس شکتی کے بارے میں کسی نے نہیں بتایا کہ سامنے ہے اور ہم بے خبر ہیں۔''

شکو ایک ضدی آدمی تھا وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہ تھا۔ اس نے زندگی، سندر بن کے اندھیروں میں گزاری تھی اس نے بڑے بڑے پاپ کئے تھے اور بڑی سے بڑی شکتی کو نہ صرف حاصل کیا تھا بلکہ اس پر پورا پورا عبور حاصل کیا تھا وہ اپنی شکتی پر ناز کرتا تھا کسی کو اس کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوتی وہ ایک خستہ ناؤ میں رہ کر بھی پورے بنگال پر راج کرتا تھا۔ اس کی سلطنت نرالی تھی اس کی رعایا کسی کو نظر نہیں آتی تھی اس پر وہ حکم چلاتا تھا اور سب کو اس کا حکم ماننا ہوتا تھا۔

اس کے لئے یہ بات بہت شرم کی تھی کہ کوئی نئی شکتی اس کو شکست دے جائے وہ واپس آگیا اور اپنی ناؤ کو کنارے پر کھڑا کر کے سندر بن کے اندھیروں میں گم ہوگیا مگر اس کا وجود پھر بھی ہر بات سے باخبر تھا اس کے بیر پل پل کی خبریں اس کو پہنچاتے تھے۔

یہ اندازہ تو اس نے پوری طرح کر لیا تھا کہ اگلوتا کی شکتی کا کوئی استھان نہیں اور ہم دونوں کی غذا کے لئے میرا نشانہ زیادہ تر پیشہ ور عورتیں ہوتی ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان تک رسائی آسان اور جلد ہو جاتی ہے یا کوئی اور بھی وجہ ہو جس کا اندازہ نہیں تھا۔

اس کے متحرک اور نظر نہ آنے والے جاسوس بیر ہر اس مقام پر تھے یہاں پر اس قسم کی عورتیں دھندہ کرتی ہیں وہ خود ہزاروں میل دور ضرور تھا مگر اس کے اور اس کے بیروں کے فاصلے بے معنی چیز تھے۔

شکو بھولے بنگال کا تھا۔ یہ درجہ آسانی سے نہیں ملتا بہت مشکل حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ زندگی اور ایمان کو داؤ پر لگانا پڑتا ہے ان مرحلوں کی بڑی لمبی تفصیل ہے جادو نگری میں سنکھا کا درجہ پانچواں ہوتا ہے اس درس گاہ کے کل آٹھ درجے ہوتے ہیں مگر کوئی آخری درجے پر نہیں پہنچ سکا ہے بڑے سے بڑا جادو کا ماہر چھٹے درجے تک جاسکا ہے مگر اس کے آگے وہ نہ جاسکا۔

کہتے ہیں ساتویں درجے پر صرف ایک گیانی پہنچا تھا مگر وہ کچھ نہ کرسکا اور پتھر بن گیا زمین نے اس کو نگل لیا اور اس کا پتہ نہ چل سکا۔ سنکھا بھیرو کا دوست بن جاتا ہے اور اس کے بڑے سے بڑے کام بھیرو کرتا ہے بھیرو مکڑی کی شکل پسند کرتا ہے اور اس کے ماتحت بیر سب اسی شکل میں رہتے ہیں۔

جادو سیکھنا آسان نہیں ہے کچھ لوگ کسی لالچ میں ایک دو جاپ کرتے ہیں وہ اکثر ان جاپوں کے بیروں کا شکار ہوجاتے ہیں جادو کے بیر گندے ہوتے ہیں وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو کسی صورت میں بھی کسی بھلائی کا ہو وہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو نسل انسانی کے نقصان کا باعث ہوتا ہے ہر کالے جادوگر کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا وہ کسی پر رحم نہیں کرتا وہ صرف اپنے مطلب کے لئے کام کرتا ہے۔

شکو بھولے گنگا دھر کو مار کر واپس بنگال چلا جاتا مگر اس نے ایسا صرف اس لئے نہیں کیا کہ گنگا دھر کے ذریعہ اس کو ایک نئی راہ ملی اور گنگا دھر کا کہا غلط نہ تھا اس نئی راہ پر اس کو ایک نئی شکتی کے ملنے کی امید ہوگئی گو کہ یہ کام آسان نہ تھا مگر شکو بھولے نے جس اعتماد سے اب تک شکتی پراپت کی تھی وہی اعتماد اس کو اور آگے جانے کا کہتا تھا اور اس نے اس کی طرف قدم بڑھا دیا تھا بھیرو اور اس کے ہزاروں بیر اس کی شکتی کی تلاش میں تھے۔ وہ نظر نہیں آتے مگر مکڑیوں کی شکل میں وہ ہر ایک کے قریب تھے۔

فیروز آباد ایک نہایت گنجان شہر ہے اور زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے اور یہ خوش حال بھی ہیں خوش حالی کی وجہ ان کا ہنر اور محنت ہے یہ چوڑیاں بنانے کا مرکز ہے اور پورے ہندوستان میں اس شہر کی ہی چوڑیاں فروخت ہوتی ہیں مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے تک کام کرتے ہیں ہر گھر میں بھٹیاں لگی ہیں پتھر کے کوئلے کا استعمال بہت ہے یہ گرم شہر ہے اس لئے کہ چوبیس گھنٹے بھٹیاں ٹھنڈی نہیں ہوتیں۔ بھاری کام تار کھینچنا اور بھٹی پر کام کرنا مرد کرتے ہیں چوڑی بننے کے بعد بھی بہت کام ہوتے ہیں گھریلو عورتیں اپنے گھر لے جا کر ان کو جوڑتی ہیں ان پر نقشین رنگ کے کام کرتی ہیں اور ان کی بھی خوب مزدوری ہوتی ہے یہ کہنا کہ سب مسلمان ہی یہ کام کرتے ہیں غلط ہوگا اس کام میں فیروز آباد کی پوری آبادی ملوث ہوتی ہے۔ مرد دن بھر محنت کرنے کے بعد اور خوب کمانے کے بعد تفریح کرنے نکلتے ہیں۔ یہاں پر ہر شہر کی طرح ایک بازار ہے اس میں مردوں کی تفریح کا ہر سامان موجود ہے ناچ گانا اور اس سے آگے بھی۔

شراب کی دکانیں کھلی ہیں یہاں پر ذریعہ آمدنی خوب ہے اس لئے مردوں کی جیب میں پیسے ہوتے ہیں اور وہ ان کو خرچ کرنے میں اس بازار میں آتے ہیں۔ یہاں کی عورتیں زیادہ تر ہندو اور دوسرے شہروں کی ہوتی ہیں اور صرف کمانے کی غرض سے آتی ہیں۔ ہر روز اس بازار میں ایک میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔ مگر آج ایک ایسا خریدار بھی آیا ہے جو دیتا نہیں ہے اور لے جاتا ہے وہ ان عورتوں کا شکاری ہے جو مردوں کا شکار کرنے یہاں پر بیٹھی ہیں۔ بھیرو کے جاسوس بے چین ہیں انہوں نے نئی بات محسوس کرلی ہے اور اپنی بے چینی بھیرو تک پہنچا دی ہے اور وہی خبر شکو بھولے کے پاس بنگال تک جا چکی ہے اور اس نے اس بازار کے راستوں پر ناکہ بندی کردی ہے اور خود فوراً آرہا ہے۔

اس کے آنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہوا یہاں آنے کے بعد اس نے بھی شیش ناگ کی خوشبو سونگھ لی اور وہ بڑی ہوشیاری سے ایک مقام پر ڈٹ کر کھڑا رہا اس کے چاروں طرف اس کے بیر موجود تھے۔ دیارام کے خلاف اتنی بندش اور انتظامات تھے مگر میں بڑی لاپرواہی سے ایک

کوٹھے میں موجود تھا اور میرے سامنے ایک نہایت حسین عورت زرق برق لباس میں اور سولہ سنگھار کیے محو رقص تھی اور میں اس پر نوٹ نچھاور کر رہا تھا اور چھت پر لٹکی ایک مکڑی میری ایک ایک حرکت شکو کو بتا رہی تھی۔

رات دو بجے میں کھڑا ہو گیا اور لڑکی سے بولا۔

''یہاں پر تیرا کام ختم ہوا میرے ساتھ چل۔''

لڑکی نے اپنے گرد بکھرے نوٹ سمیٹے اور کھڑی ہو کر بولی۔ ''میرا کام صرف ناچ گانا ہے وہ میں نے پیش کر دیا۔ میرا نام لکشمی بائی ہے پورے ہندوستان میں میں نے اپنی کلا کی روزی کمائی ہے بال بچے دار ہوں میں جسم فروش نہیں ہوں آپ کو بہت مل جائیں گی اس بازار میں۔''

میں بولا۔ ''مگر میں جہاں آ جاتا ہوں اسی کو لے کر جاتا ہوں چلنا تو تجھے ہی پڑے گا۔''

اتنی بات چیت کے دوران ایک نہایت کمزور جسم بدن سے ننگا شخص دروازے کے اندر آ جاتا ہے اور اپنی بھاری آواز میں کہتا ہے۔ ''بس تیرا وقت پورا ہوا اب اور کسی کو نہ چھیڑ۔''

میں بولا۔ ''تو کون ہے؟ کباب میں ہڈی چل جا اپنا کام کر نہیں تو بے موت مارا جائے گا۔''

''میں شکو بھولے ہوں تیرے سارے کام مجھے پتہ ہیں۔''

''اور میں اگلوتا ہوں تو نے میرا نام کبھی سنا بھی نہیں ہوگا میں دنیا کی وہ شکتی ہوں جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تو میرے سامنے بونا ہے اور تیری مکڑیاں صرف مکڑیاں نہیں۔ کیڑے مکوڑے ہیں۔''

شکو نے باتوں کے دوران ہی ایک آزمایا ہوا حربہ استعمال کیا مگر میں مسکراتا رہا بھولے پریشان ہو گیا۔

''یہ جنتر منتر مت کر میں اگلوتا ہوں میرے اندر شیش کا من ہے میں پھونک مار دوں تو تو بھسم ہو جائے گا میں نے تجھے نہیں چھیڑا تو بھی مت چھیڑ اسی میں دونوں کی بھلائی ہے۔'' میں بولا۔

''چل ٹھیک ہے [illegible] راستے پر نہیں آؤں گا مگر تجھے بتانا ہوگا کہ تو کیا چیز ہے تو کون سا بیر ہے اور کس کے لئے کام کرتا ہے ساری دیوی اور دیوتاؤں کے تو میں نے جاپ کر رکھے ہیں مگر تو کہاں سے آ گیا یہ تو بتا؟'' میں قسم کھاتا ہوں بھوانی کا تیرا پیچھا نہیں کروں گا۔'' شکو بولا۔

''مگر اگلوتا کو قابو کرنے کے جتن کروں گا آگے یہ بھی تو بول من کے اندر جو کچھ ہے سب باہر کیوں نہیں لاتا تیری جادوئی طاقت جہاں پر ختم ہوتی ہے میری وہاں سے شروع ہوتی ہے تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے تو نے اپنی محنت اور طاقت کو حاصل کرنے کو اندھیری راتوں میں اور برف پوش وادیوں میں جاپ کئے ہیں مگر میں نے کچھ نہیں کیا میں ہوں بس کہ سامنے، مجھے ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے میں جس چیز کا بنا ہوں وہ تیرے سامنے آ جائے تو تو اس کو دیکھ کر ہی مر جائے میرا تیرا جوڑ نہیں ہے اس لئے کہ تو نادان ہے جو کرتا ہے کرتا رہ میری طرف اشارہ نہ کر میرے کام بڑے ہیں۔ ابھی تو میں نے اپنے کام شروع بھی نہیں کئے تو ذرا سی ہلدی کی گانٹھ پا کر خود کو پنساری سمجھ رہا ہے۔''

شکو بھولے نے پھر پینترا بدلا اور بولے۔ ''تیرے اور میرے کام الگ الگ تو نہیں لگتے پھر تو مجھ سے پردہ پوشی کیوں کرتا ہے شاید آگے چل کے میں تیرا ہاتھ بٹاؤں تیرے کام آؤں۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے صدیوں کے لئے بنایا گیا ہے میرے پاس بہت وقت ہے تو اس لئے زمین پر اب تک کھڑا ہے کہ تو نے بھی وہی کام کیا یا اس سے ملتے جلتے کام کئے ہیں تیرے بیر بھی وہ کرتے ہیں جو ان کو کہا گیا ہے میری طرف ہرگز نہ آنا، جا اب رات تھوڑی رہ گئی ہے اور یہ سندر ناری میرے انتظار میں ہے۔'' شکو بھولے نے اپنا سامان سمیٹا اور دروازے سے باہر آ گیا۔ مگر وہ اپنی زندگی بھر کی محنت اس کوٹھے پر ہی چھوڑ آیا اس نے بھیرو کو حکم دیا جا تو آزاد ہے اب میرا

تیرا ساتھ بے کار ہے میں کیا حیثیت رکھتا ہوں ایسی شکتی کس کام کی میں نے اپنا دھرم تیاگ دیا میں نے وہ کام کیئے جو کسی انسان کو نہ کرنے تھے مگر میری حیثیت کچھ نہ بنی میں محنت سے جان چراتا بھینٹ سے گھبراتا تو میرے ساتھ ایسا ہوتا مگر میں نے ہر کام کر کے بھی کیا پایا میں بڑا ہی بے وقوف ہوں۔"

میں اصل کہانی سمجھ ہی نہ سکا اور شکو بھولے سندر بن کے جنگلات میں ایسا روپوش ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔

بنگالی جادوگر اپنی حیثیت اور اپنے رتبے کو فوراً سمجھ گیا اور اپنے علم کے ذریعہ اس نے اگلوتا کے بارے میں بھی جان لیا جب سب چیزیں اس کی سمجھ میں آ گئیں تو اس کو اندازہ ہوا کہ وہ اب تک صرف بے وقوف بنتا رہا ہے۔ اصل کہانی تو کچھ اور ہے اور اس کہانی کا کوئی بھی کردار کرنے پر راضی نہ تھا اس نے اب تک راج کیا تھا اس کے کم درجے پر اس کو آنا گوارہ نہ تھا اس لئے وہ کنارہ کش ہو گیا بے شک وہ کالے علم کرتا تھا اس نے اپنے گرو کو خوش کرنے کو بہت کام بھی کیئے تھے اس کے بدلے اس کے درجات میں اضافہ ہوا مگر آدمی خود دار تھا فوراً کنارہ کش ہو گیا۔

رات کم رہ گئی تھی اور میں اس کو برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تو پہلی بار ایسا ہوا کہ کوئی عورت اس کے مقام پر ماری گئی اس کی لاش کا حشر بھی وہی ہوا جو پہلے ہو چکا تھا۔

گنگادھر کو شکو بھولے سے بڑی امید تھی کہ وہ پولیس کی مدد کرے گا مگر اس کو ہڈسن کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ ہڈسن کے غصے کا یہ عالم تھا کہ کوئی اس کے پاس نہیں جاتا تھا اس نے پورے علاقے کی پولیس کی ایک میٹنگ بلائی اور پولیس کی نااہلی کے بارے میں تمام افسران سے سوالات کیئے پھر وہ بولا۔

"ایک بار تم لوگ اس کو میرے حوالے کر دو پھر میں دیکھتا ہوں۔"

اس کی میٹنگ جاری تھی اور اگلوتا ہنس رہا تھا اس کی کم عقلی پر پھر وہ مجھ سے بولا۔ "ایک تماشہ کرتا ہوں ذرا تجھے بھی مزا آئے گا تو گرفتار ہو جا، اس سفید آدمی کی خواہش پوری ہو جائے گی، ہوگا تو وہی جو میں چاہوں گا۔" اور پھر اگلی واردات کے بعد موقع پر میں پولیس کے ہاتھ پکڑا گیا۔

اخبارات نے پولیس کا یہ بہت بڑا کارنامہ بتایا۔ ہڈسن کی بڑی تعریف کی گئی اور مجھے سخت پہرے میں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہ رات بھر وہاں رہا اگلوتا اس سے باتیں کرتا رہا اب اس کو دیکھنا تھا کہ پولیس کا اگلا قدم کیا ہوتا ہے دوسرے روز ہی اس کو عدالت میں پیش کر دیا گیا اور پولیس نے مزید تحقیقات کے لئے ریمانڈ لے لیا۔

دوسرے دن ہڈسن خود حوالات میں آ گیا اس کے ساتھ اور بھی کئی افسران تھے مگر میں نے اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو تو تم کو اکیلے آنا ہوگا۔"

ہڈسن نے سب افسران کو حوالات کے باہر بھیج دیا اور بولا۔ "اب بات کرو بتاؤ تم وہی ہو جس نے میرا وائف کو مارا تھا اور جتنی عورت لوگ مارا گیا ہے تم نے مارا ہے۔"

میں نے بڑی بے فکری کے انداز میں جواب دیا۔

"ہاں یہ سب میں نے کیا ہے اور گرفتار ہونے کا ڈرامہ بھی میں نے کیا ہے تاکہ تم کو بتا سکوں کہ میرا مشن کچھ اور ہے ابھی تو میں ابتدائی منزل پر ہوں تم اور تمہاری ساری پولیس نفری مجھے گرفتار نہیں کر سکتی میں جب چاہوں یہاں سے جا سکتا ہوں نہ تم روک سکتے ہو نہ دنیا کی کوئی طاقت میرا راستہ روک سکتی ہے۔ تمہاری تمنا مجھے دیکھنے کی تھی وہ میں نے پوری کر دی تھی اب تم حوالات میں رہو اور میں جاتا ہوں۔" اور ہڈسن کے سامنے میں بند دروازے سے باہر نکل گیا، باہر کھڑے افسران اور چوکس جوان مجھے نہ روک سکے، سب اپنی اپنی جگہ پر مجھے جاتا دیکھتے رہے اور میرے جانے کے پانچ منٹ کے بعد سب کو ہوش آیا کہ مجرم تو فرار ہو گیا اور ہڈسن اندر آیا۔ اندر ہڈسن حیرت کا نشان بنا ہوا تھا۔ جب ذرا اس کے ہوش بحال ہوئے تو اس نے بتایا کہ وہ انسان نہیں

ہے میرے سامنے ایک بہت بڑا سفید رنگ کا ناگ تھا اس کا پھن بہت چوڑا تھا اور آنکھیں آگ اگل رہی تھیں اور اس کے منہ سے انسانی آواز آرہی تھی۔

یہ سن کر سارے افسران حیران ہو گئے حیران تو وہ اس بات پر بھی تھے کہ ان کے سامنے مجرم باہر آیا جبکہ دروازہ لوک تھا کسی نے اس کو نہیں روکا سب اپنی اپنی جگہ بت بن گئے اور وہ کمال آسانی سے چلا گیا۔

ان سب کو ہڈسن کی بات کا اعتبار آ گیا۔ اس واقعہ کے ہونے اور مجرم کے فرار ہونے کے بارے میں اخبارات نے خوب نمک مرچ لگا کر لکھا اس کو پولیس کی کمزوری یا ملی بھگت قرار دیا مگر اخباری دنیا میں اہم کارکن رپورٹر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح ہر جگہ پہنچ جاتا ہے تو ایک ایسا ہی جیالا بھی حوالات کے باہر موجود تھا اس نے وہی کہانی بیان کی جو پولیس کہہ رہی تھی اس طرح ہڈسن کے منہ پر لگی کالک کچھ صاف ضرور ہو گئی۔

☆......☆......☆

آخر سوامی نند کشور ناگا پربت کی تپسیا پوری کر کے اور دیوی پاربتی کی سیوا کر کے استھان پر آ گئے ان کے آنے پر مندر میں بڑی خوشیاں منائی گئیں چراغاں کیا گیا کئی دفعہ ایسا ہوا کہ سوامی جی چار چار سال نہ آئے ان کے بارے میں خیال کیا گیا کہ شاید کسی برف کے تودے میں دب کر ہلاک ہو گئے ہوں لوگ جب ناامید ہونے لگے تو سوامی جی اچانک آ جاتے ان کا سفید برف کی طرح سفید ہوتا چہرہ لال بھبوکا مگر جسمانی صحت میں ذرا فرق نہ ہوتا۔

سوامی نند کشور کا زیادہ وقت کیلاش پربت پر جو کہ ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی ہے اس پر گزرتا تھا اس کی وجہ بھی دیوی پاربتی تھی سوامی نند کشور پاربتی کا بھگت تو تھا مگر اس کا تعلق شیو بھگوان سے بھی گہرا تھا اس کی وجہ بھی پاربتی دیوی تھی کیونکہ شیو بھگوان کی وہ بیوی تھی دنیاوی معلومات میں سوامی نند کشور مداخلت نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے ۔

''انسان اپنے کھیت میں جو کچھ اگائے گا وہی پائے گا جو کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ آنے والا ہوتا ہے وہ انسان کی اپنی کھیتی کا پھل ہے۔

انسانی قتل کو کسی مذہب نے اچھا نہیں کہا ہے مگر شیطان یہ کر وا رہا ہے انسان انسان کا دشمن ہو رہا ہے۔ شیطان بڑے رشی کے روپ میں آ جاتا ہے اور بھولا انسان دھوکا کھا جاتا ہے کبھی قوم کا مسیحا بن جاتا ہے اور ہزاروں کو مذہب کے نام پر زمین کے نام پر ملک کے نام پر مروا دیتا ہے اس کے اصل روپ تک نہیں جا پاتا اس کے اصل مشن کو نہیں سمجھ پاتا دنیا میں جتنی لڑائیاں ہوئیں ان کا حاصل کیا ہوا۔

ہٹلر نے ہزاروں یہودیوں کو مروا دیا اور پھر طاقت کے نشے میں اپنی قوم کو برباد کر دیا شہر کے شہر ویران ہو گئے۔ دنیا کے کئی شہر ختم ہوئے بے حساب لوگ مارے گئے۔ یہ سب ایک شیطانی ذہن نے کیا اور وہ تھا ہٹلر مگر حیرت اس بات پر ہے کہ آج بھی جرمن قوم اس کو اپنا ہیرو خیال کرتی ہے بات بہت دور نکل جائے گی اس لئے میں پھر سوامی نند کشور کی طرف آتا ہوں۔

سوامی نند کشور نے ساری داستان سننے کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ بہت دیر کے بعد بولے۔

''منش کے کرتوت ہیں یہ سب جب انسان برائیوں کو اچھائیاں خیال کرنے لگتا ہے تو ایشور اس پر ایسا ہی عذاب نازل کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہر زمانے میں کسی نہ کسی روپ میں ایسا ہوا ہے کسی دور میں کچھ نام دیا گیا اور دوسرے دور میں کوئی اور نام مگر سب نے کام ایک ہی کیا کہ انسانوں کو ہلاکتوں میں ڈالا۔ آپس میں نفاق پیدا کیا نفرت کو پھیلایا اور پھر لڑائیاں ہوئیں ہزاروں کو مروا دیا اور خود بھی کتے کی موت مارا گیا اور دنیا شانت ہو گئی۔ مگر یہ شانتی زیادہ نہیں رہی اس لئے شیطان کو تو اپنا کام کرنا ہے پھر وہ کوئی نیا روپ بدل کر آ گیا اور پھر بھاگ گیا۔ اس میں پیدا کرنے والے کی مصلحت ضرور پوشیدہ ہے کہ شیطان کو اس نے آزادی دے رکھی ہے۔

جوگندر سنگھ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''سوامی جی یہ تو

اس زمانے پر اور اس علاقے پر ایک بہت بڑا عذاب ہے اس کا تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

سوامی جی مسکرائے اور بولے۔ "انسان خود عذاب کو بلاتا ہے ایشور نے دنیا کو سجایا ہے وہ کیوں برباد کرے گا۔ مگر جب کچرا زیادہ جمع ہو جائے تو اس کو ٹھکانے بھی لگانا پڑتا ہے ورنہ پوری دنیا میں بدبو پھیل جائے گی ایشور کو انسان کا اتنا خیال ہے کہ وہ اس گندے کوڑے کو کسی گندے سے ہی صاف کراتی ہے۔

میں کام میں مداخلت کروں، تو یہ ایشور کے کام میں مداخلت ہوگی وہ راکھشش ختم ہوگا اور اس کا انجام پہلے والوں سے اچھا نہ ہوگا مگر وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔

سوامی جی کے آخری جملے نے جوگندر سنگھ کو مایوس کر دیا۔

پجاری جی نے کہا۔ "اب تمہارا یہاں پر رکنا بے کار ہے سوامی جی انتریامی ہیں ان کی نظر پربت کے اس پار بھی ہے آگے زمانے کے بارے میں بھی ان کو پتہ ہوگا اگر انہوں نے براہ راست مدد کرنے کا وعدہ نہیں بھی کیا ہے تو بھی وہ اس راکھشش سے لاتعلق نہیں رہیں گے بھگوان شیو اور پاربتی دیوی ان کی سائیتہ کرتی ہیں تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری بات کو انہوں نے رد کر دیا ہے مہاپرشوں کے اپنے انداز ہوتے ہیں۔"

جوگندر سنگھ واپس کان پورا آ گیا اس کے پاس زمینداری تو نہ رہی تھی مگر پھر بھی اتنا تھا کہ وہ کوئی اور کاروبار کر لے اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ مگر انہوں نے پھر بھی نظر رکھی۔

رتن ناتھ شرما شہر جون پور کے جانے پہچانے آدمی تھے ان کی بات کو غور سے سنا جاتا تھا۔ اچانک ان کے دل میں اقتدار کی تمنا جاگ گئی اور وہ میونسپلٹی کے چیئر مین شپ کے الیکشن میں امیدوار بن گئے اس کام کے لئے انہوں نے کئی لوگ رکھے جو شہر میں ان کے لئے تقریریں کریں اور دشمن امیدوار کی طاقت کا اندازہ کریں اور پھر اس کا توڑ پیدا کریں ان میں ایک شخص موہن بھی تھا وہ نہایت چرب زبان اور لڑنے بھڑنے والا پہلوان نما آدمی تھا ڈر اور خوف وہ جانتا نہ تھا۔ دشمن کے جلسوں میں بے خوف شرکت کرتا تھا اور شرما جی کو دشمن کی پوزیشن بتاتا تھا چند روز میں ہی وہ اپنی بہادری اور قابلیت سے باقی سب سے آگے نکل گیا شرما بھی اس پر اعتبار کرنے لگا اور وہ شرما جی کا بھروسے کا مشیر بن گیا۔

موہن ساری رپورٹ شرما جی کو ضرور دیتا تھا مگر اس میں صرف اتنی تبدیلی کرتا تھا کہ تعصب کی چاشنی شامل ہو جائے وہ ایک مخالف کے جلسے سے واپس آیا اور اس نے رپورٹ دی۔

"شرما جی بھگت رام تو کچھ نہیں ہے اس کی تقریر بھی اتنی زوردار نہیں کہ لوگوں کو متاثر کرے اس نے بھی وہی باتیں کہی ہیں جو دوسرے کرتے رہے ہیں۔ جون پور کو دلی اور بمبئی بنانے کے وعدے کئے ہیں۔ مگر میری آنکھ میں اس کا ایک کارندہ ہے اس کی دوڑ دھوپ اور تقریریں بھگت رام کو کھڑا کر رہی ہیں اگر وہ نہ ہوتا تو بھگت رام آپ کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا تھا ڈر تو صرف اس سے ہے۔"

رتن ناتھ شرما نے کہا۔ "تو پھر توڑ لے اس سسرے کو جو مانگے دے دے۔"

"بہت مشکل ہے سرکار آدمی بڑے کینڈے کا ہے میں نے آزما لیا ہے روپے پیسے کا بولی ذرا نہیں لگتا۔"

"اس کا نام کیا ہے یہ تو بتا میں اس کا بندوبست کرائے دیتا ہوں۔" شرما بولے۔

"ایسا ہرگز نہ کرنا شرما جی ذرا سی بھنک بھی کسی کو لگ گئی کہ یہ کام آپ نے کر دیا ہے تو پھر الیکشن گیا آپ کے ہاتھ سے، سارے ووٹروں کی ہمدردیاں اس کی جھولی میں چلی جائیں گی اور بھگت رام جیت جائے گا۔ ساری محنت پر پانی پھر جائے گا سرکار۔" موہن نے جواب دیا۔

"تو اس چھورے کا کیا نام ہے۔" شرما بولے۔

"اس کا نام مکیش ہے۔" موہن نے جواب دیا۔

"ہاں تو تم بتاؤ اس کا کیا سوچ کیا ہے۔" شرما جی نے پوچھا۔

''آپ اجازت دو اور میری پیٹھ پر ہاتھ رکھو تو میں خود اس کا علاج کردوں گا۔'' موہن بولا۔

''تمہارے ذہن میں اس کا کیا علاج ہے؟'' شرما نے پوچھا۔

''میرے پاس بہت طریقے ہیں کہو تو صاف کردوں کہو تو شہر بدر کردوں مگر شہر بدر کرنے پر یہ ڈر ہے کہ وہ دوسرے شہر میں میرے اور خاص طور سے آپ کے خلاف باتیں کرے گا الیکشن تو آپ جیت جائیں گے مگر اس کے بعد شاید کوئی مشکل کھڑی کردے۔ میرا پہلا طریقہ بہتر لگتا ہے۔'' موہن بولا۔

مگر میرے خیال میں اس میں یہ خرابی ہے کہ چماروں کی بڑی آبادی ہے اور مکیش اسی برادری کا ہے اس کے مرنے کے بعد وہ شور تو کریں گے اور ہم چونکہ مخالف لوگ ہیں الزام ہم پر ڈالیں گے پھر ہمارا جواب کیا ہوگا الیکشن میں ایک رات میں موسم بدل جاتا ہے ہارا ہوا جیت جاتا ہے۔'' شرما نے کہا۔

''اس کا توڑ یہ ہے کہ ہم اس کے قاتل کو دوسرے روز ہی گرفتار کرادیں گے وہ قاتل نقلی ہوگا اور بعد میں عدالت سے بری ہوجائے گا عدم ثبوت کی وجہ سے مگر وقتی طور پر سیلاب کا رخ بدلنے میں کام آئے گا اور الیکشن ہمارے ہاتھ آجائے گا۔'' موہن نے کہا۔

شرما جی پھڑک کر بولے۔ ''واہ موہن تیرا دماغ ان کاموں میں خوب چلتا ہے۔''

موہن نے جواب دیا۔ ''پر ذرا خرچ والی بات ہے نقلی قاتل کو دینا ہوگا وہ جیل میں جب تک رہے گا اس کا خرچ ادا کرنا ہوگا اور پھر پولیس اس کے بھی کچھ بھاؤ ہیں وہ بھی ادا کرنا ہوں گے۔''

''ارے تو اس کی فکر نہ کرو وہ میں سب کردوں گا۔'' شرما بولے۔

''تو پھر مکیش چھورے کے دن گنے گئے کسی دن کسی بھی میٹنگ میں اس کا کام ہوجائے گا۔''

تین دن گزرے شہر میں یہ واقعہ ہوا کہ مکیش ایک الیکشن میٹنگ سے واپس اپنی سائیکل پر آرہا تھا کہ نالے کے اوپر آتے ہی اس کی سائیکل کو بریک لگ گئے اور وہ زمین پر گر پڑا رات کا وقت تھا ساری دکانیں بند تھیں دور دور کوئی سواری آتی نظر نہ آتی تھی۔ مکیش زمین سے نہ اٹھ سکا اور اس کی گردن پر چھری پھر گئی اور وہ وہیں مرگیا۔ قاتل نے اتنی صفائی سے کام کیا کہ ایک چھینٹ اس پر نہیں آئی کچھ دیر میں گشت پر پولیس آگئی اور اس نے ایک آوارہ پھرتے آدمی کو گرفتار کرلیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ وہی آوارہ گرد مکیش کا قاتل ہے۔ بھگت رام کے لئے مکیش بڑا اہم آدمی تھا اس کے الیکشن کی ساری کمپین وہی چلا رہا تھا اس کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا اس نے اس قتل کا الزام شرما پر ڈالنے کی کوشش کی مگر قاتل حوالات میں موجود تھا اس کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کا تعلق کسی پارٹی سے نہیں ہے وہ ایک نرا جاہل اور احمق آدمی ہے وہ کہتا ہے میں نے مکیش کو نہیں مارا مگر یہ تو ہر قاتل کہتا ہے تحقیقات کے بعد پتہ چلے گا کہ وہ سچ کہتا ہے کہ جھوٹ بات شرما کے خلاف آگے نہ بڑھی اور الیکشن میں شرما جیت گیا۔ موہن کی عزت شرما کے پاس بڑھ گئی اور وہ چیئرمین کا خاص آدمی بن گیا شرما بڑا ہوشیار آدمی تھا مگر موہن کا دماغ تخریبی کاموں میں خوب چلتا تھا۔

قاتل جیل میں تھا اور مقدمہ عدالت میں کہ ایک نیا آدمی اس بستی میں گیا اور چماروں کے چوہدری سے ملا۔ چوہدری نے آنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا۔ ''بات یہ ہے چوہدری کہ مکیش کا جو قاتل پکڑا گیا ہے وہ اصل نہیں ہے اصل قاتل تو آزاد ہے موج کررہا ہے بات یہ ہے کہ میں بھی کا ذات چمار ہی ہوں اور مراد آباد کا ہوں یہاں پر مجھے کوئی نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اس لئے ہر کام کرلیتا ہوں معاملہ چونکہ میری برادری کا آن پڑا ہے اس لئے مجھے مکیش اور اس کے گھر والوں سے ہمدردی ہوگئی اور میں تم سب کی مدد کرنا چاہتا ہوں میرے بارے میں کسی اور کو خبر نہ ہو تو میں تمہاری ہر طرح مدد کروں، روپے پیسے اور مقدمہ بازی سب کروں گا ایک دوسری بات اس معاملے

میں میری ہمدردی اور بھی ہے اور وہ یہ ہے جو قاتل بنایا گیا ہے وہ بھی اپنی برادری کا ہے، دیکھو ذرا ان حرامیوں کی چال ہمارا ہی آدمی مارا گیا اور ہمارا ہی آدمی قاتل بنا ڈالا۔

چوہدری بولا۔ ''بات یہ ہے بھیا کہ ہم سب تو بہت غریب ہیں یہ تو ہم کو بھی پتہ ہے کہ قاتل چمار ہے پر اس نے مکیش کو کیوں مارا اس کا پتہ نہیں ہے پر اب تم کہہ رہے ہو تو سمجھ میں آ رہا ہے کہ آخر وہ کیوں مکیش کو مارنے لگا؟ پر ہم غریب لوگ کسی کی مدد کیا کریں پیٹ بھر روٹی پیدا کرنے میں ساری دیہاڑی چلی جاتی ہے کون وکیل کرے عدالت کے چکر لگائے پولیس کی جھڑکیاں سنے ہماری کوئی عزت کسی جگہ ہے کون ہماری بات دھیان سے سنے ہے ہمارے لئے تو سب جگہ دھتکار ہے نہ عزت ہے نہ دولت، اب بتاؤ ہم مکیش کے ماتا پتا کی کیا مدد کریں اور جو بے گناہ قاتل ہے اس کو کیسے چھڑائیں اور اصل قاتل کا نام بتائیں ارے یہ بڑی ذات والے جوتے ماریں گے کہ کھوپڑی پلپلی ہو جائے گی۔'' میں نہیں جانتا تھا کہ اس کو اسی قسم کا جواب ملے گا مگر پھر بھی وہ بولا۔

تم ایک بڑی آبادی ہو بڑی ذات کے لوگوں سے کم نہیں ہو مگر دب اس لئے رہے ہو کہ تم غریب ہو بڑی ذات کے ٹکڑوں پر صدیوں سے پڑے ہو، ارے کب تک ایسا کرو گے ذرا ہمت کرو روز روز کی ڈانٹ، کل کل سے کب جان بچاؤ گے ایک دفعہ تو ہمت کرنا ہو گی، ایک دفعہ تو ڈٹ جانا پڑے گا تو پھر اب تو تمہارے پاس بہانہ ہے ڈٹ جاؤ، اب رہا روپے کے خرچ کا معاملہ تو اس کی فکر نہ ہی کرو مگر میرا نام نہ آئے، میں کون ہوں پتہ نہ چلے اندرونی طور پر تم اپنے آدمیوں کو تیار کرو اور یہ رکھو دو ہزار روپے سب کے پاس لڑائی کے اوزار پہنچاؤ کہ تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دوں گا۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ بزدل نہیں ہو مگر عزت جہاں بہت سی خرابیوں کو پیدا کرتی ہے وہیں پر انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے وہ ڈرپوک ہو جاتا ہے اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔ ان بڑی ذات کے لوگوں کے پاس کس کی دولت ہے یہ سب تمہارے خون پسینے کا پیسہ ہے۔ تم نے ان کو غلامی کر کے دیا ہے ان سے یہ واپس چھین لو مگر یہ کام اس وقت ہو گا جب تم ایک مٹھی ہو جاؤ گے، میں ہر روز تمہارے پاس آؤں اور تمہاری ضرورت کا خیال رکھوں گا۔''

موہن چماروں میں ایک نیا شوشا چھوڑ کر واپس آ گیا اور شرما جی کے دفتر میں اس نے ان سے ملاقات کی اور بولا۔ ''آپ نے تو کرسی پکڑ لی اور سمجھ لیا کہ کام ختم ہوا پر ایسا نہیں ہے کام تو کرسی کے ملنے کے بعد شروع ہوتا ہے آپ ہیں کہ بے فکر بیٹھے ہیں۔''

شرما جی اس کی بات سن کر مسکرائے اور بولے۔ ''اس لئے کہ تم جیسے بیدار مغز آدمی میرے ساتھ ہیں اور وہ ہر معاملے پر نظر رکھتے ہیں۔''

دیا رام کی باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور ارد گرد کا پورا علاقہ روشنی میں نہا گیا، پھر ایک زوردار کرخت آواز سنائی دی۔ ''مورکھ تو میری شکتی کو نہیں جانتا، میں بلوان شکتی کا مالک ہوں، اب سنبھال میرا حملہ۔'' اس کے بعد دیا رام کی آتما کورولوکا کی آواز سنائی دی۔

''دیا رام اپنی جگہ ثابت قدم رہنا گھبرانا نہیں، یہ اگلوتا تیرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔''

''مورکھ، دیا رام تو کیا سمجھتا ہے کہ تو مجھ سے بچ جائے گا، ارے تو نے میری اصل شکتی تو ابھی تک دیکھی نہیں، اور میں تیرے حمایتی کو بھی ایسا سبق سکھا دوں گا کہ اس طرح کے اور لوگ بھی کبھی میرے قریب آتے ہوئے صرف سوچتے رہ جائیں گے۔''

اچانک اس جگہ ایسا لگا کہ اندھیرے کی چادر تن گئی، دیکھنا تو دور کی بات اندھیرے کی وجہ سے آنکھیں جیسے بے نور ہو گئی تھیں۔ ہر طرف سے مہیب ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں اور ساتھ ہی پتھروں کی بارش شروع ہو گئی ان پتھروں میں بڑے بڑے انگارے بھی شامل تھے ایسا لگتا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے سارا علاقہ تہس نہس ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پتھروں کی بارش اور انگاروں کا گرنا بند ہو گیا ۔ ''مورکھ مجھ سے ٹکر لینے آیا تھا، پتھروں اور انگاروں میں بھسم ہو گیا، دیا ریام کی آ تما، اب تو میرے قہر سے بچ نہیں سکتی، اب تیرا نمبر ہے تو نے اس مورکھ کو اپنی مدد کے لئے پکار کر اچھا نہیں کیا، تو اب ہمیشہ ہمیشہ اذیت ناک تکلیف میں مبتلا رہے گی ، اب تک تو نے میرا پیار دیکھا ہے ! ارے تو اپنی اصلیت جان کہ تو گند میں رینگنے والا کیڑا تھا، تو لوگوں کی لاتوں جوتوں میں پڑا تھا، تو نے میرے قہر کو للکارا ہے، تو کسی حال میں بھی نہیں بچے گا۔'' اگلوتا شیطان کی آواز سنائی دی۔

تو بے وقوف اور احمق ہے، ارے نادان شروع سے تجھ پر خدا کی پھٹکار ہے اور شروع سے تو دربدر بھٹک رہا ہے اور بھٹکتا رہے گا دیکھ تیرے سارے حربے بے کار ہو گئے، میں اپنی جگہ محفوظ ہوں، تو میرا یا اب دیارام کی روح کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے تیرا حملہ روک لیا، اب تو میرے حملے سے بچ، بھاگتا نہیں۔'' رولوکا کی رعب دار آواز سنائی دی۔

رولوکا کے کارندے چوکس تھے اور رولوکا کے اشارے کے منتظر تھے۔ لیکن رولوکا نے کسی قسم کا کوئی اشارہ نہیں کیا اور پلک جھپکتے میں ایک آگ کا بڑا گولا ایک طرف تیزی سے بڑھا پھر اچانک چشم زدن میں ایک اور آگ کا چھوٹا گولا گیند کے سائز کا زن سے ایک طرف کو بڑھا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر رولوکا بولا۔

''دیارام دیکھ لے، بزدل اگلوتا فرار ہو گیا، تو کسی قسم کی فکر نہ کر اب تو اگلوتا کی ذات سے محفوظ ہے، مگر بالکل بھی گھبرانا نہیں۔''

دیارام کی روح کی آواز سنائی دی۔ ''مہاپرش میں پرنام کرتا ہوں، تیری شکتی واقعی قابل دید ہے، مہاپرش میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

رولوکا بولا۔ ''دیارام اب وقت ختم ہونا چاہتا ہے، اب میں چلتا ہوں، تو بھی چلا جا، کل رات اسی جگہ میں تیرا انتظار کروں گا۔'' یہ بول کر رولوکا واپس وہیں اپنے کمرے میں آ گیا۔ صبح کے وقت رولوکا سے حکیم وقار کی ملاقات ہوئی۔ علیک سلیک کے بعد حکیم وقار نے پوچھا۔ ''اور بھئی کیسا رہا تمہارا رات کا معرکہ۔''

رولوکا نے جواب دیا۔ ''حکیم صاحب کیس بہت الجھا ہوا ہے، اور بدی کا ہرکارہ اگلوتا ایک جگہ ٹھہرتا نظر نہیں آتا، اس کے لئے اس کے پیچھے لگنا پڑے گا، اس کے علاوہ بہت ہوشیاری اور پالیسی سے اسے گھیرنا ہوگا، اگر سامنے والا ایک جگہ ٹھہر جائے یا کمربستہ ہو جائے تو اس سے مقابلہ ہوتا ہے مگر جو دھوکے اور چھل سے بھاگتا پھرے اسے گھیرنا مشکل ہوتا ہے، بہر حال بچ کر کہاں جائے گا۔ میں نے اپنے کارندوں کو ڈیوٹی پر لگا دیا ہے آج رات بھی مطلوبہ جگہ جانا پڑے گا۔ آپ کسی بھی ایمرجنسی کے لئے فوراً رابطہ کیجیے گا کیونکہ مجھے شک ہے کہ یہ کم بخت کسی دن اس طرف کا رخ نہ کرے، یہ اس خصلت کا ہے کہ جیسے چور چوری سے جائے مگر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ ویسے میں نے زبردست قسم کا ایک کارندہ مطب کی خیر خبر کے لئے معمور کر دیا ہے جو کہ مجھ سے رات کے وقت رابطہ میں رہے گا۔''

رات کے وقت رولوکا وقت مقررہ پر اس جگہ ہمالیہ کی ترائی میں پہنچ گیا جہاں کہ دیارام کی روح سے ملاقات ہوئی تھی۔ رولوکا نے اپنے کارندوں کو خاص قسم کا اشارہ دیا اور پھر اس کے بعد شہادت کی انگلی سے فضا میں ایک طرح کا دائرہ بنایا تو دیکھتے ہی دیکھتے روشنی کی ایک لکیر کافی فاصلے تک فضا میں دائرے کی شکل میں پھیل گئی اور پھر روشنی کا وہ دائرہ ختم ہو گیا اس کے بعد رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''دیارام میں وقت مقررہ پر اپنی جگہ پہنچ گیا ہوں، اب تو بھی آ جا۔''

چند منٹ گزرنے کے بعد بھی دیارام کی روح نہیں آئی تو رولوکا کو شک ہوا کہ ''ہوسکتا ہے اگلوتا نے دیارام کی روح کے راستے میں کوئی رکاوٹ ڈال دی ہو۔'' اس خیال کے آتے ہی رولوکا نے اپنے ایک کارندے کو کسی انجان زبان میں ہدایت دے کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے بعد بھی دیارام کی آواز سنائی دی۔" مہا پرش میں حاضر ہوں، مجھے آنے میں چند منٹ یوں لگے کہ اگلوتا میرے راستے میں حائل تھا لیکن ایک اور آتما کے اس جگہ پہنچتے ہی فوراً بھاگ گیا یہ بولتے ہوئے۔" دیارام میں تجھے اور تیرے حمایتی کو دیکھ لوں گا۔"

رولو کا بولا۔" دیارام تو گھبراتا نہیں، یہ صرف دور دور سے تنگ کر سکتا ہے۔ تیرے قریب نہیں آئے گا، بس یہ سمجھ لے کہ اب اس کی گیدڑ بھبکی ہوگی۔ اب تو اپنے ماضی کی طرف آ اور اپنی باتیں اسی جگہ سے شروع کر جہاں سے چھوڑی تھیں۔"

دیارام کی آواز سنائی دی۔ مہا پرش! شرما نے کہا۔

"تم ضرور کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو اسی کا رن بھاشن دے رہے ہو۔"

"ہاں نئی خبر ہے اور آنے والے وقت میں خطرناک ہو سکتی ہے۔" موہن نے جواب دیا۔

"ارے تو بتاؤ نا کاہے دیر کر رہے ہو۔" شرما نے کہا۔

"چماروں کی بھی کچھ خبر ہے اندر اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے، وہ کہتے ہیں ہمارا آدمی مارا گیا اور ہمارا ہی گرفتار ہوا وہ قاتل نہیں ہے بے گناہ ہے۔" موہن نے بتایا۔

"ارے ان میں اتنا زور کہاں سب سوکھے کے مارے ہیں۔ کون سنے گا ان کی نہ ان کے پاس وکیل ہے نہ عدالت میں جانے کے پیسے سر پر جوتے پڑیں گے تو دماغ ہرا ہو جائے گا کوئی آگے آنے کا نام نہ لے گا۔ تم ان کی طرف سے بے فکر رہو دو چار کو جوتے لگ جائیں گے تو ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے آپ کو بتانا میرا کام تھا جو سنا تھا بتا دیا تاکہ آپ یہ نہ کہیں کہ میں نے آپ کو بے خبر رکھا۔" موہن نے جواب دیا۔

"تمہاری یہی تو خوبی ہے کہ تم ہر بات مجھ تک پہنچاتے ہو۔" شرما بولے۔

موہن روزانہ چوہدری کو ہوا بھرتا رہا اور وہاں کے نوجوانوں کی ہمت بندھاتا رہا۔ ان کو روپے دیتا رہا لاٹھی ڈنڈا چھری تلوار دیتا رہا تین مہینے گزر گئے اب چوہدری کو پورا یقین موہن پر آ گیا یہ آدمی کھرا ہے ہزاروں روپے خرچ کر رہا ہے۔

شرما کو موہن کی بات میں وزن نظر نہیں آ رہا تھا سینکڑوں سال سے جھک کر راستہ چھوڑنے والے شودر ان میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ بڑی ذات کے کسی ہندو کے سامنے گردن اٹھائیں۔

مگر پھر بھی اس نے ان کے بارے میں سن گن لینے کی کوشش کی مگر موہن تو گھر کا بھیدی تھا بستی کے چوہدری کو پہلے ہی ہوشیار کر چکا تھا کہ کسی نئے آدمی پر ذرا بھروسہ نہ کریں اور کسی کو کوئی آدمی زیادہ منہ نہ لگائے دشمن ہوشیار ہو رہا ہے وہ تمہاری طاقت کا اندازہ ضرور کرے گا۔

شرما کو کوئی خبر نہ ملی اور وہ بے فکر ہو گئے۔

چار مہینے گزر گئے اور شودروں کی بستی ایک قلعہ بن گئی اپنی بستی کی طرف سے بے فکر ہوتے ہی ایک رات چند جوانوں نے قریب کے ایک بنئے کا گھر لوٹ لیا اس کو اور اس کے سارے پریوار کو جلا ڈالا۔

یہ خبر آگ کی طرح پورے جون پور میں پھیل گئی اور شودروں کی بستی پر حملے شروع ہو گئے مگر ان کا کچھ نہ بگڑا راستوں پر پہلے انتظامات کر چکے تھے۔ کئی بڑی ذات کے نوجوان کام آ گئے اور پھر سارے شہر میں فساد شروع ہوا شرما اور پولیس پریشان ہو گئی شودروں کے پاس ہتھیار کہاں سے آ گئے اور ان ہتھیاروں کے استعمال کی ہمت کیسے آ گئی؟

جو ہاتھ جڑے رہتے تھے وہ ہاتھ بڑی ذات پر کیسے اٹھ گئے یہ معمہ تھا سب کے لئے؟

یہ فسادات پندرہ دن ہوتے رہے اور تمام تر نقصان بڑی ذات کا ہوا بڑی ذات کے ہندوں کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد ان کو لے ڈوبا اور وہ اپنے زخم چاٹتے سرکار کے پاس گئے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ شودروں کو گرفتار کیا جائے۔

بستی کے چوہدری نے پولیس کو بستی میں آنے کی

اجازت نہ دی اس لئے کہ پولیس نے گرفتاریاں کرنی چاہیں تو شوردوں کے وکیل نے ایسا نہ کرنے دیا، موقف یہ اختیار کیا کہ یہ اتنا بڑا فساد تھا کہ کسی کو مجرم ٹھہرانا درست نہیں اگر گرفتاریاں کرنی ہیں تو دونوں طرف کی جائیں۔ شوردا تنی ہمت اور جواں مردی سے ڈٹ گئے کہ بڑی ذات کے لوگ پریشان ہو گئے۔

شرما جی کے دفتر میں موہن بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا۔

''شرما جی میں نے بہت پہلے ان حالات کے پیش آنے کے بارے میں پیشن گوئی کر دی تھی مگر آپ نے میری بات پر ذرا غور نہیں کیا تھا، آج آپ کے سامنے وہی شورد ہیں جو آپ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتے تھے مگر آج تلوار لے کر بات کر رہا ہے بڑی ذات کا ہندو ان کا کچھ نہیں کر سکتا۔ اب آگے وقت آنے والا ہے کہ وہ آپ سے ہر معاملے میں اپنا حصہ طلب کر لیں گے۔ جون پور کو دیکھ کر ہندوستان کے سارے شودر ہوشیار ہو گئے ہیں انہوں نے ایک جگہ جمع ہونا شروع کر دیا ہے آپ کو ان کا حق دینا پڑے گا۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ آپ نے میری بات پر بھروسہ نہیں کیا اگر اسی وقت کچھ ان پر خرچ کر دیا جاتا تو حالات بے قابو نہ ہوتے آج بھی ان کے سامنے لاچار ہیں اور ہر بڑی ذات کا ہندو ان کا کچھ نہیں کر سکتا۔ انگریز گورنمنٹ کے فیصلے کسی کی ذات برادری نہیں دیکھ سکتے اس کے لئے تو سب کالے لوگ ہیں ان کی ذات برادری سے ان کو کیا غرض عدالت میں مکیش کا کیس آج بھی زندہ ہے اور پولیس تحقیقات کر رہی ہے اور یہ پتہ چلا رہی ہے کہ مکیش کی موت کا فائدہ کس کو ہوا وہ آپ کے مخالف کا خاص آدمی تھا اس کی زندگی میں شاید آپ چیئرمین نہ بن پائے تو ظاہر ہوا کہ اس کی موت کا فائدہ آپ کو ہی ہوا ہے پولیس افسران اس لائن پر بھی سوچ رہے ہیں اور میں آپ کا وفادار آپ کو اس کی پیشگی اطلاع دے رہا ہوں، پہلے کی طرح میری بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نہ نکالنا میری بات پر غور ضرور کرنا۔''

موہن کا بھاشن سن کر شرما جی سناٹے میں آ گئے۔

کچھ دیر تو ان کی آواز نہ نکلی ایک گلاس پانی پی کر بولے۔'' یہ تم نے کیا نیا شوشہ چھوڑ دیا۔''

موہن مسکرا کر بولا۔'' میری بات کو صرف شوشہ سمجھ کر رد نہ کرنا ورنہ نقصان ہو جائے گا۔''

''ارے تم نے تو میرا دم ہی نکال دیا ہے مگر مجھے یہ تسلی ہے کہ میں نے قتل نہیں کیا۔'' شرما جی نے جواب دیا۔

''بے شک آپ نے قتل نہیں کیا، قاتل میرا مطلب ہے اصل قاتل پکڑا جاتا ہے تو وہ میرا حوالہ دے گا پولیس مجھ پر ہاتھ ڈالے گی اور میں آپ کا آدمی، قتل کا فائدہ آپ کی جھولی میں، آپ سمجھ گئے۔''

''اس طرح دونوں پر مقدمہ قائم ہو سکتا ہے اس سیٹ پر میں نے اندازہ کیا ہے کہ دوست کم اور دشمن زیادہ بنتے ہیں جس کا کام ہوا وہ خوش اور ناکام ہوا تو دشمن کسی کو چونگی کا ٹھیکہ چاہئے کوئی سڑک بنانے کا مانگتا ہے ہر کوئی اپنے مطلب کی بات کرتا ہے اس طرح اب تک میرے دوست تو گنتی کے بنے ہیں مگر دشمن اور وقت پر میرے خلاف باتیں کرنے والے زیادہ ہو گئے ہیں۔''

شرما نے بتایا۔

''اقتدار میں تو یہی ہوتا ہے یہ وہ کرسی ہے جو دور سے بہت پرکشش لگتی ہے آدمی اس کی طرف مقناطیس کی طرح کھنچتا ہے اور جب اس پر بیٹھ جاتا ہے تو اس کو پتہ چلتا ہے کہ اس کے تلے میں نوکیلی کیلیں لگی ہیں وہ ان میں پھنس گیا ہے نکلنا چاہتا ہے مگر نہیں نکل پاتا۔ موہن نے کہا۔''

''تم نے درست کہا، میں واقعی پھنس گیا ہوں پہلے میں صرف کاروباری آدمی تھا ہر آدمی سے کاروبار کی بات کرتا تھا آج میں اس کرسی پر ہوں تو سب مجھ سے فائدہ اٹھانے کی بات کرتے ہیں ٹینڈر اپنے نام کھلوانے کی بات کرتے ہیں ٹھیکے اپنے نام کرانے کی بات کرتے ہیں میری پہلے والی حیثیت ختم ہو گئی ہے حالانکہ میں آج بھی کاروبار ہی کرتا ہوں اس کرسی کو میں نے صرف اپنے شوق کی خاطر حاصل کیا ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں میں اس کے

ذریعہ مایا جمع کر رہا ہوں۔'' شرما نے کہا۔

موہن نے کہا ''میں جانتا ہوں مگر آپ کی اس بات کا اعتبار کوئی کرے گا۔ آدمی جب دلدل میں گر جاتا ہے تو وہ جتنے زیادہ ہاتھ پیر باہر آنے کو چلاتا ہے اتنا ہی تیزی سے دھنستا جاتا ہے آپ بھی اقتدار کے مزے اڑانے کو اس اقتدار کی دلدل میں خود اترے تھے اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''اب تم ہی اس کا اپائے بتاؤ اگر بات نمٹا دے اور میرے اوپر آئے تو کیا کریں۔'' شرما بولے۔

موہن بولا۔ ''میرا دماغ بھی کچھ کام نہیں کر رہا ابھی تو۔''

''ایسا نہ کریں کچھ دنوں کے لئے کہیں اور چلے جائیں ان چماروں کا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو آ جائیں گے کیونکہ وہ شاید ہم دونوں کو دیکھ کر بھڑک رہے ہوں۔''

''یہ بیکار کی بات ہے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کرتا ہے مگر کیا ایسا کرنے سے بلی چلی جاتی ہے۔'' موہن بولا۔

موہن نے شرما جی کے کاندھوں کے طوطے اڑائے اور واپس چوہدری کے پاس آ گیا۔

بھگت رام بولا۔ ''اب میں تم کو بتاؤں کہ مکیش کو کس نے اور کیوں قتل کروایا تھا۔ مکیش بھگت رام کے لئے کام کرتا تھا اور بھگت رام ایک بڑا حریف تھا برابر کی چوٹ تھی مکیش بھگت رام کا خاص آدمی تھا اس کی وجہ سے بھگت رام جیت سکتا تھا اس نے اس کو راستے سے ہٹا دیا گیا اور ایک نقلی قاتل پکڑوا دیا تاکہ بات شرما تک نہ جائے اور وہی ہوا شرما آسانی سے جیت گیا۔ اب تم کو براہ راست شرما پر مقدمہ کرنا ہے کہ شرما نے مکیش کو کس کارکن مروایا، پوری بات تم وکیل کو بتاؤ گے میرا ذکر کہیں پر نہ آنے پائے وکیل کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں وہ میں دے دوں گا۔''

شرما پر شودروں کی بستی والوں نے کیس کر دیا بھگت رام کو بھی بدلہ لینے کا موقع ملا اور وہ بھی میدان میں آ گیا اور اس نے شودروں کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

شرما پر کیس ہوتے ہی، میں غائب ہو گیا۔

اب دیا رام یعنی میرا پارٹ دوسرا تھا موہن کا پارٹ ادا کر کے اور شرما کو پوری طرح پھنسوا کر وہ چلا گیا، شرما اور دنیا کے سامنے سے ہٹ گیا مگر شودروں کے آس پاس ہی کیس چلتا رہا چند گواہیاں بھی پیدا ہو گئیں اور شرما کو اہانت جرم کرنے کے الزام میں سات سال سزا انگریز جج نے سنا دی ساری لیڈری اور بنی بنائی عزت خاک ہوئی بدنامی الگ ہوئی اور شرما کا قصہ تمام ہوا۔ میرا مقصد حاصل ہوا اور میں آگے بڑھ گیا۔

میں اپنی غذا کی خاطر شکار تو اب بھی کرتا تھا مگر اس کے انداز بدل دیا تھا اور طوائفوں کے کوٹھے پر نہیں جاتا تھا اب میں نہایت فیشن ایبل اور بگڑے رئیس کے گیٹ اپ میں شکار کرتا تھا اور بڑے گھرانوں کی عورتوں پر خوب خرچ کرتا تھا دولت حاصل کرنا اگلوتا کے لئے بڑا مسئلہ نہ تھا شہر کے بڑے ہوٹلوں میں میرا قیام ہوتا تھا۔ ان مقامات پر اچھا شکار بھی مل جاتا تھا اب میں اپنے طریقہ کار میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ لاش کو کہیں چھوڑتا نہ تھا اگلوتا کا پیٹ بھر جاتا تھا تو بقیہ لاش کو زمین میں گاڑ دیا کرتا تھا۔ الہٰ آباد بھی ایک بڑا شہر ہے اس شہر میں بھی وہ سب خرافات ہیں فیشن ہے جو کہ شہروں میں ہوا کرتا ہے میرا قیام اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں تھا یہاں پر میں نے اپنی چرب زبانی کے ذریعہ بہت دوست بنائے تھے ان میں ناریوں کی تعداد زیادہ تھی میں روز ان کو ان کی پسند کی شرابیں پلاتا تھا ان پر خرچ کرتا تھا ہندوا اعلیٰ سوسائٹی میں عورت کے شراب پینے کو معیوب نہیں خیال کیا جاتا تہواروں پر تو غریب سے غریب بھی شوق کرتا ہے کچھ نہ ملے تو بھنگ گھونٹی پڑتی ہے۔

شنکر پرشاد سیٹھ کی نوجوان دھرم پتنی میرے ساتھ روز ہی پیتی تھی مگر وہ بے ہوش نہیں تھی شنکر پرشاد سیٹھ بڑی عمر کے آدمی تھے اور کاجل ان کی پتنی ان کی لڑکی سے بھی کم عمر تھی شنکر پرشاد کبھی اس کے ساتھ آ جاتے تھے۔ میں نے ان کو دیکھا تھا ایک روز میں کاجل سے بولا...... ایک بات پوچھوں ناراض تو نہیں ہوگی۔؟''

''پوچھو جو سوال من میں آ جائے اس کو ضرور پوچھ لینا چاہئے۔'' وہ بولی۔

''شنکر پرشاد تمہارے پتی ہیں تم نے ان سے کیا دیکھ کر شادی کی تھی۔''

کاجل چند منٹ خاموش رہی جیسے وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہی ہو پھر اطمینان سے بولی۔

''مایا دیکھ کر میں نے شادی کی تھی میں ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں دو مجھ سے بڑی بہنیں ہیں اور دو چھوٹی بھائی کوئی نہیں میرا باپ ہماری پرورش کرتے کرتے چارپائی پر لیٹ گیا تھا۔

اس کے پاس اپنے پریوار کو پرورش کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا پھر مجھے باہر آنا پڑا اور سیٹھ شنکر پرشاد سے میری مدبھیڑ ہو گئی اور میں نے کچھ شرائط پر شادی کر لی۔

اب میں نے اپنی سب بہنوں کو ان کے گھروں کو روانہ کر دیا ہے یہی میری سیٹھ سے پہلی شرط تھی دوسری میری آزادی میں جانے آنے پر کسی سے بھی ملنے پر سیٹھ اعتراض نہیں کرے گا دوسری شرط تھی اور تیسری شرط بڑی اہم اور بھاری تھی کہ سیٹھ کے مرنے کے بعد اس کے اثاثوں کی میں مالک ہوں گی تو میرے دوست میں انتظار کر رہی ہوں۔'' کاجل نے ترنگ میں کہا۔

''اب تم کس کا انتظار کر رہی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''موت کا ایک ایسی موت کا جو مجھے کروڑ پتی بنائے گی۔'' کاجل بولی۔

میں بولا۔ ''یہ تو مشکل کام نہیں ہے۔''

''میں قدرتی موت کا انتظار کر رہی ہوں کیونکہ میں اپنی ذات کو کسی قسم کے شک وشبہ کی نظر نہیں کرنا چاہتی۔ ذرا بھی شبے میں مری ساری محنت برباد ہو سکتی ہے۔''

''شنکر پرشاد پیتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''پیتا تو ہے مگر دوائی کی طرح اس کے اتنے کاروباری لوگوں سے واسطے ہیں کہ تم تھک کر چور گھر آتا ہے میں اس کو اس کے بیڈ روم میں سلا کر آتی ہوں ہم دونوں کے روم الگ الگ ہیں۔ وہ سوتے میں بڑے خوفناک خراٹے لیتا ہے میں اتنی آواز میں نہیں سو سکتی۔''

''تم اگر چاہو تو تمہارا کام جلد بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر میں نے کہا نا کہ مجھے جلدی نہیں دوسرے اس نے آج تک میرے معاملے میں ٹانگ نہیں پھنسائی وہ بوڑھا آدمی ہے اس کی عمر طبعی تو ویسے ہی پوری ہونے والی ہے پھر میں جلدی کیوں کروں۔'' یہ سن کر میں بولا۔'' تمہاری مرضی آؤ آج میرے کمرے میں آرام کرو۔''

''کر لوں گی اس سے میرے لئے کچھ فرق نہیں پڑتا۔'' کاجل بولی۔ اور کاجل نے وہ رات میرے ساتھ گزاری۔

''اگلوتا'' میں بولا۔ ''تم نے درست کہا ہے تم نے دیکھا کتنی طرح دار اور نرم نازک عورت تھی اس کے علاوہ اس کے پاس جو کروڑوں کی دولت ہے وہ سب ہماری تو ہے میں اس عورت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا۔''

''تیرا دل آ گیا ہے اس پر جورو بنائے گا اس کو اگلوتا بولا۔''

''نہیں اتنا بھی نہیں مگر کچھ دن یہ کھیل ہونے دو اور انجام تو اس کا بھی وہی ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور آگے چل کر پھسل گئی تو۔'' اگلوتا بولا۔

''پھسل کر کہاں جائے گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تیرے دل میں رحم تو نہیں پیدا ہو گیا ہے اس کے لئے۔'' اگلوتا نے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر ذرا کھیل کھیل رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے میں اگلوتا ہوں جس کے پاس آتا ہوں اس کو نہال کر دیتا ہوں اور جب اس کے پاس سے جاتا ہوں تو وہ موت کے لئے بھی ترستا ہے میری بات ذہن میں رکھنا۔'' اگلوتا نے کہا۔

''تم ناراض ہو مجھ سے۔'' میں بولا۔

''اب نہیں ہوں میرا مشن تم پورا کرو، اچھوں

کو بگاڑو، ظلم ستم بربریت کے کام کرو عورتوں کی مانگ اجاڑو، بچوں کوناناط بناڈالو، نیکوں کے ایمان خراب کرو، میرا یہ کام ہے اور میں تم سے یہ کام کراؤں گا۔ اور تم کرو گے یہ کام چند روز کا نہیں ہے تم مرجاؤ گے تو تمہاری جگہ دوسرا لے گا پھر تیسری میں تو رہوں گا اور یہ کام بھی جاری رہے گا جیسا کہ اب تک جاری ہے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں بھی تمہاری طرح ہمیشہ رہوں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں! ایسا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے مجھے ابھی سے کسی ایسے آدمی کی تلاش شروع کرنی ہے جو تمہاری طرح دنیا میں آیا ہو اور اس میں وہی خوبیاں ہوں جو تم میں ہیں۔'' اگلوتا بولا۔

''تو پھر تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلے جاؤ گے۔'' میں بولا۔

''نہیں میں تم کو ٹھکانے لگانے کے بعد جاؤں گا، تم سے پہلے کئی کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔'' اگلوتا بولا۔

میں ہنس کر بولا۔ ''کوئی ایسا نہیں ملا جو تم کو ٹھکانے لگائے۔''

''ملا تھا مگر میں نے اس کا مقابلہ نہ کیا بھاگ گیا اور بچ گیا۔''

''اس کا مطلب ہوا تم سے بھی زیادہ شکتی والے اس دنیا میں موجود ہیں۔'' میں بولا۔

''ایک کے اوپر ایک ہے اور کسی کی شکتی کا کچھ پتہ نہیں ہے میری بات یاد رکھنا میں جہاں اشارہ کروں رک جانا اور فرار ہو جانا کچھ ایسے بھی ہیں جو نظر کچھ آتے ہیں اور ہوتے کچھ اور ہیں ان کی شکتی کا اندازہ نہیں ہوتا۔''

کاجل روز آتی رہی شنکر پرشاد کمزور ہوتے گئے مگر آدمی تھے ہوشیار اندرونی طور پر انہوں نے اپنی فیکٹریاں نقد روپیہ جو بینک میں تھا اپنے لڑکے جگل پرشاد کے نام کر دیا۔ اب رہ گئے دو بنگلے اور کچھ اور جائیداد وہ کاجل کے حصہ میں آئی یہ کام اتنی خاموشی سے انہوں نے کیا کہ کاجل کو پتہ ہی نہ چلا اور پھر ایک دن وہ پرلوک سدھار گئے ان کی آخری رسومات کے بعد ان کا لڑکا جگل پرشاد آ گیا اور سارے کاروبار پر قبضہ کر لیا اب کاجل کو پتہ چلا کہ اندر اندر شنکر نے کیا کھیل کھیلا ہے۔

کاجل کا سارا پلان فیل ہو گیا اس کے حصے میں صرف جائیداد آئی جو کہ کاروبار اور نقد کے مقابلے میں کچھ نہ تھی اس نے ساری بات مجھ کو بتائی تو میں بولا...... ارے تم کیوں چنتا کرتی ہو سب کچھ تمہارا ہے تم حکم کرو کیا چاہتی ہو۔''

کاجل بولی۔ ''میرے ساتھ شنکر نے دھوکہ کیا ہے میرا حق مجھے دلواؤ۔''

''تم کو حق سے زیادہ مل جائے گا مگر تم کو ایک وعدہ کرنا ہوگا۔'' میں بولا۔

''بولو کیا وعدہ کرنا ہوگا؟''

''میں تمہاری پوری جائیداد اور فیکٹریوں کا برابر کا حق دار ہوں گا اور میرا حکم ہی چلے گا۔''

''میں تو خود تمہاری ہوں مجھ پر بھی تمہارا حکم چلتا ہے۔'' کاجل نے ہنس کر کہا۔

میں ہنس کر بولا...... ''اس لئے تو تم میرے پہلو میں موجود ہو۔''

''اچھا اب پروگرام بتاؤ کیا کرنا ہے؟'' کاجل نے پوچھا۔

''تم ایسا کرو شہر کے کسی نامی وکیل کے پاس جاؤ اور اس سے بات کرو اور سارا کیس سمجھا دو تم اس کی فکر نہ کرو کہ تمہارا کیس کمزور ہے کوئی تحریری دستاویز شنکر کی تمہارے پاس نہیں ہے مگر کیس دائر تو کرو میرا نام کسی مقام پر نہیں آنا چاہئے جگل پرشاد کے پاس اس کے باپ کی تحریر اور پکے کاغذات ضرور ہوں گے مگر تم دیکھنا کہ وہ ہار جائے گا۔''

''کیس کے فیصلے کے بعد تمہارا پارٹنر ہوں گا اور پھر میں ہی فیکٹریوں کی دیکھ بھال کروں گا تم دخل نہیں دو گی اگر تم کو میری بات منظور ہے تو بولو۔''

کاجل نے میری پوری بات سنی اور پھر بولی۔ ''اس طرح تو تم ہی مالک ہوئے میرا کیا رہا۔''

''تم کو جس قدر روپے کی ضرورت ہوگی ملتا رہے

گا۔‘‘ میں بولا۔
’’اور میں اکیلی رہوں گی۔‘‘ کاجل بولی۔
’’نہیں میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔‘‘ میں بولا۔
’’تم مجھ سے شادی کرو گے۔‘‘ کاجل بولی۔
’’ضرورت پڑی تو کرلوں گا مگر میرے خیال میں اس کی ضرورت کیا ہے۔‘‘ میں ہنس کر بولا۔
’’میں عورت ہوں دنیا کی زبانیں بند کرنے کو ایسا کرنا لازمی ہوگا۔‘‘ کاجل نے کہا۔
’’ارے ابھی سے کیوں پریشان ہوتی ہو وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔‘‘
وکیل دھرم داس پنڈت چوٹی کا وکیل تھا اس نے کاجل کا پورا کیس سنا اور نفی میں گردن ہلا کر بولا۔
’’بہت مشکل ہے آپ کے پاس شنکر سیٹھ کی کوئی تحریر اس سلسلے کی نہیں ہے صرف زبانی وعدہ کیا گیا تھا اس کی حیثیت عدالت کے سامنے کچھ نہیں ہوگی اس نے جنگل پرشاد کو ضرور دستاویز دیں ہوں گی ہم کس بنیاد پر کیس لڑیں گے۔‘‘ کاجل نے کہا۔ ’’آپ کیس تو دائر کریں میں شنکر کی بیوہ ہوں آخر میرا بھی تو حق ہے کہ اپنی شادی کی دستاویز تو میرے پاس ہیں میرا حق پورا تو نہیں ملا مجھے۔‘‘
’’ٹھیک ہے آپ کا اسرار ہے تو میں کاغذات تیار کرتا ہوں میری فیس آپ کو پتہ ہے۔‘‘ وکیل دھرم داس پنڈت بولا۔ اور کیس عدالت میں دائر کر دیا گیا۔ جنگل پرشاد کو پتہ چلا تو وہ کاجل کے پاس آیا اور بولا۔
آپ دھرم کی میری ماتا ہیں میں آپ کی عزت کرتا ہوں آپ کو عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں تھی معاملہ کاروبار چلانے اور فیکٹریوں کی دیکھ بھال کا تھا اس کارن پتاجی نے میرے حوالے کیا ہے آپ کی ضروریات کا میں خیال رکھوں گا عدالت میں سوائے جگ ہنسائی کے کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ پتاجی نے پکا کام کیا ہے۔‘‘
’’اور مجھے تمہارا محتاج بنا دیا ہے میں نے اپنے حق کے لئے دعویٰ کیا ہے۔‘‘ کاجل بولی۔
جنگل پرشاد نے جواب دیا۔ ’’آپ کو جتنے روپے پیسے کی ضرورت ہوگی میں دوں گا۔‘‘
’’میں خیرات پر زندہ نہیں رہنا چاہتی زبانی تیرے باپ نے بھی وعدہ کیا تھا اور مجھے دھوکہ دیا اب تم وہی حربہ استعمال کر رہے ہوں میں نے شنکر کی بات پر اعتبار کیا اور دھوکہ کھایا اب کسی دھوکے میں نہیں آؤں گی۔‘‘ کاجل بولی۔
کیس عدالت میں چلا، اور پہلی پیشی پر عدالت نے جنگل پرشاد سے کچھ سوالات کئے اور اگلی پیشی پر اس کو تمام دستاویز پیش کرنے کا حکم دیا۔
اور یہی بات کاجل سے بھی کی گئی۔
مگر دوسری پیشی پر جنگل پرشاد حاضر نہ ہوا اس کے نمائندے نے اطلاع دی کہ وہ بیمار ہے کاجل نے کہا۔ ’’میرے پاس تحریری ثبوت نہیں ہے مگر میں شنکر کی بیوی تھی اس لئے میرا حق بنتا ہے ہم میاں بیوی کے زبانی وعدے تھے میں ان پر اعتبار کرتی تھی اس لئے کاغذات بنانے کی ضرورت نہ پڑی۔‘‘
جنگل پرشاد پریشان تھا کہ اس کی تجوری میں کوئی کاغذ اس کی سچائی ثابت کرنے کو نہیں تھا کاجل نے کئی گواہ پیش کر دیئے جنہوں نے شنکر کی زبانی یہ سنا تھا کہ کاجل ہی ان کے بعد سب فیکٹریوں اور جائیداد کی مالک ہے جنگل پرشاد کا کیس کمزور ہوتا گیا اور پھر عدالت نے حکم جاری کر دیا کہ چونکہ جنگل پرشاد کے پاس مالک ہونے کا اور فیکٹریاں چلانے کا ثبوت نہیں ہے اس کو صرف اس کا حصہ ملے گا باقی سب کی مالک کاجل ہوگی۔
کاجل کو بھی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ کیس جیت جائے گی اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی کہ جنگل پرشاد عدالت کے سامنے کاغذات اپنی سچائی میں کیوں پیش نہ کر سکا اور اس کے حق میں بیان دینے والے کہاں سے آ گئے۔
مگر ایسا ہوا اور وہ کروڑوں کی مالک ہوئی ایسے کمزور کیس کو جیت کر وکیل بھی حیران تھا۔
تمام کاروبار کاجل کے پاس آتے ہی میں ایکشن میں آ گیا اور تمام کاروبار پر میرا حکم چلنے لگا۔ میرے

تو ڈھنگ ہی نرالے تھے میں نے فیکٹری کے پرانے اور شنکر کے وفادار ملازمین کو نکال باہر کیا۔ اور جو کچھ فیکٹری کے تباہ ہونے کے طریقے تھے وہ کرنے لگا کاجل میرے ہاتھ میں کھلونا تھی مالک تو میں تھا ایک سال میں ہی دونوں فیکٹریاں بک گئیں کاجل نے مجھ سے کچھ نہ کہا ایک سال میں میں نے اس کے دماغ اور جسم میں اتنی طاقت کب چھوڑی تھی اس کا خوبصورت جسم اب خوبصورت نہیں تھا اور پھر ایک دن وہ بھی شنکر کے پاس چلی گئی اس کی موت کا کارن کسی کو پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد بچا ہوا مال جگل پرشاد کے ہاتھ لگا۔ اگلوتا خوش ہوا دیارام نے اس کی دولت کو ہی نہیں اس کو بھی گھاٹ کنارے لگا دیا۔

''اب یہاں کیا رکھا ہے آگے چلو۔'' اگلوتا نے کہا۔

''جہاں تمہارا دل کرے چلو میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔'' میں بولا۔

اور میں اس کے بعد غازی آباد آ گیا۔ میرے پاس روپیہ تھا آتے ہی میں نے ایک اچھا سا مکان خریدا اور رہائش اختیار کی مکان اچھا تھا اور اس کے چاروں طرف مسلمان اور ہندو سب تھے۔

اگلوتا بہت دن سے خاموش تھا اس کی غذا نہیں ملی تھی اس کا انتظام مجھے ہی کرنا پڑا اور پہلی واردات غازی آباد میں ہوئی اس کا انداز وہی پرانا تھا پولیس ہوشیار ہو گئی۔

مگر اس واردات کے بعد پھر کچھ نہ ہوا پولیس کو صرف یہ اندازہ ہوا کہ پرانا راکھشش غازی آباد میں ہے مگر اب اس کے انداز میں فرق ہے پہلے صرف بازاری عورتوں کو نشانہ بناتا تھا اور اب ایسا نہیں کرتا۔

میرے رہنے کا انداز رئیسانہ تھا کہ نوکر چاکر اور ٹھاٹ سب رئیسانہ تھا لوگ اس کو کوئی بڑا زمیندار سمجھے تھے وہ خرچ بھی بے دریغ کرتا تھا آئے دن پارٹیاں کرتا تھا شہر کے بڑے لوگوں کو بلاتا تھا آہستہ آہستہ میں مشہور ہو گیا غازی آباد کی آبادی میں ہندو مسلمان سب برابر ہی تھے مگر سب پرامن باشندے تھے ان میں کبھی آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ میرے زیادہ تر تعلقات ہندو گھرانے سے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو گھرانوں کی عورتیں اور لڑکیاں زیادہ آزاد خیال تھیں جبکہ مسلمانوں کی عورتیں پردے میں رہتی تھیں اور کسی غیر مرد سے مراسم نہیں رکھتی تھی ۔ میرا مطلب تو صرف ہندو سے حاصل ہو سکتا تھا۔

اگلوتا نے ایک روز کہا۔'' اب تم کو کوئی بڑا کام کرنا چاہئے کب تک عورتوں کے چکر میں پڑے رہو گے۔''

''تم ہی بتاؤ کیا کروں تم تو میرے گرو ہو؟''

اگلوتا بولا۔''اس شہر میں دو قومیں آباد ہیں اور ان میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی یہ کیا بات ہے کچھ تو ہونا چاہئے۔''

میں بولا......''بتاؤ کیا کروں؟''

''بہت آسان طریقہ ہے مسلمان گندے جانوروں سے نفرت کرتے ہیں تم کسی طرح ان کی مسجد میں سور کو ڈلوا دو خود یہ کام نہ کرو کسی سے کرا دو مسلمان بھڑک جائیں گے وہ مندروں میں کچھ کریں گے اور اس طرح آپس میں نفرت پیدا ہو گی اور کچھ ہلچل پیدا ہو گی اور میری تفریح بھی کچھ ہو جائے گی۔''

دو دن کے بعد غازی آباد کی بڑی مسجد میں دو سور پھرتے پائے گئے سویرے اذان کے لئے موذن نے مسجد کا دروازہ کھولا تو اس کی نظر سور پر پڑی اور پھر مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا ہو گئی یہ واقعہ پہلی بار ہوا خواص عام مسلمانوں کے جذبات میں ذرا فرق نہ تھا لوہاری منڈی کے اکبر خان نے فوراً سب مسلمان آبادی کے نمائندوں کو بلا کر کہا۔'' ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہماری مسجد میں سور کا سر ڈالا گیا ہے اگر ہم اس پر کچھ نہ بولے تو اس کے آگے بھی کچھ اور ہو گا یہ معاملہ کسی ایک مسلمان کا نہیں ہے ہر مسلمان کا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔'' اور پھر متفقہ طور پر تین غیر آدمیوں کی کمیٹی بنا دی گئی اور پھر اس کمیٹی کے فیصلے کے مطابق جوابی حملہ کیا گیا اور گائے کے سر مندروں میں ڈالے گئے اس کے

بعد تو ہندو مسلم دشمنی اپنے عروج پر پہنچی اور شہر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔

مسلمان چونکہ برابر تھے اور ہندو ذہنی طور پر بھی مسلمانوں سے دبتے تھے اس لئے ہر جگہ مسلمان ان پر بھاری پڑ رہے تھے اور زیادہ نقصان ہندوؤں کا ہو رہا تھا۔

معاملہ سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا تھا پولیس کی نفری ہر محلہ میں تو نہیں ہو سکتی تھی مگر پھر بھی انتظامات کر رہی تھی مگر واقعات مسلسل ہو رہے تھے۔

ہندوؤں میں امرناتھ اس شہر کے پرانے اور جانے مانے آدمی تھے لوگوں نے ان کو مجبور کیا کہ وہ آگے بڑھیں اور مسلمانوں سے بات کریں او آپس کی اس لڑائی کو بند کرائیں۔

امرناتھ خود بھی اسی فکر میں تھے کئی دن کی کوشش کے بعد ان کی ملاقات اکبرخان سے ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے امرناتھ بولے اس شہر کو کس کی نظر لگ گئی خاں صاحب ہمارا ایسا پرامن شہر تھا یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔"

اکبرخان بولے۔" امرناتھ جی آپ جانتے ہیں انسان برے سے برا ہو مگر مذہب کے معاملے میں بڑا جذباتی ہوتا ہے کسی شرپسند نے مسجد کے اندر سور چھوڑ دیئے مسلمانوں کا تو جذبات میں آنا لازمی تھا اس کے جواب میں انہوں نے کارروائی کی مگر یہ جوابی کارروائی تھی پہل تمہاری طرف سے ہوئی مسلمانوں نے صرف جوابی کارروائی کی ہے۔"

امرناتھ بولے۔" آپ نے جو کچھ کہا درست کہا میں تسلیم کرتا ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ پہل کسی ہندو نے نہیں کی یہ کوئی ایسا فرد ہے جو ہم کو آپس میں لڑانا چاہتا ہے اس کا مقصد پورا ہوا اور ہندو مسلمان لڑنے لگے۔ خاں صاحب آپ ذرا سوچیں ہم لوگ ایک زمانے سے ساتھ ہیں کبھی آپ نے ہمارے دھرم کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور ہمارے جذبات کا خیال رکھا اس کے جواب میں ہم نے بھی ایسا ہی کیا پھر اچانک یہ واقعہ ہوا آپ غور کریں اس شہر میں ضرور کوئی ایسا شیطان آ گیا ہے جو اس شہر کے امن کو برباد کر رہا ہے۔"

اکبرخاں نے تھوڑی دیر غور کیا اور پھر بولے۔

" تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے کچھ دن پہلے آپ نے سنا ہو گا کہ وہ راکھشش نے اس شہر میں ایک واردات کی تھی اس سے پہلے اس سے ملتی جلتی وارداتیں دوسرے شہروں میں ہوتی رہیں تھیں یہ ضرور کوئی شیطان صفت آدمی ہے اس نے یہ شرارت کی ہو۔"

امرناتھ بولے۔" آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے مگر سوال یہ ہے کہ پولیس تو اس کو پکڑ نہیں سکی بڑے شہروں کی پولیس اور انگریز سرکار بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے پاس کوئی ماورائی شکتی ہو اور وہ اس کے ذریعہ ایسے گندے اور انسانیت سوز کام کرتا ہو۔ خاں صاحب سفلی اور جادوئی کالے علم میں بڑے طاقت ہوتی ہے انسان ان سے نہیں لڑ سکتا۔"

اکبرخان بولے۔" لڑ سکتا ہے آپ کی بات نہیں کرتا مگر اپنے مذہب کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم پر کالے پیلے اور سفلی علم کا اثر نہیں ہوتا مگر شرط ہے انسان کے کردار کی اگر مسلمان اپنی زندگی عین اسلامی اصولوں پر گزارتا ہے پاکی اور طہارت کا خیال رکھتا ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتا ہے اس کی عبادت کرتا تو کوئی کالا پیلا علم اس پر اثر نہیں کرتا اللہ خود اس کی حفاظت کرتا ہے۔ آپ نے ایک نئی راہ دکھائی ہے میں اس پر ضرور غور کروں گا اور پھر اپنے پیر صاحب بھی مشورہ کروں گا انشاءاللہ سب درست ہو جائے گا آپ ہندوؤں پر کنٹرول کریں اور میں مسلمانوں کو سمجھاتا ہوں۔"

امرناتھ اور اکبرخان کی ملاقات کے وقت اگلوتا ان کی نظر میں آئے بغیر موجود تھا اور اس نے اکبرخان کی پوری بات سنی اکبرخاں کی آخری بات نے اس کو چونکا دیا۔

اور اس نے مجھ کو کہا۔" دیارام جس بات کا ڈر تھا وہی بات سامنے آنے والی ہے میں سب سے جیت

سکتا ہوں تجھے ہر مصیبت سے چھڑا سکتا ہوں انسان کا دماغ پلٹ سکتا ہوں مگر کچھ مقامات پر میں کچھ نہیں کر سکتا مجھے اپنی فکر پڑ جاتی ہے تیری کیا مدد کروں گا اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسا وقت آنے نہ دیا جائے، وہ وقت شاید آنے والا ہے اکبر خاں نے اشارہ دیا ہے۔

''اس لئے اس شہر کو چھوڑ نا ہوگا۔ کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرنا ہوگا۔ شہروں کی کوئی کمی نہیں ہے ناانسانوں کا کال پڑا ہے۔''

میں بولا۔ ''یہ تو بزدلی کی بات ہے تم اتنے شکتی مان ہو پھر ڈرتے ہو۔''

''تو نادان ہے تو نے کچھ نہیں دیکھا میں سینکڑوں سال سے گردش میں ہوں میں نے بڑی شکتی اور نئی نئی شکتیوں کو دیکھا ہے اس دوران مجھے کچھ کارندے ملے جوان خصوصیات کے تھے اور میں نے ان کے ذریعہ بہت کچھ کیا بھی مگر پھر ایک ایسی شکتی اس دنیا میں وارد ہوگئی کہ میں پھر فضاؤں میں کھو گیا اور حالات کو دیکھتا رہا۔ انسان نے پھر کروٹ بدلی اس کے ایمان میں خلل پیدا ہونے لگا اور مجھے پھر اس دنیا میں آنے کا حوصلہ ہوا اور پھر کسی ایسے کارندے کی تلاش ہوئی جس پر میں اتر سکوں اور تو مجھے ملا تیرا نصیب اچھا ہے کہ تجھے میں ملا ہوں اور میرا ابھی کہ میں تجھے تلاش کر سکا مگر تو وہ کرے گا جو میں کہتا ہوں اپنی عقل کے گھوڑے کو لگام ڈال اس لئے کہ تو ایک حرامی آدمی ہے۔ تجھے کبھی اپنے باپ کا خیال آیا ہے۔'' اگلوتا نے پوچھا میں بولا۔ ''کئی دفعہ آیا ہے میں اس کو تلاش نہیں کر سکتا اس لئے کہ فقیر کے کشکول میں روز ہی ریزگاری آتی ہے کوئی آنی ڈالتا ہے کوئی پیسہ ڈالتا ہے فقیر کو بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کس نے کیا ڈالا ہے میری ماں تو فقیر کا کشکول تھی وہ خود بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ میں کس کی گندگی ہوں۔ میں نے یہ بات بہت پہلے ہی تسلیم کر لی تھی اور بڑی ذات کی خدمت میں لگ گیا تھا چونکہ میں خود کو ان کی کھرچن ہی خیال کرتا تھا میں نے کبھی برا نہیں مانا کہ لوگ مجھے حرامی کہتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی تھی۔''

اگلوتا بولا۔ ''شاباش تو نے وہ کیا جو میں سننا چاہتا تھا تو ایسا ہے جو الٹا پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی تیری ماں مرگئی تیری جوتے اور گالیاں کھا کر پرورش ہوئی اور جوانی تک تیرے سر پر جوتے برستے رہے مجھے تجھ جیسے آدمی کی ضرورت تھی تو میرے معیار پر پورا اترا ہے۔

''اس شہر کو چھوڑ کہ اس میں میرے اور تیرے خلاف بڑا محاذ قائم ہونے والا ہے وہ اکبر خان خطرناک بات کر گیا ہے۔''

میں نے کوئی سوال نہ کیا اور دوسرے روز پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

امرتسر پنجاب کا بڑا شہر ہے زیادہ آبادی سکھوں کی ہے یہاں کی زمین زرخیز ہے اور پانی بھی ہے وقت پر بارش بھی ہوتی ہے اس لئے کسان خوش حال ہے امرتسر سے زیادہ دور نہیں ایک گاؤں ہے اس کا نام چک بھیروں ہے یہاں کا زمیندار سردار نوجوت سنگھ ہے بڑا جیالا اور بہادر آدمی اس کے پنڈ میں کسی کی مجال نہیں کہ کوئی کسی پر ظلم کرے وہ پورا پورا انصاف کرتا ہے۔

ہر آدمی اس کے پاس ہر وقت آ سکتا ہے اس کی شہرت شہر میں بھی ہے اور اگلوتا کے لئے یہی خوبی بڑی خرابی ہے اس نے چک بھیروں کا رخ کر لیا۔

میں نے سردار نوجوت سنگھ سے کہا۔ ''میں پردیسی ہوں آپ کے گاؤں کی آب و ہوا مجھے پسند آ گئی ہے میں یہاں پر رہنا چاہتا ہوں کوئی زمین کا ٹکڑا مجھے دے دو قیمت چاہے جو لے لو۔''

سردار رحم دل آدمی تھا میری مسکین صورت دیکھ کر بہل گیا اور بولا۔ ''زمین تو ہے پر میں فروخت نہیں کروں گا تم اس کو آباد کرو اور جب آباد ہو جائے تو پھر آگے بات کریں گے۔''

میں بولا۔ ''مجھے منظور ہے مجھے تو یہاں رہنا ہے بس۔''

سردار نے مجھے زمین کا ایک اتنا بڑا ٹکڑا دے دیا کہ میں اس کو آباد کر سکوں میں نے وہ زمین قبول کر لی اور

وہیں پر رہنے کو ایک کوٹھری بنالی۔ اور اگلوتا کی مرضی کے مطابق اس زمین پر کام بھی کرنے لگا میں نے گاؤں کے کسی آدمی کو کام پر نہیں رکھا زمین ہموار ہوتی گئی اور اگلوتا نے اس کو قابل کاشت بنادیا۔ اتنی جلدی اس زمین کو کاشت کے قابل صرف ایک آدمی نے بنایا یہ بات سردار کے لئے حیرت کی تو ضرور تھی مگر اس نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔

دراصل مجھے کاشت کاری اس کی پیداواری سے کوئی مطلب نہ تھا مجھے تو یہاں رہنے کا بہانہ درکار تھا سردار سے میں جب بھی ملتا بڑے ادب سے ملتا اس سے مشورے طلب کرتا کھیت میں مٹرا گائے تھے اور فصل اچھی ہوئی تھی میں نے ساری فصل سردار کے حوالے کردی سردار کو اس پر بھی حیرت ہوئی مگر وہ سمجھا کہ آدمی احسان ماننے والا ہے۔

میرے قدم جم گئے اور میں نے گاؤں میں آنا جانا شروع کردیا۔

اگلوتا کو خوراک کی ضرورت تھی گاؤں کی عورتیں اور مرد رات کو رفاع حاجت کے لئے کھیتوں کا رخ کرتے ہیں عورتیں ٹولیوں کی شکل میں جاتی ہیں میں تاک میں تھا اور میں نے ایک کنواری لڑکی کو تاک رکھا تھا وہ لڑکی خوبصورت جسم اور شکل کی مالک تھی اگلوتا نے اس کی زبان بند کردی اور میں اس کو اٹھا کر رات کے اندھیرے میں اپنی کوٹھری لے آیا اور پھر رات بھر اس کو برباد کرنے کے بعد اگلوتا نے اپنی بھوک مٹائی اور سویرا ہونے سے پہلے اس کو زمین میں بہت گہرائی میں دبادیا اور زمین برابر کردی صبح اس لڑکی کی تلاش ہوئی وہ جن عورتوں کے ساتھ گئی تھی انہوں نے بتایا کہ وہ ان سے بچھڑ گئی تھی اور ایک طرف چلی گئی تھی۔

یہ پہلی واردات تھی جو اس گاؤں میں ہوئی سردار لوجوت بہت پریشان ہوا پولیس آگئی مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ گاؤں میں دیارام نیک نام تھا بڑوں کے ساتھ عزت سے پیش آتا اور سردار نوجوت کی تو بہت زیادہ عزت کرتا تھا نظریں جھکا کر بات کرتا تھا سردار کی نظر میں ایک شریف آدمی بنا ہوا تھا اس واردات کے بعد کوئی واردات نہ ہوئی مگر سنا گیا کہ دریا کنارے فقیروں کا ایک قافلہ پڑا تھا اس میں عورتیں اور مرد اور ان کے کچھ جانور تھے یہ آزاد لوگ ہوتے ہیں پورے ملک میں پھرتے ہیں اور جہاں جگہ ملی ڈیرہ ڈال دیتے ہیں ان کی عورتیں جفاکش ہوتی ہیں اس لئے ان پر شباب بھی خوب ہوتا ہے میری نظر میں ایک عورت آگئی اور پھر اس کا قصہ تمام ہوا۔

مگر اس واردات کے دو روز بعد پولیس نے گاؤں پر چھاپہ ڈالا اور مجھ کو گرفتار کرلیا۔ مجھ کو حیرت ہوئی کہ ایسا کیوں ہوا؟ سردار نے میری نیک چلنی اور شرافت کے بارے میں بیان دیا مگر پولیس مجھ کو لے گئی۔ میں نے اگلوتا سے پوچھا۔

”یہ کیا ہوا؟ میری گرفتاری کی تم کو خبر نہ ہوئی۔“

اگلوتا نے جواب دیا۔” ہاں یہ درست ہے ان فقیروں میں کوئی ایسا ضرور ہے جو کچھ علم رکھتا ہے مگر تو کیوں فکر کرتا ہے میں تجھے بے گناہ ثابت کردوں گا۔“

”مگر میں حوالات میں رہنا نہیں چاہتا۔“ میں جھٹ بولا۔

”اگر میں تجھے آزاد کرادوں تو یہ قانونی طور پر ایک اور جرم ہوگا اور یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ تو ہی مجرم ہے اور اگر قانونی طریقہ پر تجھے بے گناہ ثابت کراؤں تو تو بے گناہ مانا جائے گا تجھے اس سرزمین پر رہنا ہے شہر ہو یا گاؤں میری بھی ایک حد ہے میں بھی اس کے اندر تیری مدد کرسکوں گا ہر علاقہ کے لئے الگ الگ کام کرنے ہیں اور ان سب کو بھی کہیں نہ کہیں جواب دینا ہوتا ہے مجھے بے حساب طاقت دی گئی ہے مگر اس پر بھی میں وہی کروں گا جو حکم ہے۔ اس لئے تجھے حوالات میں رہنا ہوگا۔“ اگلوتا بولا۔

”اس سے پہلے تم نے مجھے آزاد کرادیا تھا وہ کیا تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”اس وقت میرے سامنے کوئی نہ تھا مگر تیری

نشان دہی کرنے والا اب میرے مقابل ہے مجھے اس کی بھی خبر لینی ہے اور تیرا کیس بھی لڑنا ہے۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تو میرا سرپرست ہے تیرا کہا تو ماننا ہوگا۔'' میں بولا۔

''شاباش اچھے بچے ہو۔'' ہنس پڑا۔

بنجارے فقیروں کا قافلہ آگے بڑھ گیا۔ اگلوتا اس فقیر کی تلاش میں ان کے قریب رہا مگر اس کی کوشش کے باوجود اس کو کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا جو کسی شکتی کا مالک ہو سب ہی سیدھے سادے لوگ تھے کسی میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ یہ بات نئی تھی اگلوتا کی شکتی اس کی رہنمائی نہیں کر رہی تھی آخر وہ پلٹ آیا اور قافلہ آگے بڑھ گیا اور یوپی کے بعد بہار میں داخل ہوگیا۔ پولیس نے ہر طرح سختی کی مگر میں نے زبان نہ کھولی۔ اور پھر کیس عدالت میں پیش ہوا۔ مگر پولیس کا کیس کمزور تھا اس کے جو گواہ تھے وہ بھی چشم دید نہ تھے وہ بھی سنی سنائی بات کرتے تھے اور کچھ کو اگلوتا نے کمزور کر دیا تھا۔ مجھ پر فرد جرم نہ لگ سکی اور میں باعزت بری ہوگیا۔ انگریز پولیس مجھ کو مجرم ثابت کرنے میں ناکام ہوگئی اور میں عزت کے ساتھ رہا ہو کر گاؤں آ گیا سردار نوجوت سنگھ نے مجھے مبارک باد دی۔

مگر میرے آتے ہی چک چوبیس میں وہاں کے زمیندار کی بہو کو رات میں کسی نے اس کی حویلی میں قتل کر دیا جب کہ حویلی کے باہر چوکیدار موجود تھے کمرہ بند تھا اور سورن سنگھ کا لڑکا موہن سنگھ بھی اسی کمرے میں سو رہا تھا حیرت اس بات پر ہے کہ وہ سوتا رہا اور اس کی بیوی کو کوئی برباد کرتا رہا اور اس کے بعد اس کا سینہ چیر کر اندرونی اعضا کو نکالا گیا۔ سارے بستر پر خون پڑا تھا اور موہن کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ کسی نے بھی کسی کو آتے نہیں دیکھا تھا چوکیدار گہری نیند سو رہا تھا مگر ایک عورت چشم دید گواہ تھی یہ عورت باغ کے مالی کی لڑکی تھی اس نے رات کو کچھ دیکھا تھا پولیس نے اس کا نام اور وہ کون ہے کس طرح اس نے دیکھا، راز میں رکھا تھا کیونکہ مجرم عیار تھا کہیں اس گواہ کو نقصان نہ پہنچائے۔

مگر فوری طور پر سورن سنگھ کو اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔

اور حوالات میں بند کر دیا تھا کیونکہ بند کمرے میں قتل اور کمرے میں صرف دو فرد تو قتل ظاہر ہے ایک نے کیا ہے مگر پولیس کے پاس سابقہ قتل کے ریکارڈ تھے اس کے علاوہ عورت کے جسم کے اندرونی اعضاء کا نہ ہونا ثابت کرتا تھا کہ یہ قتل بھی کسی راکھشش نے کیا ہے جو پہلے کرتا رہا ہے۔ اسی لئے سورن سنگھ پر کوئی سختی نہ تھی۔

مالی کی لڑکی کا بیان بند کمرے میں بڑے افسران کے سامنے ہوا۔

لڑکی نے بتایا کہ ''جب سے اس کا شوہر مرا ہے اس کو رات کو نیند کم آتی ہے مالی بوڑھا آدمی ہے تھک کر سو جاتا ہے چراغ بجھا دیا جاتا ہے کٹیا درختوں کے درمیان ہے اندھیرا ہوتے ہی وہ نظر نہیں آتی میں اس کے دروازے پر بیٹھ جاتی ہوں اور میرے خیالات مرحوم شوہر کی طرف ہوتے ہیں گھنٹوں میں شوہر کے خیالوں میں ڈوبی رہتی ہوں اور میری نگاہیں حویلی کے دروازے کی بتی پر رہتی ہیں یہ میری کچھ عادت سی ہوگئی مجھے چوکیدار اور بتی دونوں نظر آتے ہیں مگر میں گھپ اندھیرے میں ہوتی ہوں اس لئے چوکیدار مجھے نہیں دیکھ پاتا نئے آدمی کو تو اندازہ بھی نہیں ہوسکتا کہ میں کہاں ہوں۔

واردات والی رات بھی میں دروازے پر بیٹھی تھی مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا شاید بارہ کے بعد کی بات ہے رات اندھیری تھی حویلی کے دروازے کی بتی ٹم ٹما رہی تھی اور اس کے قریب ہی چوکیدار لٹھ لئے بیٹھا تھا۔ وہ رات میں سوتا نہ تھا میں نے تو اس کو ہمیشہ جاگتے ہی پایا۔

مگر اس رات وہ دیوار سے سر لگائے سو رہا تھا اس کا لٹھ اس کے قریب پڑا تھا اور وہ بے خبر سو رہا تھا۔ میرے لئے یہ نئی بات تھی۔ کچھ ہی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک لمبا چوڑا مرد چوکیدار کے پاس کھڑا ہے اس کا رنگ کالا تھا وہ تگڑا تھا اس نے چوکیدار کو ہلایا جیسے جگا رہا ہو مگر چوکیدار

اٹھنے کی بجائے زمین پر لیٹ گیا۔ چوکیدار کے لیٹتے ہی اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا یہ بات بھی تعجب کی تھی اس لئے کہ دروازہ تو اندر سے بند کیا جاتا تھا وہ آدمی بڑے سکون کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اندر کیا ہوا مجھے نہیں پتہ دو تین گھنٹے کے بعد وہ واپس دروازے سے نکلا اور چلا گیا۔

اس کے اندر جانے کے بعد اندر سے کسی قسم کی آواز نہ آئی جس سے مجھے شبہ ہوتا اس کے واپس جانے کے بعد بھی چوکیدار اسی طرح پڑا رہا اور سویرے پتہ چلا کہ اندر کیا ہوا۔

اتنی وارداتوں کے بعد پولیس کو ایک چشم دید گواہ ملا مگر اس نے بھی واردات ہوتے نہیں دیکھی صرف آتے جاتے اُس نے دیکھا عورت کے بتائے حلیے کے مطابق تو سابقہ مجرم ہی لگتا ہے وہی پھر حرکت میں آ گیا۔

پولیس کا میری طرف متوجہ ہونا ضروری تھا مگر انگریز پولیس آفیسر نے مجھ پر ہاتھ نہ ڈالا مگر اس کی نگرانی شرو کر دی گئی۔ اگلوتا بھی ہوشیار تھا اس نے مجھ کو گھر اور کھیت تک محدود کر دیا خفیہ پولیس مہینوں میری نگرانی کرتی رہی مگر میری کسی حرکت کو قابل گرفت نہ پا سکی۔ پھر میں نے اگلوتا کے کہنے پر چولا بدلہ تھا ابھی اگلوتا نے تو مجھ سے بہت کام کرانے تھے۔

میں ایک محنت کش کسان کے روپ میں گاؤں میں رہا اور سردار زمیندار کی نظر میں نیک بنا رہا۔ اس دوران کچھ وارداتیں میں نے کی ضرور مگر بہت دور دور اور راتوں رات واپس آ گیا۔ جب تک پولیس کی نگرانی تھی اس نے کچھ نہیں کیا تھا آخر کب تک نگرانی ہوتی۔ اگلوتا ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے تھا اس کا شیطانی دماغ تھا اور خطرے کو فوراً سمجھ جاتا تھا۔

بنجاروں کا قافلہ تو نا معلوم کس مقام پر جا چکا تھا مگر ایک عورت عمر رسیدہ کمر جھکی ہوئی سفید بال اور نہایت کمزور دریا کے کنارے پڑی رہ گئی تھی شاید بنجارے فقیروں کے لئے وہ بوجھ تھی یا وہ خود نہیں گئی وہ کیا کھاتی تھی کون کھلاتا تھا کسی کو کچھ پتہ نہ تھا وہ کسی طرح گرتی پڑتی سردار زمیندار کے پاس آ گئی سردار نے پوچھا "ارے تو تو بنجارن ہے تیرا قافلہ تو چلا گیا مگر تو نہیں گئی۔"

بوڑھی بولی۔ "سردار نوجوت سنگھ تیرا اور میرا دونوں کا بھاری نقصان ہوا ہے میں نے اس لئے اپنا سفر روک دیا ہے میرا یہاں پر کچھ کام ہے۔"

"ارے مائی نقصان اور نفع تو زندگی کے ساتھ ہے اس سے کون بچ سکتا۔" سردار نوجوت سنگھ بولا۔

"بات تیری درست ہے مگر نقصان دو قسم کا ہوا ہے ایک قدرتی اپنی غلطی سے ہوتا ہے اس پر آدمی صبر کرتا ہے ایک شیطان را کھشش نقصان کرتا ہے تو شیطان کے نقصان کو میں برداشت نہیں کرتی۔" بوڑھی نے کہا۔

سردار...... بولا...... "تو جھکی ہوئی ہے اب اس عمر میں تو کیا کرے گی۔ چھوڑ دے رب کو یاد کر سب"

"سردار تیرے سر پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہے میری بات پر ذرا سا غور کر تو نے اپنی آستین میں سانپ پال رکھا ہے کچھ دن جاتے ہیں کہ تیرا اور تیرے خاندان کا نقصان ہوگا اور یہ ہرا بھرا گاؤں اجڑ جائے گا۔ کسی کی عزت اور جان محفوظ نہیں رہے گی۔" بوڑھی نے بات آگے چلائی۔

نوجوت سنگھ چونک پڑا اور بولا "کیا کہہ رہی ہے مائی صاف صاف گل کر"

بوڑھی بولی۔ "تو سن تو نے رحم کھا کر اس شیطان کو اپنی زمین دے دی ہے جو پورا شیطان ہے اس نے ہی سب کا قتل کیا ہے اس نے میری نواسی کا خون پیا ہے اس کے علاوہ نا معلوم کتنی عورتیں اس کا نشانہ بن چکی ہیں۔ مگر اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے مگر گواہ نہیں ہے ایک عورت نے اس کو حویلی میں آتے ضرور دیکھا تھا اور وہ عورت مالی کی بیوہ بیٹی ہے کچھ دن جاتے ہیں کہ اس کا بھی حشر برا وہ کرے گا۔"

"کیا کہہ رہی ہے مائی وہ تو بڑا شریف بندہ ہے مجھے تو تیری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" سردار بولا۔

''تو نہ کریقین میرا کام تجھے بتانا تھا تو میں نے بتادیا۔'' بوڑھی بولی۔

''اور تجھے کس طرح پتہ چلا کہ یہ کام اس نے کیا ہے کہیں یہ وہی راکھشش تو نہیں جس کی تلاش سب کو ہے۔'' سردار نے پوچھا۔

''یہ میں تجھ کو نہیں بتاسکتی کیونکہ مجھے اس کی اجازت نہیں ہے وقت آنے پر مجھے خود پتہ چل جائے گا۔'' بوڑھی نے کہا۔

''اچھا اگر میں تیری بات مان لوں تو پھر کیا کروں۔'' سردار نے پوچھا۔

بوڑھی بولی۔'' تو دھونس اور طاقت سے اس پر اثر نہیں ڈال سکتا نہایت نرمی سے زمین خالی کرالے مگر اس سے پہلے سرکاری مشینری کو بھی آگاہ کردے یاد رکھ وہ رات کا بادشاہ ہے اس کی طاقت بے پناہ ہے جو کچھ کرنا ہے دن میں کرنا پولیس کو صاف بتادے کہ مجھے اس پر شک ہے میری زمین ہتھیار کر بیٹھا ہے خالی کراؤ۔

''کام بڑا مشکل ہے مگر کرنا تو پڑے گا اور اگر نہ کرے گا تو تباہی منہ کھولے کھڑی ہے۔''

سردار نوجوت سنگھ پریشان ہوگیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

سردار نوجوت سنگھ کمزور بزدل آدمی نہ تھا مگر بڑھیا کی بات اس کو سمجھ میں آ نہیں رہی تھی اگر اس سے سوال کیا گیا کہ تم کس شک کی وجہ سے اس کو راکھشش اور مجرم ٹھہراتے ہو تو وہ اس بڑھیا کا حوالہ دے کر خود کو بے وقوف تو ثابت نہیں کرسکتا مگر پھر اس نے سوچا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ سرکاری پولیس میری مدد نہیں کریں گے تو کیا ہوا میں خود ہی زمین خالی کراسکتا ہوں یہ خیال دل میں آتے ہی وہ امرتسر روانہ ہوگیا اور علاقہ کے بڑے پولیس افسر سے ملاقات کی اور اس کو بتایا کہ ''میری زمین کا ایک ٹکڑا ایک شخص نے زبردستی لے رکھا ہے اس کو آپ خالی کروادیں۔''

افسر نے پوچھا۔'' وہ کون ہے اور تم کیوں خالی کرانا چاہتے ہو؟''

سردار کے پاس دلیل بڑی کمزور تھی مگر پھر بھی اس نے اپنے خدشات بیان کیے۔

افسر بولا۔'' تم نے بڑے سنگین خدشات کا ذکر کیا ہے تم کو اس کے لئے ثبوت فراہم کرنا ہوں گے۔''

سردار نے جواب دیا۔'' ثبوت تو میرے پاس نہیں ہیں شبہات اس لئے ہیں کہ جب میں نے وہ زمین اس کو دی تھی اس وقت وہ قابل کاشت نہ تھی پتھریلی اور اونچی نیچی تھی مگر اس نے لے لی تھی اس کے بعد اس نے چند روز میں اس زمین کو بغیر کسی مدد کے قابل کاشت بنالیا۔ یہ بات باعث حیرت تو ہے کہ صرف ایک آدمی اتنا بڑا کام کرے اور بغیر کسی مشینری کے اور اس کے بعد کاشت بھی کرے اور پوری کاشت میرے حوالے کردے اور کوئی حساب کتاب نہ کرے میں نے پہلے ان باتوں کا خیال نہیں کیا تھا۔

کیونکہ میرا اس میں نقصان نہیں فائدہ تھا مگر اب خیال آتا ہے کہ صرف یہاں پر قیام کرنے کے لئے ایسا کردیا تھا پھر چند وارداتیں عورتوں کے ہلاک ہونے کی ہوئیں ان میں بنجارے فقیروں کی ایک کڑیل جوان عورت بھی ماری گئی آپ کو بھی اس کا علم ہے بنجارے کوچ کر گئے مگر اسی مقام پر ایک بوڑھی عورت پڑی رہ گئی۔

آپ شاید یقین نہ کریں کہ وہ عورت وہیں پر پڑی رہی اس نے کیا کھایا کیسے زندہ رہی کسی کو پتہ نہیں ہے۔

اور پھر وہ میرے پاس آگئی اور اس نے بتایا کہ تیری زمین پر راکھشش رہتا ہے اور تجھ پر بہت بڑی تباہی لانے والا ہے۔ یہ ہرا بھرا گاؤں اجڑنے والا ہے اور بڑی خوفناک پیشین گوئیاں اس نے کردیں میرا پریشان ہونا لازمی تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ میں پہلے سرکاری مشنری کو اپنے خدشات سے آگاہ کردوں۔ تو میں حاضر ہوا ہوں۔''

افسر نے بڑے غور سے سردار نوجوت سنگھ کا بیان سنا اور بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ بڑھیا نے تم سے جو کہا اس میں کچھ صداقت ہو مگر سردار صاحب آپ جانتے ہیں کہ ہم اس قسم کی ہوائی باتوں پر تو ایکشن نہیں لے سکتے آپ بڑے زمیندار ہیں آپ کا ایک مقام ہے اس لئے میں یہ کرسکتا ہوں کہ اس شخص کی نگرانی شروع کردوں اور اگر کوئی گڑبڑ نظر آئے تو پھر ایکشن لوں۔''

سردار نے کہا۔'' دیکھیے صاحب آپ کو مطلع کرنا تھا وہ میں نے کردیا۔

اب میں اپنی زمین خالی کرانے کی اپنے طور پر کوشش کرتا ہوں میں اس میں کامیاب ہوتا ہوں پھر نہیں آؤں گا آپ کے پاس اور اگر وہ ایک آدمی زمین خالی نہیں کرتا کچھ اور کرتا تو آپ کو اطلاع کروں گا ویسے میں آپ کو بتادوں کہ میں قانونی بندہ ہوں غیر قانونی کوئی کام نہیں کرتا۔''

افسر نے جواب دیا۔'' سردار صاحب مجھے پتہ ہے میں آپ کی مدد کروں گا۔''

سردار نوجوت سنگھ واپس آ گیا بوڑھی نے پوچھا۔'' کرآیا اطلاع'' سردار نے کہا'' ہاں مگر کام مجھے ہی کرنا ہوگا کل سویرے جاؤں گا اس کے پاس۔''

بڑھیا بولی۔'' بے فکر ہو کر جا اور صاف صاف بات کرنا، تجھے میں جانتی ہوں مروت اور رحم دلی ہے مگر کسی کسی جگہ انسان کو سخت رویہ بھی اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں تیرے لئے دعا کروں گی۔''

دوسرے دن سردار نوجوت سنگھ گھوڑے پر اکیلا دیارام کے کھیت پر چلا گیا۔ دیارام کوٹھری میں تھا باہر آیا تو اس کے کاندھے پر اگلوتا بھی موجود تھا سردار کو دیکھ کر اگلوتا نے اس کے کان میں کہا۔

''اس کا ارادہ ٹھیک نہیں ہے آرام سے بات کرنا میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ اکیلا نہیں ہے جس طرح تو اکیلا نظر آتا ہے مگر میں تیرے ساتھ ہوں۔''

سردار نے کہا۔'' دیکھ بھئی تو بہت دن اس زمین پر رہ لیا اب مجھے اس کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ یہ زمین مجھے واپس کردے اور تو کوئی اور جگہ دیکھ لے۔''

یہ سن کر میں حیران ہوا، پھر بولا۔'' سردار صاحب میں نے تو اناج زمین پر اگایا تھا وہ بھی آپ کے حوالے کردیا تھا کچھ نہیں لیا تھا پھر آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟''

بات ناراضگی کی نہیں ہے میں تمہاری محنت کھا نہیں گیا تمہارا حساب میرے پاس ہے میں دینے کو تیار ہوں اب بات ہے ضرورت کی تم جوان آدمی ہو کسی جگہ بھی زمین کو اپنی مرضی کا بنالو گے ایک ایسا ضرورت مند آ گیا ہے کہ میں اس کو انکار نہیں کرسکتا تم جلد از جلد جانے والی بات کرو۔''

میں بولا۔'' اس ضرورت مند کو میرے پاس بھیج دیں میں اس کی ہر ضرورت پوری کروں گا۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا جو میرے پاس آیا ہے اس کی ضرورت مجھے پوری کرنی ہے یہ میرا اصول ہے۔'' سردار نے جواب دیا۔

''اور میرا اصول یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے آتا ہوں اور اپنی مرضی سے جاتا ہوں۔''

سردار بولا۔'' اس بات کا مطلب میں یہ لوں کہ تم جگہ خالی کرنے سے انکار کرتے ہو۔''

''آپ کچھ بھی مطلب لیں، میں نے اپنا اصول آپ کو بتایا ہے میں خود کسی ایک مقام پر ہمیشہ رہنا نہیں چاہتا مگر جاتا اپنی مرضی سے ہوں۔''

سردار نے کہا۔'' ٹھیک ہے تو پھر میں یہ کام خود کروں گا۔''

اور گھوڑے کی طرف بڑھا مگر گھوڑا اس کو دیکھ کر اچھل پڑا اور ایک طرف سرپٹ دوڑ گیا۔

سردار حیرت سے اس کو جاتا دیکھتا رہا پالتو گھوڑا اور سواری کے استعمال ہونے والا اس سے ڈر کر کیوں بھاگ گیا۔

میں بولا......'' سردار صاحب آپ کو پیدل جانا ہوگا آپ کا گھوڑا دھوکہ دے گیا ہے۔''

سرابر جواب تک حیرت میں تھا نے گردن ہلائی اور پیدل ہی گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔

سردار کے جانے کے بعد بھی اکلوتا خاموش رہا تو میں نے کہا۔ ”کیا ہوا گرو تم کیوں چپ ہو؟“

اکلوتا بولا۔ ”میں نے کہا تھا وہ اکیلا نہیں ہے۔“ سردار تو چلا گیا مگر ڈر تھا کہ جو اس کے ساتھ تھا وہ نہ گیا ہو اس لئے نہیں بولا تھا۔ تیرا میرا ساتھ کتنا پرانا ہو رہا ہے مگر تو اب تک اشاروں کی بات نہیں سمجھ پاتا، ذرا اپنی کھوپڑی کو بھی استعمال کرلیا کر۔“

میں بولا ”غلطی ہوگئی گرو۔ یہ بتاؤ جو اس کے ساتھ تھا کیا بہت بھاری پتھر تھا۔“

”میں نے اس کا وزن تو نہیں کیا جب اٹھاؤں گا تو پتہ چلے گا کہ اس کا وزن کیا ہے؟“

سردار نوجوت سنگھ حیرت میں ڈوبا گاؤں میں آ گیا وہ گیا گھوڑے پر تھا سب نے دیکھا تھا اور آ رہا تھا پیدل یہ بات چوپال میں موجود سب کے لئے باعث حیرت تھی نوچندی سنگھ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر بولا ۔”سردار گھوڑا کہاں گیا کہ آپ پیدل آ رہے ہو؟“

نوجوان نے جواب دیا۔ ”پتہ نہیں اس کو کیا ہوا کہ بھاگ گیا ادھر تو نہیں آیا۔“

نوچندی بولا۔ ”نہیں جی، ادھر تو نہیں آیا۔ حکم کرو تو ڈھونڈ کے لاؤں۔“

سردر بولا۔ ”نہیں اس کی ضرورت نہیں بھگوڑوں کو تلاش کرنا بے کار ہے۔“

حویلی کے دروازے پر بوڑھی بنجارن کھڑی تھی سردار کو دیکھ کر بولی۔

”وہ اپنی شکتی کے بل پر اکڑ رہا ہے مگر تو فکر نہ کر اس کو تو جانا ہی ہوگا۔“

سردار نے تعجب سے کہا۔ ”تجھے کیسے پتہ چلا کہ وہ اکڑ رہا ہے تو میرے ساتھ نہیں گئی تھی۔“

بنجارن بولی۔ ”پردے کی بات کو مت کھول مجھے سب پتہ ہے اس نے تجھ سے کیا کہا ہے۔“

آج سردار کے لئے صرف حیرت کی باتیں تھیں پہلے اس کا خشک رویہ پھر گھوڑے کا فرار اور اب بڑھیا کی باتیں سردار کا سر چکرا رہا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

بڑھیا بولی۔ ”میں تیری پریشانی سمجھ رہی ہوں مگر تو فکر نہ کر گر تو اچھا بندہ ہے میں اسی لئے رک گئی تھی مگر تیرے بس میں وہ حرامی آنے والا نہیں ہے اس کو ختم کردوں گی اس کا وعدہ میں نہیں کرتی مگر تیرا پنڈ ضرور پاک کردوں گی۔ پر تجھے ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ تو میرے بارے میں کسی سے ذکر نہیں کرے گا۔“

نوجوت سنگھ بولا...... ”مجھے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے پر یہ تو بتا یہ کیا چیز ہے اور تو کس طرح اس کو جانتی ہے میری تو سمجھ میں تم دونوں ہی نہیں آئے ہو چکرا کر رہ گیا ہوں۔“

بڑھیا کے چہرے پر ایک جلال کی کیفیت پیدا ہوئی کچھ منٹ خاموش رہی اور پھر بولی۔ ”دیکھ وے سردارا میں اللہ کی بندی ہوں اور صرف اپنے سوہنے رب کو یاد کرتی ہوں میں بنجارن نہیں ہوں ان کے قافلہ میں شاید اسی کام کے لئے ان کے ساتھ آ گئی تھی ایک بنجارن نے مجھ سے کہہ دیا تھا مگر اب پتہ چلا کہ میرا اصل کام اب شروع ہوا ہے میں مسلمان ہوں اس آدمی کے ساتھ ضرور کوئی ماورائی طاقت ہے اور وہ طاقت رحمانی نہیں ہے شیطانی ہے اس کے کام سے میں نے اندازہ کیا ہے۔ میں نے اس شیطان چیز کو نہیں دیکھا مگر ہے ضرور میں خود رات کو ادھر جاؤں گی اور دیکھوں گی اگر میرا اس سے مقابلہ ہوگیا اور میں مرگئی تو مجھے اسلامی طریقہ پر اسی زمین میں دفن کر دینا اور زندہ رہی تو سویرے تیری زمین خالی ہوجائے گی۔“

سردار نے حیرت سے کہا۔ ”مائی تو اپنی جان پر کیوں لیتی ہے کیا معاملہ اتنا خطرناک ہے؟“

”ہوسکتا ہے ہم دونوں اندھیرے کے تیر ہیں میں بھی اور وہ بھی اس نے مجھے نہیں ناپا اور میں اس کو نہیں سمجھ پائی جس کا وار چل جائے وہ کامیاب ہوگا۔“

''میں تم کو اس خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔''
سردار نے کہا۔
''اب تو منع کرے گا تو بھی میں یہی کروں گی کیوں نہیں مانوں گی تو اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔''
''آج کا دن میں حیرتوں کا دن ہے۔'' سردار نے دل میں سوچا اور حویلی کے اندر چلا گیا۔
مجھ سے اگلوتا نے شام کو کہا۔ آج کی رات اس زمین پر ہماری آخری رات ہوگی میں نے سمجھ لیا ہے کہ میں جن کے سامنے نہیں رک سکتا اور اگر میں یہ کہوں کہ ڈرتا ہوں تو بھی سچ ہوگا وہی طاقت سردار کی پشت پر ہے میں پورے گاؤں اور سردار کو مردہ بنا سکتا ہوں مگر اب نہیں کیونکہ سردار کے سر پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا ہے۔''
''اتنی کمزوری کی بات گرو میں نے تمہارے منہ سے پہلی بار سنی ہے۔ میں نے کہا۔
تم اس کو بزدلی کہتے ہو مگر میں اس کو حربہ کہتا ہوں میرا موقع جب لگے گا میں بدلہ چکا لوں گا مگر ابھی دشمن میری تلاش میں ہے ہوشیار ہے اس لئے اس کی حدود سے نکل جانا ہی عقل مندی ہے۔''
''تم اس سے مقابلہ نہیں کرو گے۔ اپنی شکتی کو استعمال نہیں کرو گے۔'' میں بولا۔
''میں آج رات اسی لئے رکوں گا اور اس کی طاقت کا اندازہ کروں گا۔ اگر بات بگڑتی نظر آئے گی تو کنارہ کر لوں گا۔'' اگلوتا نے کہا۔
میں بولا۔'' میں سمجھتا تھا تیری طاقت کسی کو بھی ہرا سکتی ہے۔''
''تیرا سمجھنا بھی غلط نہیں تھا میں کسی سفلی یا کسی جادوگر کو سامنے کھڑا نہ ہونے دوں کیونکہ وہ بھی گندے علم کرتے ہیں میرے بارے میں کسی کو پتہ نہیں کہ میں کون ہوں میں ان پر حاوی آ سکتا ہوں مگر کچھ لوگ بلکہ اب تو بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کے سامنے کسی کی نہیں چلی تیری طاقت اور میرا گرو بھی وہی ہے جو ان تمام کالے پیلے علوم کا دینے والا ہے اس کا ایک نام نہیں ہے مگر سب اس سے ہی مدد کے طالب ہوتے ہیں میں بھی اس کا غلام ہوں۔''
آدھی رات کو اگلوتا نے کہا۔'' بس اب چل میں سمجھ گیا خاموشی سے باہر چل اب ٹھہرنا یا مقابلہ کرنا بے کار ہے میرا خدشہ جو تھا یہ وہی طاقت ہے اس سے مقابلہ کرنے کو منع کیا گیا ہے۔''
اگلوتا کے کہنے پر میں رات کے اندھیرے میں یک سمت کو روانہ ہوا۔ اور چلتا چلا گیا مجھے پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے بوڑھی عورت نے کھیت پر نظر ڈالی اور چاروں طرف گھوم پھر کر رات کا اندازہ کیا اور واپس گاؤں آ گئی سویرے سردار سورن سنگھ کو خوش خبری دی کہ شیطان بھاگ گیا۔''
سردار نے کہا۔'' تم نے اس کا ٹھکانہ دیکھ لیا۔''
''میں رات کو وہیں تھی اب تیرے گاؤں پر کوئی مصیبت اس کی وجہ سے نہیں آئے گی اور وہ دوبارہ ادھر نہیں آئے گا اور اب مجھے بھی اجازت دے میں بھی جاؤں گی۔''
سردار بولا......'' مائی اس عمر میں اکیلی کہاں دھکے کھاؤ گی میرے پاس رہو میں تمہارا خیال رکھوں گا۔ تمہاری ہر ضرورت پوری کروں گا۔''
''تو اچھا بندہ ہے پر میرا رکنا ممکن نہیں جانا ضروری ہے''
اور بوڑھی عورت گاؤں کے باہر جانے والے راستے پر روانہ ہوگئی۔
سردار اس کو کھڑا دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی وہیں پر کھڑا رہا۔
اگلوتا کے کہنے پر میں رات بھر چلتا رہا اگلوتا نے مجھے ٹھہرنے کا نہیں کہا تھا۔ دن نکل آیا روشنی پھیل گئی سڑک پر بیل گاڑیاں اور دوسری سواریاں نظر آنے لگیں تھوڑی ہی دیر میں ایک چھوٹی سی آبادی نظر آ گئی یہ آبادی روڈ کے کنارے پر تھی روڈ کے دونوں طرف درختوں کے سائے تھے اور اس کے نیچے کچھ دکانیں لگی تھیں صبح کا وقت تھا لوگ خریداری کر رہے تھے نائی

اور پان کی دکان پر لوگ بیٹھے تھے۔

میں پان کی دکان کے سامنے رک گیا اور ایک آدمی سے پوچھا۔ ''بھائی یہ کون سی جگہ ہے؟''

آدمی نے تعجب سے دیکھا اور بولا۔ ''ارے کیا نئے آئے ہو پر آئے کیسے لاری تو ابھی آئی نہیں۔''

میں بولا۔ ''میں پیدل آرہا ہوں تم بتاؤ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہاں سے پانچ کوس پر کرنال ہے اور اس جگہ کو گونا پور کہتے ہیں کرنال کی طرف سفر کرنے والی ہر گاڑی یہاں رکتی ہے اور تازہ دم ہو کر پھر کرنال جاتی ہے اور میرا کام گاڑی کو تازہ دم کرنے کا ہے دو تین گاڑیاں آہی جاتی ہیں اور اپنی دہاڑی ہو جاتی ہے اکیلا آدمی ہوں جو روز جاتا رام جی سے ناتا مزے میں گزارہ ہو جاتا ہے۔''

''تیرا نام کیا ہے اور کہاں سے پیدل آرہا ہے؟''

باتونی بولا۔

''بہت دور سے آرہا ہوں، رات بھر چلا ہوں بہت تھک گیا ہوں یہاں پر آرام کرنے کی کوئی جگہ ہے تو بتا۔''

باتونی بولا۔ ''بات یہ ہے کہ کوئی شہر تو ہے نہیں کہ سرائے مل جائے۔ پر جگہ تو ہے اور تیرے من میں آئے تو موج میلہ بھی کر لینا مگر اس کا بھی کچھ دینا تو ہوگا اور ہم ٹھہرے مزدور آدمی اور ساتھ لگا ہے پیٹ اور ہماری روزی ہے ہوائی ہوتی ہوئی نہ ہوئی اور پھر ایک لت اور ہمارے ساتھ ہے کا بتائیں آگے تم خود سمجھ لو۔''

میں سمجھ گیا میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک پانچ کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

نوٹ دیکھ کر باتونی کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور وہ بولا ''آؤ ہمارے ساتھ ٹھکانے پر پہنچا دیں بڑی بڑھیا جگہ ہے بھگوان ہوں یاد کرو گے بڑی خدمت کرے گی ساری رات بھر کی تھکن اتار دے گی میرا نام رام اوتار ہے یاد رکھنا۔''

میں نے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے ساتھ آبادی کی طرف چلتا گیا زیادہ بڑی آبادی نہیں تھی چند منٹ کے بعد وہ ایک دروازہ پر کھڑا تھا رام اوتار نے باریک سی آواز لگائی اری سوکھی میں ہوں اوتار کسی عورت نے دروازہ کھولا اور بولی۔ ''بول کیا بات ہے؟''

اوتار نے میری طرف اشارہ کر کر کے کہا ''مسافر ہے رات بھر پیدل چل کر تیرے دروازے پہنچا ہے۔ اور میری لاج رکھ لینا میں نے تیری تعریف کر دی ہے۔''

عورت نے ناک پر انگلی رکھی اور بولی۔ ''اس سے پہلے شکایت ملی ہے تو ہی پرلے درجے کا پاکھنڈی ہے میرا بھی کھا پی جاتا ہے اب کے ایسا مت کرنا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''سرکار خدمت میں کروں گی اس کو کچھ نہ دینا میں خود اس کا حساب کروں گی اس کے ہاتھ میں آیا تو گیا بوتل میں۔''

اوتار مسکراتا ہوا واپس روانہ ہوا اور مجھ کو وہ عورت ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

آنگن سے گزر کر سامنے دو کمرے بنے ہوئے تھے ان کے سامنے کھپریل پڑی تھی اور اسی کھپریل کے نیچے چولہا بنا ہوا تھا اور اس میں آگ جل رہی تھی عورت نے جو کمرا بند تھا اس کا دروازہ کھولا اور بولی ''آؤ اندر آجاؤ''

کمرا صاف ستھرا تھا ایک کنارے پر ایک بڑا سا پلنگ بڑا تھا اس کا سرہانہ بڑا فینسی بنا ہوا تھا اور کئی آئینے اس میں لگے تھے بستر پر سفید چادر پڑھی تھی اور دو بڑے بڑے تکئے رکھے تھے عورت بولی۔ ''یہ جگہ مہمانوں کی ہے تم کو کیسی لگی۔''

میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا اور ایک سوال کر دیا۔ ''تو نے اپنا پرتیچے نہیں کرایا۔''

عورت مسکرائی۔ ''میرا نام تو کچھ اور ہے پر سب سوکھی کہتے ہیں شاید اس لئے کہ میں بچپن سے لڑکپن تک بہت سوکھی تھی پر اب تو دیکھ رہا ہے۔'' عورت اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

مجھ کو بات آگے چلانا تھی۔ ''یہ دھندہ کب سے کر رہی ہے۔''

عورت بولی۔ ''جب سے جوان ہوئی ہوں نہ کرتی

تو کیا کرتی پھوپھی نے پالا تھا ماں تو مجھے یاد بھی نہیں کہ کب مری جوان ہوئی تو پھوپھی نے گونا کر دیا مگر گونے کے بعد پتہ چلا کہ میرا گھر والا تو شرابی کبابی ہے جو کماتا ہے شراب میں اڑا دیتا ہے اور ایک دن تو میرے لئے گاہک لے آیا میں نے بہت منع کیا بہت روئی مگر اس نے مجھے مار مار کر ادھ موا کر دیا اور اپنی مرضی کر ڈالی اس دن کے بعد کسی نہ کسی کو لے آتا ہے اور پیسے خود وصول کر کے شراب پی جاتا ہے۔"

میں بولا۔"تو کیا تیرا گھر والا رام اوتار ہے۔"

سوکھی نے جواب دیا۔"ہاں یہی میرا گھر والا ہے بڑا ہی ڈھیٹ اور بے غیرت آدمی ہے اپنی اور میری کمائی سب کی شراب پی جاتا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔"

"مگر اس نے تو نہیں بتایا کہ تو اس کی جورو ہے۔"

عورت بولی۔"وہ کیوں بتائے گا اچھا خیر ان باتوں کو چھوڑو چائے بناؤں پیو گے خالص بکری کا دودھ اور سفید گڑ ہے میرے پاس بڑی بڑھیا چائے بناؤں گی۔"

میں نے کہا۔"میں رات پھر پیدل چلا ہوں دو پراٹھے بھی ڈال لینا پیسے دوں گا فکر مت کرنا۔"

"اچھا تو پھر تو آرام سے لیٹ منجھی پر اور میں تیرا کام کر کے ابھی آئی۔" اور عورت مسکراتی چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد اگلوتا بولا۔"عورت جاندار لگتی ہے تو نے اس کا بھرا بھرا بدن دیکھا۔"

"ابھی دیکھ لوں گا پہلے پیٹ پوجا کر لوں۔" میں نے جواب دیا۔

اگلوتا نے کہا۔"کیا خیال ہے دو چار دن یہاں پر ہی آرام نہ کریں۔"

"میں تو تمہاری مرضی پر چلتا ہوں اگر خطرہ نہیں تو رک جاتے ہیں آگے کرنال ہے بڑا شہر ہے۔"

"میں دو چار دن کے لئے کہہ رہا ہوں میں نے دیکھا ہے یہاں کی ناریاں بڑی تندرست اور تیکھی ہیں۔" اگلوتا نے کہا۔

"دیکھا تو میں نے بھی ہے مگر ابھی ہم ان بڑھیا سے زیادہ دور نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے پر میری کمزوری مجھے روک رہی ہے میں کیا کروں۔" اگلوتا بولا۔

"کبھی کبھی میری بھی مان لیا کر مانا کہ تو بہت شکتی رکھتا ہے پر انسانی عقل بھی کوئی چیز ہے۔" میں نے جواب دیا اگلوتا ہنس کر بولا۔" تو میرے معیار پر پورا اترا ہے۔ میں تیری سوجھ بوجھ کو آزما رہا تھا۔"

"یہاں رکنے والے حالات نہیں ہیں شام کو ہی روانہ ہونا ہے کرنال کی گاڑیاں یہاں سے مل جاتی ہیں۔ بارہ بجے تک کرنال پہنچ جائیں گے اور انسانوں کے جنگل میں گم ہو جائیں گے میرا خیال ہے بڑھیا نکل پڑی ہے اور اس کا رخ بھی ادھر ہی ہے مگر وہ کل پہنچے گی اس وقت ہم کرنال ہوں گے۔"

کچھ ہی دیر میں سوکھی گرم گرم پراٹھے اور گڑ کی گرم چائے لے آئی اور بولی۔

"لے کھا بڑے دن کے بعد کوئی ایسا آیا ہے جس کو میں کچھ کھلا رہی ہوں۔"

"تیرا گھر والا نہیں کھاتا تیرے پاس۔" میں نے کہا۔ سوکھی غصہ سے بولی۔"بارے اس کو تو میں پانی نہ پلاؤں۔ اس نے مجھے دیا کیا ہے اور میری کمائی کھا رہا ہے بے غیرت کہیں کا۔"

"تو پھر بھی اس کے پاس رہتی ہے۔" دیا رام بولا۔

عورت اداس ہو گئی غمزدہ آواز میں بولی اور کہاں جاؤں جہاں جاؤں گی میرے ساتھ یہی ہو گا، اور میں بے ٹھکانہ ہو جاؤں گی اس لئے اس در پر پڑی ہوں اکیلی عورت اس سماج میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"تو ایسا کر میرے ساتھ چل صرف میری خدمت کرنا اور میرے ساتھ رہنا رانی بنا کر رکھوں گا مگر میرا ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا مگر تجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا اصل بات یہ ہے کہ میں تو ٹھکانے بدلتا رہتا ہوں اکیلا ہوتا ہوں تو لوگ شک کرتے ہیں رہنے کو گھر نہیں ملتا تو ساتھ ہو گی تو آسانی سے مکان تو ملے گا۔ روپے پیسے کی میرے

پاس کی نہیں ہے۔ ہر شہر میں میرا روپیہ رکھا ہے۔
سوکھی بولی۔ "ہر شہر میں روپیہ رکھا ایسا کیسے ہے۔"
"میرے ساتھ رہے گی تو خود دیکھ لینا ہاتھ باندھ کر روپیہ دینے والے تیرے پاس آئیں گے۔"
"ہائے بھگوان پر وہ روپیہ کا ہے کو دیں گے۔" سوکھی بولی۔
"اس لئے وہ تم کو میری گھروالی خیال کریں گے۔" میں نے کہا۔
سوکھی بولی۔ "میں تیرے ساتھ چلوں گی اس روز روز کی ہائے ہائے سے تو میری جان چھوٹے گی پر ایسا نہ ہو کہ ببول سے گر کر کھائی میں چلی جاؤں میں بڑی دکھیاری عورت ہوں کبھی سکون کی نیند نہیں سوئی۔"
میں نے کہا۔ "مجھ پر بھروسہ کر میں تیرا پورا خیال رکھوں گا پر تو بھی گھروالی بن کر دکھانا۔"
"میں دکھوں سے اٹھ کر سکھ میں جاؤں گی میرے لئے تو تو سکھ ہوگا تیرے پیر دھودھو کر پیوں گی۔"
"تو بس شام کو میرے ساتھ چلنا کرنال کی طرف چلیں گے۔" میں بولا۔
"اڈے پر تو رام اوتار ہوگا وہ کب جانے دے گا۔ دنگا کرے گا۔"
تو رام اوتار اور کسی کی فکر نہ کر تجھے کوئی نہیں روکے گا۔" سوکھی نے برتن اٹھائے اور رسوئی میں چلی گئی اس کے جانے کے بعد اگلوتا نے کہا۔ "یہ کیا گھنٹی تو نے گلے میں باندھ لی ہے۔"
"تو نے ہی تو کہا تھا کہ کبھی کبھی اپنی کھوپڑی بھی استعمال کرلیا کر۔ تو میں نے ایسا ہی کیا ہے۔"
"اس کا فائدہ۔" اگلوتا نے پوچھا۔
"میں اکیلا ہوں سب کو پتہ ہے اب میں ذرا سی تبدیلی اپنی شکل میں کروں گا مونچھ کم اور ڈاڑھی زیادہ پھر میرے ساتھ ایک عورت ہوگی میری شناخت کرنے والے بھی چکرا جائیں گے اور دوسرا فائدہ گھر مکان بھی آسانی سے مل جائے گا اکیلے تو مکان بھی نہیں ملتا۔" میں نے جواب دیا۔
"تو نے دور کی سوچی ہے چل ٹھیک ہے یہ بھی بری نہیں ہے۔"
سوکھی منہ ہاتھ دھو کر آ گئی اور اس کے پیر دبانے لگی۔
میں شام تک اس عورت کے ساتھ رہا اور اگلوتا باہر کی سیر کرتا رہا شام کو اگلوتا اس کے پاس آ گیا اور بولا۔ "تیری خوراک مل گئی اب چلنے والی بات کر بڑھیا آدھے راستہ پر ہے۔"
میں نے کہا۔ "چل مجھے کیا تیاری کرنی ہے سوکھی کو شاید کچھ تیاری کرنا ہو۔"
میں نے سوکھی کو آواز دے کر کہا۔ "اب چلنے کی تیاری کر لاری جانے کا وقت قریب ہے۔"
چند منٹ کے بعد سوکھی ایک پوٹلی لے کر آ گئی بولی۔ "ایک دو کپڑے لے لئے ہیں اور کیا رکھا ہے میرا یہاں میں نے کہا۔ "تو چل" گھر کو کھلا چھوڑ کر باہر آ گئے اور اڈے کی طرف چل پڑے چند منٹ میں وہ اڈے پر تھے سوکھی نے دیکھا اڈے پر رام اوتار ایک ٹرک کی صفائی کر رہا تھا اس نے سوکھی کی طرف دیکھا اور پھر ٹرک پر پانی ڈالنے لگا سوکھی کی طرف توجہ نہیں دی سوکھی کو حیرت ہوئی مگر وہ اور دیا رام اس کے سامنے سے گزر گئے پیڑ کے نیچے لاری کھڑی تھی دونوں جا کر اس میں بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں لاری روانہ ہو گئی بس کنڈیکٹر نے سب سے کرایہ لیا مگر ہم دونوں کے پاس نہیں آیا۔
یہ بات بھی سوکھی کے لئے تعجب کی تھی اس نے میرے کان کے پاس منہ کر کے کہا۔ "ہم سے کرایہ نہیں لیا۔"
میں بولا۔ "ارے یہ تو تم کو چائے بھی پلائے گا۔"
سوکھی بولی۔ "کیوں میں کیا اس کی ماں لگتی ہوں۔"
میں ہنس کر بولا۔ "سب تمہاری عزت کریں گے کیونکہ تم میری گھروالی ہو رام اوتار کی جورو نہیں ہو۔"
"میری تو سمجھ میں تمہاری بات آتی نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"
"میرے ساتھ رہے گی تو اور نہ جانے کیا کیا دیکھے

گی مگر یہ خیال رکھنا جو دیکھے اپنے تک رکھنا کسی اور سے مت کہنا تو موج کرے گی اور اگر کسی سے کہا تو دکھ اٹھائے گی یہ میری سب سے بڑی شرط ہے گانٹھ میں باندھ لے۔''

''انسان ہوں اور پھر عورت ہوں عورت تو پیٹ کی کمزور ہوتی ہے اس کے پیٹ میں بات کب رکتی ہے۔ پر میں کوشش کروں گی کہ تیری بات کسی سے نہ کہوں۔'' سوکھی نے کہا۔

''میں نے بتادیا ہے آگے تیری مرضی ہے تو چاہے تو سکھ اٹھا یا دکھ میرے پاس معافی کی گنجائش نہیں ہوتی میں وہ پتھر ہوں جو سر پر لگتا ضرور ہے۔''

''نہیں بتاؤں گی بس میرا وعدہ ہے تو جو کرے گا سب پیٹ کے سمندر میں غرق کردوں گی۔'' سوکھی بولی۔

''تو پھر رانی بنادوں گا تجھے ایسی موج کراؤں گا کہ تو نے زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔''

لاری کھڑی ہوگئی یہ بھی کوئی گاؤں تھا مسافر اتر اتر کر جانے لگے کنڈ یکٹر نے آواز لگادی تھی کہ جس کو پیشاب پے خانہ کرنا ہو چائے پانی پینا ہو پی لے اب کرنال میں ہی گاڑی رکے گی۔ اس اعلان کے بعد کنڈ یکٹر بھی نیچے اتر گیا اور دو گرم گرم چائے کے کلڑ رے آیا۔

یہ ٹی کا گلاس نما برتن ہوتا ہے صرف ایک بار استعمال کرنے کے بعد بے کار ہو جاتا ہے۔

میں نے دونوں اس سے لے لئے اور شکریہ بھی ادا نہیں کیا ایک کلڑ سوکھی کے ہاتھ میں پکڑا کر کہا۔ ''پیو سب اپنا ہی مال ہے۔''

سوکھی بولی۔ ''یہ لاری کیا تمہاری ہے کہ یہ لوگ تمہاری خاطر کررہے ہیں۔''

''سب شہر میں اپنا ہے تم کسی بات پر تعجب مت کرو۔ یہ عادت تمہارے لئے اچھی نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''گاؤں کی گنوار ہوں چھوٹی موٹی بھول ہو جائے تو یہ سمجھ کر ہی معاف کر دینا۔'' سوکھی شرمندگی سے بولی۔

''اس لئے تو اب تک میرے ساتھ ہے تو غور سے سن جو نظر آتا ہوں ایسا ہوں نہیں میں کیا ہوں یہ تجھ کو میرے پاس رہے گی تو پتہ چلے گا بس اپنی زبان اور دل کو قابو میں رکھنا۔''

سوکھی نے گردن ہلا کر اقرار کیا منہ سے کچھ نہ بولی۔

رات گیارہ بجے کرنال کے اڈے پر لاری کھڑی ہوگئی اور سب مسافر گاڑی سے اتر گئے سب کے جانے کے بعد کنڈ یکٹر دیارام کے پاس آیا اور بولا۔ ''یہاں پر جانکی داس کی سرائے ہے کھانا کمرا سب اچھا ہے آؤ میں آپ کو وہاں چھوڑ آؤں۔''

میں نے گردن ہلائی اور دونوں اس کے ساتھ جانکی داس کی سرائے میں آ گئے۔

جانکی داس نے کہا۔ ''کمرا بہت بڑھیا ہے اور کھانے کا تو میں خود خیال رکھتا ہوں کوئی تکلیف نہیں ہوگی جب تک دل کرے رہو اور رہا کرایہ تو بھیا آپ سے کرایہ لے کر میں اپنی مصیبت بلاؤں گا یہ سرائے آپ کی ہے مجھے تو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ آپ آنے والے ہو اسی کارن تو میں نے سب سے بڑھیا کمرا رکھا ہے۔''

یہ سن کر مجھ پر تو کوئی اثر نہ ہوا مگر سوکھی ضرور حیرت زدہ رہ گئی اور اس نے سوچا یہ کیسا آدمی ہے سب اس کی خاطر کررہے ہیں جانکی داس کو کیسے پتہ چل گیا کہ ہم اس کے پاس ہی آئیں گے۔

پر مجھے کیا جو ہوگا دیکھتی رہوں گی زبان پر نہیں لاؤں گی کتنے مردوں کو دیکھا ہے یہ بھی مرد ہے اس کو بھی دیکھوں گی میرے تو نصیب میں ہی بھانت بھانت کی شکلیں دیکھنا ہے۔

کمرا صاف ستھرا اور ہوا دار تھا بستر صاف تھا سوکھی نے کمرا دیکھ کر کہا۔ ''اچھا ہے تمہارے آدمی اچھے ہیں کام بڑھیا کرتے ہیں۔''

میں ہنس کر بولا۔ ''یہ میرے آدمی نہیں ہیں ایک نمبر کے چال باز کھال نوچنے والے ہیں مگر تم نے مداری کے بندر کو دیکھا ہے مداری کے ایک ہاتھ میں لکڑی ہوتی ہے

اور بندر اس کے اشارے پر مداری کی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے اگر لکڑی اس کے ہاتھ میں نہ ہو تو وہ کبھی کام نہ کرے۔

''تو ثابت ہوا کہ سب کرشمہ اس لکڑی کا ہے جو مداری کے ہاتھ میں ہے اب تیری سمجھ میں بات آ گئی۔''

سوکھی بولی۔''خوب سمجھ میں آ گئی میں تم سے اس لکڑی کے بارے میں بھی نہیں پوچھوں گی جوان سب کو نچا رہی ہے میں کوئی سوال نہیں کروں گی اپنے کام سے کام رکھوں گی اب تو خوش ہو۔''

''شاباش ایسا ہی کرنا نہیں تو خود پچھتاؤ گی......''

کرنال زیادہ بڑا شہر نہیں ہے اس کے جنوب میں شہر سے باہر جوگی ناتھ کا ڈیرہ ہے جوگی ناتھ کبھی سانپ پکڑا کرتے تھے ان کے ڈیرے میں آج بھی ہر طرف بھانت بھانت کے سانپ پھرتے ہیں اور ان کے ڈر سے کوئی ان کے ڈیرے پر نہیں آتا۔ ان ہی سانپوں کے درمیان جوگی ناتھ رہتے ہیں ان کے بدن پر بھی کوئی نہ کوئی سانپ ہر وقت چڑھا رہتا ہے۔''

میں جس رات کرنال میں آیا تھا اس رات سے وہ سخت بے چین تھے جوگی ناتھ کے ڈیرے پر ہزار ہا قسم کے سانپ تھے مگر ان میں شیش ناگ نہ تھا انہوں نے زندگی بھر محنت کی کوشش کی مگر وہ نہ ملا۔

ایک بندرابن کے گھنے جنگلات میں ان کو وہ نظر آیا مگر ان کی ودیا نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور کوئی منتر کام نہ آیا اور شیش ناگ شاہانہ انداز میں ان کے قریب سے گزر گیا اور وہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے جب وہ گزر گیا تو اس کی فوج بھی گزری اور جوگی ناتھ کسی پر اپنا اثر نہ ڈال سکے تو وہ سمجھ گئے کہ شیش ناگ پر کوئی منتر کوئی پینترا نہیں چلتا اس کا صرف خواب دیکھا جا سکتا ہے اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ مگر حسرت تو دل میں تھی اس بات کو بہت وقت گزر گیا تھا مگر شیش ناگ کی خوشبو کو بھول نہیں پاتے تھے اتنی مدت گزر جانے کے بعد رات بھر ان کی ناک میں وہی خوشبو آتی وہ حیران رہ گئے شہر کرنال کی طرف سے یہ خوشبو آ رہی تھی تو اس کا مطلب ہے شیش ناگ کرنال میں ہے میرے اتنے قریب کاش وہ میرے پاس ہوتا میری شکتی تو دو ہرم پار ہو جاتی ان کے دل میں پھر اس پر قابو پانے کی بھاؤنا جاگی انہوں نے پھر نئی تیاریاں شروع کر دیں پھر سے جاپ کرنے لگے پھر سے وہی منتر یاد کرنے لگے جن کی طرف سے وہ مایوس ہو گئے مگر وہ یہ بھول گئے اگر ان منتروں سے وہ پہلے شیش ناگ کو نہ رجھا سکے تو اب کیا رجھائیں گے مگر جب انسان پر جنون کی کیفیت طاری ہو جائے تو وہ عقل سے کم کام لیتا ہے اس کا جنون اس کو جس طرف چلاتا ہے وہ چلتا ہے۔

یہی حالت جوگی ناتھ کی تھی وہ بڑے بڑے اور خطرناک جاپ پر جاپ کر رہے تھے اور اگلوتا ان کی نادانی پر ہنس رہا تھا بڑا ضدی ہے یہ شیش ناگ کو قابو کرنا چاہتا ہے شیش ناگ تو میرے پیٹ میں ہے۔

میں شیش ناگ ہوں اور اگلوتا بھی شیش ناگ کے جاپ کر کے مجھے تو نہیں پائے گا میرا تو کوئی جاپ نہیں میرے قریب بھی وہ کھڑا نہ ہوگا مگر نادانی میں کشٹ اٹھا رہا ہے نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ اتنی کڑی محنت اور سخت جاپ کرنے کے بعد بھی ان کو اندازہ ہوا کہ کرنال شہر کے کس مقام پر شیش ناگ ہے ان کے سب بیروں نے جواب دے دیا تو وہ خود ایک زمانہ گزرنے کے بعد اپنے مقام سے باہر آ گئے کرنال کے لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص جو بدن سے ننگا ہے اس کے بدن پر خطرناک سانپ لپٹے ہیں اور داڑھی اور سر کے بال کھڑے ہیں اور ان میں بھی چھوٹے بڑے رنگ برنگے سانپ سرسرا رہے ہیں اور وہ چلا جا رہا ہے پرانے لوگوں نے کہا۔''یہ جوگی ناتھ ہیں سانپوں کے راجہ بڑی شکتی کے مالک سانپ ان کے اشارے پر چلتے ہیں ان سے دور رہو یہ کسی وجہ سے اپنے استھان سے باہر آئے ہیں۔''

جوگی ناتھ کسی مقام پر رکتے نہ تھے شہر کے گلی کوچوں میں پھرتے رہتے ان کو ہر طرف خوشبو آ رہی تھی نہ کہیں

پر زیادہ تھی نہ کم یہی بات ان کو چکر میں ڈالنے والی تھی ان کو یہ پتہ چلاتا تھا کہ خوشبو آ کہاں سے رہی ہے مگر اگلوتا بھی ان کے قریب تھا ہر طرف قریب تھا تو خوشبو کے کم زیادہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

یہ ان کو اندازہ نہ ہوا کہ کس طرح سے اور کس مقام سے خوشبو ان تک آ رہی ہے۔

تین ماہ وہ شہر کی گلی کوچے میں گردش کرتے رہے شہر کے لوگوں نے ان کو پھرتے دیکھا ضرور انہوں نے کسی سے کچھ نہیں کہا اور کسی سے کچھ طلب نہیں کیا رات دن کا فرق ان کے نزدیک کچھ نہ تھا رات میں بھی وہ سڑک پر پھرتے نظر آئے کسی نے ان کو آرام کرتے نہیں دیکھا ان کا جنون ان کو لئے پھر رہا تھا ان کی مایوسیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور اگلوتا ان کی اس دیوانہ وار کوشش پر ہنس رہا تھا۔

آخر وہ مایوسی کی آخری سرحد پر آ گئے اور اپنے ڈیرے پر آ گئے ڈیرے کے سب سانپوں سے بڑے دکھ سے کہا تم سب میرے لئے ناکارہ ثابت ہوئے تم نے کوئی چمتکار نہیں دکھایا اب میرے پاس تمہارا رہنا بیکار ہے میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں اب جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے میری بھاؤنا ہے اور میں ہوں تم سب جاؤ میں بھی اس ڈیرے کو چھوڑ رہا ہوں اور اپنے گرو کی تلاش میں جا تا ہوں۔ وہی میری آخری امید ہے وہی اس زمین کا سب سے بڑا شکتی والا ہے اگر اس کو ڈھونڈ پایا تو شاید میں اپنے مقصد میں سپھل ہو ہی جاؤں۔

سارے ڈیرے میں ایک سانپ نہ رہا جوگی ناتھ اکیلا رہ گیا۔

اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ جوگی ناتھ بھی نامعلوم سمت میں چلا گیا۔ ڈیرہ ویران ہو گیا مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس ڈیرے میں آئے سانپوں کی ہیبت ان کے دلوں میں بسی ہوئی تھی۔

ٹھاکر جوگندر سنگھ پھر گاؤں چلا گیا تھا اور نئے سرے سے اس کو آباد کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی کوشش تو بےکار گئی تھی مگر جوگی ناتھ دھن کا بہت پکا تھا پہلے وہ بنارس میں گیا مگر پتہ چلا کہ سوامی نند کشور تو بہت دن پہلے کے گئے ہیں کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

جوگی ناتھ کو اندازہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اس لئے وہ مایوس نہ ہوا اور شہر شہر سوامی جی کے بارے میں پتہ کرتا رہا ایک مشکل یہ تھی کہ سوامی جی کو بہت کم لوگ جانتے تھے جو جانتے تھے وہی ان کی شکتی کو سمجھ پاتے تھے عام آدمی کے لئے وہ کچھ نہ تھے اس لئے کہ وہ اپنی شکتی کو ہر مقام پر ہر کسی کے سامنے نہیں لاتے تھے اور دنیاداری سے دور رہا کرتے تھے جوگی ناتھ سوامی جی کا چیلا تو نہیں تھا مگر ان کو اپنا گرو ہی خیال کرتا تھا اور ان کی لائن پر رہنے کی کوشش کرتا تھا وہ کالے علوم میں ماہر تو تھا مگر اس کو استعمال نہیں کرتا تھا اس کی زیادہ توجہ سانپوں کی طرف تھی اس میں اس نے دور تک دیکھا تھا اور اس کو دلچسپ پایا تھا۔

اور اس کی خواہش تھی کہ شیش ناگ جو کہ سانپوں کا بادشاہ ہے اس کے من کو حاصل کرے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ من بہت بڑی شکتی ہوتا ہے مگر وہ اس کے حاصل کرنے میں ناکام تھا۔ شیش ناگ اس کے قریب ہونے پر بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اس کی سالہا سال کی کمائی شکتی اس کے کسی کام نہ آئی اور وہ گرو سوامی جی کی تلاش میں نکل پڑا سوامی جی کا کسی آبادی میں ہونا تو مشکل تھا اگر آبادی میں ہوتے تو بنارس ہی مقام تھا اس نے اپنی ودیا کو استعمال کیا اور گرو کے نام کا ایک جاپ کر ڈالا۔ تو اس کو صرف یہ اندازہ ہوا کہ گرو کسی ایسے مقام پر ہیں جہاں اتنی ٹھنڈک ہے کہ انسان نہیں رہ سکتا۔

جوگی ناتھ کے تو دل کو لگی تھی اس نے سوچا میں جاؤں گا ضرور زیادہ سے زیادہ ٹھٹھر کر مر جاؤں گا یا شاید گرو کے درشن کر لوں زندگی اگر بار بار موت کے قریب سے نہ گزرے تو پھر زندگی کیا ہے زندگی کا حسن تو ایسی ہی جگہوں پر نمایاں ہوتا ہے کہ موت کے شکنجے سے نکل کر جب زندگی کا یقین ہوتا ہے تو زندگی دلکش ہو جاتی ہے اور کام کی لگن بھی بڑھ جاتی ہے انسان نئے سرے سے زندگی کو سنورتا ہے ترتیب دیتا ہے نئے پلان کرتا ہے۔

ٹھنڈ کا علاقہ ہمالیہ ہے یہاں پر ہزاروں غار ہیں ان غاروں میں نہ جانے کتنے رشی من اپنی اپنی پراتمائے لئے اس برف کے سمندر میں غرق ہیں میں نے تو کوئی اتنی بڑی گھٹنا برداشت کی ہی نہیں پھر میں نے ایک آرزو من میں پال لی شیش ناگ کے من کی تو مجھے کیا ملنے والا تھا میں ہی نردوہی ہوں بے محنت کے آرزو بیکار ہے۔ملتا تو ان کو ہے جو خود کو بھٹی میں ڈال دیتے ہیں سونا جب تک آگ نہیں دیکھتا اس میں خوبصورتی نہیں آتی میں ڈیرے پر جو لے سکتا تھا میں نے لیا مگر وہ میرے کام نہ آیا۔بے علم کے جنگلات میں پھرتا رہا اور کچھ نہ کر پایا مجھے بھی اس برف کی بھٹی میں اترنا ہوگا۔

اور وہ ہمالیہ کی طرف روانہ ہوا جوں جوں قریب ہوتا گیا سردی بڑھتی گئی اس کی منزل کیلاش پربت تھا مگر وہ بہت دور تھا اور سردی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی اس کا جاپ ایک مقام پر رک گیا اور اس کو پتہ چل گیا کہ یہاں پر قریب میں ایک سادھو ہے وہ نرا سادھو نہیں ہے اس کا روپ ضرور سادھوں والا ہے مگر اس کا اصل کام جڑی بوٹیاں جمع کرنا ہے وہ ایسی بوٹی تلاش کر رہا ہے جو انسان کو ابدی زندگی دے دے اور اس کا جسم طبعی عمر پوری کرنے کے بعد بھی فنا نہ ہو وہ جانتا ہے کہ بھگوان نے بڑی بڑی مفید جڑی بوٹیاں پیدا کیں ہیں ان جڑی بوٹیوں میں زندگی اور موت دونوں زمین کے سینے پر بکھری پڑی ہیں نظر والا جانتا ہے کہ موت کہاں ہے اور زندگی کی پتی کون سی ہے۔

جوگی ناتھ نے اس کے ٹھکانے کی سمت کا پتہ چلایا اور اس طرف چل پڑا اور اس نے دیکھا کہ ترائی میں بڑے اور گھنے درختوں کے درمیان ایک پتھروں کی کوٹھری ہے اور اس میں سے دھواں نکل رہا ہے جوگی ناتھ دوڑ کر اس کے قریب گیا اور لکڑی کے دروازے پر دستک دی دوسری دستک پر دروازہ کھلا اور ایک دھوتی پوش اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے جوگی سے پوچھا کا ہے آیا ہے۔

جوگی بولا۔"ایک کام تم سے پڑ گیا ہے اس کارن آیا ہوں۔" سادھو نے سر سے پیر تک جوگی کو دیکھا اور بولا۔"آ جا اندر آ جا تیرے آنے کا کارن میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔" کوٹھری گرم تھی آگ جل رہی تھی اور دیوار پر کھونٹیوں پر گھاس پتے اور سوکھے پھل لٹک رہے تھے جوگی کی کٹیا میں بڑا سکون تھا سادھو نے کہا۔"مدرا پئے گا تو نے ایسی مدرا زندگی میں کبھی نہیں پی ہوگی یہ اس سردی کو تیرے شریر سے دور کر دے گی۔"

جوگی نے کہا۔"میں اس کارن تو آیا ہوں کہ میرا بدن سردی میں ٹھٹھر رہا ہے اگر میں اسی طرح رہا تو وہ کام نہیں کر پاؤں گا جس کے کرنے کی بھاؤنا لے کر آیا ہوں۔"

سادھو نے ایک مٹکے میں سے ایک گلاس ڈال کر ایک مشروب نکالا اور ایک مٹی کے پیالے میں ڈال کر جوگی کو دیا اور بولا۔"پی جا رام بھلا کرے گا۔"

جوگی نے وہ مشروب لیا اور منہ سے لگا لیا پہلے گھونٹ میں اسے ایسا لگا جیسے اس نے آگ جسم میں ڈالی ہے اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور اس کا بدن دھکتا کوئلہ بن گیا مگر یہ صرف چند لمحوں کی بات تھی اور اس کے بعد وہ نارمل ہو گیا دوسرے گھونٹ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ پورا مشروب پی گیا تو سادھو نے کہا۔"یہ مدرا ہی اس برف کے طوفان میں زندگی ہے میں نے کئی سال کی محنت کے بعد اس کو بنایا ہے اب بول کیسا لگ رہا ہے۔"

جوگی بولا۔"میں نے ایسی مدرا کبھی نہیں پی اب مجھے ذرا احساس نہیں کہ میں کہاں ہوں مگر میں یہاں رکنے نہیں آیا میرا سفر آگے ہے اس وقت میں کیا کروں گا۔"

"تیری بھاؤنا بے پھل ہے تو جس کی کھوج میں ہے وہ تیری پہنچ سے بہت دور ہے پر تو میری مانے گا نہیں یہ بھی میں خوب جانتا ہوں۔" سادھو بولا۔

"میں نے سب کچھ چھوڑ کر صرف ایک طرف لو لگائی ہے۔" جوگی نے جواب دیا۔

"تو جس مہاپرش کو کھوج رہا ہے وہ اسی ہمالیہ میں ہے پر اس کا ٹھکانہ کسی کو پتہ نہیں ہے میں تیری مدد صرف

اتنی ہی کر سکتا ہوں کہ تیرے شریر کو سردی نہ لگے اور اس کا علاج یہ مدرا ہے تو اس کو ساتھ رکھنا اور صرف ایک گھونٹ روز ہی پی پینا تیری اور میری منزل الگ الگ ہے اب تو جا اور یہ لے جا۔" سادھو نے ایک بوتل مشروب مٹکے سے بھر کر جوگی کے ہاتھ میں دے دیا تو جوگی بولا۔ "مہاراج یہ کیا میرے لئے کافی ہوگا۔"

سادھو نے جواب دیا۔ "ہر انسان کو اپنی راہ خود بنانی پڑتی ہے آگے تو خود اپنا راستہ بنانا۔" جوگی نے گردن ہلائی اور کوٹھری سے باہر آ گیا۔

سوکھی کوئی نادان عورت نہ تھی اپنی لائن کی ہوشیار عورت تھی اور خود کو حالات کے مطابق ڈھالنے کے گر جانتی تھی اس کو اندازہ ہو رہا تھا کہ دیارام کچھ الگ قسم کا مرد ہے اس کے پاس نہ روپے کی کمی ہوتی ہے نہ طاقت کی رات بھر جاگ کر بھی سویرے تازہ دم ہوتا ہے۔

مجھے اب فکر تھی اگلوتا کی اس کی خوراک اس کی ضرورت پوری کرنا بھی ضروری تھا ورنہ وہ سوکھی پر منہ مار دیتا۔ مجھے سوکھی نے آرام دیا تھا اور میں اسے پاس رکھنا چاہتا تھا۔

اگلوتا نے مجھے کہا۔ "تو کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور بولا۔ "نہیں ذرا نئی جگہ ہے حالات کا اندازہ کر رہا تھا۔"

"ارے حالات تو ہم خود بناتے ہیں ذرا باہر آ سیر سپاٹے کر تو ایک شکل دیکھ دیکھ کر کیا خوش ہوتا ہے۔ ارے یہاں پر ایک سے ایک ناری پڑی ہے۔"

میں بولا۔ "تو ہی بول کیا کروں۔"

"کرنا کیا ہے رات کو کسی رونق والی جگہ چل ذرا موج کریں گے۔ سیٹھ گڑوال کی لڑکی کی بارات آج آ رہی ہے بڑا شاندار منڈپ بنایا گیا ہے شہر بھر کے لوگ آ رہے ہیں۔"

"مگر وہاں پر مجھے کون جانتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سب جان جائیں گے جب تو ان سب سے زیادہ قیمتی تحفہ سیٹھ گڑوال کو پیش کرے گا تو نہیں جانتا مگر میں جانتا ہوں سیٹھ گڑوال بہت دولت مند ہے مگر اس کی کنجوسی بھی مشہور ہے اس کا کسی سے خاص ناتا ہے تو صرف مایا سے ہے تیرے تحفے کو دیکھ کر وہ خوش ہوگا تو خود کو بڑا زمیندار ظاہر کرنا اور اپنی جاگیر لاہور کے پاس بتانا اس کا خاص مہمان بن جائے گا اس کے بعد میرا کام شروع ہوگا اور اس کی سپوتری اور دولت دونوں تیری جھولی میں آ جائیں گی۔"

اگلوتا کی یہ باتیں سن کر میں ایکشن میں آیا اور ایک بہت قیمتی ہار خریدا اور بڑی شاندار ٹم ٹم کا بندوبست کر کے اس وقت سیٹھ گڑوال کے دروازے پر پہنچا جب وہ خود مہمانوں کے استقبال کو کھڑا تھا۔

سیٹھ گڑوال کاندھے پر بڑی نفیس شال ڈالے اس کی طرف بڑھا مگر شکل دیکھ کر ایک لمحے کو اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا بولا...... "سیٹھ میں نے آپ کو پہچانا نہیں معافی چاہتا ہوں۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ تو پہلے ہی تھی وہ اور گہری ہوگئی اور میں بولا۔

"میں جاگیردار دیارام ہوں میری ساری جاگیر لاہور کے پاس ہے مگر میں یہاں پر کسی کام سے آیا ہوا ہوں آپ کی سپوتری کی شادی کا سنا تو تحفہ دینے آ گیا ہوں ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ پنڈ میں شادی کسی کی ہو ہم تحفہ ضرور دیتے ہیں آپ کرنال میں اور میں بھی یہاں پر ہوں تو میں نے اپنا خاندانی دستور نبھایا ہے یہ بہت معمولی تحفہ میری طرف سے قبول کریں۔"

گڑوال نے قیمتی ہار کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں روشنی آ گئی اور وہ خوش ہو کر بولا۔

"آپ کے بارے میں مجھے پتہ نہ تھا ورنہ سندیسہ ضرور بھیجتا۔ پر خیر آپ آ گئے بڑی کرپا کی آپ نے اور اپنا بڑا پن بھی ظاہر کر دیا خاندانی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ آپ میرے معزز مہمان ہیں۔"

اور اس نے شہر کے بڑے نامی لوگوں سے میرا تعارف کروایا۔

میرا ایک مقصد تو پورا ہوا، اگلوتا نے میرے کان کے پاس منہ کر کے کہا۔

''دیکھا میں نہ کہتا تھا گڑوال خوش ہوگا۔''

''تیری تو ہر بات ٹھیک ہی ہوتی ہے گرو۔'' میں نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد پینے پلانے اور ناچ گانے کا پروگرام شروع ہوا اور آدھی رات گزر گئی۔

اگلوتا نے ایک بانکی گانے والی پر نظر رکھی تھی اس کا جسم سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اور چہرے پر جوانی کا حسن اس پر اس کا بناؤ سنگھار عقل پر جادو کر رہا تھا۔

محفل جاری تھی کہ اگلوتا نے مجھ کو کہا۔ ''اب جانے کی اجازت طلب کرو۔''

''مگر ابھی تو محفل گرم ہوئی ہے۔'' میں بولا۔

''اس لئے تو کہہ رہا ہوں اس وقت تم سیٹھ گڑوال سے جانے کی اجازت لو گے تو بہت گواہ اس کے ہوں گے کہ تم تو پہلے ہی چلے گئے تھے۔''

میں بولا۔ ''تو کیا تمہارا کچھ پروگرام ہے۔''

''تو نے خوب پیٹ بھر لیا گانا بھی خوب سن لیا، میرا کچھ خیال ہے۔''

''ہے خیال میں اجازت لیتا ہوں۔''

سیٹھ گڑوال بولا۔ ''ارے جاگیردار صاحب اب تو محفل پر شباب آیا ہے۔''

''اور میری نیند پر بھی شباب آنے کو ہے میرا اصول ہے آدھی رات کے بعد نہیں جاگتا اس لئے اجازت دیں۔''

اور میں بھری محفل میں سے باہر آ گیا اور اپنی ٹم ٹم پر گھر کی طرف روانہ ہوا۔

گھر آ کر میں نے کپڑے بدلے اور پھر اگلوتا سے ''پوچھا کیا کرنا ہے گرو؟''

''تو نے وہ گانے والی دیکھی ہے نا وہ سویرے گھر آئے گی تو تو اس کے پاس جائے گا اگلوتا بولا۔''

''اس کے بعد کیا کرنا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''وہ بڑی نخرے والی ہے مایا اس پر برستی ہے اس لئے وہ مایا جال میں نہیں آئے گی اس کی ماں ایک کاٹھیاں اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے ہے اس نے اپنی حفاظت کو کئی نامی گرامی بدمعاش پال رکھے ہیں مگر یہ سب میرے لئے بے کار چیزیں ہیں۔'' اگلوتا نے کہا۔

''پھر اس کو اپنی طرف راغب کرنے کو کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کے دل میں خوف پیدا کرنا ہوگا وہ خوف زدہ ہوگی تو تیری طرف راغب ہوگی تو سویرے جا کر اس سے صرف اپنا پرچے کرانا اور اس کو بتا دینا کہ اگر کوئی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ تم کو یاد کرے اس کے بعد میں اس کے گھر میں ڈر اور خوف کی فضا پیدا کر دوں گا اور وہ تم سے مدد طلب کرے گی یوں تو یہ سب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے مگر ذرا کھیل تماشہ کر کے مزا آتا ہے۔ آسانی سے دستیاب ہو جانے والی کسی چیز میں مزا نہیں ہوتا یہ تم جانتے ہو۔'' اگلوتا بولا۔

''ٹھیک ہے گرو تم جو کرو گے ٹھیک ہی ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

ارے آپ سے تو رات کو ملاقات ہوئی تھی اب کیسے زحمت کی۔'' اجلی بولی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''اجل بائی محفل میں دیکھ کر دل نہیں بھرا تھا اس لئے حاضر ہوا ہوں۔''

''آپ کی مہربانی ہے کیا خدمت کروں۔'' اجلی بولی۔

''خدمت آپ نہ کریں خدمت تو ہم کریں گے گر کبھی ضرورت پڑے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو یاد کر لیں آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم آپ کے سچے قدردان ہیں۔''

''میں آپ کے لئے ناشتہ کا بندوبست کروں۔'' اجلی نے کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں صرف آپ کو دیکھنا تھا رات بھر آپ کی صورت نظروں کے سامنے رہی تھی۔''

اور میں فوراً چلا آیا اجلی بائی حیرت سے مجھے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

باہر آتے ہی اگلوتا نے کہا۔ ''تم نے بات خوب بنائی ہے۔''

میں بولا۔ ''تیرا حکم تو پورا کرنا پڑتا ہے گرو۔''

اجلی بائی بڑی گانے والی تھی شرفا کی محفلوں میں بلائی جاتی تھی اور ہزاروں روپے کماتی تھی دوسری رات پھر اس کا ایک پروگرام تھا مگر اچانک اس کی آواز بیٹھ گئی اور اس نے معذرت کر لی دن میں اس کی آواز ٹھیک تھی مگر رات کو پھر آواز بند ہو گئی۔

تین راتیں اس طرح ہوا تو اس کی کاٹھیاں ماں فکر میں پڑ گئی۔ ''کیا ہے کہ دن میں ٹھیک اور رات کو آواز بند۔'' ماسٹر گوہر خان نے کہا۔ ''بائی جی یہ تو کچھ اور ہی چکر لگتا ہے۔''

بائی جی نے کہا۔ ''تو نے ٹھیک کہا ماسٹر، دن میں تمہارے ساتھ ریاض کرتی رہی ہے ٹھیک تھی محفل کے وقت آواز بند ہو گئی ہے۔''

''کہو تو کسی سیانے کو دیکھوں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔''

بائی جی نے کہا۔ ''ارے دیر نہ کرو فوراً کسی کو لاؤ میں تو سخت پریشان ہوں۔''

ماسٹر گوہر خان دوڑے دوڑے اپنے دوست پنڈت مکھی رام کے پاس پہنچے اور پوری کہانی بیان کر دی پنڈت مکھی رام دان دکھشنا وصول کرنے والے پنڈت تھے کہیں بھجن کرتن سنا دیئے کہیں پر رٹی ہوئی کوئی کتھا سنا دی اور اپنی روزی پیدا کر دی ان کے پاس کیا تھا جس کے بل پر وہ کچھ رائے دیتے بولے۔

''بھائی گوہر بات یہ ہے کہ میں تو بس ذات کا پنڈت ہوں پوجا پاٹ تک ہی میرا کام ہے رات کو آواز بند اور دن میں ٹھیک ہے میرے پلے تو کچھ پڑا نہیں پر آدمی ہوں کھری کہنے والا بات میری اپنی ہو یا پرائی تو بھیا میں تو کچھ نہ کر سکوں ہاں ایک آدمی ہے میری نظر میں چمن لال کی چکی کے پچھوڑے ایک مندر ہے اس کے بارے میں پتہ یہ ہے کہ اس کا پجاری ہومان بھگت ہے اور وہ یہ کام کرتا ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ شاید تمہارا کام وہ کر دے۔''

گوہر خان دوڑے ادھر اور پجاری سولنکی کو اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔

ارے واہ یہ خوب کہی رات کو آواز بند اور دن میں ٹھیک ہے یہ کام تو کسی کا کیا لگتا ہے۔ پر تم فکر نہ کرو پتہ بتلائے دوا اور اکاون روپے کا بندوبست کرو۔''

گوہر بولے۔ ''روپے تو تم کو وہیں پر میں دے دوں گا پر آؤ گے کب؟''

''رات کس وقت آواز بند ہوتی ہے یہ بتاؤ'' پنڈت سولنکی نے پوچھا۔

''ارے بس شام ہوئی کہ آواز بند ہونا شروع۔'' گوہر نے بتایا۔

''تو ٹھیک ہے ہم سورج دیوتا کے کوچ کرتے ہی آ جائیں گے دکھشنا تیار رکھنا۔'' پنڈت نے کہا۔

گوہر خان خوش خوش آ گئے اور رپورٹ بائی جی کو بتلا دی۔

شام ہوتے ہی اکاون روپے پنڈت سولنکی کو لے آئے اور وہ ایک کمرے میں آسن جما کر بیٹھ رہے مگر شام ہوتے ہی اجلی بائی کی آواز بند ہو گئی اور پنڈت جی بھی اپنی جگہ جم کر بیٹھے رہے اور صبح تک ان کے منہ سے بھی ذرا آواز نہ نکلی انہوں نے اٹھنا چاہا تو زمین نے پکڑ لیا۔ صبح دھوپ نکلنے تک پنڈت زمین پر بیٹھے رہے کئی بار اٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکے اور جب اٹھ پائے تو اکیاون روپے بھی بھول گئے اور ایسے بھاگے کہ پلٹ کر نہ دیکھا۔

بائی کی آواز بھی کھل گئی وہ ماسٹر گوہر جان پر برس پڑی۔ ''ارے ایسے سائے کو لائے کہ جو بیٹھا تو بیٹھا ہی رہ گیا۔ کوئی کام تو ڈھنگ کا کر لیا کرو۔''

گوہر خان تو پہلے ہی شرمندہ تھا بولا۔ ''میں کیا کروں بائی جی بڑی تعریف سنی تھی اس کی مجھے کیا پتہ تھا کہ

یہ مٹی کا مادھو ہے۔
بڑی بائی جی نے لقمہ دیا۔ ”اب بھی کچھ کرو گے کہ نہیں سارا دھندا چوپٹ پڑا ہے۔“
گوہر بولے۔ ”اور کوشش کرتا ہوں۔“
”تو پھر انتظار کس کا کر رہے ہو جاؤ دو چار سے پتہ کرو ایسے تو کام نہیں چلے گا۔“ بائی جی نے کہا۔
اور گوہر خان پھر کسی سیانے کی تلاش میں نکل پڑے۔
گوہر خان کا دھندہ بھی بند تھا بائی جی کی فکر کے ساتھ ان کو اپنی بھی فکر تھی دوڑے پھر ہنومان مندر اور پجاری سے بولے۔ ”ارے شریمان آپ نے تو میری بھی عزت مٹی کر دی۔ کچھ کیا ہوتا میں تو مفت میں مارا جا رہا ہوں کچھ تو کرو۔“
پنڈت سولنکی بولے ”ارے کا بتائیں ہمارے ساتھ کا گزری ہم بیٹھے تو تھے منتر پڑھنے اور کچھ دیر میں ایسے گڑبڑائی کہ جو منتر شروع کریں بھول جائیں نا معلوم کیا گڑبڑ تھی کوئی منتر پڑھ نہ سکے اور رہی کسر یوں پوری ہوئی کہ بھاگنا چاہا تو اٹھ نہ سکے آواز دینا چاہی تو آواز بند موجی آئے تھے کس کام کو اور خود پھنس گئے رات بھر کیسی کٹی یہ نہ پوچھو سچ پوچھو تو یہ معاملہ کوئی بہت بھاری معاملہ ہے ہماری تو سمجھ میں کچھ آیا نہیں۔“
”ارے تم اس لائن کے آدمی ہو کوئی تو اپائے بتاؤ۔“ گوہر بولے۔
”اپائے تو ہے پرتم کو سونی پت جانا پڑے گا بولو جاؤ گے۔“ پنڈت نے پوچھا۔
”ارے کیوں نہ جائیں گے یہاں روٹیوں کے لالے پڑے ہیں جانا تو پڑے گا۔“ گوہر نے جواب دیا۔
”تو پھر سنو یہاں پر بھی ایک بڑا مندر ہنومان کا ہے اس مندر میں سندر لال سادھو رہتا ہے پجاری جی سے میرا حوالہ دو گے تو وہ تم کو اس سے ملوا دیں گے پھر تم جانو اور وہ اگر تم ان کو اپنے ساتھ لانے پر راضی کر پائے تو پھر کام بن جائے گا مشکل یہ ہے کہ وہ کسی جگہ جاتے آتے نہیں ہنومان کے بھگت ہیں ان کی بھگتی میں مگن رہتے ہیں۔“
گوہر نے آ کر بائی جی کو صورت حال بتائی اور خرچ لے کر سونی پت روانہ ہو گئے۔
سونی پت بڑی جگہ نہیں بڑی آسانی سے وہ مندر پہنچ گئے اور پجاری سے سادھو سندر لال کا پوچھا اور حوالہ پنڈت سولنکی کا دیا تو پجاری نے اس کو سادھو سندر لال کے روبرو پیش کر دیا۔ سادھو سندر لال نے گوہر کی پوری کتھا سنی اس کے بعد بولے۔ ”یہ سب کالی کے بیر کرتے ہیں۔“
کسی نے اس کے گلے میں بیر بٹھا دیا ہے وہ رات بھر اندر رہتا ہے اور سویرے نکل جاتا ہے اس کا راستہ روکنا ہوگا تب آواز کھلے گی۔“
گوہر نے کہا۔ ”گرو جی کچھ کرو بڑی آس لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔“
سادھو سندر بولے۔ ”ہم کہیں جاتے نہیں ہنومان کی بھگتی کرتے ہیں پرتم دور سے کشٹ اٹھا کر اور آس باندھ کر آئے ہو اس لئے چلتے ہیں تمہارے ساتھ۔“
گوہر خان سادھو کو لے کر بائی جی کے شاندار مکان میں آ گئے اور کچھ باتیں بائی جی نے ان کو بتائیں۔ شام ہوئی تو سندر لال نے کہا جس کی آواز بند ہوتی ہے وہ میرے قریب بیٹھ جائے اجلی بائی ان کے قریب بیٹھ گئی اور سادھو نے آسن رما لیا۔ لیکن چند منٹ کے بعد سادھو بولے۔ ”لڑکی تو گا کچھ بھی گا کہ پتہ چلے کہ تیری آواز ہے کہ نہیں۔“ اجلی بائی گانے لگی گانا آدھا ہوا تھا کہ سندر لال اٹھ کر کھڑا ہوا اور لڑکی کے سامنے ٹھمکے لگا کر ناچنے لگا لڑکی گاتی رہی اور وہ متواتر ناچتا رہا اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے پورا بدن پسینے میں شرابور تھا اور وہ ناچ رہا تھا اجلی بائی گا رہی تھی اور بڑی بائی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ یہ تماشہ رات بھر ہوا نہ گوہر خان اور بڑی بائی نے اس کو دیکھا کہ پڑوس کے لوگوں نے بھی دیکھا کہ اجلی بائی متواتر گا رہی تھی اور سادھو سندر لال متواتر ناچ رہا تھا اور سب اس نئی بات پر حیران تھے ان کو نہ گوہر خان روک سکا نہ بائی کچھ بولی۔

اور پھر سویرے سورج کی روشنی پھیلتے ہی سادھو سندر لال زمین پر گر پڑے ان کے جوڑ جوڑ میں درد تھا اور اجلی بائی گلہ پکڑ کر بیٹھ گئی دونوں نڈھال تھے دونوں حیران تھے کہ رات بھر وہ کیا کرتے رہے ان کے سامنے کوئی نہ تھا مگر وہ یہ سب اپنی مرضی سے نہیں کر رہے تھے کون تھا جو ان کو استعمال کر رہا تھا دو پہر تک تو سادھو کو ہوش نہ تھا اجلی بائی کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔

دوپہر کو سادھو سندر لال گرتے پڑتے ہنومان مندر کی طرف بھاگے پنڈت سولنکی نے ان سے کوئی سوال نہ کیا ان کی حالت سے اس کو سب اندازہ ہو گیا۔

شام کو میں اجلی بائی کے پاس آ گیا اور اس کے کمرے میں ہی ملا اور نادان بن کر پوچھا۔ ''کیا ہوا آپ پریشان لگتی ہو۔''

اجلی بائی اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''میں بڑی سخت پریشانی میں پڑ گئی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''میں نے کہا تھا کسی بھی قسم کی پریشانی ہو مجھے یاد کر لینا مگر تم نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا۔''

''میں اتنی پریشان تھی کہ کچھ یاد نہیں تھا۔'' اجلی بائی بولی۔

''آخر پتہ تو چلے کہ پریشانی کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''پہلے تو یہ ہوا کہ دن میں میں ٹھیک رہتی تھی اور رات کو میری آواز بند ہو جاتی تھی اس کے علاج کو ایک سادھو آئے اور وہ خود پریشان ہو کر چلے گئے اس کے بعد دوسرے کل رات آئے تھے نا معلوم کیا ہوا کہ میں اس کے کہنے سے رات بھر گاتی رہی اور وہ ناچتا رہا نہ اس کی مرضی ناچنے کی تھی نہ میری گانے کی پر ہوا یہی ہے وہ ناچ ناچ کر ادھ موا ہو گیا اور میں گا گا کر تھک گئی۔''

میں بولا...... ''یہ تو بہت چھوٹا سا کام ہے۔''

''میں تمہاری عمر بھر احسان مند رہوں گی میری جان اس مصیبت سے چھڑا دو میرا سارا کاروبار بند پڑا ہے خرچ بہت زیادہ ہے آمدنی ہو نہیں رہی۔''

''بائی جی اب آمدنی کی تو بات کرو نہیں۔'' میں نے کہا۔

''زمیندار صاحب یہی تو ہماری روزی ہے۔''

میں مسکرایا اور خشک لہجے میں بولا۔ ''اور اگر تمہاری یہی حالت رہی تو تم کیا کماؤ گی۔''

''اس لئے تو بنتی کر رہی ہوں کہ میری جان اس مصیبت سے چھڑا دو۔'' اجلی بولی۔

''تو تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا علاج وہیں پر ہوگا تم پر جو چیز ہے وہ کسی کے بس میں آنے والی نہیں چاہو تو اور کسی جادو کرنے والوں کو آزمالو۔'' میں نے کہا۔

''مجھے آپ کہاں لے جائیں گے؟'' اجلی نے پوچھا۔

''ایسی جگہ جہاں پر تم سارے دکھوں سے آزاد ہو جاؤ گی شانتی ہی شانتی ہوگی۔''

اجلی نے چند منٹ غور کیا اور پھر بولی۔ ''واپسی کب ہوگی؟''

میں نے ہنس کر کہا۔ ''اس کے بارے میں میں کیا کوئی نہیں جانتا۔''

''ہائے رام ایسی کون سی جگہ ہے میں تو سمجھ نہیں سکی۔'' اجلی بولی۔

''تم کیا کوئی نہیں سمجھ سکا مگر تمہاری مکتی صرف اسی جگہ پر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور اگر نہ جاؤں تو۔'' اجلی نے پوچھا۔

ہر آدمی کو وہاں پر جانا پڑتا ہے اپنی مرضی سے نہ جائے تو بھی جاتا ہے۔''

اجلی ہار مان کر بولی۔ ''اماں کو بتا دوں۔''

''ہرگز نہیں تم میرے ساتھ بھی گھر سے نہیں نکلو گی تم کو اکیلے آدھی رات میں نکلنا ہوگا۔''

''اور بڑی سڑک پر پچھلی طرف منہ کر کے چلنا ہوگا میں تم کو وہیں پر ملوں گا یہ کام خفیہ طریقے پر کرنا ہے کسی کو ہوا نہ لگے ورنہ تمہارا دشمن ہوشیار ہو جائے گا۔''

اجلی نے کہا۔ ''تو کیا وہ میرے بہت قریب ہے۔''

میں بولا۔" قریب کی کیابات کرتی ہووہ تو تمہارے گھر کے اندر ہے اس وقت۔"
اجلی بائی حیرت سے بولی۔" تم تو مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔کون ہے وہ۔"
"ابھی نہیں بتاؤں گا اگر میں نے ذرا بھی اس کی طرف اشارہ کیاتو وہ ہوشیار ہوجائے گا۔"
اب میں جاتا ہوں نہایت ہوشیاری سے گھر سے نکلنا اور بڑی سڑک پر آ جانا میں وہیں پر ہوں گا۔"
اور میں گھر سے باہر آ گیا باہر آ کر وہ اگلوتا سے بولا۔" اتنا بڑا ڈرامہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔"
اگلوتا بولا۔" ایک تو ذرا تفریح کرنا تھی دوسرے طریقہ واردات میں تبدیلی بھی کرنا تھی کیونکہ تو اس شہر کا بڑا سیٹھ بننے والا ہے تجھ پر ذرا بھی کسی کی نظر نہیں جانا چاہئے۔"
"میں اور اس شہر کا بڑا سیٹھ وہ کس طرح۔" میں بولا۔
"تو سیٹھ گڑوال کو بھول گیا اس کی صرف ایک اولاد ہے اور وہ وہی لڑکی ہے جس کی شادی میں تو گیا تھا سیٹھ کے بعد ساری دولت اس کو ہی ملنے والی ہے اگر دلہا نہ رہے اور تو اس کی جگہ ہوگا تو تو ہی سیٹھ ہوگا دیکھتا جا میں تجھے کیا بناتا ہوں ارے تو نامی گرامی آدمی کہلائے گا اس دھرتی کا"
"تمہارے پروگرام تو بہت بڑے ہیں گرو۔" میں نے کہا۔
"میرا نام بسنے کو بگاڑنا ہے مگر بتاتا میں کسی کو نہیں تجھ پر تو اس لئے کرم ہے کہ میں تیرے کاندھے پر ہوں اور تجھ میں کچھ خوبیاں میں نے دیکھی ہیں۔"
"اب بتاؤ رات کو وہ آئے گی گھر لے کر چلنا ہے یا کہیں اور کا پروگرام ہے۔" میں بولا۔
"تیرا کام ذرا بڑھ گیا ہے تو گھر اس کو لے کر چلے گا اور گھر پر میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔"
میں رات تک بے وجہ ہی شہر میں گردش کرتا رہا اور رات کو بڑی سڑک کے چوراہے پر آ گیا رات ہوگئی تھی دکانیں بند تھیں اور سڑک پر بھی روشنی زیادہ نہ تھی پوری سڑک ویران تھی دور دور کسی سواری یا پیدل چلنے والے کا نشان نہ تھا پلیا کی آڑ میں اجلی کا انتظار کررہا تھا رات کے ٹھیک بارہ بجے اجلی آئی تو میں دوڑ کر اس کے قریب گیا اور بولا کسی نے آتے دیکھا تو نہیں۔"
"نہیں بازار بند ہوا ہے تو میں نکلی ہوں۔"
"چلو اب جلدی جلدی قدم بڑھاؤ۔" اور دونوں تیزی سے چلنے لگے دور دو تیز روشنیاں نظر آئیں تو میں نے کہا" کوئی گاڑی ہے چھپنا ہوگا۔"
اگلوتا نے اس کے کان میں کہا۔" پولیس کی گاڑی ہے مگر وہ سب اندھے ہیں تو چلتا رہ۔"
گاڑی تیزی سے آئی اور ان کے قریب سے گزر گئی اجلی بائی ڈر رہی تھی مگر کچھ نہ ہوا۔
اور دونوں کسی کی نظر میں آئے بنا گھر پہنچ گئے اور پھر اجلی بائی کے ساتھ وہی ہوا جو کہ اگلوتا کا پسندیدہ کھیل تھا۔
سویرے بڑی بائی کو پتہ چلا کہ اجلی کمرے میں نہیں ہے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے زینے کا دروازہ بھی بند نہیں تھا اس کا مطلب ہوا کہ وہ خود کھول کر گئی ہے مگر رات کو وہ میرے سامنے سونے کمرے میں گئی تھی بڑی بائی کی حالت خراب تھی وہ پچھاڑیں کھا کر رو رہی تھی اس کی سونے کے انڈے دینے والی مرغی غائب تھی پورے بازار میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ شہر کی مشہور فنکارہ نامی گرامی گانے والی کو کسی نے رات میں اغوا کرلیا ہے۔
پولیس نے پڑوسیوں اور بازار کے لوگوں کے بیانات لئے ایک حلوائی جس کی دکان مکان کے سامنے تھی نے ایسا بیان دیا کہ سب حیران رہ گئے اس نے کہا کہ میری دکان سب سے آخر میں بند ہوتی ہے میں نے ایک بجے کے بعد دکان بند کردی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا میں دکان میں حساب کتاب کررہا تھا کہ مجھے تھوکنے کی ضرورت پڑی اس کام کے لئے میں نے ایک چھوٹی سی کھڑکی بنائی ہوئی ہے میں نے وہ کھولی تو میں نے دیکھا

کہ بائی جی کے زینے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے اجلی بائی باہر آئی اور بڑی سڑک کی طرف چلی گئی میں حیران تھا کہ اس وقت یہ کہاں جا رہی ہے مگر میں باہر نہیں آیا کیونکہ ہر طرف سنسناٹا تھا اور میں اکیلا تھا پھر میں نے کھڑکی بند کر دی اور لیٹ گیا۔

اس بیان کی روشنی میں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ اجلی بائی اکیلی گئی ہے اور خود گئی ہے۔

پھر پولیس پارٹی کا یہ بیان کہ انہوں نے ناکے سے چوراہے تک کئی چکر لگائے مگر کسی عورت کو روڈ پر یا کسی طرف نہیں دیکھا جبکہ حلوائی کا بیان تھا کہ وہ بڑی سڑک کی طرف ہی گئی تھی۔

اس دن کے بعد اجلی بائی کو کسی نے نہیں دیکھا اس کو زمین کھا گئی یا آسمان کچھ پتہ نہ چلا اگلوتا کی خوراک مل گئی اور میری خواہش پوری ہو گئی۔

''اب سیٹھ گڑ وال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔'' اگلوتا نے مجھ سے کہا۔

''تم ہی بتاؤ گرو میں کیا کروں میری لگام تو تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تم اس کے داماد گوہر دھن سے تعلقات پیدا کرو۔'' اگلوتا نے کہا۔

''اس کی ضرورت کیا ہے گرو ایک منٹ میں تم اس کا صفایا کر سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''مگر کام طریقہ سے اور اس طرح کیا جائے کسی پر اس کی آنچ نہ آئے تو کام کرنے میں مزا آتا ہے۔'' اگلوتا بولا۔

''گرو بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں مگر میں کرتا ہوں اس لئے کہ تمہارا حکم ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''رولوکا کی اچانک آواز سنائی دی۔'' دیارام اب تھوڑی دیر میں پو پھٹنے والی ہے اب باقی باتیں کل ہوں گی ،اب تم جاؤ، میں بھی چلتا ہوں، کل وقت مقررہ پر پھر میں آ جاؤں گا ،میں پھر کہتا ہوں کہ اگلوتا سے بے خوف ہو جاؤ، وہ اچھل کود ضرور کرے گا ،تمہارے راستے او چھے ہتھکنڈے استعمال کرے گا مگر تم گھبرانا نہیں۔''

اور پھر جیسے ہی رولوکا کی نظر اوپر آسمان کی طرف اٹھی تو اسے ایک تحیر انگیز نا قابل فراموش، جسم و جاں پر سکتہ طاری کرتا خوفناک منظر نظر آیا۔

پورا ایک پہاڑ فضا میں معلق تیزی سے اس طرف آ رہا تھا جہاں کہ رولکا موجود تھا۔ رولوکا کی نظر اس معلق پہاڑ پر پڑی تو رولوکا نے اپنی شہادت کی انگلی سے دائرہ نما ایک اشارہ کیا تو وہ پہاڑ بڑی تیزی سے اوپر کو اٹھنے لگا اور اوپر کو اٹھتے اٹھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا، اگر وہ پہاڑ نیچے گرتا تو نہ جانے کتنے فٹ زمین پر گڑھا پڑ جاتا اور وہ پہاڑ زمین میں دھنس جاتا اور جو حال رولوکا کا ہوتا وہ بیان سے باہر ہے۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''اگلوتا تو بہت بزدل ہے، یہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے باز رہ، میں تجھے موقع دے رہا ہوں کہ اب تو دیارام سے بہت دور ہو جا۔ دیارام کی آتما کے چکر میں نہ رہ کیونکہ اب یہ اپنی اصلی منزل کی طرف چلی جائے گا اور یہی اس کے لئے مکتی کا فیصلہ ہے، تو نے اس غریب کو زندگی میں بہت استعمال کر لیا اور اب مرنے کے بعد بھی اس سے پاپ کے کام کروا رہا ہے، تیرا کیا ہے تو تو ہمیشہ سے دھتکارہ ہوا ہے، اکثر تو کمزور، غریب وقت کے ستائے ہوئے اور معاشرے کے باغی افراد پر ہاتھ ڈالتا ہے انہیں خود غرض اور مطلب پرستی کا سبق پڑھاتا ہے۔ ان کی غلط ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور اس طرح وقت کے ستائے ہوئے ضرورت مند لوگ تیرے نرغے میں پھنس جاتے ہیں اور پھر ایسے لوگ نہ دین کے رہتے ہیں اور نہ دنیا کے رہتے ہیں۔''

''مورکھ تو میری مان لے، دیارام کی آتما سے دور چلا جا ورنہ تیرا بھرکس نکال دوں گا، تیرا حشر بہت برا ہوگا اور مرنے کے بعد تیری آتما بیاکل رہے گی، کہیں اسے چین نصیب نہ ہوگا تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تو فوراً اس جگہ سے چلا جا، اور آئندہ کبھی اس طرف کا رخ نہ کرنا۔''

اگلوتا گرجتا ہوا بولا۔

اچانک رولوکا نے جیسے کوئی اشارہ کیا تو فوراً سے پیشتر ایک گول چنگاری ژن سے اندھیروں میں غائب ہوگئی۔ یہ دیکھ کر رولوکا بولا۔ ''بزدل تو مجھ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر ہمت ہے تو ٹھہر اور مقابلہ کر، دیارام تو دیکھ لے اگلوتا پھر دم دبا کر بھاگ گیا، تو کسی بھی صورت گھبرانا نہیں۔ یہ تیرا اب کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اب پو پھٹنے والی ہے۔ میں چلتا ہوں، کل پھر اسی جگہ ملاقات ہوگی، تیری پوری کہانی میں ضرور سنوں گا۔ اور کسی بھی وقت اس اگلوتا کا......'' اور رولوکا نے بات ادھوری چھوڑ دی اس کے بعد اس جگہ خاموشی چھا گئی۔

رولوکا صبح کے وقت اپنے کمرے سے نکل کر تمام ضروریات سے فارغ ہوا، پھر مطب میں آ گیا، حکیم وقار رولوکا کو دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔ ''اور بھئی کیسے ہو، تمہارا مشن کہاں تک پہنچا۔''

حکیم وقار کی باتیں سن کر رولوکا مسکرایا اور بولا۔ ''حکیم صاحب مدمقابل بہت شاطر ہے، سامنے ٹھہرتا نہیں بہرحال کہاں تک بچے گا بہت جلد جال میں پھنس کر اپنے انجام کو پہنچے گا۔''

دن بھر رولوکا اور حکیم وقار مطب میں مصروف رہے۔ شام ہوتے ہی مغرب کے بعد رولوکا اپنے کمرے میں آ گیا اندر سے کنڈی لگائی اور وقت مقررہ پر ہمالیہ کی ترائی میں مخصوص جگہ پر پہنچ گیا اپنے غائب ہونے کی طاقت کے ذریعہ اس جگہ پہنچ کر رولوکا نے آواز لگائی۔

''دیارام تو حاضر ہے۔ دیارام تو حاضر ہے۔'' دیارام کی آتما کی آواز سنائی دی۔ ''مہاپرش میں حاضر ہوں اور اپنی بات آگے بڑھاتا ہوں، اگلوتا نے مجھ سے کہا۔''

''دیارام رام تجھے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے میں تیرا دماغ ہوں تیرا حاکم ہوں تجھے کرنا وہی ہے جو کہتا ہوں، تو کیا ہے ذرا اس پر غور کر میری مہربانی ہے راجہ بنا ہوا ہے میں نہ ہوتا تو لوگوں کی جوتیوں میں پڑا ہوتا اور تیرے سر پر روزانہ جوتیاں پڑتی ہوتیں آج تو ان کے سروں پر جوتیاں مار سکتا ہے کیونکہ تو میرے شرن میں ہے یاد رکھ کبھی میری بات کے آگے جانے کی کوشش مت کرنا۔''

میں ڈر گیا...... بولا۔ ''گرو میرا مطلب یہ نہ تھا میں تو تمہارا غلام ہوں تم سے آگے کیسے جاسکتا ہوں۔''

''بس میں نے جو کہا ہے وہ کر اس کے بعد کیا کرنا ہے پھر بتاؤں گا۔'' اگلوتا بولا۔

سیٹھ گڑوال کائیاں آدمی تھا اس نے گوبردھن کو اپنی ٹکر کا نہ ہونے کے باوجود اپنا داماد بنایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو دولت کے معاملے میں گوبردھن کا خاندان گڑوال سے بہت کمتر تھا دوسرے گوبردھن سیدھا سادا اور حکم ماننے والا لڑکا تھا پھر بیوی کے سامنے احساس کمتری کا شکار، کاجول دنیا پھری ہوئی آزاد خیال لڑکی تھی اس کو ایسا ہی پتی درکار تھا جو اس کے کسی معاملے میں اپنی ٹانگ نہ ڈالے اور اس کے کہنے میں چلے۔

گوبردھن کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ مل گیا تھا اس کی وجہ سے اس کے خاندان کے بھی دن پھر گئے تھے وہ اس کو بھی بہت سمجھتا تھا رہی کاجول کی آزاد روش تو یہ ہر بڑے گھرانے کی لڑکی ہوتی ہے۔

اور کاجول تو کریلا اور نیم چڑھی تھی اکلوتی اولاد تھی بے انتہا لاڈلی ہمیشہ حکم چلاتی تھی اس کو ایسے ہی شوہر کی ضرورت تھی جو اپنی نہ کہتا ہو صرف حکم کا غلام ہو گوبردھن ایسا ہی مرد تھا مگر گوبردھن کو یہ خیال ضرور آتا تھا کہ ''میں مرد ہوں کہ کاجول مرد ہے کیا زندگی بھر میں کاجول کی جھڑکیاں سنتا رہوں گا۔''

مگر دوسری طرف لال پیلے نوٹوں کی گڈیاں تھیں خودداری اور ان گالیوں کے بدلے اس کو یہ مل رہی تھیں کبھی وہ ان کو پا کر خوش ہوتا کبھی اس کا دل کرتا کہ لات مار دے ان نوٹوں کی گڈیوں پر۔ اس کش مکش میں وہ ہر رات پڑتا تھا جب اکیلا خوبصورت کمرے میں ہوتا۔ کاجول کا تو آنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا کبھی رات بھر وہ گھر نہ آتی اور گوبردھن نرم بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہتا۔

میں اس ماحول میں اس کی زندگی میں داخل ہوا اور کچھ روز ہی میں میں اس کا راز دار دوست بن گیا آپس میں جب بے تکلفی ہو جاتی ہے تو پھر دوستوں کی باتیں ایک دوسرے کے لئے راز نہیں دیتیں مگر میں تو ایک پلان کے ساتھ گوبردھن کا دوست بنا تھا میں نے اپنے بارے میں اتنا ہی بتایا جتنا بتانے کا مجھ کو حکم دیا گیا تھا۔ مگر گوبردھن کے بارے میں مجھے پتہ چل گیا کہ اس کی زندگی بظاہر شاہانہ ہے مگر اندرونی طور پر وہ کس قدر اذیت ناک ہے۔ یہ کمزور پہلو میرے سامنے آیا تو میں نے اس سے ہی فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا یوں تو سارا لین دین کا جول اور سیٹھ گڑوال ہی کرتے تھے مگر کبھی کبھی گوبردھن کے پاس بھی بڑی بڑی رقمیں آ جاتی تھیں مگر اس نے ان رقوم کو کبھی خرد برد نہیں کیا تھا۔

''میں آہستہ آہستہ اس کے خیالات کو بدل رہا تھا اس کے دل میں باغیانہ خیالات کی پرورش کر رہا تھا مگر میں یہ کام اس طرح کر رہا تھا کہ گوبردھن میرے پلان کو نہ سمجھ سکے میں نے ایک دن کہا۔'' یار معاف کرنا میں جو نہیں کہنا چاہتا مگر کیا کروں دوستی کے ناتے وہ بات زبان پر آ ہی جاتی ہے۔''

''کون سی بات؟'' گوبردھن نے پوچھا۔

''تمہاری زندگی کتنی شاندار نظر آتی ہے لوگ تم کو دیکھ کر رشک کرتے ہیں ۔ تم سیٹھ گڑوال کے داماد ہو مگر مجھے یہ سب دور کے ڈھول جیسی لگتی ہے ڈھول قریب ہوں تو کان پھاڑ دینے میں سخت ناگوار لگتے ہیں اسی طرح تمہاری زندگی ہے یہ اذیت جو تم روز اٹھاتے ہو کیا زندگی بھر اٹھاتے رہو گے؟ اس کا کوئی انت بھی ہے کہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

گوبردھن بولا۔'' اس کا تو انت میری زندگی میں ہوتا نظر نہیں آتا۔''

''انت تو ہے مگر اس کے حاصل کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت ہے۔'' میں بولا۔

''دیکھو دیا رام میں ہر طرف سے جکڑا ہوا ہوں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔'' گوبردھن نے جواب دیا۔

''اگر ہمت نہیں کرو گے تو زندگی بھر غلامی کرو گے، زندگی بھر بستر پر کروٹ بدلو گے۔''

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہوگئی تو تم اس کو اپنی اولاد نہیں کہہ سکتے۔ ہاں نام تمہارا ضرور ہوگا مگر تم دل سے اس کو اپنی اولاد نہیں کہہ سکتے۔ بولو کیا یہ سچ ہے کہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم نے بڑا بھیانک روپ زندگی کا میرے سامنے رکھ دیا ہے مجھے اس زندگی سے نفرت سی ہو رہی ہے حالانکہ کچھ عرصہ پہلے میں سمجھتا تھا کہ دولت ہی زندگی کی عیش کا نام ہے۔'' گوبردھن بولا۔

''دولت بڑی ظالم چیز ہے جس کے پاس نہ ہو وہ اس کی تمنا کرتا ہے اور جب مل جاتی ہے تو اس کی خرابیاں نظر میں آتی ہیں یہی وہ چیز ہے جو بھائی کو بھائی سے لڑاتی ہے یہ وہ چیز ہے جو دوستوں کو دشمن بناتی ہے اسی کی خاطر دنیا میں ہزاروں جنگیں لڑی گئی ہیں، اسی کی خاطر ہزاروں قتل ہوئے ہیں اور یہ انسان کو انسانیت کے رتبے سے گرا کر ایک مشین بنا دیتی ہے۔ انسانی ضرورت صرف دو روٹی ہے ہر دولت مند بھی اتنا ہی کھاتا ہے، سونے اور چاندی کو وہ کھا تو نہیں سکتا مگر پھر بھی اس کے پیچھے ہر وقت بھاگتا ہے۔ دوسروں کا حق مارتا ہے۔'' میں نے اپنی بات مکمل کی۔

''دولت تو تمہارے پاس بھی ہے تم بڑے زمیندار ہو تم کیوں ایسا کہتے ہو۔'' گوبردھن بولا۔

''دولت اور زمینیں میں نے کسی پر ظلم کر کے کسی کا حق مار کر نہیں پائیں۔ یہ میرے بزرگوں کی عطا کردہ ہیں تم دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں پر ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے میرے مسئلے کا حل نہیں بتایا۔'' گوبر دھن بولا۔

''میں اس پر غور کروں گا تم دوست ہو میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ تم پر کسی قسم کی مصیبت آ جائے اس کا حل اس طرح ہو کہ تم اس اذیت ناک زندگی سے نجات بھی

پالو اور تم پر کوئی آنچ بھی نہ آئے تو اس کے لئے مجھے ذرا غور کرنے دو، میں پھر بتاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اب بتاؤ گرو آگے کیا کرنا ہے؟'' میں نے اکلوتا سے پوچھا۔

اکلوتا بولا۔'' تو نے داؤ تو خوب مارا ہے گوبردھن تجھ کو اپنا ہمدرد سمجھتا ہے اب آگے تو اس کے من میں باغیانہ خیالات ڈالے گا اور کسی موقع پر کوئی رقم کے ساتھ اس کو فرار کرائے گا اس کے جانے کے بعد سیٹھ کو اس کے خلاف کچھ نہ کرنے دے گا۔''

''بڑی رقم کے جانے کے بعد سیٹھ کب خاموش رہے گا۔'' میں بولا۔

''رہے گا عزت کی خاطر اپنے نام کی خاطر تجھے یہی کام کرنا ہے۔''

اور پھر بہت جلد ایسا موقع آ گیا کہ گوبردھن کے پاس دس لاکھ روپے آ گئے اور میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا میں نے گوبردھن سے کہا۔

''یہ دس لاکھ روپے تمہاری زندگی کا رخ بدلنے کو بہت ہیں ان کو لے کر ہندوستان بہت بڑا ہے کسی ایسے مقام پر چلا جا جہاں تو نئے سرے سے زندگی کا آغاز کر سکے۔''

گوبردھن نے کہا۔'' گڑوال سیٹھ بڑا کائیاں ہے وہ میرے پیچھے پولیس لگا دے گا۔

''تو جا جدھر منہ اٹھے چلا جا میں سیٹھ گڑوال کو تیرے خلاف کچھ نہیں کرنے دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے زندگی میں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس پر مجھے شرمندگی ہو میں نہیں کر سکتا۔'' گوبردھن نے کہا۔

''یہ کام تجھ کو کرنا ہے اس لئے کہ تو میرا دوست ہے میں تیری اذیت ناک زندگی نہیں دیکھ سکتا تیری بیوی ساری ساری رات دوسروں کے پہلو میں موج کرتی ہے اور تو بستر پر جلتا ہے یہ ہے تیری زندگی، ذرا مردانگی دکھا اور اس کو سبق پڑھا دے اس کو بھی احساس ہو کہ تجھ میں بھی غیرت ہے تو اس کی آڑ کب تک بنا رہے گا ذرا تو ہمت پکڑ ذرا تو غیرت دکھا۔'' میں بولا۔

''اور اگر پھنس گیا تو میرا پورا پریوار برباد ہو جائے گا۔'' گوبردھن نے کہا۔

''تیرے خلاف کچھ نہ ہوگا سیٹھ گڑوال کے لئے یہ رقم زیادہ نہیں۔ وہ اس بات کو نہیں اچھالے گا کہ اس کا داماد رقم لے کر بھاگ گیا ہے اس کی سماج میں عزت ہے وہ رقم کی نہیں عزت کی فکر کرے گا اور میں اس کو تیرے خلاف کچھ نہیں کرنے دوں گا۔''

اور گوبردھن دس لاکھ کی رقم لے کر انسانوں کے جنگل میں گم ہو گیا۔

سیٹھ گڑوال اور ان کی سپوتری کا جول بہت بگڑے ہوئے پولیس اور قانونی کارروائی کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ میں ان سے فوراً ملا اور بولا۔'' میں نے سنا ہے کہ گوبردھن کچھ رقم لے کر فرار ہو گیا میں نے سیٹھ گڑوال سے پوچھا۔

گڑوال نے کہا۔'' تم نے درست سنا ہے، میں اس کے خلاف قانونی کارروائی کرنے والا ہوں اس کو اور اس کے خاندان کو برباد کر دوں گا، میں نے اس کو اتنا دیا کہ اس کے خاندان کے دن پھر گئے اور اس نمک حرام نے صرف دس لاکھ روپے پر نیت خراب کر لی۔''

یہ سن کر میں بولا۔'' سیٹھ صاحب انسان عجیب وغریب چیز ہے اس کے بگڑنے میں دیر نہیں لگتی انسان کو دولت کا لالچ بگاڑ دیتا ہے گوبردھن بڑا آدمی نہ تھا مگر بس نوٹ دیکھ کر بگڑ گیا۔''

''تو پھر اس کو خمیازہ بھی اٹھانا ہوگا۔'' سیٹھ گڑوال نے جواب دیا۔

''میں آپ کے معاملے میں زیادہ داخل اندازی تو نہیں کر سکتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ روپے سے زیادہ انسان کی عزت ہوتی ہے آپ دس لاکھ روپے کھو کر بھی سیٹھ گڑوال ہیں آپ کی صحت پر ان روپوں نے کوئی فرق نہیں ڈالا۔ آج یہ بات مجھے پتہ ہے کل جب آپ قانونی چارہ جوئی کریں گے تو سارے شہر کو پتہ چل جائے گا آپ سماج

میں اور اس شہر میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اس بات کے پھیلتے ہی آپ کا وہ اعلیٰ مقام کم ہو جائے گا لوگ دوسروں سے کہیں گے سیٹھ گڑوال کا داماد بھاگ گیا۔ ضرور کچھ ایسا ہوا ہے کہ وہ بھاگا ہے ہر طرح کی قیاس آرائیاں ہوں گی بات آپ کی سپوتری تک آئے گی اس کی آزاد روش اور چال چلن پر بھی آئے گی۔ اور نہ جانے کیا کیا ہوگا، ہر منہ میں زبان ہوتی ہے اور آدمی اپنی سمجھ کے مطابق اس کو استعمال کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔

سیٹھ گڑوال نے بہت غور سے میری بات سنی اور پھر بولا۔

''بات روپے کی نہیں ہے غصہ اس بات پر ہے کہ اس کی نیت اتنے کم روپے پر بگڑ گئی اگر اس کو ضرورت تھی تو طلب کرتا میں اس کی ضرورت کو پورا کرتا۔'' سیٹھ نے کہا۔

میں بولا۔'' میں نے کہا کہ انسان کے بگڑنے اور بننے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔''

''تو اب تم بتاؤ کیا کیا جائے؟''

عزت کی خاطر گوبردھن اور روپے کو بھول جاؤ اگر کوئی گوبردھن کے بارے میں سوال کرے تو کہہ دیں وہ باہر گیا ہوا ہے اسکے خاندان والوں کو بھی یہی جواب دیں اور کاجول کو کہہ دیں کہ وہ بھی یہی جواب دے۔'' میں نے اپنائیت سے مشورہ دیا۔

''اور اگر وہ واپس آجائے تو اس کے خلاف کیا کیا جائے؟'' سیٹھ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وہ واپس نہیں آئے گا وہ اپنی واپسی کے دروازے بند کر کے گیا ہے۔''

اور اگر آ بھی جائے تو کاجول کے اور آپ کے لئے وہ ایک اجنبی آدمی ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''تمہاری باتیں مجھے اچھی لگی ہیں میں تو غصے میں اس کے خلاف کارروائی کر ڈالتا، کاجول بھی سخت غصے میں ہے مگر اب میں کچھ نہیں کروں گا اس نے اپنی ذات دکھادی، آخر تھا نا بھکاری مجھے اس دس لاکھ روپے کی برداشت کرنے کی ہمت ہے۔'' سیٹھ گڑوال بولے۔

''بہت شکریہ سیٹھ صاحب آپ نے میری بات سنی اور آپ کو پسند آئی میں پھر حاضر ہوں گا'' اور میں نے کہا۔

''ارے ایسے نہیں تم کھانا کھا کر جاؤ گے۔'' سیٹھ نے کہا۔

''ابھی تو جانے دیں آتا رہوں گا تو کھانا بھی کھاؤں گا۔'' میں بولا۔

''اچھا وعدہ کرو آؤ گے، میں رات کو گھر پر ہی ہوتا ہوں۔'' سیٹھ نے کہا۔

''میرا وعدہ ہے آؤں گا اور کاجول سے بھی ملاقات کروں گا۔''

اور اس طرح میں سیٹھ کے گھر میں داخل ہوا۔

کاجول کا آزاد خیال ہونا تو لاڈ پیار کی وجہ سے تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ حسین بھی تھی اور اس کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اس کی طرف مرد حضرات بہت جلد راغب ہوتے ہیں۔ مرد عورت کو اپنی طرف راغب کرنے کو ہر جتن کرتا ہے عورت کی کمزوری اس کی تعریف ہے اور یہ بات مرد جانتا ہے اور اس کامیاب حربے سے مرد فائدہ اٹھاتا ہے۔

چونکہ میں ایک لمبا چوڑا جوان مرد تھا اور مجھ میں عورت کو اپنی طرف راغب کرنے کی پوری صلاحیت تھی

کاجول نے شروع میں مجھ پر زیادہ توجہ نہ دی مگر پھر آہستہ آہستہ وہ مجھ پر توجہ دینے لگی پھر میں نے بھی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا اور میں کچھوے کی چال سے اس کی طرف بڑھتا رہا کچھ عرصہ بعد کاجول میرے ساتھ پارٹیوں میں جانے لگی بے تکلفی بڑھی تو ایک دن میں نے پوچھا۔

''کاجول تم اتنی نازک مزاج اور آتشی جسم کی عورت ہو تمہارا گزارہ اس گوبردھن جیسے ٹھس مرد سے کس طرح ہوتا تھا؟''

کاجول بولی۔'' ہوتا تھا کیونکہ وہ میرے معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا اگر وہ دخل دیتا تو میں خود اسکا پتا صاف کر دیتی سچ پوچھو تو مجھے بھی اس کی ضرورت تو تھی۔''

''اگر اس کی ضرورت تھی تو اب کیا کرتی ہو۔''

''تم میری ضرورت کا مطلب کچھ اور لے رہے ہو اس کی ضرورت مجھے صرف سماجی طور پر تھی ذاتی طور پر وہ میرے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔'' کاجول نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک پردہ تھا اب وہ نہیں رہا۔ پردہ ہٹ گیا۔'' میں بولا۔

''عورت کے لئے ضروری ہے کہ اسکے نام کے ساتھ کسی مرد کا نام نتھی رہے اس کو بہت فائدہ ہوتا ہے سماج کے ہر طبقے کی عورت کی ضرورت ایک مرد ہوتا ہے اس کو مرد کی ضرورت ہوتی ہے میرے طبقے کی عورت برائے نام ہی سہی مگر کسی مرد کا نام اپنے ساتھ جوڑے رکھتی ہے تم یہ سمجھ لو کہ عورت ذات کی یہ مجبوری ہے۔''

''تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟ میں تمہارے سامنے ہوں تم سیٹھ گڑوال کی بیٹی ہو، میں گو بردھن نہیں ہوں، میں تم کو ہر طرح خوش رکھ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

کاجول چند منٹ خاموش رہی پھر بولی۔'' تم نے مجھے دیکھا ہے میں زندگی کے شب و روز کس طرح گزارتی ہوں تم کو اندازہ ہے، دوسری بات یہ کہ میں نے تمہارے لئے اس انداز سے سوچا نہیں ہے۔ تم بھی اور غور کرو میں بھی سوچتی ہوں۔ نہ تم کہیں جا رہے ہو اور نہ میں، میں پتا جی سے بھی مشورہ کروں گی ان کے سامنے تمہاری آفر رکھوں گی۔''

میں نے کہا۔'' ہاں یہ ضروری ہے میری ایک بات یاد رکھنا مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے مجھے تمہاری دولت کی ضرورت نہیں میرے پاس بہت دولت ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' کاجول نے مجھ پر التفاتی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

سیٹھ گڑوال جانتا تھا کہ کاجول کو وہی کرنا ہے جو اس کے من میں ہے۔

پھر بھی اس نے کہا۔'' دیارام اس شہر کا پرانا آدمی نہیں ہے مگر اس کے رکھ رکھاؤ اور ٹھاٹ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی خاندانی ہے اور سب سے اچھی بات یہ کہ روپے پیسے کا بھی لالچ نہیں ہے مگر میری رائے اس کے باوجود یہ ہے کہ ذرا اور کچھ دن دیکھا جائے۔'' کاجول نے جواب دیا۔ آپ ہاں یا نا میں جواب دیں تاکہ میں آگے کا راستہ پکڑوں۔''

سیٹھ گڑوال بولے۔'' میں نے منع تو نہیں کیا کیونکہ تم خود سمجھدار ہو۔''

''اس کا مطلب میں آپ کی مرضی سمجھ لوں۔'' کاجول بولی۔

''ظاہر ہے منع نہیں کرتا تو راضی ہوں مگر جلد بازی نہ کرو۔''

''ٹھیک ہے میں نے آپ کی بات مان لی۔'' کاجول بولی۔

کاجول کی راتیں میرے ساتھ گزرنے لگیں اور کاجول نے مجھ کو مکمل مرد تسلیم کر لیا اور وہ میری طرف سے مطمئن ہو گئی اور پھر باقاعدہ پھیرے ہوئے اور وہ میرے سائے میں آ گئی اس کے بہت سے دوست جو اس پر اس کی دولت پر نظر رکھتے تھے مایوس ہو گئے اس کی آزادی وہی تھی مگر اب اس کے ساتھ میں ہوتا تھا۔ میری موجودگی میں کوئی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

سیٹھ گڑوال بیمار تھے ان کی بیماری کسی ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

مگر کمزوری بڑھتی جا رہی تھی اس وقت ان کو خیال آیا کہ زندگی کا اب کیا بھروسہ جو کام کرنا ہے کر لیا جائے اور انہوں نے اپنی کل جائیداد اور تمام اثاثے اور فیکٹری کاجول کے نام کر دی۔ میرا پلان کامیاب ہوا۔

اگلوتا نے پوچھا۔'' اب بول، بوڑھا کب تک جئے؟''

میں نے جواب دیا۔'' اب اسکی زندگی اور موت سے کیا فرق پڑنے والا ہے۔ ہمارا واسطہ تو کاجول کی موت سے ہے۔''

''مگر اس سے پہلے بوڑھے کو آگ میں ڈالنا ہوگا یہ

ضروری ہے۔" اگلوتا نے جواب دیا۔

"مگر سب دولت تو کاجول کے نام پر ہے۔" میں بولا۔

"بے شک اس کے نام پر ہے مگر کرتا دھرتا بوڑھا ہے اس کے بعد کاجول مالک ہے۔" اگلوتا نے بتایا۔

"میں تمہارے کام میں مداخلت نہیں کرتا تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔" میں نے کہا۔

"وہ تو میں کروں گا تم بوڑھے کا زیادہ خیال کرنا اس کے پاس مزاج پرسی کو روز جانا اس سے تمہارے لئے کاجول اور بوڑھے کے دل میں عزت بڑھے گی۔" اگلوتا نے کہا۔

"ٹھیک ہے کہو تو اس کے پاس ڈیرہ ڈال دوں۔" میں بولا۔

"تیرے اندر اب چماروں والی بات موجود ہے اب تو اس غلامی سے باہر آجا...... تو تیرے اندر کی بدبو دور ہو جانا چاہئے تھی۔" اگلوتا نے کہا۔

میں بولا۔ "کیا کروں گرو اصلیت تو میری وہی ہے اس لئے کچی بات زبان سے نکل جاتی ہے۔"

"اب تو ایک بڑا آدمی بننے والا ہے خود کو اوپر لا اور کاجول سے بھی برابری میں بات کیا کر اس سے ذرا بھی دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اگلوتا نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں گرو۔" میں نے کہا۔

"پوچھ! پوچھنے میں شرما کیوں رہا ہے۔" اگلوتا بولا۔

"اس شہر میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے کیونکہ ایک دشمن ہمارے تعاقب میں بھی ہے۔ میں نے بوڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو کیا سمجھتا ہے میں اس بڑھیا کو بھول گیا ہوں میری نظریں ہر طرف رہتی ہیں اس بڑھیا کے ادھر آنے کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے اس کا رخ دوسری طرف ہے مگر میں جانتا ہوں وہ آئے گی ضرور میں اس کے آنے کے بارے میں میں خود بتاؤں گا۔"

سیٹھ گڑ وال کو علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ دن بہ دن اس کی حالت گرتی جا رہی تھی اس نے ڈاکٹر بدل دیا اور ڈاکٹر نواز خان کا علاج شروع کر دیا ڈاکٹر نواز بنگالی تھے مگر پوری عمر یوپی میں گزاری تھی اس لئے ان کی اردو بہت اچھی تھی ڈاکٹر نواز نے سیٹھ گڑ وال کا اچھی طرح معائنہ کیا اور پھر کہا۔

"سیٹھ صاحب مجھے افسوس ہے کہ مجھے کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو آپ کو اندر سے کمزور کر رہی ہو آپ کی غذا کم ہو رہی ہے اور غذا کے کم ہونے کی وجہ سے کمزوری ہے مگر آپ کی رغبت کھانے سے کیوں دور ہے اس کا پتہ نہیں چلتا آپ کا علاج اب تک محض اندازوں پر ہوتا رہا ہے اور میں اندازوں پر علاج نہیں کرتا، میں مرض کو سمجھ کر اس کا علاج کرتا ہوں۔

میں آپ کا علاج کروں گا اس وقت صرف توانائی کی چند دوائیں دوں گا، آپ روزانہ میرے پاس آئیں انشاءاللہ ضرور کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ڈاکٹر کے پاس سے واپس آتے ہی سیٹھ گڑ وال کو خیال آیا۔ یہ کیسا ڈاکٹر ہے بے وجہ ہی روزانہ بلا رہا ہے اور کہتا ہے مرض اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ "میں اب اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔" اگلوتا نے یہ بات اس کے من میں ڈالی تھی کیونکہ ڈاکٹر نواز مسلمان تھا اگلوتا کو خوف آتا تھا تو صرف مسلمان سے آتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیٹھ کا علاج کوئی مسلمان ڈاکٹر کرے۔

مگر دوسرے دن سیٹھ گڑ وال ڈاکٹر نواز کے پاس تھے۔

ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ نے خیال کیا ہوگا کہ میں نے دوا نہیں دی علاج شروع نہیں کیا اور آپ کو پھر بھی بلایا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تک مرض سمجھ میں نہ آئے علاج نہیں ہوتا۔

"آپ کے مرض کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گفتگو کروں کچھ آپ بتائیں کچھ میں اندازے کروں۔"

سیٹھ گڑوال بولے۔" ڈاکٹر صاحب آپ کا طریقہ علاج بھی خوب ہے۔"

"سیٹھ صاحب دنیا میں جتنے مرض ہیں میرا ایمان ہے کہ ان سب کا علاج قدرت نے رکھا ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہم وہ علاج نہیں کرتے، ڈاکٹر اور معالج صرف اپنی ڈیوٹی پوری کرتے ہیں مگر مرض کی بنیادی وجہ کی طرف نہیں جاتے میں اگر کسی مریض کی بنیادی وجہ کی طرف نہیں جاتا تو میرے اندر سخت بے چینی ہوتی ہے اور میں پریشان ہو جاتا ہوں۔

میری اس عادت کی وجہ سے مجھے بہت سے تجربات ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی تھی اس کے پیٹ میں ہر رات بڑا شدید درد ہوتا تھا۔ میں نے اس کا علاج کیا تھا مگر فائدہ نہ ہوا، دن میں وہ ٹھیک رہتا تھا۔ وہ شخص کسی زمانے میں بڑا ظالم ہوا کرتا تھا۔ بڑا زمیندار تھا اس نے کہا۔" آدمی جب کسی کا دل دکھاتا ہے اس کا حق مارتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اس کو ایک نہ ایک دن اس کی سزا ملے گی اور جب وہ سزا کے چکر میں جکڑا جاتا ہے تو پھر بھی اس کو اپنے کرتوت یاد نہیں آتے وہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت خدا کی طرف سے اس پر آئی ہے۔

میں بھی سزا کے چکر میں جکڑا ہوا ہوں میرا علاج اب صرف موت ہے اور وہ اسی درد میں ختم ہوا۔

میں آپ سے ملاقات کرتا ہوں تو میرا منشا صرف یہ سمجھنا ہے کہ شاید آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو انسان سے اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں جن کو وہ یاد نہیں رکھتا بھول جاتا ہے۔

اگر انسان اپنا محاسبہ روز کے روز کر لیا کرے رات کو سوتے وقت تمام دن کی مصروفیت اور اپنے کاموں کا جائزہ لے لیا کرے اور ان کاموں کو دو کھاتوں میں رکھ دیا کرے ایک کھاتہ نیک کاموں اور ایک کھاتہ برے کاموں کا تو چند منٹ میں اس کا اندر کا جج فیصلہ سنا دے گا کہ اس نے دن بھر میں کیا کمایا یا گنوایا۔ جج انسان کے اندر ہے مگر روز اس کو استعمال کتنے لوگ کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر کی باتیں سیٹھ گڑوال کے دل پر اثر کر رہی تھیں۔ اس نے کہا۔" ڈاکٹر صاحب، آپ نے بڑے تجربے کی باتیں کی ہیں، میں نہیں جانتا کہ میں کتنا گناہ گار ہوں میں نے کس کس کا دل دکھایا ہے اور شاید میرا بھی سزا کا چکر شروع ہے۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔" انسان کو کچھ بھول جانا اور کچھ یاد رکھنا چاہئے نیک کام کر کے یاد نہیں رکھنا چاہئے اور اس کا صلہ بھی طلب نہیں کرنا چاہئے مگر برا کام ہو جائے تو اس کو یاد رکھنا چاہئے اور اس پر معافی مانگنا چاہئے۔ میں اپنے نقطہ نظر سے کہتا ہوں کہ خدا بڑا مہربان ہے وہ اپنے بندے کی معافی کو قبول کرتا ہے شرط اس کی نیت پر ہے۔ توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔"

سیٹھ گڑوال نے کہا۔" ڈاکٹر صاحب آپ کی باتیں دل پر اثر کرتی ہیں۔ میں نے ضرور گناہ کئے ہیں اچھے کام تو شاید میں نہ کر سکا اب کس طرح پرائشچت کروں یہ بتائیں۔"

"آپ کے دھرم کے اعتبار سے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس لئے کہ میں اس کے بارے میں نہیں جانتا میرے مذہب میں تو نہایت آسان طریقہ ہے کہ انسان اللہ سے توبہ کرے اور پھر دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرے اور خدا کی ڈیوٹی پوری کرے خدا کی ڈیوٹی اس کی عبادت اور نماز ہے۔"

سیٹھ گڑوال نے کہا۔" میں توبہ کرتا ہوں کہ اب آئندہ کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو کسی کو دکھ دینے والا ہو گا جو کچھ اب تک مجھ سے ہوا ہے میں اس کی معافی مانگتا ہوں۔"

"سیٹھ صاحب اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ پہلے دن ہی مجھے اندازہ ہوا تھا کہ آپ کی بیماری اصلی نہیں ہے یہ نقلی بیماری تھی آج میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ کوئی آپ کو مارنا چاہتا ہے وہ کون ہے میں نہیں جانتا مگر آپ جسمانی طور پر ٹھیک ہیں۔ آج آپ میرے پاس قیام کریں گھر نہ جائیں میرے اس غریب خانے پر قیام کریں

اس گھر میں کوئی شے نہیں آئے گی مگر آپ کا گھر محفوظ نہیں۔کل میں آپ کو کچھ دوں گا انشاء اللہ آپ کا روگ ختم ہوجائے گا۔'' سیٹھ گڑوال گھر نہ گئے اور اگلوتا ڈاکٹر کے گھر کے اندر داخل نہ ہوسکا۔

سویرے فجر کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر نواز سیٹھ کے پاس آئے اور ان کے ایک تعویذ گلے میں ڈال دیا اور بولے۔

''یہ میرے پیر کا تحفہ ہے اس کو خود سے زندگی بھر جدا نہ کرنا۔ کوئی شیطانی عمل تم پر اثر انداز نہ ہوگا اور آپ تندرست رہیں گے۔''

سیٹھ گڑوال کو زندگی کا یہ انوکھا تجربہ ہوا ان کے گلے میں تعویذ آتے ہی ان کو ایسا لگا جیسے ان کے بدن سے بہت بھاری وزن اتار دیا گیا ہو ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

مگر اگلوتا کو سخت دھچکا لگا۔ وہ پریشان ہوگیا اسکی شکتی اس کے کچھ کام نہ آئی۔

اور اس شہر میں اس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا......

تین دن میں ہی سیٹ گڑوال کی حالت بدل گئی اور وہ پہلے جیسے ہوگئے۔

وہ ڈاکٹر نواز کے پاس شکریہ ادا کرنے گئے اور بولے۔

''ڈاکٹر صاحب آپ کا علاج حیرت انگیز ہے آپ نے تو کمال کردیا بغیر کسی دوا کے مجھے جو کہ زندگی سے مایوس ہوتا جارہا تھا کھڑا کردیا۔''

ڈاکٹر نواز نے جواب دیا۔''سیٹھ صاحب آپ جسمانی طور پر بیمار نہ تھے مگر آپ کا جسم کسی شیطانی پھندے میں تھا اور وہ پھندا دن بہ دن سخت ہورہا تھا آپ علاج کراتے رہے مگر اصل مرض تو اندر تھا۔ میں ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی طور پر بھی غور وفکر کرتا ہوں اور اس سلسلے میں میرے مرشد میری مدد کرتے ہیں، میں نے آپ کی کیفیت ان سے بیان کی اور انہوں نے وہ تعویذ دیا اور اس کی برکت سے آپ کے اندر کا شیطان نکل گیا اب وہ آپ پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ شیطانی طاقت بہت بڑی طاقت ہے آپ کے اس تعویذ نے اس کو بھگا دیا اس کا مطلب ہوا اس میں جو طاقت ہے وہ شیطان سے زیادہ ہے۔'' سیٹھ نے کہا۔

ڈاکٹر نے کہا۔'' ایسا ہی ہے اس لئے کہ یہ اللہ کی طاقت ہے شیطان اس کے قریب نہیں آسکتا۔''

''ڈاکٹر صاحب میں مذہبی آدمی کبھی نہیں رہا۔ میں نے پوری زندگی صرف پیسہ کمانے میں گزارہ ہے اور خوب دولت کمائی ہے اولاد صرف ایک ہوئی پنڈتوں نے بتایا کہ کوشش بے کار ہے میری جنم کنڈلی بتاتی ہے کہ اور کوئی اولاد نہیں ہوگی تو میں نے صبر کرلیا اور کاجول کو بہت لاڈ پیار سے پرورش کیا اور ایک ایسے شخص سے اس کی شادی دی کہ لڑکی میرے پاس ہی رہے مگر وہ شخص بے ایمان نکلا اور رقم لے کر بھاگ گیا میری سمجھ میں اب تک اس کا بھاگنا نہیں آیا اس لئے کہ روپے پیسے کی اس کو کمی نہ تھی ۔اس کے بعد کاجول کی زندگی میں ایک شخص اور آگیا اور اب وہ میاں بیوی ہیں اب ہمارے کاروبار کا جول کے نام پر ہیں اور ان سب کو میرا داماد دیکھ رہا ہے میرے بعد کاجول ہی سب کی مالک ہے مگر میری سرپرستی ہے، ان حالات میں میرا دشمن کون ہوسکتا ہے؟'' گڑوال سیٹھ نے پوری بات بتادی۔

یہ سن کر ڈاکٹر نے کہا۔'' سیٹھ صاحب میں اتنا بڑا عالم نہیں ہوں بس مرشد کی دعائیں میرے ساتھ ہیں میں جو کرسکتا تھا میں نے کردیا ہے۔''

''آپ نے میرا بہت بڑا کام کیا بہت وقت دیا اور کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ یہ بھی حیرت ہے اور سیٹھ نے کہا۔

''میں نے اپنی طرف سے کوئی دوا نہیں دی اس لئے معاوضہ کس بات کا روحانی علاج میرے پیر نے کیا وہ کسی قسم کے بھی معاوضے سے بہت دور ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''میری ایک درخواست ہے۔'' سیٹھ نے کہا۔

''ارے نہیں سیٹھ صاحب آپ حکم کریں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''میں آپ کے مرشد سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں ۔'' سیٹھ نے کہا۔

''ضرور ملاقات کریں وہ شام کو آستانے پر ہوتے ہیں سب ہی ان سے ملتے ہیں آپ بھی مل لیں۔''

آستانے پر زیادہ آدمی نہ تھے۔ پیر صاحب نے سیٹھ کو دیکھا اور فرمایا۔

''اب ٹھیک ہو۔'' سیٹھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔'' آپ کی بس کرم نوازی ہے۔''

''شیطان بڑا خطرناک ہے مگر اب پھر حملہ نہیں کرے گا بےفکر رہو۔''

''میں آپ کی شرن میں آنا چاہتا ہوں۔'' سیٹھ نے کہا۔

''اس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی پہلے مسلمان ہو اور خدا کے حکم کی پابندی کرے تم کو ثابت کرنا ہوگا کہ تم دل سے مسلمان ہوئے ہو میری نظر تم پر رہے گی۔'' مرشد نے بتایا۔

''میں ہر شرط پوری کرنے کو تیار رہوں۔''

اور سیٹھ گڑوال مسلمان ہو گئے اور ان کا نام سلیمان رکھ دیا گیا۔ ایک ہی دن میں ان کی کایا پلٹ گئی ان پر سے سیاہ بادل ہٹ گئے اور وہ خوش خوش گھر واپس آئے اس وقت میں گھر پر تھا اور میرے کاندھے پر اگلوتا موجود تھا۔

ان کے آتے ہی اگلوتا سخت بے چینی محسوس کرنے لگا اور میرے کان میں اس نے کہا۔

''آج ضرور کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی ہے اب تو اس گھر سے چل میرا من یہاں نہیں لگ رہا۔''

''گرو اتنی جلدی کیا ہے اب تو ہنڈیا پکی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر اب ہنڈیا کو ہم شاید نہ کھا سکیں۔ اس میں اصلی گھی ڈال دیا ہے اور کسی کسی کو تجھے پتہ ہے اصلی گھی ہضم نہیں ہوتا۔''

''ٹھیک ہے گرو تم جو کہتے ہو تو درست ہی کہتے ہوں گے۔'' اور میں گھر سے باہر باغ میں آ گیا اور پھر بولا۔'' مجھے لگتا ہے گرو تم نے کچھ نیا دیکھ لیا تھا۔''

اگلوتا بولا۔'' ارے سیٹھ ہی نیا ہو گیا ہے میرے اثرات اس پر اب نہیں رہیں اور مجھے اس کی قربت سے ڈر لگنے لگا ہے میری مان یہاں کے حالات بدل رہے ہیں۔ میرے قدم اکھڑ رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔'' ارے گرو تمہاری شکتی میں کچھ کمی ہو گئی ہے کیا؟''

''کمی نہیں ہوئی شکتی اپنی جگہ پر ہے مگر میری بھی حد بندی ہے میں کسی پر بھی اپنا اثر ڈال سکتا ہوں مگر اس دنیا میں ایک شکتی اور ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس طبقے کے ہر آدمی کے اندر ایک شکتی ہے اس کے دو بول میری ساری شکتی پر حاوی ہو جاتے ہیں یہی میری حد بندی ہے کہ میں ان سے دور رہوں۔'' اگلوتا نے بتایا۔

''تو اب کیا کریں؟'' میں بولا۔

''تو تیل دیکھ اور اس کی دھار دیکھ، ابھی کچھ امید کاجول کی طرف سے ہے۔'' اگلوتا نے کہا۔

''مگر کاجول کے سر پر تو سیٹھ گڑوال نے سایہ کیا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو اس کی فکر نہ کر یہ دنیا بہت بڑی ہے اس میں جو لوگ ہیں ان میں کثرت ان کی ہے جو پتھروں کو پوجتے ہیں کچھ تو دل سے یہ کرتے ہیں مگر اکثریت مجبوری میں یہ کرتی ہے اگر نہ کرے تو ناستک کہلاتی ہے ان کو پتہ ہے کہ جس پتھر کو تراش کر مورت بنائی گئی ہے وہ کچھ نہیں محض پتھر ہے اس کو لال پیلا رنگ لگا کر اور بڑی عمارت میں سجا کر ہار پھول ڈال کر رکھ دیا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اس سے طلب کرو اور لوگ اس کو سجدہ کر کے مانگ رہے ہیں اس قوم میں کوئی ایسا نہیں جو میرا راستہ روکے ان کے جادو ٹونے اور تپسیا میرے لئے بے اثر ہیں میں ان کو جنگ میں جھونک سکتا ہوں میں ان کی ناریوں کو سربازار ننگا نچا سکتا ہوں مگر ان میں کچھ لوگ ہیں جو میرے لئے ہمیشہ

سے خطرہ ہیں، میں ان سے ڈرتا ہوں اور دور رہتا ہوں اگر حالات یہاں پر خراب ہوئے تو آگے چلیں گے تجھے میں ہر جگہ راجہ بنادوں گا تجھ پر سات خون معاف ہیں تو ایک مکمل حرامی ہے۔"

"گرو اس سماج میں تو ہزاروں میری طرح کے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"ہوں گے کیا، ہیں! جس عورت کے تعلقات کسی مرد سے ہوں اور شوہر بھی رکھتی ہو وہ کس طرح کہہ سکتی ہے کہ اولاد حرامی نہیں ہے جو معاشرہ ہندوستان میں رائج ہے اس میں مندروں میں عورت جاتی ہے ناچ گانا کرتی ہے ہر مرد سے اس کی بات چیت ہوتی ہے ہر عورت پتی ورتا نہیں ہوتی اور مرد اتنا فریبی ہے کہ عورت کو کسی نہ کسی طرح اپنی طرف راغب کرتا ہے مرد کی فطرت ہے کہ اس کو اپنی بیوی کے سوا سب ناریاں اچھی لگتی ہیں اور جب وہ اس کو حاصل کرلیتا ہے تو دوسری طرف رجوع ہوجاتا ہے۔"

"واہ گرو بڑے تجربے اور دور کی بات تم نے بتائی۔" میں بولا۔

"اور ہزاروں باتیں ہیں جو ہر کسی کو ان کا پتہ نہیں ہے اور اگر ان کے تجربے میں کوئی بات آ گئی یہ تو صرف ان تک ہی محدود ہے مگر اس کے باوجود ہزاروں کتابیں لوگوں نے لکھی ہیں اور اپنے تجربات کو پھیلانے کی کوشش کی ہے یہ دنیا جب تک ہے ایسا ہوتا رہے گا۔" اگلوتا نے کہا۔

"مگر دنیا کے حالات بدل رہے ہیں نئی نئی باتیں سامنے آ رہی ہیں ان سے ہمارے کام میں رکاوٹ نہ ہوگی اب تک جو تمہارے بارے میں لوگ نہیں جانتے، جاننے لگ جائیں گے۔" میں بولا۔

"میرا وجود بہت قدیم ہے دنیا کے وجود میں آتے ہی میں ایکشن میں آ گیا تھا۔ مجھ سے مراد وہ شکتی ہے جو میرے پاس ہے میں جب سے مصروف ہوں میرے ہزاروں روپ ہیں کہیں میں کسی مورت میں ہوتا ہوں اور مانگنے والوں کی مرادیں پوری کرتا ہوں تاکہ ان کا اعتماد مورتیوں پر قائم رہے۔

کہیں میں کسی لیڈر کے من میں ہوتا ہوں تاکہ اس کے دل میں کرسی کی بھاؤنا زندہ رہے اور وہ اس کی خاطر وہ سب کچھ کر گزرے جو وہ اکیلا نہیں کرسکتا، میں اس سے کراتا ہوں، میں کہیں جنگ کراتا ہوں، کہیں پر شہریوں میں فرعون ہوتا ہوں، کبھی دقیانوس، میرا کوئی ایک روپ نہیں، میری کوشش میں کمی نہیں ہوتی، زمانے بدلتے رہتے ہیں۔ میں نہیں بدلتا۔"

یہ سن کر میں بولا۔ "میں سمجھ گیا گرو کہ تم کون ہو۔"

"تو نے سمجھنے میں بہت دیر کی میں نے تو ہزاروں اشارے تجھے دیئے تھے۔ آگے مجھے اپنا مستقبل روشن نظر آ رہا ہے، میں اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔" اگلوتا بولا۔

"دنیا تمہارے بارے میں جان جائے گی پھر بھی مستقبل کے روشن کی بات سمجھ نہ آئی۔" میں بولا۔

"میں جن سے ڈرتا ہوں ان کے لچھن بھی بگڑتے جا رہے ہیں میرے اثرات بھی آنے شروع ہوجائیں گے یہ لوگ بھی اپنے مرکز سے دور ہو رہے ہیں میں ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ سکوں گا۔" اگلوتا بولا۔

"تم ایسا کرسکو گے کیا تم یقین سے کہتے ہو؟" میں بولا۔

سب کو نہیں مگر اکثریت پر، دوسری تہذیبوں کے رسم ورواج اپنا رنگ دکھا رہے ہیں وہ میری آسان خوراک ہوں گے۔" اگلوتا نے جواب دیا۔

"مگر جن پر تم اثر نہ ڈال سکو گے وہ تو تم کو دوڑاتے رہیں گے ان کا کچھ علاج کرنا ہوگا۔"

"نہیں ان کا علاج میرے بس میں نہیں ہے مگر آتے زمانے میں میرا کام آسان ہوتا نظر آ رہا ہے۔" اگلوتا بولا۔

"اور مجھے مشکل نظر آ رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ اس لئے ہے کہ تیری نظر محدود ہے تو نہیں جانتا کہ انسان نے اپنی برتری اور اقتدار کو بڑھانے کو کیا کچھ کیا ہے ایسے ایسے اوزار بنائے ہیں کہ ہزاروں آدمی ایک بٹن

دبانے سے مرجاتے ہیں۔ مجھے صرف یہ کرنا ہے کہ میں اس بٹن کو ان سے استعمال کرواؤں اس دنیا کو ختم کرنے کا بہترین موقع میرے پاس آنے والا ہے۔ ہوس، اقتدار اور اپنی مناپلی قائم کرنے کا جذبہ دنیا کے بڑے لیڈروں کے دل میں پیدا کردوں تجھے میں ایک نظر آتا ہوں مگر میں ہر ملک میں کام کرتا ہوں تو مجھے نہیں سمجھ سکتا۔

اور جو لوگ مجھے سمجھتے ہیں ان سے میں خود دور رہتا ہوں۔ مگر حالات اب میری طرف آرہے ہیں ان کے لچھن بگڑ رہے ہیں وہ بھی دوسروں کو قتل کرنے لگ گئے ان کے پاس جو شکتی تھی کم ہورہی ہے وہ اب وہ خطرناک بول بول رہے ہیں جن سے میں ڈرتا ہوں اس لئے میں کہتا ہوں کہ آتے زمانے میں میرا کام آسان ہوگا۔"

"گروہ تم کو آتے زمانے کے بارے میں کون بتاتا ہے ہوسکتا ہے تمہارے اندازے درست نہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں نے دنیا کے حالات اور بدلتے انسانی رجحانات کو اچھی طرح دیکھ کر اندازے لگائے ہیں میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی قابلیت پر بھی اعتبار ہے میں اپنی پوری طاقت سے انسان کو یہی حالات پیدا کرنے پر مجبور کردوں گا۔"

سیٹھ گڑوال کے نام بدلتے ہی سب کچھ بدل گیا۔ کاجول حیرت زدہ ہوگئی۔ سب سے حیرت کی بات یہ ہوئی کہ میں اس سے کچھ دور ہوگیا اور سیٹھ سلیمان کا اثر بڑھ گیا اور ایک دن سیٹھ سلیمان کاجول کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا ڈاکٹر نے کہا۔" آپ کو کوئی بیماری تو نہیں ہے پھر کس بنا پر آنا ہوا۔"

سلیمان سیٹھ نے کہا۔" میری کایا پلٹ کیا ہوئی کہ بہت کچھ بدل گیا ہے کاجول کے خیالات میں بھی تبدیلی آرہی ہے زندگی کے اندھیروں سے روشنی کی جو کرن میرے من میں ہے اس کرن نے اس پر بھی اثر کیا ہے ہم نے زندگی کا بہت بڑا حصہ اندھیروں میں گزار دیا ہے اس اندھیرے میں نامعلوم کتنے گناہ ہم سے ہوئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ میری بخشش بھی ہوگی کہ نہیں مجھے تو اب پتہ چلا کہ اصل زندگی یہ نہیں جو ہم گزار رہے ہیں پتہ نہیں مجھے اصل زندگی کی تیاری کا موقع بھی ملے گا کہ نہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" آپ ناامید نہ ہوں آپ کی ندامت اور توبہ آپ کے ساتھ ہے میں نہ مبلغ ہوں نہ کوئی عالم میں ڈاکٹر ہوں لوگوں کے جسمانی مرض کو اپنی قابلیت اور تجربے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میری کوشش ہوتی ہے کہ اپنا فرض ایمانداری سے پورا کروں میرے پاس ہر قوم، ہر مذہب کے لوگ آتے ہیں مگر میرے لئے وہ سب مریض ہوتے ہیں میرے مرشد کی یہی تعلیم ہے میں کسی میں فرق نہیں کرتا آپ اس کو میری عبادت کہہ لیں یا کوئی اور نام دیں انسان جس پیشے میں ہو اس کام کو ایمانداری اور دیانت داری سے پورا کرے کسی کا دل نہ دکھائے کسی کا حق نہ مارے تو میں سمجھتا ہوں اس نے بہت بڑی عبادت کی ہے آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کو بھول جائیں اور نئے سرے سے زندگی کو ترتیب دیں یہی بات کاجول تمہارے لئے ہے اور اگر تم چاہو تو تم بھی سیٹھ صاحب کی طرح اندھیروں سے روشنی کی طرف آسکتی ہو میرے مذہب کے دروازے ہر کسی کے لئے کھلے ہیں اس میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے کوئی فرق نہیں ہے ہر عورت اور آدمی کا درجہ برابر ہے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے کسی پیشے سے تعلق ہو، وہ مسجد میں برابر کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا ہے کسی کو نیچ اور کسی کو اونچا خیال نہیں کرتے سب کا درجہ اس کی پرہیز گاری اور عبادت پر ہے۔"

"کاجول نے پہلی دفعہ زبان کھولی اور بولی۔" میں نے پاپا کا رویہ اور طریقہ زندگی کے بدلنے کے انداز کو دیکھا ہے اور میں اس سے متاثر ہوئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں نے اب تک جو زندگی گزاری ہے وہ درست نہیں تھی۔ اب میں بھی نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔"

"میرے لئے یہ بہت خوشی کی بات ہے مگر میں چاہوں گا کہ تم اسلام کو غور سے پڑھو، سمجھو اور پھر فیصلہ کرو صرف سیٹھ سلیمان کو دیکھ کر ان کی شخصیت سے متاثر ہوکر

خود کو نہ بدلو جب تمہارے اندر سے آواز آئے تو فیصلہ کرو تمہارا وہ فیصلہ درست ہوگا یاد رکھو اسلام کسی پر جبر نہیں کرتا، کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے یہی انسان کو خدا کے قریب لے جاتا ہے۔"

اس ملاقات کے تین ماہ بعد کاجول کا نام تاج بی بی ہوگیا۔

اگلوتا نے مجھ سے کہا۔"جو تھوڑی امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی ہے کاجول اب تم سے دور ہو جائے گی اور قانونی طور پر علیحدگی حاصل کرے گی۔"

میں بولا۔"تو اس کا مطلب ہوا کہ اس کی دولت کو ہم برباد نہ کرسکیں گے۔"

"اب کچھ نہ ہوگا اب ہم کو آگے بڑھنا ہوگا، تو کیوں غم کرتا ہے تیرا ساتھی میں ہوں ہر جگہ تیرے لئے دوسری کاجول موجود ہے۔"

سیٹھ سلیمان اور تاج بی بی پر اگلوتا کا بس نہ چلا اور اگلوتا آگے بڑھ گیا۔ اب وہ رائے پور جا کر رکا رائے پور بڑا شہر نہیں ہے مگر زندگی کی تمام ضروریات ہیں لوگ تعلیم یافتہ اور سمجھ دار ہیں آبادی ملی جلی ہے مگر پھر بھی ہندو آبادی زیادہ ہے اور اکثر بڑے کاروباران کے پاس ہیں اور سرمایہ بھی ان کے پاس ہے۔ زمینداری مسلمانوں کے پاس ہے اور مسلمان زیادہ تر زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ اگلوتا کو جو آسان نظر آتا، وہ پہلے کرتا اور ہندو اس کے لئے چارہ ہوتے وہ ان سے اپنے من بھاتے کام خوب کراتا ہے۔"

"میں نے کہا۔"یہاں پر کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام یہ ہے کہ تم اپنا روپ بدلو اور ایک مہاپرش کے روپ میں آجاؤ اوپر سے جسم برہنہ کرو اور صرف ایک دھوتی باندھ لو ماتھے پر تین لکیریں ڈالو کاندھے پر ایک ڈورا ڈال لو اور ہری رام کرتے کرتے کسی مندر میں گھس جاؤ باقی کام میں کرلوں گا، تم وہاں پر کچھ چمتکار دکھاؤ گے کہ لوگ تمہارے مہاپرش ہونے میں شک نہیں کریں گے تمہاری آڑ میں کام میں کروں گا۔" اگلوتا نے پروگرام بتادیا۔

"میرے لئے یہ کام بہت مشکل ہے اس لئے کہ زندگی میں مندروں سے دور رہا ہوں میں مہاپرش کس طرح بنوں گا میں نے تو کسی مہاپرش کو قریب سے دیکھا بھی نہیں ہے ان کے عادت و اطوار میں کس طرح اپناؤں گا میں بولا۔

"تو نے نوابی زندگی گزاری ہے تو نے کبھی بڑے ہوٹلوں میں کھانا کھایا تھا میرے آتے ہی یہ سب کیا ہے اور اب بھی وہی کرے گا جو میں کہوں گا۔" اگلوتا ناراضگی سے بولا۔

"میں نے منع کب کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اپنی عقل اپنے پاس رکھ تو کون ہے یاد کر جوتیاں کھانے والا ذلیل، اگر میں تیرے کاندھے سے اتر جاؤں تو تیری حیثیت کیا ہے پھر تیرے سر پر جوتیاں برسنے لگیں گی میں جو کہتا ہوں وہ کر۔" اگلوتا بولا۔

"ٹھیک ہے گرو! میں نے کب تمہارے حکم کے خلاف کچھ کیا ہے میرے نصیب میں صرف غلامی ہے۔ میری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔" میں بولا۔

میرا چولا بدل گیا اور میں رائے پور کے دیوی گوری کے مندر میں گھس گیا۔ دوپہر کا وقت تھا پوجا کا کمرا سونا پڑا تھا دیوی کے بت کے سامنے صبح کے چڑھاوے کے گیندے کے پھول پڑے تھے اور دیوی کی مسکراتی مورتی کے گلے میں بھی گیندے کے پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ میں اکیلا اس بت کے سامنے کھڑا تھا اور بت کو دیکھ کر مسکرایا اور پھر پوجا کے کمرے سے باہر آگیا اور ذرا فاصلے پر پجاریوں کے کمرے تھے اس طرف جا کر آواز دی۔

"ارے کوئی ہے۔" میری آواز پر ایک دروازہ کھلا اور ایک پجاری باہر آکر بولا۔

"کون ہے ہمارے آرام کے وقت شور کرتا ہے اور پھر مجھ کو دیکھ کر ذرا ٹھٹکا اور شرمندہ سا ہو کر بولا۔" معاف کرنا سادھو مہاراج میں سمجھا کوئی فالتو آدمی بے وقت آگیا ہے...... حکم کرو۔"

میں بولا۔ ''مورکھ دیکھتا نہیں کہ ہم اس مندر میں کیوں آئے ہیں ارے تیری ودیا کچھ نہیں کہتی تو گوری کا کیسا پجاری ہے کہ اتنی بات تیری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''مہاراج میں کیا اور میری ودیا کیا آپ انتریامی ہیں میں آپ کا سیوک ہوں۔'' پجاری بولا۔

''تو پھر ہمارے رہنے کا بندوبست کر جگہ شانتی کی ہو۔'' میں نے حکم دیا۔

''آپ میری کوٹھری میں پدھاریں، میں ابھی آپ کے لئے کمرا تیار کرتا ہوں۔''

میرا ٹھکانہ گوری کے مندر میں ہوگیا گوری کے مندر میں عورتوں کا آنا زیادہ ہوتا ہے حالانکہ ہندی دیومالا میں صاف لکھا ہے کہ کالی اور درگا ایک ہی چہرے کے دو روپ ہیں۔

بات پاربتی کی شروع ہوتی ہے جو اپنے پتی دیوشیو کے ساتھ ہمالیہ کی بلند چوٹی کیلاش پر رہتی ہے پاربتی کا نام بھی پربت (پہاڑ) کی سکونت کی وجہ سے پڑا ہے پاربتی کی شکل میں بھی اس کے دو روپ دیومالاؤں میں لکھے ہیں ایک میں وہ حسین اور خوبصورت نظر آتی ہے اس روپ میں اسے روما، گوری اور بھوانی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس روپ کے بھی مندر بنائے جاتے ہیں۔ دوسرے روپ میں وہ درگا اور کالی مائی کہلائی جاتی ہے۔ پاربتی کے اسکے علاوہ بھی کچھ اور نام ہیں مثلاً بھیروی، بھگونی، ایشوری، گرجا، ابجیا اور ستی ہیں۔ زیادہ تر اس کی پوجا درگا کے نام سے کرتے ہیں اور درگاہ پوجا کا تہوار بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔

اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے مگر اس کے باوجود ایک ہی شخصیت کو کئی مختلف انداز میں پوجا جارہا ہے اس قوم کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ میں تو ہندو دھرم سے بہت دور تھا میں نہیں جانتا تھا کہ گوری کون ہے میں تو حکم کا غلام تھا مجھ سے جو کہا جارہا تھا وہی میں کرتا تھا۔

میں نے پجاری سے پوچھا۔ ''تیری دیوی نے اب تک کوئی چمتکار دکھایا ہے۔''

پجاری ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''مہاراج مجھ سے پہلے میرا باپ یہاں کا سیوک تھا اور اس سے پہلے دادا یہ دیوی کی مورتی کب بنی کب مندر بنا مجھے پتہ نہیں ہے میں نے اور میرے پرکھوں نے کبھی کوئی چمتکار نہیں دیکھا ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ لوگوں کے کام ہوئے ہیں اور وہ لوگ اس خوشی میں اچھے چڑھاوے دیوی کو چڑھا گئے۔''

''مگر اب تم چمتکار دیکھ لوگے۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ تو میری زندگی کا حاصل ہوگا۔ یہ چمتکار کب ہوگا مہاراج؟'' پجاری بولا۔

''پر تجھے بھی کچھ کرنا ہوگا۔'' میں بولا۔

''میں ہر سیوا کو تیار ہوں۔'' پجاری نے جواب دیا۔

''یہ مندر گوری کا ہے اس میں ناریوں کی آمد زیادہ ہے ناری کے عقائد گوری پر زیادہ ہیں صبح کی پوجا میں ناریاں وہی ناچ کرتی ہیں۔

میں اور میری ودیا کے لئے یہ ضروری ہے کہ میرے پاس کوئی کنیا ہو، تو سمجھ رہا ہے میری بات، یہ بات تیرے اور میرے درمیان ہے تیری زبان پر کبھی یہ بات نہ آئے اور اگر آئی تو یاد رکھنا کہ میری شکتی تیرا مرنا اور جینا دونوں حرام کردے گی۔ تو نہیں جانتا کہ تیرے بھاگ اچھے ہیں، میں تیرے قریب ہوں۔ تجھے کنیا کا انتظام کرنا ہے اور اگر کبھی وہ کنیا واپس نہ آئے تو بھی تجھے بات بنانی ہے میرا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔'' میں نے کہا۔

''تو مہاراج وہ کنیا کہاں چلی جائے گی۔'' پجاری نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

''اس کا ٹھکانہ ہمارے پاس آنے کے بعد بدل جائے گا وہ اس دنیا کے رسم ورواج سے اوپر کی چیز ہوجائے گی اور دنیا کو تیاگ دے گی پر ایسا ہر کسی کے ساتھ نہیں ہوگا جو جیسی سیوا کرے گی ویسا پھل پائے گی۔'' میں نے جواب دیا۔

''دنیا کو تو جواب دینا ہوگا مہاراج۔'' پجاری بولا۔

''اس کا پربند تو کرے گا کنیا کو اس طرح لانا ہے کہ

کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اگر کچھ اونچ نیچ ہوئی تو پھر تو ہی پکڑا جائے گا مگر تجھے کچھ نہیں ہو گا ہاں کچھ وقتی تکلیف اٹھانا ہو گی۔"

"یہ کام تو بہت بھاری ہے مہاراج میں پریوار والا آدمی ہوں مفت میں لٹکا دیا جاؤں گا۔" پجار بولا۔

"ہم نے کہہ دیا ہے تیرا کچھ نہیں ہو گا ہم تیرے پریوار کو اتنا کر دیں گے کہ وہ دان دکھشنا کے چکر سے نکل جائے گا تو صرف ہماری سیوا کر اور موج کر تیری ہر ضرورت ہم پوری کریں گے۔"

"پجاری بولا۔" پرکھوں کی بنائی عزت ہے بڑا پھونک پھونک کر میں نے پرکھوں کی عزت کو رکھا ہے میں آپ کی سیوا سے منہ نہیں پھیرتا پر میرا دل یہ کرنے کو نہیں چاہتا۔" پجاری بولا۔

"تجھے کرنا تو وہی ہے جو میں نے کہہ دیا ہے راضی سے کرے گا تو فائدے میں رہے گا اور اگر راضی سے نہیں کرے گا تو نہ تیرا پریوار رہے گا نہ یہ مندر اور تو کسی سڑک پر پڑا بھیک مانگ رہا ہو گا۔

یاد رکھ کہ میں بنتی نہیں کرتا حکم دیتا ہوں اور بار بار نہیں کہتا تو اپنی مرضی بتا، کرے گا کام کہ نہیں کرے گا مگر جواب دینے سے پہلے سوچ لے غور کر لے۔ ایک طرف دھن ہے دنیا کی موج ہے تو دوسری طرف بربادی ہے تیری اور تیرے پریوار کی پرکھوں کی بنائی عزت کی بربادی ہے دنیا کی تھوتھو ہے خوب غور کر لے اور پھر جواب دے۔" میں سپاٹ آواز میں بولا۔

پجاری گردن جھکا کر بیٹھا رہا اور خیالات کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ "یہ کس گھتنا میں پھنس گیا ہوں کہ دیوی نے مجھے اتنی بڑی سمسیا میں ڈال دیا۔ میرے پریوار کا کیا گناہ ہے کہ وہ بھی لپیٹ میں آ گیا یہ کون ہے اس میں کیسی شکتی ہے کہ ناری اس کو درکار ہوتی ہے۔

"کوئی ناری غائب ہو گی تو لوگ نہ کہیں گے کہ مندر سے غائب ہوئی ہے مجھ پر شک نہ کریں گے۔ یہ کب تک ہو گا ایک نہ ایک دن تو پتہ چل جائے گا پھر کیا ہو گا۔ اس کی سوچ یہاں تک پہنچی تھی کہ میری آواز اس کے کانوں میں آئی۔

"بات چھپی نہیں رہے گی ایک دن ضرور کھل جائے گی مگر تو ہمارا سیوک ہے تیرا کچھ نہ ہو گا۔"

"تو پھر میں آپ کی سیوا کرنے کو تیار ہوں۔" پجاری بولا۔

"شاباش تیرا جواب یہی ہونا چاہئے تھا۔ اب تو موج کر اور پربند کر جا۔"

"پجاری تھکے تھکے قدموں سے اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔"

رات کو پجاری ایک نوجوان کنیا کو ساتھ لے کر حاضر ہوا۔ اس لڑکی کی عمر زیادہ نہ تھی بہت ہو گی تو سولہ سترہ سال مگر بدن بھرا بھرا تھا چہرے پر جوانی اور شباب کی بہار تھی حالانکہ وہ اتنی حسین نہ تھی مگر جوانی اور بدن کے سڈول پن نے اس کو جاذب نظر بنا دیا تھا۔

پجاری بولا۔ "مہاراج یہ آج رات خدمت کرے گی سویرے مندر میں اس کا ہی کام ہے۔ سویرے تو آ جائے گی۔"

میں نے لڑکی پر نظر ڈالی تو اگلوتا نے کہا۔ "کہہ دے آ جائے گی ابھی مجھے ضرورت نہیں ہے۔" میں بولا۔ "اوش آ جائے گی تو فکر نہ کر۔"

اور پجاری گردن جھکا کر واپس چلا گیا۔

اور کھیل شروع ہو گیا۔ لڑکی نادان تھی کسی مرد سے اس کا واسطہ نہ پڑا تھا وہ مہاپرش کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اس کے پیر دبانے لگی۔ میں نے پوچھا "تیرا نام کیا ہے؟"

لڑکی بولی۔ "میرا نام چمپا ہے میں بچپن سے اس مندر کی سیوا کر رہی ہوں میرے پتا نے ناچ اسی خاطر سکھایا کہ میں گوری دیوی کے چرنوں میں جیون بتاؤں۔"

"دیوی نے تجھے اب تک کی خدمت کا کوئی انعام دیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میرے پتا سخت بیمار ہو گئے تھے میں نے دیوی سے پراتھنا کی کہ اچھے ہو جائیں تو وہ ٹھیک ہو گئے۔ اس

کے علاوہ میں نے اور کچھ دیوی سے نہیں مانگا میری ہر ضرورت دیوی پوری کر دیتی ہے ہم غریب لوگ ہیں پر دیوی کی کرپا سے دو وقت روٹی اور کپڑا مل جاتا ہے" چمپا نے بتایا۔

یہ سن کر میں ہنسا اور بولا۔" بس اتنی سی بات پر تو خوش ہو گئی دنیا میں روٹی اور کپڑے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے اچھا مکان ہے، دھن ہے، سواری کو گاڑی ہے، نوکر چاکر اور زمین جائیداد ہے۔" اور تو ہے کہ دو روٹی کھا کر دیوی کی خدمت میں زندگی گزارنے کی بات کرتی ہے، ارے دیوی کو دینا ہوتا تو تو آج غریب نہ ہوتی رانی بنی کسی حویلی میں بیٹھی ہوتی۔"

"یہ تو بھاگ کی بات ہے مہاراج۔" چمپا نے جواب دیا۔

"منش اگر کوشش اور محنت کرے تو بھاگ بھی بدل جاتے ہیں۔" میں بولا۔

"میں دیوی کی خدمت کو محنت اور اپنی کوشش سمجھ کر کرتی ہوں شاید آگے کچھ اچھا ہو۔" چمپا بولی۔

"میں بتاتا ہوں آگے تیرے لئے بہت اچھا ہے مگر اس اچھے وقت کو قریب لانے میں بھی تیرا ہاتھ ہے مہاپرشوں کی تو جتنی خدمت کرے گی پھل پائے گی میں تیرے سامنے ہوں بول تجھے کیا چاہئے جو تیری دیوی نہ دے سکی میں دوں گا اس لئے میں وہ ہوں جس کو تیرے دھرم کے لوگ ناستک بے دھرمی کہتے ہیں ارے کچھ نہیں ہے اس دیوی میں وہ کیا دے گی۔"

"ہائے بھگوان۔" کہہ کر چمپا کھڑی ہو گئی۔ تو میں بولا۔

"بیٹھ جا آرام سے اور سن کہ میں اتنی بات کسی ناری سے نہیں کرتا تیرے نصیب ہیں کہ میں اتنی بات کر رہا ہوں میں تیری ہر خواہش پوری کر دوں گا اس لئے تیری کوئی بات ہے جو مجھے اچھی لگ رہی ہے۔"

اگلوتا نے کان میں کہا۔" بڑی لن ترانی کر رہا ہے آج کیا بات ہے، خیر میں جاتا ہوں کچھ کام کرنے ہیں۔"

اور پھر چمپا پیروں سے بستر پر آ گئی اور اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

اور میں نے پور پور اس کو پی لیا بہت عرصہ کے بعد مجھے اتنی اچھی مدھرا پینے کو ملی چمپا کے بدن کا ہر عضو ایک جام تھا اور میں ہر جام کو بڑی رغبت اور شوق سے پی رہا تھا، سویرا ہو گیا اور پجاری نے دروازے پر دستک دی۔ میں سو گیا تھا چمپا نے دروازہ کھولا اور بولی۔" میں نہیں ناچ سکتی میں گھر جاؤں گی۔"

پجاری نے کہا۔" مگر آج تو تیرا ہی کام تھا پوجا تیری بنتی سے ہونا تھی۔"

"مگر میں اب کسی کی بنتی نہیں کروں گی بہت بنتی میں نے کر لی مجھے کیا ملا وہی دو روٹی اور اس کی بنتی کروں گی جو مجھے اور میرے پریوار کو خوش حالی دے گا۔" چمپا نے کہا۔

"ارے کیا کہہ رہی ہے دیوی ناراض ہو گئی تو تیرے ساتھ بہت برا ہو گا، ایسی بات زبان پر نہ لا مورکھ۔" پجاری بولا۔

"میں اور میرا پریوار، میرا باپ، بھائی، ماتا جی دیوی کے چرنوں میں پڑے ہیں دیوی کو ہماری حالت پر رحم نہ آیا دیوی کی خدمت کرتے صدیاں گزر گئیں ہیں کوئی تو انت ہو۔" چمپا بولی۔

پجاری بولا۔" ارے تو کیا ناستک ہو گئی ہے دھرم سے ہٹ گئی ہے۔"

"تم کچھ کہو میں نے کہہ دیا کہ میں اب اس مندر میں کبھی نہیں آؤں گی۔ اب میں گھر جا رہی ہوں۔" اور چمپا تیزی سے گیٹ کی طرف چلی گئی۔

پجاری حیرت سے اس کو جاتا دیکھتا رہا کہ یہ تو دیوی کی دیوانی تھی۔

"تو نے دیکھا میں نے چمپا کے دماغ میں بیٹھ کر اس کی زبان سے کیا کہلوا دیا۔" اگلوتا نے کہا۔

پجاری حیران رہ گیا۔ دیوی کی پجارن دیوانی اچانک دیوی سے پھر گئی اس کا اعتماد دیوی سے اٹھ گیا مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔" میں نے اگلوتا سے بولا۔

"تیری سمجھ اتنی نہیں ہے کہ تو دور کی بات سمجھ سکے ارے بے وقوف دھرم مذہب ہی تو خرابی کی جڑیں ہیں، اب یہ ہوگا اس کی شادی کسی اچھے گھرانے میں کراؤں گا اور وہ تیری غلام ہو جائے گی۔ پھر تو اس سے کچھ کام اپنی مرضی کے کرا سکے گا تیرے لئے میں راستے بنا رہا ہوں بے وقوف۔" اگلوتا نے کہا۔

"مگر اس غریب کی لڑکی سے کوئی بڑا آدمی کیوں رشتہ کرے گا۔" میں بولا۔

"پھر نادانی کا سوال تو میری شکتی کو کیوں یاد نہیں رکھتا۔" اگلوتا بولا۔

چمپا اس دن کے بعد مندر نہیں آئی مگر اس کا رشتہ ایک بہت بڑے زمیندار کا آ گیا۔

اور اس کی شادی ہوگئی اور وہ اپنے پتی کے گھر چلی گئی اس کے پریوار کو اتنا مل گیا کہ وہ خوش حال ہو گیا۔ چمپا کا پتی عمر میں بڑا تھا پہلی پتنی مر گئی تھی ایک لڑکی کی شادی ہو گئی تھی اور دولڑ کے تھے بڑا زمیندار تھا اور حویلی میں رہتا تھا حویلی شہر کے قریب تھی مگر زمین دور تھی چھوٹا بیٹا بنارس میں پڑھتا تھا اور کبھی کبھی باپ کے پاس آیا کرتا تھا۔

زمیندار حکم چند بڑے کروفر اور دبدبے والا زمیندار تھا اس کی بات سرکاری ایوان تک میں سنی جاتی تھی صحت بھی اچھی تھی مگر عمر نے اس کو چمپا کے سامنے دبا دیا تھا۔ چمپا پھر جوان اور کھلا ہوا پھول تھی اور اس پھول پر شبنم کے قطرے ایک مہا پرش نے چھڑک دیئے تھے اس کی جوانی اور اٹھان زمیندار حکم چند پر حاوی آ گئی تھی۔ حکم چند اس کے سامنے آتے ہی اس کا غلام بن جاتا تھا اور وہ اس کو اپنی مرضی پر خوب چلاتی تھی اس نے اپنے پریوار کے لئے بہت کچھ اس سے حاصل کر لیا تھا۔ زمیندار حکم چند صحت مند اور کھاتے پیتے گھرانے کا تھا مگر تھا تو عمر رسیدہ اس میں جوان مردوں والی بات تو نہ تھی پھر عورت کی فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس مرد کو نہیں بھولتی جو اس کی زندگی میں پہلی بار آیا ہو۔ یا درتلخ ہو یا شیریں یاد تو رکھتی ہے۔

چمپا کی زندگی میں پہلی بار جو مرد آیا تھا وہ خطرناک حد تک بھرپور تھا اس کو یاد رہنا ہی تھا دوسرا مرد جو اس کے نزدیک آیا وہ حکم چند تھا اور وہ عمر رسیدہ تھا۔ فرق تو تھا۔ حکم چند کا لڑکا وکرم چند بھرپور جوان تھا اور وہ زمینداری کے نشے میں تھا اس نے کم عمری کے زمانے سے باہر کی ہوا دیکھی تھی علاقے پر اقتدار اور حاکمانہ عادت نے اس کو بہت کچھ عیش کرائی تھی مگر آدمی ہوشیار تھا خود کو بھی گرایا نہیں تھا سب کچھ کرتا تھا مگر پردہ تھا لیکن زبان کو چاٹ تو لگ چکی تھی آدمی اس قماش کا ہو جائے تو اس کو دوست اور ساتھی اسی قماش کے دستیاب ہو جاتے ہیں۔

چمپا کو وہ ماتا جی کہتا تھا مگر لگتا یوں تھا جیسے اس کی آواز صرف اوپر سے آتی ہے دل سے وہ اس کو ماتا نہیں مانتا اور ماتا نہ ماننے کی وجہ صاف تھی۔ چمپا کا بدن اور جوانی کی چکا چوند ایسی تھی کہ کسی بھی مرد کے دماغ کو بہکا سکتی تھی وکرم چند تو پھر ایک کھلاڑی جوان تھا۔ چمپا کے قریب حویلی میں دو مرد تھے ایک کرم چند اور دوسرا وکرم چند۔

اگلوتا نے اس کا رجحان وکرم چند کی طرف کر دیا اور اس کی آتش شوق کو خوب بڑھکا دیا۔

کرم چند روزانہ رات نو دس بجے حویلی آتا تھا کبھی نہیں بھی آتا تھا۔

کرم چند چوپال میں اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ گزرے وقت کو یاد کیا کرتا تھا۔

وکرم چند رات دس بجے آ گیا تو چمپا نے خوب بناؤ سنگھار کیا اور تیر کمان بن کر وکرم کے دروازے پر دستک دی۔

وکرم نے پوچھا۔ "کون ہے؟ تو وہ بولی۔" میں ہو چمپا۔"

اندر سے آواز آئی۔ "اچھا ماتا جی۔" اور دروازہ کھل گیا۔ وکرم نے چمپا کی سج دھج دیکھی تو بولا۔ "آپ نے کیسے تکلیف کی مجھے بلوا لیا ہوتا۔"

چمپا بولی۔ "ایک ہی بات ہے۔"

"آؤ اندر آ جاؤ۔" اور وکرم نے چمپا کو اندر آنے کا راستہ دیا۔

چمپا بڑے نپے تلے قدموں سے کمرے میں آ گئی

اور مسہری پر بیٹھ گئی۔
وکرم نے کہا۔ ''کیا ضرورت پڑ گئی۔''
''ضرورت کیا ہوگی تم تو کھانے کے وقت نہیں ہوتے ایسے کیا کام ہیں کہ رات تک ختم نہیں ہوتے آخر گھر میں بھی لوگ ہیں کچھ وقت ہم کو بھی دیا کرو پتا جی کو دیا کرو۔'' چمپا نے بات آگے بڑھائی۔
''پتا جی کی آپ نے خوب کہی وہ چوپال میں اپنے دوستوں کے ساتھ مست ہوتے ہیں۔'' وکرم بولا۔
''اور میں جو گھر میں ہوتی ہوں کیا میں اتنی بری ہوں کہ تم کو ناگوار لگتی ہوں۔'' چمپا نے اداسی سے کہا۔
''ارے نہیں آپ تو ہزاروں میں ایک ہو ناگوار کیوں لگو گی۔'' وکرم نے داؤ مارا۔
''تو پھر دور دور کیوں رہتے ہو۔'' چمپا بولی۔
''بات اصل میں یہ ہے کہ تم ماتا لگتی نہیں ہو بس زبان سے ماتا کہنا پڑتا ہے۔'' وکرم نے کہا۔
''صرف زبان سے کہہ کر رشتہ نہیں بنتا جب دل سے اس رشتے کو قبول نہ کیا جائے۔'' چمپا نے پہلو بدل کر کہا۔
اس کے لہجے کا انداز ایسا دلربا اور ہیجان انگیز تھا کہ وکرم کی نگاہیں اس پر جم گئی تھیں۔ چمپا ایک ایسی مجسم شراب تھی جو وکرم کے حلق سے اترنے سے پہلے ہی نشہ کر گئی تھی۔
''ماتا نہ کہوں تو پھر اور تم کو کیا کہوں عمر میں تو تم مجھ سے بڑی ہو نہیں۔'' وکرم نے کہا۔
''تمہارا ماتا کہنا اچھا بھی نہیں لگتا تم میرا نام لے سکتے ہو۔'' چمپا نے کہا۔
''مگر یہ دنیا کو کب اچھا لگے گا۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔'' وکرم نے جواب دیا۔
''سب کے سامنے نام نہ لینا۔'' چمپا بولی۔
''ٹھیک ہے چمپا تم جو کہو گی میں کہوں گا۔ وکرم پر جوانی کا نشہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ چمپا کے جسم کے دلکش مناسب نشیب فراز اور نظروں میں دعوت اس کو بے چین کر رہی تھی وہ اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اگلوتا مسکرانے لگا۔
یہ سن کر میں نے اگلوتا سے کہا۔ ''تم نے ایسا کیوں کیا۔'' اگلوتا میرا سوال سن کر زور سے ہنس پڑا اور بولا۔
''ارے بے وقوف اور میں کیا کرتا میرا کام جو ہے وہ کیا یہی میرے لئے سب سے بڑی خوشی ہے کہ ان دونوں کو آلودہ کر دیا مضبوط رشتے کو گندہ کر دیا۔
''اور وہ مجھ سے دور ہو گئی تو۔'' میں بولا۔
''اب تجھے اس کی ضرورت کیا ہے ایک ہی چمپا ہے سنسار میں کیا۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔
''تو اس کا مطلب ہے میں بھول جاؤں۔'' میں بولا۔
''دیکھ میرا کام برائی کا بیج ڈالنا تھا وہ میں نے ڈال دیا اس کے بعد کتنی برائیاں خود بخود جنم لیں گی تو خود اندازہ کر تیرے لئے نہ ناری کی کمی ہے نہ دھن کی۔'' اگلوتا نے کہا۔
پجاری اپنا کام خوب کر رہا تھا۔ میں نے پجاری کو خوش حال بنا دیا تھا۔ پجاری حیران تھا کہ ایک دھوتی اور ننگا سادھو اس کو روز کچھ نہ کچھ دیتا ہے نظر تو اس کے پاس کچھ نہیں آتا پجاری میری شکتی کا قائل ہوتا گیا۔
اور یہ بات پھیلتی گئی کہ ایک مہا پرش مندر میں رہتا ہے کسی سے کچھ نہیں لیتا بلکہ دیتا ہے۔
میرے درشن کو لوگ آنے لگے صبح کی پوجا میں عورتوں کا رش رہنے لگا اور سارے دن ہی لوگ اس آس پر آتے کہ شاید درشن ہو جائیں مگر میں صرف صبح اور رات کو کچھ دیر کو مندر کے پوجا کے کمرے میں جاتا تھا۔ میرے جاتے ہی جے جے کار ہونے لگتی کچھ دیر کو لوگ گوری دیوی کو بھول جاتے یہ بات پجاری کو ناگوار تو لگتی تھی مگر اس کی زبان پر کبھی کوئی لفظ نہیں آیا اس کی وجہ دو تھیں ایک تو لوگوں کی آمد سے مندر کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوا تھا اور مندر کی آمدنی اس کی آمدنی تھی۔ دوسرے اس کے دل میں میرا خوف بھی تھا اس کے علاوہ میں اسکی بھی خوب مدد کر رہا تھا ہر طرف سے ایک کام کے بدلے دھن برس رہا تھا اگر اسکی زبان بند تھی تو کوئی انوکھی بات نہ تھی آخر پجاری

بھی اسی سماج کا آدمی تھا۔
پجاری بڑی ہوشیاری سے ان لڑکیوں کا انتخاب کرتا تھا جن کے خاندان ذرا کمزور ہوتے تھے اور اس طرح ان کو لاتا تھا کہ لڑکی کو بھی پتہ نہیں ہوتا تھا اب اس کے پاس دولت تھی وہ لڑکی پر خرچ بھی کرتا تھا کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی لڑکی کئی کئی دفعہ بھی آئی اور اس کو پجاری نے نہال کر دیا ابھی تک کوئی غائب نہیں ہوئی تھی اس کی وجہ اگلوتا کی احتیاط تھی وہ پہلے بنیاد بنا رہا تھا اور مجھے شہر بھر میں مشہور کر رہا تھا مجھے اتنا اوپر کر رہا تھا کہ کوئی میری طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کرے اور یہ کام خود بخود ہو رہا تھا۔
گوری کا بے نام، غیر معروف مندر مشہور ہو رہا تھا اور اس میں دور دور سے لوگ آنے لگے تھے۔ پجاری بھی اونچے مقام پر جا رہا تھا درشن کرنے آنے والے لوگ پجاری سے ہی رابطہ کرتے تھے اور پجاری اس رابطے کے پیسے کھرے کرتا تھا۔ اس نے ایک اور طریقہ ڈھونڈ نکالا تھا۔ مندر کی مرمت اور دیکھ بھال پر اور آدمی مقرر کر دیئے تھے دور سے آنے والوں کے لئے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ مندر کے چاروں طرف دور تک بازار نہ تھا مگر اب چاروں طرف ہر طرح کی دکانیں تھیں خوب رونق تھی، بھیڑ بھاڑ تھی، لوگ اس کو گوری دیوی کی مہربانی کہتے تھے۔ میں مہاپرش مشہور ہو گیا تھا میں لوگوں کو راشن دیتا تو لوگ میرے سامنے جھک جاتے اور دونوں ہاتھ جوڑتے میرے پیر چھوتے میں عورتوں کے جسموں پر ہاتھ پھیرتا اور خوش ہوتا۔ اگلوتا میرے کان میں سرگوشی کرتا۔
"دیکھ لے میں نے تجھے راجہ اندر بنا دیا ہے۔ کچھ دن جاتے ہیں کہ تیرے اشارے پر یہ اپنے کپڑے بھی اتار کر تیری نظر کر دیں گے۔ بول تو نے ایسا سوچا تھا، یہ بے وقوف قوم ہے، دھرم کے نام پر اس سے جو چاہو کرا لو اور دھرم بھی ایسا جس نے تیرے سر پر ہمیشہ جوتے برسائے تیری ماں کو پیر کی جوتی بنا ڈالا اسی لئے میں نے تیرا انتخاب کیا۔"
وقت گزرتا رہا میری تنہائی میں روز کنیائیں آتی رہیں جاتی رہیں۔
اور پھر اگلوتا کی بھوک جاگ گئی اور ایک کنیا گھر واپس نہ گئی اس کی کھوج ہوئی بات مندر تک آئی مگر کئی لوگوں نے گواہی دی کہ اس کو واپس جاتے انہوں نے دیکھا ہے اور پھر شہر میں تلاش ہوئی مگر اس کی لاش بھی نہ ملی اور پھر نا کام ہونے کے بعد مجھ مہاپرش سے بنتی کی گئی تو میں نے کہا۔
"جب منش کے دن اس سنسار میں پورے ہو جائیں تو اس کو جانا پڑتا ہے وہ گئی بس صبر کرو زیادہ کرید اچھی بات نہیں ہوتی اوپر والے کے کام میں منش کو دخل نہیں دینا چاہئے۔"
میری بات لوگوں کو بہت وزنی لگی اور بات ختم ہو گئی۔
بات دب گئی تو اگلوتا بہت خوش ہوا اور اس کی بھوک بڑھ گئی ایک مہینہ کے بعد پھر ایسا ہوا پھر شور ہوا پجاری ہی جانتا تھا کہ لڑکی کہاں سے غائب ہوئی ہے مگر اس کی زبان پر تالہ تھا پولیس کا پورا شک پجاری پر تھا پولیس نے پجاری کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار کرنے والا پولیس آفیسر ایک مسلمان تھا پجاری کی زبان بند تھی اس نے لڑکی کے بارے میں لاعلمی کا بیان دے دیا مگر پولیس آفیسر سلام نے اس کی ایک نہ سنی اور حوالات میں بند کر دیا۔
میں نے پریشانی میں کہا۔ "گر واس نے نام بتا دیا تو کیا ہوگا۔"
اگلوتا بولا۔ "ارے تو بڑا کمزور ہے کچھ نہیں ہوگا پجاری نہیں بتائے گا اس کی زبان پر تالے پڑے ہیں پولیس خود اس کو چھوڑ دے گی۔"
انسپکٹر عبدالسلام ایک نہایت دیانت دار اور دین دار مسلمان تھا وہ اپنے کام نہایت ایمانداری سے کرتا اور خدا اور اس کے بنائے راستے پر چل کر روزی حلال کرتا تھا۔ اس نے زندگی میں نہ خود حرام کھایا تھا اور نہ اپنے خاندان کو کھلایا تھا اس کی اس ایمانداری کے سب قائل تھے مگر پریشان بھی تھے۔ دنیا میں ہر مقام پر اچھے اور برے

انسان پائے جاتے ہیں نہ سب خراب ہیں نہ سب اچھے ہیں، اچھے اپنی اچھائی کا پرچار نہیں کرتے اور برے اپنی برائی کو ہر طرف پھیلاتے ہیں تا کہ ان پر انگلی اٹھانے والے نہ ہوں۔

انسپکٹر، سلام کو پورا یقین تھا کہ لڑکی مندر سے غائب ہوئی ہے اور اس میں پجاری کا ہاتھ ہے اور اگر ہاتھ نہیں تو پتہ ضرور ہے کہ لڑکی کہاں گئی ریکارڈ چیک کرنے پر پتہ چلا کہ اس سے پہلے بھی ایک واردات ہو چکی ہے۔

اس نے پجاری کو اپنے پاس عزت سے بٹھا کر پوچھا۔

''دیکھ پجاری میں نے اب تک بڑی انسانیت سے پوچھا ہے یاد رکھ کہ میرے اختیارات بہت ہیں میں ہر طرح سے پوچھ سکتا ہوں اس لئے بتا دے کہ اصلیت کیا ہے؟''

پجاری بولا۔'' میاں جی مندر میں تو عورتوں اور مردوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے میں کس کس کی خبر رکھوں گا کتنی عورتیں آئیں کتنی گئیں میں کیا بتاؤں۔''

''میں نے سنا ہے تیرے مندر میں ایک پہنچا ہوا شخص رہتا ہے اور اس کے آنے کے بعد ہی مندر میں رونق ہو گئی ہے مندر سے لڑکی غائب ہو گئی اور اس مہاپرش کو کچھ پتہ نہیں ارے اس کے ہوتے تو امن شانتی اور حفاظت ہوتی مگر دو لڑکیاں غائب ہوئیں اور اس کو پتہ نہیں ہے، کہیں یہ مہاپرش ہی تو یہ کام نہیں کر رہا۔'' سلام نے ڈائریکٹ سوال کر دیا۔

پجاری چونک کر بولا۔''ارے نہیں سرکار مہاپرش ایسا نہیں کرتے وہ تو اپنی گیان دھیان میں ہوتے ہیں دنیاداری سے ان کا کیا واسطہ وہ ان بکھیڑوں میں نہیں پڑتے ہیں۔''

''میں پولیس کا آدمی ہوں میرا کام شک کرنا ہے اس لئے میں ہر اس آدمی پر شک کروں گا جو اس مندر میں رہتا ہے یا اس سے کسی طرح کا واسطہ رکھتا ہے اور یہ بھی سن لے کہ میں وہ پولیس والا نہیں جو کسی لالچ میں آجاتے ہیں مجھ سے جو بات کرنا سوچ سمجھ کر کرنا میں پھر پوچھتا ہوں تیرے مندر میں وہ مہاپرش کب سے اور کہاں سے آیا ہے؟''

پجاری بولا۔'' آئے تو ایک سال ہوا ہے پر کہاں سے آیا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے پتہ نہیں نہ ہی میں نے پوچھا نہ ہی اس نے بتایا۔''

''اور تم نے اس کو مندر میں رکھ لیا، کوئی جرائم پیشہ بھی بھیس بدل کر آسکتا ہے۔''

''نہیں سرکار وہ جرائم پیشہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جرائم پیشہ چمتکار نہیں دکھا سکتا۔'' پجاری بولا۔

''اچھا تو اس نے کیا چمتکار دکھا دیا ہے۔'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''سرکار وہ جب آیا تھا اس کے بدن پر صرف ایک دھوتی تھی اور کوئی سامان اس کے پاس نہ تھا اور آج بھی اسی طرح ہے اس کے پاس روپے کہاں سے آتے ہیں جبکہ وہ کہیں جاتا نہیں مندر کی ضرورت اور میری ضرورت پوری کرتا ہے۔'' پجاری نے کہا۔

تم کیا رات بھر اس کی پہرے داری کرتے ہو۔'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''میں نہیں کرتا مگر اور لوگ کرتے ہیں آج تک وہ رات میں کوٹھری سے باہر نہیں آیا ہے۔'' پجاری نے وکالت کی۔

انسپکٹر کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔'' میں تیری بات پر یقین نہیں کرتا۔ میں خود اس کی دیکھ بھال کروں گا مگر تو حوالات میں ہی رہے گا۔''

اور انسپکٹر نے اپنے دو آدمی پہرے داری پر مندر بھیج دیئے مگر ایک ہفتہ کے بعد ہی رپورٹ ملی جو کہ پجاری نے کہا تھا۔

انسپکٹر پر اوپر سے بوجھ پڑ رہا تھا تحقیقات کی گاڑی اٹکی ہوئی تھی انگریز آفیسر انسپکٹر پر بھروسہ کرتے تھے مگر جواب چاہتے تھے۔

اب انسپکٹر کے پاس صرف ایک راستہ تھا کہ شک کی

بنیاد پر مجھ کو گرفتار کرے اور پجاری پر سختی کرے یہی آرڈر اس کو اوپر سے بھی آئے تھے اور اس نے ان پر عمل کرتے ہوئے ایک رات مندر میں چھاپہ مار دیا اور کوٹھری سے مجھ کو گرفتار کر لیا۔ میں کوٹھری میں اکیلا تھا اگلوتا نے میرے کان میں کہا۔ "فکر نہ کر تیرا یہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

مجھ کو حوالات میں بند کر دیا گیا اس وقت بھی میں صرف ایک دھوتی میں تھا۔ میں نے کہا۔ "انسپکٹر تجھے سخت غلط فہمی ہوئی ہے تو نے مجھے کیوں بند کیا ہے؟"

"اس لئے بند کیا ہے کہ تو کوئی چمتکار مجھے دکھائے میرا نام انسپکٹر عبدالسلام ہے میں بہت بدنام پولیس والا ہوں مجرم کے علاوہ میرے ساتھی بھی مجھ سے بہت معاملات پر ڈرتے ہیں۔"

"میرے خلاف تیرے پاس کیا ثبوت ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے ثبوت کی ابھی ضرورت نہیں شک تو ہے اور پولیس کی گاڑی شک کے پہیوں پر چلتی ہے اور جب گاڑی آگے چلے گی تو ثبوت بھی مل جائیں گے۔"

انسپکٹر کے جانے کے بعد میں نے اگلوتا سے کہا۔ "یہ انسپکٹر مسلمان ہے۔"

"ہاں! اس کی اکڑ اور اعتماد بھی بتاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے اگر یہ مسلمان نہ ہوتا تو گرفتار کرتا ہی نہیں اور تیرے چرن چھو کر آشیر باد طلب کرتا۔ بات ذرا الجھاؤ کی آ گئی ہے تو یہاں رہ میں راستہ تلاش کرتا ہوں۔" اگلوتا نے کہا۔

رات بھر میں حوالات میں بند رہا سویرے انسپکٹر عبدالسلام میرے پاس آیا اور بولا۔

"دیکھ سادھو مجھے یقین ہے کہ لڑکیوں کو غائب ہونے میں مندر کے کسی آدمی کا ہاتھ ہے اس لئے تو بتا تیرے خیال میں وہ کون ہو سکتا ہے؟"

میں بولا۔ "تو نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے سادھو سنت آدمی ہوں دنیاداری اور ان معاملات سے بہت دور ہوں مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں ہے۔ میں کیا بتاؤں؟"

"دوربین سے دور کی چیزیں قریب نظر آ جاتی ہیں اور میرے پاس سرکار کی دوربین ہے تیری دھوتی میں تو جیب نہیں ہے پھر پجاری کو اور مندر کو تو روپے دیتا ہے تیرے پاس ان روپوں کو حاصل کرنے کا کیا ذریعہ ہے یہ تو تجھے پتہ ہے مجھے اس ذریعہ کا بتا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"یہ تیری سمجھ سے بہت اوپر کی باتیں ہیں سرکاری وردی قانون سکھاتی ہے، دنیا میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ تیرے قانون کی کتاب تجھے نہیں سکھا سکتی میرے پاس رقم کہاں سے آتی ہے، اس طرف دھیان نہ کر اور بول تجھے کتنی رقم درکار ہے۔ ابھی اور اسی وقت مل جائے گی۔ کون لائے گا تجھے احساس تک نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں پولیس والا ہوں تیری شعبدے بازی مجھ پر اثر نہیں کرے گی اور یاد رکھ رشوت دینے کا ایک جرم تیرے سر اور لگ جائے گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"تو لاکھ جرم میرے سر پر لاد دے مجھے پروا نہیں اور یہ تیرے حوالات اور پہرے داری میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی میں تیرے ساتھ صرف اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے آ گیا ورنہ تو کیا اور تیری حیثیت کیا ہے میں جب چاہوں، جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"دیکھ سادھو میں نہیں جانتا کہ تیرے پاس کیا شکتی ہو سکتی ہے مگر تیری بدقسمتی یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں اگر میری جگہ پر کوئی ہندو آفیسر ہوتا تو شاید تیرے چرن چھو کر پرنام کرتا مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں کسی پتھر کے آگے سر نہیں جھکاتا۔ میں ہر قانونی قدم اٹھاؤں گا کیونکہ لڑکیوں کی موت کا معاملہ ہے، میں بھی کہیں جواب دیتا ہوں، میں کسی کے مذہب میں ٹانگ نہیں پھنساتا کسی کو برا نہیں کہتا مگر اپنے اصولوں کا پختہ ہوں اس لئے تو سوچ لے اور پھر فیصلہ کر تجھ کو میرے سوالات کے جواب

دینے ہیں میں ٹھوس جواب چاہتا ہوں ہوائی جواب میں تسلیم نہیں کروں گا تجھ کو بتانا ہو گا کہ تو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور آبائی شہر کون سا ہے۔ تیرے ماں باپ کون ہیں، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کو یہ سب بتانا ہو گا۔"

"بہت دور کی باتیں کرتا ہے آفیسر مگر تو میرا کچھ نہیں کر پائے گا۔" میں بولا۔

ہاں میں کچھ نہیں کروں گا میرا کام بیان تک ہے جہاں تک کروں گا اس کے بعد قانون کرے گا۔ میں قانون سے باہر ہیں ہوں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"تیرا اور انگریز سرکار کا قانون میرے پیروں میں بیڑی نہیں ڈال سکتا، روک نہیں سکتا، میں آزاد پنچھی ہوں آزاد ہی رہوں گا غور سے سن لے۔" میں غرور سے بولا۔

انسپکٹر سلام نے میرا بیان تحریری طور پر لیا اور اعلیٰ آفیسر کو روانہ کر دیا۔ اس کے بعد حوالات پر پہرہ سخت کر دیا اور مجھ سے مسلسل پوچھ تاچھ کرتا رہا مگر کوئی کام کی بات نہ پوچھ سکا۔

اگلوتا نے چار دن کے بعد مجھ کو رپورٹ دی۔

"یہ انسپکٹر میری معلومات کے مطابق خطرناک ہے تیرے لئے بھی اور میرے لئے بھی اس لئے کہ یہ نرا پولیس والا نہیں ہے اس نے تیرے بات کرنے ہی حوالات کے اندر اور باہر دروازے پر ایسا کچھ کر دیا ہے کہ میں تجھے باہر نہیں لے جا سکتا یہ میرے ساتھ پہلی بار ہوا ہے۔ میں اس چیز سے خود کو بچاتا تھا مگر تو فکر نہ کر یہ کیس بنائے گا اور پھر عدالت میں تجھے کھڑا کرے گا اور عدالت کی گاڑی گو ہوں اور ثبوت سے آگے بڑھتی ہے میں اس گاڑی کو توروک سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ میں حوالات میں بند رہوں گا۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ تو پریشانی ہو گی میں تیری مدد یہاں پر نہیں کر سکتا۔" اگلوتا نے جواب دیا۔

اعلیٰ افسران کے آرڈر آ گئے کہ کسی بھی طرح اس کیس کے مجرم کو عدالت میں لایا جائے اب انسپکٹر کو یہ کام ختم کرنے کی جلدی تھی وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا۔

"سادھو تو نے میرا طریقہ کار دیکھا میں نے تیرے ساتھ سختی نہیں کی ہے مگر تو یہ نہ سمجھنا کہ میں نہیں کر سکتا اب بھی وقت ہے کہ سچ بات زبان پر لے آ۔"

میں نے جواب دیا۔ "تیرے وہم کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔"

"اچھا اب تو اپنے بارے میں بتا کہ تو کون ہے؟"

"اپنے بارے میں میں بھی نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کسی درخت پر لگا تھا یا زمین سے اُگا تھا۔ سلام نے کہا۔

"تو ایسا ہی سمجھ لے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں یہ نہ سمجھ لوں کہ تو نے ہی دونوں لڑکیوں کو غائب کیا ہے۔" انسپکٹر سلام نے چونکا دینے والا سوال کیا۔

"سمجھ لے خوب سمجھ لے پر اس کے لئے تجھے ثبوت پیش کرنا ہوں گے۔" میں بولا۔

"جب میں سمجھ لوں گا تو ثبوت بھی آ جائیں گے۔" انسپکٹر بولا۔

"تو پھر جمع کر ثبوت اور ثابت کر دے۔" میں بولا۔

یہ رپورٹ بھی اعلیٰ حکام کے پاس چلی گئی اور وہاں سے ایک آدمی آ گیا اس نے میرے ساتھ وہ کیا جو انسپکٹر سلام نے نہیں کیا تھا مگر میری زبان بند رہی۔

اب انسپکٹر سلام پجاری کی طرف رجوع ہوا۔ اور پجاری ایک دن کی سختی کے بعد بول پڑا۔

"بس سرکار میں بتاتا ہوں کہ یہ سادھو کہاں سے آیا ہے اس نے نہیں بتایا پر اس کے پاس کچھ ایسی شکتی ہے کہ میں اس سے پوچھنے کی ہمت نہ کر سکا اور رہنے کو میں نے کوٹھری دی اس کے بعد اس نے کہا۔ "میں اس کے لئے کنیاؤں کا پربند کروں روزانہ رات کو اس کے لئے، اس نے مجھے بڑی بڑی رقمیں دینا شروع کر دیں۔ میں

ضرورت مند تو تھا میں نے لڑکیاں اس کے پاس پہنچانی شروع کر دیں اور یہ ان کو بھی رقم دیتا تھا میں لڑکیاں روپے کے لالچ میں لاتا تھا تا کہ وہ کسی کو بھی کچھ نہ کچھ بتا ئیں اگر بات اتنی ہی ہوتی تو شاید میں حوالات میں نہ ہوتا اصل بات یہ تھی کہ اس نے کہہ دیا تھا کبھی کوئی کنیا واپس نہ آئے تو بھی میں اپنی زبان بند رکھوں اور بات کو دباؤں اس کے ماتا پتا کو دے دلا کر خاموش کروں اسکا نام زبان پر نہ لاؤں مگر اب میں اور سختی برداشت نہیں کرسکتا میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے سادھو کے دباؤ اور لالچ میں اس کے لئے کنیاؤں کا پر بند کیا تھا اس کا ساتھ دیا تھا اور جو دو لڑکیاں غائب ہوئیں ان کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئیں مر گئیں یا زندہ ہیں۔''

پجاری کا یہ بیان بڑا اہم تھا۔ پجاری کے ساتھ مندر کے خدمت گار نے سادھو پر اس قسم کے شک کا اظہار کیا تھا وہ مضبوط گواہ انسپکٹر کے پاس تھے اعلیٰ حکام نے انسپکٹر کی کارکردگی کی تعریف کی اور کیس بنا کر عدالت میں پیش کر دیا۔

مگر عدالت میں میرا کچھ نہ ہوا۔ کیس ایک دم پلٹ گیا پجاری اور خدمت گار دو گواہ ایسے تھے جن کے بیان پر فیصلہ ہونا تھا مگر عدالت میں انہوں نے بیان دیا کہ پولیس کی مار اور تشدد سے بچنے کو انہوں نے پولیس کی مرضی کا بیان تھانے میں دیا تھا سادھو مہاراج کا تعلق لڑکیوں کے معاملے سے ذرا نہیں ہے دو تین پیشیاں ہوئیں اور میں عزت کے ساتھ رہا ہو کر مندر میں آ گیا پجاری بھی چھوٹ گیا۔

مندر میں میری جے جے کار ہوگئی۔

انگلوتا نے مجھ سے کہا۔ ''دیکھ میں نے کہا تھا نہ کہ تیرا کچھ نہیں ہوگا۔ تھانے میں بندش تھی مگر عدالت میں میں آزاد تھا میں نے دونوں گواہوں کے دماغ کو اور زبان کو اپنی مرضی سے استعمال کرلیا اور تو رہا ہو گیا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آفت ٹل گئی ہے۔

وہ انسپکٹر بڑا ضدی ہے، پجاری اور تجھے نہیں چھوڑے گا۔ اس کے آدمی مندر میں موجود ہیں اور پل پل کی خبریں لے رہے ہیں یہاں کسی وقت بھی وہ پھر ہاتھ ڈالے گا۔

پجاری اس کی نظر میں ہے اب وہ میرا کام بھی نہیں کرسکتا اس لئے یہ جگہ خطرناک ہوگئی ہے اب یہاں سے جانا ہوگا اگر یہ انسپکٹر مسلمان نہ ہوتا تو میں اس کا بندوبست کر دیتا مگر اس کو میں کنٹرول نہیں کرسکتا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں ان لوگوں سے محتاط رہتا ہوں۔''

یہ سن کر میں بولا۔ ''ایسی خطرے والی جگہ پر میں خود نہیں رہنا چاہتا۔''

''جانے میں بھی احتیاط کرنا ہوگی اشارہ کروں گا تب نکلنا ہے اس لئے کہ سادہ لباس کے پولیس کے جاسوس نظر رکھے ہوئے ہیں رات کے وقت جب موقع ہوگا نکلیں گے پھر بھی میں ان کو اندھا کروں گا تا کہ تجھ پر کسی کی نظر نہ پڑے۔''

اور میں آدھی رات کے وقت نہایت صفائی سے مندر سے نکل گیا کسی پولیس والے کی مجھ پر نظر نہ پڑی یہ بات بھی ایک حیرت انگیز تھی مگر میرے جاتے ہی پجاری کو پھر گرفتار کرلیا اور اس نے تھانے میں دیا گیا بیان پھر دیا اور کہا کہ عدالت میں، میں نے کیا بیان دیا مجھے نہیں پتہ میری زبان پر کسی آتما کا کنٹرول تھا اور دماغ بھی بے قابو تھا۔ یہی کچھ دوسرے گواہ نے بھی کہا مگر عدالت نے ان دونوں کو سزائیں سنا دیں اور سادھو کی تلاش کے آرڈر دے دیئے۔ مگر سادھو شہر میں کب تھا وہ راتوں رات شہر چھوڑ گیا تھا۔''

رات بھر سفر کے بعد میں ایک ریلوے اسٹیشن پر کھڑا تھا اور جو گاڑی پہلے آئی میں اس میں سوار ہوگیا اور رات سفر کے بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر ختم ہوگئی سفر میں ٹکٹ چیکر آتے رہے مگر مجھ سے کسی نے ٹکٹ نہیں مانگا۔ اور میں بڑے اطمینان سے اسٹیشن سے بھی باہر آ گیا۔ میرے جسم پر اب بھی وہی لباس تھا۔

انگلوتا بولا۔ ''اب تو اس بھیس کو بدل ڈال کیونکہ تیرا

سادھووالاکردار ختم ہوا۔''

''تواب میں کیا ہوں؟''

''اب تو بس ڈرائیور ہے اس کام میں بھی نگری نگری کی سیر ہوتی ہے اور تیرا اور میرا کام ہو سکتا ہے۔''

''مگر میں نے تو گاڑی چلائی نہیں اور نہ میرے پاس اجازت نامہ ہے۔'' میں بولا۔

''میں سب انتظام کر دوں گا تو اپنا حلیہ بدل لے۔'' اگلوتا نے کہا۔

اب میرا قیام ایک سرائے میں تھا۔ یہ تو مجھ کو پتہ چل گیا تھا کہ میں امرتسر شہر میں تھا یہ ایک بڑا شہر ہے ایک ہفتہ تک میں ایک ڈرائیور کے ساتھ رہا اس سے گاڑی چلانے کی ٹریننگ لیتا رہا اس کا انتظام بھی اگلوتا نے کیا اور اس کے بعد مجھ کو میرے نام کا پرانی تاریخ کا اجازت نامہ بھی مل گیا یہ کارنامہ بھی اگلوتا کا تھا۔

امرتسر سے بڑی دور دور لاریاں جاتی تھیں مجھ کو بھی ایک لاری مل گئی اس کا مالک ایک سردار جیون سنگھ تھا اور نہایت ہی کنجوس ہر پھیرے کا حساب رکھنے والا بندہ تھا مگر جلدی ہی میں نے اس کو رام کر لیا کیونکہ وہ پہلے ڈرائیور سے زیادہ کما رہا تھا۔

اگلوتا نے تین ماہ کے بعد کہا۔ ''دیکھ اب تو اس کام میں سیٹ ہو گیا ہے اب کے تیرا پھیرا دلی کی طرف ہے دلی بہت بڑا شہر ہے وہاں پر تیری گاڑی خراب ہوگی اور تو وہاں رکے گا اور دلی کے باہر قیام کرے گا اس لئے تیری گاڑی وہاں مرمت ہوگی۔

اس جگہ ایک ہی گیراج ہے اس گیراج کا مالک کاشی رام ہے اور اس کی پتنی آفت کی پڑیا ہے کاشی رام اس سے ڈرتا ہے اس کے کہنے پر چلتا ہے۔ تو اس پر خوب خرچہ کرنا اور اس کے گھر تک پہنچ جانا اور اپنا کام کرنا اسکے بعد میرا بھی۔''

''گرو تم کو اتنی معلومات کب پتہ چلیں؟'' بولا۔

''میں اگلوتا ہوں میری بات یاد رکھا کر مگر تو بھول جاتا ہے۔'' اگلوتا نے کہا۔

''معاف کرنا گرو میں بھول گیا تھا۔''

دلی کے مضافات میں، میں نے گاڑی روک دی اور ساتھی کلینر سے کہا۔ ''اب آگے نہیں جائے گی، گیراج دیکھ گاڑی مرمت کرنا ہوگی۔''

گیراج تو ایک ہی تھا اور اس کا مالک اور مکینک کاشی رام تھا۔ کاشی رام نے کہا۔

''کام تو ہو جائے گا کچھ سامان لانا ہوگا اور وقت بھی لگے گا تم کو جلدی تو نہیں ہے۔''

میں نے دو سو روپے دے کر کہا۔ ''اس سے کام چل جائے گا کہ اور دوں۔''

کاشی رام دو سو روپے دیکھ کر خوش ہو گیا اور بولا۔ ''بہت ہیں۔''

میں بولا۔ ''ایک بات کروں اگر تو برا نہ مانے۔''

روپے پا کر کاشی رام موج میں تھا بولا۔ ''ارے یار تو دس کر برا کیا ماننا۔''

''میں گھر سے دور ہوں میری جورو مجھے کھانا باندھ کر دے دیتی ہے تاکہ میں بازار کا نہ کھاؤں مگر میرا کلینر کھا گیا، میں بازار کا تو کھا نہیں سکتا دو ایک دن رکنا پڑا تو کیا کروں گا۔ تو کچھ انتظام کر سکتا ہے روپے پیسے کی فکر نہ کرنا میں دوں گا۔''

کاشی رام سمجھ چکا تھا کہ میرے پاس بہت مال ہے۔ میں ترنت بولا۔

''ارے لے اس میں فکر کی تو ضرورت ہی نہیں میرا گھر قریب ہی ہے پر کلینر کا کیا کرے گا۔''

''وہ ہوٹل میں کھائے گا اور گاڑی میں سو جائے گا۔'' میں بولا۔

''تو ٹھیک ہے شام کو ساتھ چلنا ابھی تو میں سامان کی فکر کرتا ہوں۔'' کاشی رام نے کہا۔

''ہاں یہ بہت ضروری ہے خرچ کی چنتا مت کرنا اور لے لینا۔'' میں نے کہا۔

کاشی رام نے دل میں کہا۔ ''ہاں بیٹا لوں گا تو ضرور موٹا مرغا ہے۔''

کاشی رام لالچی آدمی تھا روپے کی ضرورت اس کو ہر وقت رہتی تھی اس کی وجہ اس کی گھر والی تھی وہ روزانہ اس کی جیب جھاڑ لیا کرتی تھی اس کے اخراجات کاشی رام پورے نہیں کرتا تھا اور اس کی بیوی کوشل اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھتی تھی۔

بات اصل میں یہ تھی کہ کاشی رام کے مقابلے میں وہ بہت خوبصورت تھی اس کے سامنے کاشی رام اس کا ملازم لگتا تھا جبکہ کوشل ہر وقت بنی ٹھنی رہنے کی عادی تھی اس کی ایک وجہ تھی اور وہ وجہ پنڈت گردھاری تھا جو کہ قریب میں رہتا تھا اور کوشل کا یار تھا۔ پنڈت کا پیشہ کالا پیلا اور سفلی علم تھا اس کے ذریعہ وہ لوگوں کو متاثر کرتا تھا چھوٹے موٹے کام کرتا تھا اور کماتا تھا۔

کاشی رام تو کوشل کی آڑ تھا جس آڑ کے اندر وہ کھیل کھیلتی تھی نہایت ہوشیار اور کھائی کھیلی عورت تھی۔ اگلوتا نے ایک روز میں ہی کوشل کے بارے میں تمام معلومات مجھ کو بتا دیں اور کہا۔ ''تیرا کام تو ہو جائے گا مگر میں ایسی گندی عورت کا کیا کروں گا کچھ اور کرنا پڑے گا۔''

کاشی رام کے ساتھ میں اس کے گھر چلا گیا تو کوشل نے پوچھا۔

''یہ آج تو اپنے ساتھ کیا پخ لگا لایا ہے۔''

مجھ کو اگلوتا نے عورت کی پوری پہلے ہی بتلا دی تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ کس طرح میرا استقبال کرے گی اس لئے خاموش رہا۔

کاشی رام بولا ''ارے بھاگوان گھر آئے مہمان کو ایسا نہیں بولتے۔''

کوشل بولی۔ ''تو اور کیا کہوں خرچ بڑھے گا میرے کام بڑھیں گے۔''

''ارے خرچ کی تو فکر نہ کر بہت دیالو آدمی ہے بات یہ ہے کہ بازار کا یہ کھاتا نہیں اس کارن آ گیا ہے اس کی گاڑی گیراج میں کھڑی ہے کام کر رہا ہوں ایک دو دن کی بات ہے۔''

کوشل بولی۔ ''چل لے آیا ہے تو برداشت تو کرنا ہوگا۔ اس کا نام کیا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟''

میں بولا۔ ''میرا نام دیا رام ہے اور امرتسر سے گاڑی لے کر آیا ہوں۔''

''پر تو سکھ تو نہیں لگتا تو پھر یہ کیس (بال) کا ہے نہیں کٹاتا۔'' کوشل بولی۔

''کیا کروں سکھوں کے ساتھ رہتے رہتے عادات سی پڑ گئی ہے۔'' میں بولا۔

''اچھی عادت ہے اچھی بھلی شکل کو بگاڑ رکھا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تو شکل کسی سے چھپا رہا ہو۔'' کوشل بولی۔

میں نے دل میں سوچا عورت خطرناک ہے بات کی تہہ تک فوراً جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ بولا۔ ''تجھے میری شکل اچھی نہیں لگی تو حجامت کروا لوں گا۔''

کوشل ہنس پڑی اس کے خوبصورت دانت نظر آنے لگے اور ہنسی کے دوران وہ اور خوبصورت مجھ کو لگی تو میں بولا۔ ''میری کس بات پر ہنس رہی ہے۔''

''تیری نادانی پر ارے تو ڈرائیور ہے۔ ڈرائیور، تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر بڑے چنٹ ہو جاتے ہیں اور تو میری بات اتنی جلدی مان گیا۔''

میں بولا۔ ''تیری بات کون نہیں مانے گا اور پھر تو نے کچھ غلط بھی نہیں کہا۔''

''چل ٹھیک ہے بول کیا کھائے گا۔'' کوشل نے پوچھا۔

''کچھ بھی کھلا دے تیرے ہاتھ کا سب کچھ اچھا ہی ہوگا۔'' میں بولا۔

''اب میں اتنی بھی اچھی نہیں ہوں۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔

''آدمی کی اچھائی، برائی اس کو خود کہاں نظر آتی ہے اس کا فیصلہ تو دوسرے کرتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ بات تو نے سمجھ داری کی کی ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

"تجھے میری کوئی بات تو اچھی لگی۔" میں نے جواب دیا۔

کاشی رام بولا۔ "اب کچھ پیٹ پوجا کا انتظام بھی کر لے یا بات ہی کرتی رہے گی۔"

"تو فکر نہ کر میں کر لوں گی تو اپنی فکر کر اور دوڑ کر گھی لے آ! اچھا دیکھ بھال کے لانا آلو کے پراٹھے بناؤں گی گرم گرم اور اس کے ساتھ مونگ پھلی کی چٹنی اور ساگ، تیرا مہمان بھی کیا یاد کرے گا۔"

میں بولا۔ "واہ واہ بہت دن سے اصلی گھی کے آلو کے پراٹھے بھی نہیں کھائے۔"

"تو پھر آج کھا لینا بار بار آئے گا۔" کوشل نے ایک ادا سے کہا۔

کاشی رام اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "لے پھر میں لاتا ہوں بڑھیا سا گھی اور تو منہ ہاتھ دھو کر ذرا اپنی شکل ٹھیک کر لے اور سن یہ جو میری جورو ہے نا بڑی منہ پھٹ ہے اس کی بات کا ذرا بھی خیال نہ کرنا یہ اس کی عادت ہے۔"

میں بولا۔ "میں نے کب برا مانا ہے۔"

کوشل بھی اٹھ کر رسوئی میں چلی گئی اس کے جانے کے بعد میں نے سوچا عورت تو کڑوی ہے مگر اس کا بدن کڑوا نہیں یہ کاشی رام اس کا کیا بگاڑتا ہوگا خوب جوڑی ہے۔

کاشی رام کچھ دیر میں گھی لے آیا اور رسوئی سے پراٹھوں کی خوشبو آنے لگی...... پہلے بھوک بڑھ گئی کچھ ہی دیر میں کوشل چنگیری میں گرم گرم پراٹھے اور ایک ہنڈیا میں چٹنی لے کر آ گئی اور بولی۔

"لے کھا گرم گرم، کھائے گا تو ہضم بھی جلدی ہوں گے اور مزا بھی زیادہ آئے گا۔"

اور تو بھی بیٹھ جا۔" وہ کاشی رام سے بولی۔ "میں گرم لاتی جاؤں گی۔"

دونوں پراٹھوں سے انصاف کرنے لگے۔ میں بولا۔ "تیری جورو کے ہاتھ میں سواد بہت ہے۔"

کاشی رام بولا۔ "بس ذرا زبان کی تیز ہے ویسے ہزاروں میں ایک ہے۔"

"ارے زبان کا کیا ہے برداشت کر لیا کر۔" میں بولا۔

"کرتا ہی ہوں نہ کروں تو اور کیا کروں گا۔"

کھانے کے بعد کاشی رام بولا۔ "اب میں تو جاتا ہوں تیری گاڑی پر بتی جلا کر کام کروں گا اور تیرے کلینر کی روٹی پانی کا انتظام کروں گا اور تو اس کھاٹ پر سو جانا۔ تیرا بستر لائے دیتا ہوں۔"

میں کھاٹ پر لیٹ گیا تو اگلو تا نے کہا۔ "اب وہ تیرے پاس آئے گی اور اگر نہ آئے تو آواز دے کر بلا لینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ساتھ ہی اس کے ہاتھ پر رقم رکھ دینا۔ تیرا کام پکا۔"

چند منٹ گزرے تھے کہ کوشل آ گئی اور بولی۔ "کیسے لگے پراٹھے پیٹ بھرا کہ نہیں۔"

میں بولا۔ "پیٹ تو بھر گیا پر نیت نہیں بھری۔"

"اور نیت کس طرح بھرے گی۔" وہ ناک پر انگلی رکھ کر بولی۔

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے اس کی ہتھیلی پر رکھ کر کہا۔ "تو نیت بھرے گی تو بھرے گی۔"

کوشل نے نوٹ کو دیکھا اور مسکرا کر بولی۔ "میں تیری نظروں کے اندازے سمجھ چکی تھی کہ تو کس قسم کا مرد ہے عورت کو دیکھ کر تیری حالت بدل جاتی ہے۔"

میں ہنس کر بولا۔ "سب کو دیکھ کر حالت نہیں بدلتی۔ تیرے جیسی کوئی نظر آ جائے تو ایسا ہوتا ہے اور تیرے جیسی ہر جگہ تو نہیں ملتی۔"

"ارے مرد ذات کا کیا ہے جہاں بھوک لگی جورو کھی سوکھی ملی پیٹ بھر لیا اور آگے بڑھ گیا۔" کوشل بولی۔

"بھوک میں اور شوق میں بڑا فرق ہے پراٹھوں میں اور دال روٹی میں جو فرق ہے وہی فرق ہے۔"

"پیٹ تو دونوں سے بھر جاتا ہے مگر پراٹھے پھر پراٹھے ہیں۔" میں بولا۔

"باتیں تیری بھی بڑے تجربے کی ہیں۔" کوشل بولی۔

"کاشی رام کب تک آئے گا۔" میں بولا۔

''ارے اس کے آنے کا کیا ہے پہلے وہ گیراج میں کام کرے گا اور اس کے بعد اڈے پر جائے گا اور بیٹھ کر خوب پیئے گا اور پھر جھومتا ہوا گھر آئے گا اس وقت اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا عورت اور بکری دونوں ایک جیسی لگیں گی تو بتا تو بھی یہ شوق کرتا ہے۔''

میں ہنس پڑا اور بولا۔'' یہ تو نے خوب کہی عورت اور بکری میں یہ شوق نہیں کرتا مجھے عورت بکری نظر نہیں آتی میں عورت کے ساتھ عورت والا ہی سلوک کرتا ہوں۔''

''تو اچھا کرتا ہے میں ابھی آتی ہوں رسوئی صاف کردوں۔'' کوشل بولی۔

''ذرا جلدی آنا تھکا ہوا ہوں۔'' میں بولا۔

''تیری تھکان بھی اتر جائے گی تنی جلدی کیا ہے۔'' کوشل مٹک کر بولی۔

کاشی رام کب آیا مجھ کو پتہ نہیں چلا اناج میں بھی نشہ ہوتا ہے اور میرے دونوں نشے پورے ہوئے تھے ایسا سویا کہ کاشی رام نے مجھے اٹھایا اور بولا۔''ارے کیا سوتا ہی رہے گا۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔''تو کب آیا رات کو؟''

کاشی رام نے کہا۔'' ارے تیری گاڑی میں تو بڑا کام ہے بول سب کروائے گا کہ چالو کام کردوں۔''

میں بولا۔'' ارے سفر لمبا ہے بار بار کہاں کراتا رہوں گا۔ تو آرام سے کام کرا اور کام پکا کر۔''

''ٹھیک ہے تو وہ میں کروں گا تو بتا تجھے یہاں پر کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔'' کاشی رام بولا۔

''نہیں تیری جورو نے بڑی خدمت کی ارے یہ تو ہزاروں کیا لاکھوں میں ایک ہے تو اِس کی قدر کر۔'' میں بولا۔

''وہ تو مجھے معلوم ہے اسی کارن تو میں اس کی کڑوی باتیں بھی گڑ سمجھ کر ہضم کر جاتا ہوں'' کاشی رام نے کہا۔

''بہت اچھا کرتا ہے۔'' میں بولا۔ اس کے جانے کے بعد اگلوتا نے کہا۔

''عورت تو اچھی ہے اور تیرے لئے آسان خوراک بھی ہے پر ہے گندی میں صاف ستھری چاہتا ہوں اس کا کچھ کر۔''

''ارے گرو فکر نہ کرو یہی کرے گی سو روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔''

میں نے ناشتہ کیا اور گیراج کی طرف روانہ ہوا۔

کوشل نے دروازہ بند کیا اور ایک طرف چل دی۔

پنڈت گردھاری کا مکان آبادی کا آخری مکان تھا۔ مگر اسکے پاس لوگوں کا آنا جان لگا رہتا تھا ان میں عورت مرد سب ہی آتے تھے۔

پنڈت گردھاری اس کو دیکھ کر بولا۔''رات کو نہیں آئی میں انتظار کرتے کرتے سو گیا۔''

''آتی کیسے ایک مہمان آ گیا تھا امرتسر سے اس کی گاڑی کاشی رام گیراج میں بنا رہا ہے اور وہ گھر میں تھا اس کی خاطر کرنا بھی ضروری تھی۔'' کوشل بولی۔

''کر دی اس کی خاطر آج تجھ میں ذرا ذرا نیا پن مجھے لگ رہا ہے وہ کیسا مہمان ہے؟''

''آدمی ہے، آدمی کیسا ہوتا ہے۔'' کوشل نے کہا۔

''میں سمجھ گیا تو میری شکتی کو جانتی ہے اس سے دور دور ہی رہنا تیری کمزوری بھی مجھے پتہ ہے قریب گئی تو تم دونوں میرے پاس آؤ گے۔''

''پنڈت جی تمہاری عادت یہی بری ہے کہ تم شک بہت کرتے ہو میں اس کے قریب ہوں جاؤں گی اور چار دن کی تو بات ہے تمہاری میری یاری تو یہاں ہی رہے گی۔''

''دیکھ لے میں نے بتا دیا ہے میں اپنی پلیٹ میں کسی کو نہیں کھلاتا۔'' پنڈت بولا۔

مگر رات کو میں نے پھر اس پلیٹ میں کھایا۔

پنڈت بھی ہوشیار تھا اس نے سویرے ہی کوشل کو کہہ دیا کہ اب تیرے مہمان کی خیر نہیں اور تو بھی سن لے سزا تو میں تجھے بھی دوں گا مگر پہلے اس کو دیکھ لوں۔''

اور پنڈت نے سفلی کا ایک داؤ مارا اور گھوڑی چمار کو میری طرف روانہ کر دیا۔ گھوڑی چمار ایک سفلی کا ہیر ہے

اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی کے ہاتھ پیر مفلوج کر دیتا ہے اور آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔

مگر ہوا یہ کہ گھوڑی چمارا اپنے ہاتھ پیر تڑوا کر واپس چلا اور پنڈت گروھاری کے تو ہاتھ جواب دے گئے۔'' یہ کیا ہوا اتنا بھاری بیر اور ایسی بے بسی میں ختم ہوا۔

یہ تو کوئی بہت بھاری پتھر ہے اب اور کچھ کروں گا تو اور نقصان ہوگا۔'' اس کے دماغ میں بس ایک بات آئی کہ اس مہمان سے ملا جائے شاید کوئی راستہ نکل آئے اور وہ کاشی رام کے دروازے پر پہنچ گیا کوشل اس کو دیکھ کر ذرا پریشان ہوئی اور بولی۔ ''ارے پنڈت جی آپ نے کیوں کشٹ کیا، میں آجاتی۔''

پنڈت بولا۔'' کام میرا تھا تو میں آیا ہوں۔ تیرا مہمان کہاں ہے ملاقات کرنی ہے۔''

''وہ تو گیراج میں گاڑی کا کام کروار ہا ہے۔'' کوشل نے کہا۔

پنڈت بولا۔'' بات یہ ہے کہ یہ کوئی بڑی چیز ہے میرا تو اس نے منہ پھیر دیا۔ بس کیا بتاؤں ذرا اس کے درشن تو کرلوں۔''

''درشن کرنے ہوں تو شام کو آنا اس وقت تو وہ گیراج میں ہے۔'' کوشل بولی۔

''اور اگر میں گیراج چلا جاؤں تو پھر۔'' پنڈت بولا۔

''مرضی ہے تمہاری پر تم وہاں پر ٹھیک طرح نہ ملاقات کرسکو گے کاشی رام بھی ہوگا۔''

چلو پھر شام کو آجاؤں گا، اب جاتا ہوں۔'' اور پنڈت واپس چلا گیا۔

کوشل کا حیران ہونا لازمی تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ پنڈت کڑا آدمی ہے وہ شکتی والا ہے وہ کسی کو اپنے سامنے اہمیت نہیں دیتا پھر اس کو دیارام ڈرائیور کے درشن کرنے کا شوق کیا ہوا بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

شام کو کاشی رام اور میں گھر آ گئے تو کوشل نے کاشی رام کو کہا۔

''پنڈت گروھاری آیا تھا ملاقات کرنے۔''

کاشی رام گھبرا کر بولا۔'' ہیں کیا کہا پنڈت کو مجھ سے کیا کام پڑ گیا۔''

کوشل بولی۔'' کام تم سے نہیں ڈرائیور سے ہے وہ اس سے ملنے آیا تھا۔''

''ارے واہ وہ کیا جانے اس کو یہ تو مسافر ہے امرتسر سے آیا ہے۔''

کوشل بولی۔ میں خود حیران ہوں میں نے شام کو آنے کا کہہ دیا تھا آتا ہوگا۔'' اتنے میں دروازے پر پنڈت کی آواز آ گئی تو وہ بولی۔'' لے وہ آ ہی گیا اندر بلالوں۔''

کاشی رام بولا۔'' بلانا ہی پڑے گا۔'' پھر آہستہ سے وہ بولا۔''مصیبت کیسے آ گئی۔''

پنڈت اندر آ گیا اور میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ کاشی رام اور کوشل حیران رہ گئے

دایارام نے کہا۔''ارے کیا کرتے ہو اوپر کھاٹ پر بیٹھو آرام سے۔''

پنڈت ہاتھ جوڑ کر بولا۔''معاف کردو بڑی بھول ہوگئی ہے مجھ سے۔''

''میں تو تم کو جانتا نہیں پھر بھول کیسی۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں کنویں کے مینڈک کو ہی بہت بڑا سمجھتا تھا اور بڑا گھمنڈ کرتا تھا خود پر پر یہ میری بھول تھی آج سمجھ میں آیا کہ کچھ نظر نہ آنے والے بھی بڑی شکتی رکھتے ہیں۔'' پنڈت نے کہا۔

''پتہ نہیں تم کیا بات کرر ہے ہوں۔'' میں بولا۔ اگلوتا نے میرے کان میں کہا اس کا ایک بڑا بیر مارا گیا ہے۔''

''میں تم سا چھپا کاریگر نہیں دیکھا گرو میں تمہارے چرن نہیں چھوڑوں گا جب تک معاف نہیں کرو گے۔''

میں بولا۔'' تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ پیر سلامت رہیں تو اٹھ کر کھاٹ پر بیٹھ جاؤ۔''

پنڈت کے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا اور فوراً اٹھ

کر کھاٹ پر آ گیا۔

میں نے اگلوتا کی زبان میں کہا۔ "تو جو کرتا ہے اس سے اپنی روزی کماتا ہے، کما تارہ پر اتنا خود کو او پرمت سمجھ کہ ہر کسی کے پھڈے میں ٹانگ ڈالنا شروع کر دے اور سن کوشل اور کاشی رام سے دور رہنا اس لئے کہ کوشل کے ہاتھ کے پراٹھے میں نے کھائے ہیں اب کوئی اور نہ کھا سکے گا وہ صرف میرے لئے پکائے گی کسی اور کے لئے نہیں بات سمجھ میں آ گئی ہے تو ٹھیک ہے نہ سمجھ آئی ہو تو بتا۔"

پنڈت ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "خوب آ گئی گرو اب کھائی تو کھائی آ گے رام دہائی پھر کبھی غلطی نہیں ہو گی۔"

میں نے کہا۔ "بات ختم ہوئی اب جا۔"

اور پنڈت تیزی سے کھاٹ پر سے اترا اور ہوا ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد کاشی رام میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"تو کون ہے یار اتنا خراب اور خطرناک آدمی تیرے آ گے بھیگی بلی بنا ہوا تھا اور معافیاں مانگ رہا تھا میری تو کھوپڑی میں ذرا کچھ نہیں آیا۔" اور پھر کوشل نے بھی یہی کہا تو میں بولا۔

"میں ڈرائیور ہوں گاڑی چلاتا ہوں میں کیا ہوں مگر تو یاد رکھنا دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب نہیں ہوتا کچھ باتیں عقل سے کچھ تجربے سے سمجھ آتی ہیں پہلے سمجھ اور پھر عقل پر پرکھ پھر کسی کے بارے میں فیصلہ کر۔"

"درست کہا گرو میں بھی تم کو سمجھ نہ سکا تھا اور اسی ناسمجھی میں میں نے بھی کچھ غلطی کر دی ہے۔" کاشی رام بولا۔

"ہاں مجھے پتہ ہے پر تیری غلطی اتنی سنگین نہیں ہے اس لئے روپیہ انسان کی ضرورت ہے اس کے بغیر انسان کی زندگی کی گاڑی نہیں چلتی مگر تیرا روپیہ دارو پر خرچ ہوتا ہے یہ ہے تیری خطا۔" میں بولا۔

"حکم کرو تو دارو چھوڑ دوں گا۔" کاشی رام بولا۔

"اور اگر چھوڑے گا تو مر جائے گا میں نے کب کہا کہ چھوڑ دے۔" میں بولا۔

کوشل نے بھی ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میری خدمت میں کمی ہو تو مجھے معاف کر دو گرو۔"

"ارے تیری خدمت تو ٹھیک ہے تو کیوں فکر کرتی ہے پر پنڈت کے قریب نہ جانا۔" اور پھر کاشی رام سے کہا۔

"جا آج تو بھی موج کر لے یہ لے روپے اب میں آرام کروں گا۔"

کاشی رام روپے لے کر چلا گیا اور کوشل مرے قریب آ گئی آج اس کی لگاوٹ کاروباری نہ تھی۔

چار دن کاشی ریم نے خوب محنت کر کے گاڑی مرمت کر دی اور چار دن میں خود بھی مرمت ہوتا رہا اور پھر گاڑی اڈے پر آ گئی۔ اڈے پر جاتے وقت میں نے کہا۔ "تو یہ نہ سمجھنا کہ میں چلا گیا ہوں امرتسر جانے کے بعد بھی میں دلی میں رہوں گا اور کسی بھی وقت تیرے دروازے پر آ جاؤں گا، کوشل نے پراٹھے میں نہیں بھول سکتا اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو سمجھ لے تیرا ہی پنڈت جیسا حشر ہو گا۔"

اور لاری روانہ ہو گئی کاشی رام نے گاڑی بڑی محنت سے بنائی تھی امرتسر تک بڑے سکون سے میں آ گیا۔ گاڑی کا مالک سردار جیون سنگھ بولا۔

"تو نے اتنے دن ایک ٹرپ پر لگا دیئے کیا کر رہا تھا دلی میں۔"

میں بولا۔ "گاڑی خراب ہو گئی تھی مرمت کروا رہا تھا۔"

"اور کلینر داس دیو تو کچھ اور بتاتا ہے۔" جیون سنگھ نے کہا۔

"کیا بتاتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ تو کہتا ہے استاد میکنک کے گھر پر تھا اور اس کی لگائی کے ساتھ موج کر رہا تھا اور میں گیراج میں گاڑی پر سوتا تھا اور ایک ہوٹل میں کھاتا تھا تو اس میکنک کے

گھر کیوں گھسا تھا یہ بتا۔'' جیون سنگھ نے پوچھا۔
میں نے جواب دیا۔'' دیکھ سردار میں کس گھر میں جاتا ہوں تیرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
گاڑی پر جو خرچ ہوا ہے میں نے وہ بھی نہیں مانگا گاڑی پہلے سے اچھی ہوگئی میں وقت اور روپیہ اس لئے خرچ کردیا کہ مجھے بعد میں گاڑی دھوکہ نہ دے۔تو نے گاڑی نہیں دیکھی اب کیسی ہے۔
اور غور سے سن اب میں تیری گاڑی نہیں چلاؤں گا چلانا ہوگی تو اپنی گاڑی چلاؤں گا۔''
ارے پتر تو تو ناراض ہی ہوگیا۔'' جیون سنگھ نے پلٹ ماری۔'' میرا مطلب ہے ہر جگہ کسی کے گھر میں جانا تو ٹھیک نہیں ہوتا تیسرے پاس کیش ہوتا ہے ہر بندہ تو شریف نہیں ہوتا ہر کسی پر اعتبار تو نہیں ہوسکتا۔'' جیون سنگھ بولا۔
یہ سن کر سردار کو جواب دیا۔ تیری بات ٹھیک ہے مگر میں بچہ نہیں ہوں۔''
دیارام کے آتما کی یہ باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک آتما کی کربناک اور دلدوز چیخ سنائی دی۔
کیونکہ جہاں دیارام کی آتما موجود تھی اچانک دائرے کی شکل میں شعلے بھڑکنے لگے۔ بھڑکتے ہوئے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے اور یہ شعلے اتنے خطرناک طریقے سے بھڑک رہے تھے کہ دیارام کی آتما کا اس جگہ سے نکلنا ناممکن تھا۔ وہ شعلوں کے دائرے میں مقید دلدوز آواز سے چیخ رہی تھی۔'' مہاپرش بچاؤ، میں اگنی میں گھر چکا ہوں، مہاپرش ایسا نہ ہو کہ یہ شعلے مجھے بھسم کردیں۔''
دیارام کی چیخ سن کر رولوکا کی رعب دار آواز گونجی۔
'' دیارام بالکل بھی گھبرا نہیں، یہ آگ کے شعلے تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، یہ شعلے اگلوتا کی گیدڑ بھبکی ہیں، اگلوتا بزدل ہے جو کہ چھپ کر یہ ہتھکنڈے استعمال کررہا ہے، تو مطمئن رہ تیرا کچھ بھی نہیں ہوگا۔''
'' مورکھ تو نادان ہے، تو میری شکتی کو نہیں جان سکتا، میں بہت بڑی شکتی کا مالک ہوں، کوئی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا، کوئی میرے سامنے نہیں ٹھہر سکتا، میں تجھے اب بھی موقع دے رہا ہوں کہ تو یہاں سے بھاگ جا، اور دیارام کی آتما کی سہائیتا چھوڑ دے، میں کسی بھی صورت نمک حرام احسان فراموش دیارام کی آتما کو مکتی نہیں دوں گا، رہتی دنیا تک اس کی آتما میری غلام رہے گی، مہاپرش بھاگ جا نہیں تو تیرا حشر خراب کردوں گا۔'' اگلوتا کی باتیں سن کر رولوکا بولا۔
'' اگلوتا تو بہت بزدل ہے اور احمق بھی، نادان اور ناسمجھ بھی، اگر تجھ میں ہمت ہے اور تو بلوان شکتی کا مالک ہے تو میری طرح میرے سامنے آ اور میرا مقابلہ کر پھر پتہ چل جائے کہ تو کتنی بلوان شکتی کا مالک ہے۔'' اور ساتھ ہی اچانک اوپر سے پانی کا ایک دائرہ نیچے اترتا نظر آیا۔ اس دائرہ سے پانی کی تیز دھاریں نکل کر نیچے کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ گرنے لگی تھیں اور پھر چند ساعت میں اس جگہ شعلوں کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔
یہ دیکھ کر دیارام کی آتما کی آواز سنائی دی۔
'' مہاپرش اگنی کے شعلے ختم ہوگئے، مہاپرش تمہارا بہت شکریہ۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔''
رولوکا بولا۔'' دیارام اگلوتا پھر بھاگ گیا۔ یہ بہت بزدل اور ڈرپوک ہے سامنے ٹھہرتا نہیں۔ خیر کب تک بھاگتا پھرے گا۔ بہت جلد میرے شکنجے میں آجائے گا۔ تو گھبرا نہیں، اب میں چلتا ہوں کیونکہ صبح کی سفیدی پھوٹنے والی ہے اور تو بھی چلا جا، اور رات میں وقت مقررہ پر آجانا، کسی قسم کا ڈر خوف اپنے اندر محسوس نہ کر اب میں چلتا ہوں اور اس جگہ خاموشی چھا گئی۔
صبح علی الصبح رولوکا کی ملاقات حکیم وقار سے ہوئی تو حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھا۔'' اور بھئی سناؤ تمہارا اگلوتا مشن کہاں تک پہنچا اور کس قدر کامیابی ملی۔''
یہ سن کر رولوکا بولا۔'' حکیم صاحب یہ اگلوتا بہت شاطر ہے، کسی بھی صورت سامنے ٹھہرتا نہیں، اس کم بخت نے دیارام کو زندگی بھر اپنا غلام بنائے رکھا اور مرنے کے

بعد بھی اس سے غلیظ قسم کے کام کروار ہا ہے اور دیارام کی روح اب مکمل تھک چکی ہے خیر مجھے امید ہے کہ بہت جلد یہ میرے نرغے میں پھنس جائے گا۔"

حکیم وقار بولے۔"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔اللہ کرے کہ یہ مسئلہ بہت جلد حل ہوجائے اور اگلوتا اپنے انجام کو پہنچے۔

دوسری رات کورولوکا حسب وعدہ مقررہ وقت پراس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ آج پہلے سے دیارام کی آتما موجود تھی۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔"دیارام کیا تو موجود ہے؟اپنی باتیں شروع کر۔"

اس کے بعد دیارام کی آواز سنائی دی۔"مہاپرش میں موجود ہوں۔بات آگے بڑھتی ہے۔میری بات سن کر جیون سنگھ بولا۔"مانا کہ تو ہوشیار ہے مگر میری ایک بات یاد رکھنا جس کو تیرنا نہیں آتا اور دور سے جب پانی دیکھتا ہے تو پانی میں اترتا نہیں اور تیراک کود پڑتا ہے پانی میں اور پھر وہی ڈوبتا بھی ہے۔یہ فارمولا انسان کی زندگی میں ہر جگہ ہے۔ہر آدمی خود کو ہوشیار سمجھتا ہے اگر وہ خود کو ایسا نہ سمجھتا ہو تو کسی کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالے جس طرح ہر عورت خود کو خوبصورت خیال کرتی ہے اگر نہ سمجھے تو ایک دن زندہ نہ رہے بات ذرا لمبی ہوگئی۔اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے ہر جگہ سیر کے لئے سوا سیر موجود ہے تو میری گاڑی چلا نہ چلا تیری مرضی ہے میں نے پیٹ پر پٹی باندھ کر یہ کاروبار کیا ہے میں نے بھی سڑکوں پر دھول مٹی کھائی ہے۔شہروں شہروں پھرا ہوں انسان کے چہروں کی کچھ تھوڑی بہت شناخت جانتا ہوں۔یہ سن کر میں نے کہا۔"تو پھر ایسا کر مجھے کوئی گاڑی دلادے۔"

"لاری سواری اب زیادہ فائدہ مند نہیں ہے خرچ بڑھ گئے ہیں اوپر سے ریل نے مسافروں کو اپنی طرف کھینچ لیا، یہ کاروبار ایسا نہیں رہا جیسا ہوا کرتا تھا۔لاری کے بجائے ٹرک میں لاری سے خرچ کم ہے۔اور بک بک بھی زیادہ نہیں اور اس وقت ایک بہت اچھی حالت میں چلتا ہوا ٹرک میری نظر میں ہے۔بول تو سودا کروں۔"جیون سنگھ نے کہا۔

اگلوتا نے میرے کان میں کہا۔"اپنا کام تو ٹرک سے بھی چلے گا ہاں کردے۔"

اگلوتا کی بات سن کر میں بولا۔"ٹرک کے درشن تو کرادے۔پھر آگے بات ہوگی۔"

"ٹھیک ہے میرے ساتھ چل ہنومان پاڑے میں مالک رہتا ہے ٹرک بھی وہیں پر ہے۔"

ٹرک اچھا تھا اور مالک فیروز پور شفٹ ہوگیا تھا اور اس نے وہاں پر اناج کا کاروبار کرلیا تھا ٹرک رکھنا نہیں چاہتا تھا سودا ہوگیا اور ٹرک میں نے خرید لیا، خریدنے کے لئے رقم اگلوتا نے فراہم کردی۔

اب مجھ کو ایک جگہ کی بھی تلاش ہوئی جہاں پر میں ٹرک کو کھڑا کرسکوں اور دراصل یہ مسئلہ اتنا بڑا نہ تھا، اگلوتا نے ایک دن میں یہ بھی حل کردیا۔

ٹرک دفعہ اور چیک کروایا گیا اور میں اڈے پر آگیا۔پہلی کھیپ جو ملی وہ آگرہ کے قریب فتح پور سیکری کی تھی، مال ٹرک پر لوڈ ہوگیا اور میں روانہ ہوا سفر یہ بھی لمبا تھا اور تین دن چلنا تھا، ٹرک ٹھنڈا کرنا تھا اور خود بھی ٹھنڈا ہونا تھا۔کئی پڑاؤ کے بعد میرا پڑاؤ پانی پت کے قرب ایک گاؤں میں ہوا۔

"کسی شہر میں رکنا میں خود پسند نہیں کرتا تھا اور نہ اگلوتا۔رات آٹھ بجے میں نے ٹرک ایک دکان کے سامنے کھڑا کردیا تو دکاندار دوڑ کر میرے قریب آیا اور بولا۔"کیا کام ہے استاد؟"

میں بولا۔"کام تو خاص نہیں ہے مگر میں تھک گیا ہوں تو یہ بتا کہ کوئی جگہ یہاں پر ایسی ہے کہ میں آرام کرلوں۔"

دکاندار بولا۔"ارے استاد بہت جگہ اور تم اکیلے ہی ہو کیا تمہارا ہیلپر کوئی نہیں؟"

میں بولا۔"ابھی رکھا نہیں پہلا پھیرا ہے اس لئے ایسا ہی ہے۔"

دکاندار بولا۔ ''ارے استاد پہلی بار دیکھ رہا ہوں کہ تم اکیلے اتنے لمبے سفر پر ہو۔''

''یہ سن کر میں بولا۔ آدمی بھروسے کا ملے گا تو رکھ لوں گا تو یہ بتا ٹرک یہاں کھڑا ہو سکتا ہے؟ مال چوری تو نہیں ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، یہاں پر بھی سب اچھے نہیں ہیں۔'' دکاندار بولا۔

''تیری دکان کے سامنے بھی خطرہ ہے؟'' میں نے کہا۔

''ایسا ہو سکتا ہے کہ میں رات بھر دکان پر رہوں اور چوکی داری کرتا رہوں۔'' دکاندار نے جواب دیا۔

''اگر تو ایسا کر سکتا ہے تو میں تیری دہاڑی تجھے دینے کو تیار ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں پہلے پھیرے پر ہوں اگر پہلی دفعہ ہی گڑبڑ ہوگئی تو بدنامی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں ایسا کرلوں گا پر مزدوری ضرور لوں گا۔'' دکاندار بولا۔

''میں دوں گا مگر گڑبڑ ہوئی تو تجھے آگرہ لے جاؤں گا اور پارٹی کے حوالے کردوں گا۔'' میں بولا۔

''ارے استاد تم فکر مت کرو میں رات بھر جاگوں گا۔'' دکاندار بولا۔

''اچھا اب میرے سونے کا ٹھکانہ بتا۔'' میں بولا۔

''آؤ میرے ساتھ گاڑی بند کردو۔''

میں نیچے اتر آیا اور دونوں دروازے لاک کر دیئے، چند قدم کے فاصلے پر ایک تندور تھا اس پر ایک آدمی روٹیاں لگا رہا تھا۔ دکاندار نے اس سے کہا۔ ''ارے گھیسا رام کیا حال ہے تیرا۔''

گھیسا رام بولا۔ ''ویسا ہی ہے۔''

''ارے تیری جورو اب تو تجھ سے جھگڑا نہیں کرتی۔'' دکاندار بولا۔

''ارے اس کی کیا کہوں وہ ہری مرچ کے کھیت میں پیدا ہوئی تھی چراند تو نہیں جائے گی۔''

''ہر آدمی کے پاس چراند کا علاج بھی ہے۔'' دکاندار نے کہا۔

''ارے میں نے سب علاج کر لئے اب اور کیا کروں۔''

''تو دن بھر میں جو کماتا ہے اس میں سے آدھا تو خود اڑاتا ہے اس کی ہتھیلی پر کیا رکھتا ہوگا۔ میرے خیال میں تو یہی چراند ہے۔''

گھیسا رام بولا۔ ''ارے چھوڑ ان باتوں کو یہ بتا کیسے آیا ہے؟''

دکاندار بولا۔ ''دیکھ یہ ڈرائیور ہے۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اس کا ٹرک کھڑا ہے بہت لمبا سفر کر کے پہنچا ہے اور آگرہ جائے گا پہلے تو اس کو اچھی طرح روٹی کھلا اور پھر یہ بتا کہ تیرے پاس کوئی ٹھہرا تو نہیں رات بھی گزارنی ہے۔''

گھیسا رام نے جواب دیا۔ ''مسافر تو کوئی نہیں پر میری جورو ذرا اکڑ قسم کی ہے تو پہلے اپنا نام بتا پھر میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گا کہ یہ گھر میں داخل ہو سکتا ہے کہ نہیں، بھیا بات ہے دھرم کی میری بات کا برا نہیں ماننا۔''

میں بولا۔ ''میرا نام دیا رام ہے۔''

گھیسا رام بولا۔ ''اب ٹھیک ہے تو بیٹھ روٹی کھا اور میں اندر پتنی سے بات کرتا ہوں۔''

اور گھیسا رام نے گرم گرم روٹی دال اور اچار لا کر میرے آگے رکھ دیا اور بولا۔

''اچار میں مزا آجائے گا گھر کا ہے ہر کسی کو نہیں دیتا میں۔''

میں نے پھر دکاندار سے کہا۔ ''آجا تو بھی کھالے رات بھر جاگے گا۔''

دکاندار بولا۔ ''بات تو ٹھیک ہے۔'' اور وہ بھی بیٹھ گیا۔ کھانے کے لئے۔

گرم گرم روٹیاں اور اچار مجھ کو اچھا لگا۔ تھوڑی دیر میں اندر سے گھیسا رام باہر آگیا اور دو روٹیاں گرم گرم رکھ کر بولا۔

''دو روپے ہوں گے بستر کے اور سویرے کا ناشتہ بھی اس دو روپے میں دو ں گلاس بھی ملے گی۔''

دکاندار بولا......''یار گھیسا رام کچھ تو خیال کر دو روپے ہاتھی کا پیر ہیں کیا؟''

''میں کیا کروں وہ مانتی ہی نہیں۔''

میں بولا۔'' ٹھیک ہے دو روپے دوں گا سویرے پراٹھے اور اچار دینا ہوگا۔''

''اس کی تو فکر ہی نہ کر یہ میرا کام ہے اس میں ہری مرچ کا دخل نہیں ہے۔''

''میں ابھی آتا ہوں بستر ذرا صاف بچھا دے۔''

میں بولا۔کھانے کے بعد میں دکاندار کے ساتھ اس کی دکان پر آ گیا تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر دکاندار بولا۔'' گاڑی ٹھیک ہے رات میں کوئی کام آ گیا تو وہ بھی کر لوں گا تو اب جا اور آرام کر۔''

میں واپس تندور پر آ گیا تو گھیسا رام بولا۔''آ جا اندر اور وہ مجھ کو لے کر گھر میں داخل ہوا۔ دکان کے بعد برآمدہ تھا اور پھر آنگن، اس کے بعد دو کمرے تھے۔ گھیسا رام بولا۔

''موسم اچھا ہے پر اندر کمرے میں گرمی لگے گی اس لئے تیرا بستر کھلی جگہ لگوائے دیتا ہوں۔''

میں بولا۔''چل ٹھیک ہے۔''

گھیسا رام نے آواز دی۔ ''بسنتی آنگن میں کھاٹ ڈال دے۔''

کمرے سے ایک بھرے بھرے بدن کی عورت پیلی ساڑھی اور اسی رنگ کے بلاؤز میں نکلی اور کنارے کھڑی ایک کھاٹ آنگن میں ڈال دی اور پھر بستر لینے اندر کمرے میں گئی اور جلد ہی آ گئی اور جھاڑ کر بستر بچھانے لگی کئی دفعہ وہ جھکی پھر سیدھی ہوئی بلاؤز جہاں ختم ہوتا تھا وہاں پر پیٹ پر ذرا ابھار تھا اور پھر ڈھلان شروع ہو جاتی تھی میری نگاہیں وہیں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

چراغ کی کم روشنی میں بھی میں نے بہت کچھ اندازے کر لئے تھے۔عمر بھی زیادہ نہیں تھی رنگ البتہ گورا نہ تھا مگر چہرے پر جوانی کی رونق خوب تھی ہاتھوں میں ہرے رنگ کی چوڑیاں اور ماتھے پر بندیا چراغ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ بسنتی نے اب تک ایک لفظ نہیں بولا تھا۔

بستر درست کر کے وہ کھڑی ہو گئی اور پھر بولی۔

''کرایہ میرے ہاتھ پر رکھنا گھیسا کو دو گے تو یہ داؤ پر رکھ دے گا۔ مجھے کیا ملے گا۔''

''داؤ پر رکھ دے گا، اس کا کیا مطلب ہے؟'' میں نے پوچھا۔

وہ گھیسا کی طرف اشارہ کر کے بولی۔'' یہ جوا جو کھیلے ہے کسی دن مجھے بھی داؤ پر رکھ دے گا۔''

گھیسا رام کے چہرے کی رنگت بدل گئی بولا۔

''اری ذرا اپنے پرائے کا خیال تو کر لیا کر سب کے سامنے کھول کر رکھ دیتی ہے کچھ تو میری عزت کا خیال کر۔''

بسنتی بولی۔''اب تک اور کیا کر رہی ہوں اور اسی کارن یہ حال ہوا ہے تو نے میرے لئے کیا کیا ہے۔''

میں ہنس پڑا اور بولا۔''یار بات اس نے کوئی غلط نہیں کی تو جوا کھیلتا ہے۔''

گھیسا رام بولا۔''بس کیا بتاؤں عادت سی پڑ گئی ہے۔''

''کبھی جیتا بھی کہ روز ہارتا ہے۔'' میں بولا۔

''کبھی کبھار دس بیس جیت جاتا ہوں۔ کوڑیوں کی محتاجی ہے۔''

''آج بھی کھیلے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''عادت جو ٹھہری اب ہار جیت کی بات نہیں ہے۔'' گھیسا رام نے کہا۔

''رات بھر جوا ہوتا ہے کیا۔'' دیا رام بولا۔

''میں تو چھوٹے اڈے پر کھیلتا ہوں بڑے اڈے پر رات بھر بڑا جوا ہوتا ہے پھر رقم بھی وہاں کے لئے بڑی ہونی چاہئے میں وہاں نہیں جا سکتا۔''

''آج تو بڑے اڈے پر جا کر کھیل رقم میں دیتا ہوں مگر بارہ بجے سے پہلے ہرگز داؤ مت لگانا بارہ کے

بعد تیرے ستارے تیری مدد کریں گے اور تو جیت کے آئے گا میری رقم واپس کر دینا اور جیتا مال تیرا۔" اس کے بعد میں نے تین سو روپے اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے اتنے روپے ایک ساتھ اس نے بہت دن سے نہیں دیکھے تھے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ حیرت سے بولا۔

"استاد اتنی رقم لے کر تم اکیلے سفر کرتے ہو۔"

میں بولا۔ "کسی کو کیا پتہ کہ میرے پاس کیا ہے تو جا اور جوا کھیل مگر میری بات یاد رکھنا جلدی مت کرنا۔"

"اور اگر یہ رقم میں ہار گیا تو پھر کیا کروں گا۔" گھیسا رام بولا۔

"میں تجھ سے نہیں مانگوں گا مگر میری بات پر چلنا۔" اور میں نے اپنا داؤ مار دیا تھا۔

بارہ بجے جوا شروع کرے تو ساری رات ہی لگ جائے گی اور ایسے وقت مجھے اپنا کھیل بھی کھیلنا تھا اگلوتا نے کہا۔ "عورت تو ٹھیک ہے پر کنیا نہیں ہے۔"

"گرو عورت تو عورت ہے پھر کنیا کی کیا بات کرتے ہو۔" میں بولا۔

"عورت اور کنواری کنیا میں بڑا فرق ہوتا ہے میں اس کو پا کر مہینوں مست رہتا ہوں تو میری بات کو نہیں سمجھ سکتا اس لئے کہ تو زمین کا آدمی ہے۔" اگلوتا نے کہا۔

"یاد رکھنا تمہیں بارہ بجے کے بعد گھیسا رام کی مدد کرنا ہے۔" میں بولا۔

"کردوں گا مدد اب تو بھی میری ڈیوٹی لگانے لگا ہے۔" اگلوتا بولا۔

"نہیں گرو یہ بات نہیں ہے اس کو گھر سے باہر تو رکھنا تھا۔" میں بولا۔

"ارے تو اس کے لئے اتنا کرنے کی ضرورت کیا تھی میں کر دیتا تیرا کام۔" اگلوتا بولا۔

"کام تو اب بھی کرنا ہی پڑے گا میری سمجھ میں اب تک وہ عورت آئی نہیں۔"

"زبان کی کڑوی ہے پر بدن کی اجلی ہے مگر تو فکر مت کر میں بارہ سے پہلے اس کو تیرے پاس پہنچا دوں گا۔" اور پھر گھیسا رام کا کام کروں گا۔ اب تو لیٹ جا وہ خود آئے گی تیرے پاس۔" اگلوتا بولا۔

بسنتی بستر پر اندر کمرے میں لیٹی تھی نیند نہیں آ رہی تھی یہ کیسا مرد ہے لمبا چوڑا اور دیالو خرچ کی پرواہ ہی نہیں کرتا ایک گھیسا رام ہے دبلا پتلا نہ دم نہ جوڑ، بیڑیاں پیتا ہے اور جوا کھیلتا ہے اور ہر وقت خالی ہاتھ اس نے آج تک کوئی سکھ تو دیا ہی نہیں۔ میں اس کی خدمت کروں تو شاید یہ راضی ہو جائے میرا کیا جائے گا میری بھی کچھ تسلی ہو گی آخر میں بھی عورت ہوں مرد اپنی تسلی نا معلوم کہاں کہاں کرتا ہے اور عورت کو باندھ کر رکھتا ہے۔

بسنتی کے دل میں ایسے باغیانہ خیالات اگلوتا ڈال رہا تھا آخر وہ جذبات سے مغلوب ہو گئی اور بستر سے اٹھ کر آنگن میں آ کر میرے سرہانے کھڑی ہو گئی اور پھر میرا سر دبانے لگی۔

میں سویا نہیں تھا میرے لئے اتنا موقع بہت تھا۔ میں نے بسنتی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے اوپر گرا لیا۔

صبح سات بجے گھیسا رام بڑا خوش خوش گھر آیا بسنتی رسوئی میں ناشتہ تیار کر رہی تھی میں بستر پر لیٹا تھا گھیسا رام نے آتے ہی میرے پیر پکڑ لئے اور بولا۔ "گرو تو تو بہت اونچی چیز ہے میں نے آج سارے جواریوں کو ننگا کر دیا ہے آج میرے ستارے عروج پر تھے ہر داؤ میرا تھا آج میں نے تین ہزار جیتے ہیں تیرے پانچ الگ کر کے، میں نے زندگی میں ایسا جوا نہیں کھیلا۔"

زندگی تو پوری جوا ہے کوئی ہارتا رہتا ہے کوئی جیتا رہتا ہے تیرا پانسہ تقدیر نے نہیں پلٹا تیری ہری مرچ نے پلٹا ہے تو اس کی قدر کر اور اس کی مان اور اس کا حصہ اس کو دے دے یہ بھی دو چار زیور گہنے اپنے لئے بنوا لے۔"

گھیسا رام بولا۔ "دے دوں گا ضرور دے دوں گا پر اس نے کس طرح تقدیر پلٹ دی یہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تو سمجھ ہی نہیں سکتا تو نے سنا نہیں کہ آدمی کی روزی عورت سے ہے اور اولاد مرد سے تو یہ سمجھ لے کہ تیری روزی تیری ہری مرچ سے بڑھ گئی ہے۔ میں ناشتہ کے

بعد آگرہ کی طرف روانہ ہوجاؤں گا پھر واپس بھی اسی راستہ آؤں گا یہ خیال رکھنا بستی کا خیال رکھنا۔"
دکاندار نے گاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"دیکھ لے استاد تیری گاڑی کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا رات بھر جاگا ہوں۔"
"تو پھر تیری مزدوری پکی اور میں نے ایک پانچ کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔
"تو نے اچھا کام کیا ہے یہ رکھ لے واپس آؤں گا تو آگرہ کی مٹھائی کھلاؤں گا۔"
دکاندار کے چہرے پر پانچ روپے پا کر خوشی کے آثار تھے ہنس کر بولا۔" واہ استاد آگرہ کی پیٹھے کی مٹھائی اور تاج محل تو مشہور چیزیں ہیں۔"
میں بولا۔" لاؤں گا تیرے لئے فکر نہ کر۔" اور گاڑی پر چڑھ گیا گاڑی اسٹارٹ کی اور روانہ ہوا۔ سارے دن میں سفر کرتا رہا دلی قریب آئی تو مجھے کوشل یاد آ گئی اور اس کے ساتھ کاشی رام بھی۔ میں نے اسی آبادی میں گاڑی روک دی تو اگلوتا نے کہا۔" میں سمجھ گیا پرانی شراب اور عورت یاد رہتی ہے تو کوشل کی وجہ سے رکا ہے۔"
"گرو تم سب کچھ بتانے سے پہلے ہی سمجھ جاتے ہو۔"
کاشی رام عادت کے مطابق دوڑ کر ٹرک کے قریب آ گیا اور دروازہ کھول کر کچھ کہنے والا تھا کہ مجھے دیکھ کر بولا۔" ارے استاد تم نے کیا لاری چھوڑ دی۔"
میں بولا۔" ہاں میں نے یہ ٹرک خرید لیا ہے اور اپنا دھندہ کرتا ہوں۔"
"یہ بہت بڑھیا کیا تم نے، آؤ باہر تو آؤ۔" کاشی رام بولا۔
میں نیچے اتر آیا اور بولا۔" کوشل ٹھیک ہے۔"
کاشی رام بولا۔" بہت ٹھیک ہے کئی دفعہ تمہارا پوچھ چکی ہے۔"
"تو پھر آؤ پہلے کوشل سے مل آؤں اس کے بعد تم گاڑی کا تیل پانی ہوا چیک کر لینا۔" میں بولا۔
"ہاں آؤ اور ہم دونوں گھر کی طرف چلے۔
کوشل نے مجھ کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی بولی۔
"تو نے یاد رکھا ورنہ اڑتے پنچھی اور ٹرک ڈرائیور واپس نہیں آتے مگر تم آ گئے حیرت ہے۔"
میں بولا۔" اس لئے آ گیا کہ تو نے غلط سنا تھا انسان کبھی نہ کبھی واپس آ ہی جاتا ہے اور تیرے آلو کے پراٹھے بھولنے والی چیز نہیں ہیں۔"
وہ ذرا آگے بڑھ کر بولی۔" میں بھولنے والی چیز ہوں۔"
میں ہنس کر بولا۔" مرد کی زندگی میں جب بے حساب عورتیں آ جائیں بھیڑ لگ جائے تو وہ ہر ایک کو یاد نہیں رکھتا مگر پھر بھی کچھ چہرے کچھ جسم کچھ ادائیں یاد ضرور یاد رہتی ہیں اگر میں تم کو بھول گیا ہوتا تو واپس آتا ہی کیوں۔"
"میں نے تجھے روز یاد کیا ہے۔ پوچھ لے کاشی رام سے۔" کوشل بولی۔
"ہاں اس نے بتایا ہے تو یہ بتا پنڈت نے تو تنگ نہیں کیا میرے بعد۔"
"ارے نہیں اسکی اکڑ تو تو نے ختم کر دی تھی اب سیدھا ہو گیا ہے۔" کوشل نے جواب دیا۔
کاشی رام بولا۔" اب باتیں بہت کر لیں اب پراٹھوں کا انتظام کر لے۔"
کوشل بولی۔" ضرور کروں گی تو فکر نہ کر۔"
"ڈرائیور صاحب تم آرام کرو میں رسوئی میں ہوں کوئی ضرورت ہو تو آواز دے لینا۔"
کاشی رام بولا۔" میں گیراج جاتا ہوں تھوڑا سا کام ہے، کر کے آتا ہوں ساتھ ہی بھوجن کریں گے۔"
پراٹھے کوشل نے بڑی چاہ سے بنائے تھے اس کے ساتھ چٹنی دہی اور ساگ بھی رکھا تھا کاشی رام نے اور میں نے بھی ان کے ساتھ خوب انصاف کیا۔
کھانے کے بعد کوشل نے پوچھا۔" بھوجن پسند آیا۔"

میں بولا۔" محبت کا راستہ پیٹ سے گزرتا ہے اگر پیٹ بھرا ہو تو راستہ سیدھا اور صاف ہوتا ہے تو نے راستہ خوب بنالیا ہے۔"

"تیری تعریف بھی انوکھی ہے اور تو خود تو نرالا ہے۔"

"میں ہر عورت کے لئے نئی چیز ہوں۔ عورت تو ایک ستار کی مانند ایک ساز ہے مگر اس کے ہر تار میں الگ الگ سر ہے کسی کا کوئی تار سر ہے کسی کا دوسرا مردوہ ہے جو، ان تاروں کی پہچان کرتا ہے اور اپنے من پسند سنگیت کو پالیتا ہے اناڑی مرد اس تار تک نہیں جاپاتا جس میں سریلا پن ہوتا ہے اور پوری زندگی پتنی اس سے بیزار رہتی ہے مجھے وقت نے عورت شناس بنادیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم کسی ایک عورت کے نہیں ہو مگر پھر بھی تمہارے قریب رہنے کو دل کرتا ہے۔" کوشل بولی۔

"یہ وہ کشش ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔"

"تم اس کی وجہ جانتے ہو تو بتاؤ۔" کوشل بولی۔

"میں بے تعلیم آدمی ہوں مگر تجربے کی بات جانتا ہوں۔ ہر عورت اور مرد کو ز مینی حقائق سے واسطہ پڑتا ہے اور ز مین کے سب سے بڑے مسئلے روٹی، کپڑا اور ذہنی سکون ہے۔ ذہنی سکون پیٹ بھرنے کے بعد ہوتا ہے جو عورت مرد کو ذہنی سکون دیتی ہے وہ اس کا غلام ہو جاتا ہے اگر عورت کو مرد یہ سکون دیتا ہے تو وہ اس کی ہو جاتی ہے اور مرد کو یہ سکون عورت دیتی ہے تو وہ اس کا ہو جاتا ہے میں کسی افلاطونی محبت کو نہیں مانتا ضرورت ہی محبت ہے۔"

"خیر تم کن باتوں میں وقت برباد کررہی ہوں کاشی رام رات بھر نہیں آئے گا اس کی جیب میں رات بھر پینے کے پیسے ہیں۔" میں بولا

رات گزرگئی اور کاشی رام بھی آ گیا مگر رات کا نشہ اترا نہ تھا۔ میں نے کہا۔" اتار کے لئے ایک پیک اور چڑھا لے۔ نہیں تو دن بھر تجھ سے کچھ نہیں ہوگا۔"

کاشی رام جھوم کر بولا۔" اب میں دن بھر کچھ نہیں کروں گا گھر پر رہوں گا۔"

کوشل نے بڑھیا ناشتہ دونوں کو دیا ناشتہ کے بعد میں نے کہا۔" میں اب جاتا ہوں ابھی آ گرہ دور ہے مال اتارنا ہے اگر اس طرف کا مال ہوا تو آؤں گا اور اگر نہ ہوا تو پھر نہیں۔"

میں روانہ ہوا بلم گڑھ میں، میں نہ رکا اس کے بعد بڑا شہر متھرا آیا مگر وہاں پر میری گاڑی چلتی رہی متھرا دور ہو گیا تو اکلوتا نے کہا۔" اب آگے ایک مقام رسیا آئے گا جس کے دور دور آبادی نہیں ہے سڑک ویران ہے اس طرف سے کوئی نہیں گزرتا۔

اس لئے کہ اس کو ایک بدروح نے ویران کردیا ہے بہت پرزور بدروح ہے میں اس سے بہت خوش ہوں ادھر سے جائیں گے تو اس سے ملاقات ہو جائے گی اور اپنا کام ہو جائے گا۔"

"اس کے علاوہ بھی کوئی کام ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اس کے آگے ایک بڑی جاگیر ہے دو بھائی ہیں دونوں کبھی آپس میں نہیں لڑے ان کو بھی دیکھنا ہے میں جاگیر پر اتر جاؤں گا تو ٹرک خالی کر کے آجانا۔" اکلوتا بولا۔

"میں اکیلا آگے جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"ہاں جانا پڑے گا اس لئے کہ فتح پور سیکری میں نہیں جاسکتا۔ ہر جگہ پر میرا کوئی دشمن بیٹھا ہے میں تجھے اس جاگیر میں ملوں گا۔"

ریلوے پھاٹک پار کرتے ہی سڑک کے دونوں طرف بنجر علاقہ شروع ہو گیا۔

اس علاقے میں دور دور تک ہریالی نہیں تھی دور ایک ٹوٹا مندر اور اس کے چاروں طرف کچھ آم اور جامن کے درخت تھے مگر وہ بھی مرجھائے مرجھائے سے تھے۔ ایک کنواں بھی نظر آتا تھا مگر اس کی منڈیریں ٹوٹی ہوئی تھیں۔

ایسا لگتا تھا جیسے یہ علاقہ بہت عرصہ سے ویران پڑا ہے دور دور کسی انسان یا جانور کا نشان نہ تھا۔ ویرانی اور ایسا

خوفناک سناٹا تھا کہ آدمی کے دل میں خود بخود خوف پیدا ہوتا تھا۔ سڑک استعمال و مرمت نہ ہونے سے جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اس کے اطراف میں لگے درخت سوکھ کر اور خوف پیدا کر رہے تھے۔

میں بولا۔ ''ریلوے لائن کے اس طرف تو خوب کھیت میں پانی ہے۔''

اگلوتا بولا۔ ''یہ سب اس طرف بھی تھا مگر اب میری دل پسند جگہ ہے۔''

مندر کے پاس گاڑی رک گئی شام ہو رہی تھی میں گاڑی سے اتر آیا۔

اور کنوئیں کے پاس گیا تو اگلوتا بولا۔ ''میری لاڈلی اس میں رہتی ہے دیکھو میں اس کو بلاتا ہوں۔'' اور اگلوتا کنوئیں میں اتر گیا۔

چند منٹ کے بعد وہ باہر آ گیا مجھ کو اس کے اندر جانے اور باہر آنے کا صرف احساس ہوا اگلوتا بولا۔ '' جس طرح تو مجھے نہیں دیکھ سکتا اس طرح میری لاڈلی کو بھی نہیں دیکھ سکتا کئی سال کے بعد رات میں کوئی زندہ انسان اس طرف آیا ہے تجھ سے پہلے جو آئے وہ زندہ نہ رہے لاڈلی بڑی تیز ہے اس نے اپنے علاقے کو دیکھ کیسا خوبصورت بنا لیا ہے میری تمنا ہے یہ سب سنسنار ایسا ہی ہو جائے۔ میں یہاں پر بہت خوش ہوں۔''

یہ سن کر میں بولا۔ ''مگر میں تو زندہ انسان ہوں میری ضرورت اور خواہش تو وہی ہیں۔ میرا دل تو یہاں نہیں لگ رہا۔''

''میں جانتا ہوں مگر تو میرا غلام ہے تجھے میری پسند کو پسند کرنا ہوگا۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ میں نے خود تجھے پسند کیا ہے اس لئے میں تیرا خیال کرتا ہوں میں کچھ وقت یہاں گزارنا چاہتا ہوں تو جا سکتا ہے اور واپس مال لے کر مت آنا اور گڑھی کی جاگیر میں آ جانا اس کے زمیندار کا نام شیام سندر ہے میں تجھے وہیں پر مل جاؤں گا اب تو جا مگر فکر مت کرنا آرام سے جا مگر کسی ناری کو دیکھ کر پھسل نہ جانا۔''

میں بولا۔ ''ٹھیک ہے تمہاری مرضی ایسی ہے تو میں جاتا ہوں۔''

اور میرا سفر اسی ٹوٹی سڑک پر شروع ہوا سڑک اتنی خراب تھی کہ رات بھر آہستہ آہستہ چلتا رہا اور سویرے کے آثار ہوئے تو مجھے ایک گاؤں نظر آیا رات بھر کے اس سفر نے مجھ کو تھکا دیا تھا گاؤں کے لوگوں نے بہت عرصہ کے بعد دیکھا کہ اس خطرناک سڑک پر ایک ٹرک چلا آ رہا ہے ٹرک گاؤں آتے ہی رک گیا اور میں نیچے اتر آیا ایک آدمی دوڑ کر میرے قریب آ گیا اور بولا۔

''ارے بھیا تم ادھر سے آئے ہو۔'' اس نے خطرناک سڑک کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

مجھ پر تھکان کی جھنجھلاہٹ تھی بولا۔ ''نہیں میں آکاش سے اترا ہوں۔''

''ارے تم غصہ کیوں کرتے ہو ہم تو پوچھ رہے تھے وہ بھی اس کارن کہ آج پہلی دفعہ ادھر سے کوئی آیا ہے سب کے لئے بات اترج کی تو ہے۔''

مجھ کو اب بات بنانی تھی بولا۔ ''پھنس گئے تھے بس کس طرح آئے ہیں کیا بتائیں۔''

دوسرا آدمی بولا۔ ''اس طرف ایک چڑیل ہے اس نے سب کچھ برباد کر دیا ہے۔ کوئی اس طرف نہیں جاتا بڑی ظالم چڑیل ہے۔''

پہلا بولا...... ''اب تم جل پانی کر و اب کوئی ڈر نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''مہربانی ہے تمہاری میرے پاس گاڑی میں آگرہ کا مال ہے اور میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں میں رک تو نہیں سکتا بس پانی پلا دو۔''

اور میں آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور شام چار بجے اڈے پر موجود تھا۔ مال اتارتے اتارتے شام ہو گئی میں نے کرایہ وصول کیا اور منشی سے بولا۔

''رات گزارنے کو فتح پور میں کوئی جگہ ہے بہت تھک گیا ہوں۔''

منشی بولا...... یہ تو چھوٹی جگہ ہے یہاں پر کوئی

سرائے نہیں ہے۔آگرہ میں سرائے ہے وہاں جانا ہو گا شہر کے باہر ہی خواجہ کی سرائے ہے اس کا مالک فتح پور آتا رہتا ہے اس کا نام کمال الدین ہے۔

''تم اس کو میرا حوالہ دے دینا تم کو کمرا مل جائے گا کھانا تم دل کرے وہاں کھالینا۔''

میں آگرہ کی طرف نہ گیا اور فتح پور سے گڑھی کی طرف روانہ ہوا۔گڑھی بہت بڑا گاؤں تھا اس کے چاروں طرف کھیت تھے اور آم کے باغات تھے گاؤں کے کنارے پر بہت اونچی جگہ پر چوپال تھی ایک بازار بھی تھا وہاں پر اناج، گڑ، گھی اور ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں بکتی نظر آ رہی تھیں۔

میں نے ٹرک ایک درخت کے نیچے کھڑا کر دیا اور نیچے اتر آیا نہ میں کسی کو جانتا تھا اور نہ مجھے یہاں پر کوئی کام تھا، میں تو اگلوتا کے حکم سے آیا تھا۔ایک جگہ چبوترے پر ایک آدمی کیتلی اور پیالے رکھ کر بیٹھا تھا، میں اس کے پاس چلا گیا اور بولا۔''تم کیا چائے بیچتے ہو؟''

وہ آدمی بولا۔''تم چائے پیو گے۔''

''پوچھ رہا تھا کہ اگر تم چائے بیچتے ہو تو میں بھی چائے پی لوں گا۔''میں بولا۔

''تو پھر ایسا بول میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ گاؤں کے لوگ تو ہاری بیماری میں دوا کے طور پر چائے پیتے ہیں پر اب گاؤں والے دور مزدوری کو جاتے ہیں اور چائے کے شوقین ہو گئے ہیں میں نے یہ ٹھیا ان شوقین لوگوں کی خاطر ہی بنایا ہے دن بھر تو میں کھیت میں کام کر لیتا ہوں شام پڑے چائے بنالیتا ہوں تم کیا باہر سے آئے ہو۔''

میں بولا۔''ہاں وہ سامنے میرا ٹرک کھڑا ہے۔''

''کسی سے ملنا ہے تو بتاؤ اس کے پاس پہنچا دوں گا۔''چائے والا بولا۔

''ایک آدمی آنے والا ہے یہاں ملنے کو۔''میں نے کہا۔

''کوئی بات نہ ہی تم یہ لو گرم گرم گڑ اور اصلی دودھ کی چائے پیو تم کا ایسی چائے آگرہ شہر میں نہیں ملے گی۔''چائے والے نے اپنی تعریف خود ہی کر لی۔

میں نے چائے کے دو تین گھونٹ لئے تو چائے والا بولا۔''کیسی ہے؟''

''بڑھیا! پتی ذرا کم ڈالی ہے ذرا سی اب کے بناؤ تو بڑھا دینا۔''

چائے والا بولا۔''یہ ہے شہری اور دیہاتی کی اصل پہچان تم نے فوراً نقص بتا دیا۔''

چائے پیتے پیتے ہی میرے کاندھے پر وزن آ گیا اور میں سمجھ گیا کہ اگلوتا آ گیا ہے۔میں نے کہا۔لاڈلی کے پاس سے آ گئے گرو......''

''ہاں تیرے پاس تو آنا ضروری تھا۔اب تو چل فوراً گاؤں سے نکل۔''

''ارے اتنی جلدی کیا ہے کچھ گڑبڑ ہو گئی کیا۔''میں نے پوچھا۔

''نہیں پھر بتاؤں گا تو چل تو۔''میں نے دو آنے چائے والے کو دیئے اور ٹرک پر آ کر ٹرک اسٹار کر دیا۔

''زمیندار اس گاؤں میں نہیں رہتا یہاں پر رکنا بے کار ہے آگرہ چلتے ہیں۔''اگلوتا نے کہا۔

''زمیندار آگرہ میں رہتا ہے؟''میں نے پوچھا۔

''آگرہ میں نہیں مگر آگرہ کے قریب ایک گاؤں ہے وہ بھی اس کی زمینداری ہے وہیں پر رہتا ہے تو آگرہ میں رہنا اور میں اپنا کام کروں گا۔''اگلوتا بولا۔

آگرہ میں خواجہ کی سرائے میں، میں نے قیام کر لیا اور ٹرک بھی وہیں پر کھڑا کر دیا۔

شیام سندر چالیس کے کچھ اوپر عمر کا آدمی تھا۔اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا اس کا نام روہن سندر تھا۔

شیام سندر اس کو اپنی اولاد سے بڑھکر چاہتا تھا یہی حال اس کی پتنی روپا کا تھا۔

خاندان زیادہ بڑا نہ تھا بڑی جاگیر پرکھوں کے زمانے سے چلی آ رہی تھی خوش حالی تھی گھر میں نوکر چاکر تھے اناج زمین سے آتا تھا تازہ سبزیاں روز آ جاتی

تھیں۔ بہت بڑی حویلی تھی روہن کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ آگرہ میں پڑھتا تھا اس کے لئے ایک بڑی خوبصورت بگھی تھی اور کوچوان تھا شہزادوں کی طرح اس کی زندگی تھی، روہن بھائی کو باپ خیال کرتا تھا اور بھابھی کو بھابھی ماں کہہ کر بلاتا تھا زندگی بڑی پرسکون تھی۔

اگلوتا نے سب سے پہلے شیام سندر کی پتنی کو ٹٹولا عورت تو عورت ہوتی ہے اس کے مزاج اور مرد کے مزاج میں بہت فرق ہوتا ہے اس کے دل میں جو خیال سب سے پہلے اگلوتا نے ڈالا وہ روہن کے اخراجات کا تھا۔ ''پڑھتا ہے تو احسان کرتا ہے ہم پر تو گاڑی کا خرچ کوچوان کا خرچ اور پھر اس کے شاہانہ خرچ، محنت کرے بھیا اور یہ صرف موج کرے یہ خوب رہی۔''

یہ خیال اس کو کئی بار آیا اور اس نے روہن سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

ناشتہ دونوں بھائی ساتھ کرتے تھے ناشتہ پر اس کو پھر یہی خیال آ گیا اور وہ بولی۔

''روہن تم سویرے کالج جاتے ہو مگر سارا دن ہی لگا دیتے ہو ذرا اپنے بھیا کا خیال کرو رات تک بھاگ دوڑ کرتے ہیں کبھی اس گاؤں میں کبھی اس گاؤں میں تم جلدی آ جاؤ تو کچھ تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔''

روہن بولا۔'' بھابھی بھیا زمیندار ہیں میں کیا جانوں زمینداری، میں تو وکیل ہوں وکالت کروں گا۔ زمینداری تو گوپی کرے گا ذرا ہو جائے بڑا۔''

روپا بولی۔'' تم میں اور گوپی میں فرق ہے تم اس جاگیر کے آدھے کے مالک ہو تو آدھا کام تم کو کرنا ہے۔'' شیام سندر پتنی کی باتیں سن رہا تھا بولا۔'' آج تم نے یہ نئی راگنی کیا شروع کر دی ہے ابھی روہن پڑھ رہا ہے اس کے کھانے کھیلنے کے دن ہیں میں نے خود اس کو بے فکر چھوڑا ہوا ہے جب وقت آئے گا تو خود بخود سب سمجھ جائے گا ابھی تم اس کو موج کرنے دو۔''

روپا نے جواب نہ دیا تو روہن نے کہا۔'' بھابھی آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا؟''

روپا بولی۔'' ناراض کیوں ہوتی میں نے تمہاری بھلائی کی بات کی تھی۔''

شیام سندر نے کہا۔'' تم نے جو کہا ہے غلط نہیں ہے مگر ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی اس کی اپنی زندگی بنانے دو پتا جی نے مجھے اس لئے زیادہ نہیں پڑھایا تھا کہ وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور کم عمری سے انہوں نے میرے کاندھے پر زمینداری کا بوجھ ڈال دیا تھا وہ بھی اچھا ہی ہوا تھا اچانک اگر یہ بوجھ آتا تو میرے لئے بڑی مشکل ہوتی مگر روہن کے لئے تو میں ہوں۔''

روپا بولی۔'' تم جانو اور تمہارا بھائی میری سمجھ میں ایک بات آئی تھی وہ میں نے کہہ دی۔''

وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد روہن بولا۔'' بھابھی ماں ناراض ہو گئی ہیں۔''

روپا کے دل میں اسی قسم کے خیالات آتے رہے اور وہ اس کا اظہار بھی کرتی رہی۔ پتھر پر پانی کی دھار گرتی رہے تو اس میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ آخر ایک دن شیام سندر نے روہن سے پوچھا۔

''تمہاری چھٹی کب ہوتی ہے؟''

روہن بولا۔'' دو ڈھائی بجے میں فارغ ہوتا ہوں۔''

''اور تم شام کو گھر آتے ہو اور اپنا وقت شہر میں برباد کرتے ہو جلدی آ جایا کرو کچھ نہیں تو منشی اور دوسرے کھاتے داروں کے حسابات دیکھ لیا کرو ذرا ملازموں پر گرفت رہے گی۔''

''آپ کے خیال میں کیا کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔'' روہن بولا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے سب ایمانداری سے کام کرتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بے فکر ہو کر ان کو بے لگام چھوڑ دیں ملازمین پر گرفت رکھنے کو ان کے سر پر رہنا ضروری ہوتا ہے میں تو روز روز ان کے کھاتوں کو نہیں دیکھ سکتا اگر گاؤں گاؤں نہ جاؤں تو ہاری کسان سے وصولیاں مشکل ہو جائیں جاتا ہوں تو ان کی مشکلات

اور ضرورتیں میری نظر میں رہتی ہیں اور پیداواری بھی پتہ ہوتی ہے۔

''اس سے پوری فصل ملتی ہے اور میں ان کی بھی ضرورت پوری کر پاتا ہوں۔ تم برا مت ماننا تمہاری بھابھی نے کچھ غلط نہیں کہا تھا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''بھیا میرا یہ آخری سال ہے اس کے بعد میرا ارادہ جو وکالت کرنے کا ہے زمینداری تو آپ کی ہے آپ کو ہی کرنا ہے آج بھی آپ محنت کرتے ہیں اور کل بھی آپ دیکھ بھال کریں گے۔ میں کالج کے بعد وکیلوں کے پاس ہوتا ہوں ان کے ساتھ رہنے سے تجربہ بڑھتا ہے جو آگے کام آتا ہے۔'' روہن نے جواب دیا۔ ''مگر یہ بھی تو ضروری ہے تم نے اپنے شوق اور پتاجی کی خوشی کی خاطر وکالت پڑھ لی ہے۔ مگر ہمارا اصل کام تو زمینداری ہے پرکھوں سے یہ ہوتا آرہا ہے۔'' شیام سندر نے کہا۔

''ہماری سات پیڑھی میں کوئی وکیل نہیں گزرا تو پھر زمینداری تو کرنا ہی تھی۔'' روہن نے کہا۔

''میں اس کا مطلب یہ لوں کہ تم میری بات رد کر رہے ہو۔'' شیام نے کہا۔

''نہیں میں جلدی آجایا کروں گا اور بھابھی کے حکم کے مطابق کام کروں گا۔'' روہن نے کہا۔

یہ معاملہ روہن نے آسانی سے حل کر لیا تو اگلوتا نے اور نیا خیال روپا کے من میں ڈالا اور وہ خیال یہ تھا کہ روہن کی جلد از جلد شادی کر دی جائے اور اس نے اس کا ذکر شیام سے کر دیا۔

''اب تو روہن کام کرنے لگا ہے اب یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ اکیلا کمرے میں پڑا رہے میں یا کوئی اور اس کی خدمت تو نہیں کر سکتے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بھی بیوی ہو۔''

شیام سندر نے کہا۔ ''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے مگر وہ شاید نہ مانے اس لئے کہ اس کا یہ آخری سال ہے۔''

''ارے تو کیا ہوا کیا شادی کے بعد کیا امتحان نہیں دے سکتا تم بات تو کرو لڑکی میری نظر میں ہے۔''

''بڑی سندر بڑی چتر اور خاندانی ہے۔'' روپا نے دلیل دی۔

''تم کہتی ہو تو کروں گا بات۔'' شیام سندر نے جواب دیا۔

شیام سندر جانتا تھا کہ روہن اتنی جلدی ماننے گا نہیں اس لئے بڑی ہوشیاری سے اس نے بات شروع کی۔ ''دیکھو روہن زندگی میں کچھ باتیں تعلیم بتاتی ہیں کچھ پرکھوں سے پتہ چلتی ہیں۔ مگر انسان زیادہ تجربہ سے سیکھتا ہے اور تجربہ انسان کو چند روز میں نہیں ہوتا جو لوگ اپنے بزرگوں کے تجربات کا فائدہ اٹھاتے ہیں ان کو زندگی کی کٹھنائیوں کا کم سے کم سامنا کرنا پڑتا ہے۔

میں نے اپنے پتا کے تجربے سے سیکھا ہے اور تمہارے سامنے میں ہوں میرا تجربہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ایک مرد کو ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ اس کو ذہنی اور جسمانی آرام پہنچائے، ہمدردی کے مشورے دے ایسا ساتھی صرف بیوی ہو سکتی ہے۔''

روہن نے کہا۔ ''آپ نے درست کہا ہے بھیا مگر اس کے لئے بھی وقت مقرر ہے۔''

شیام سندر نے کہا۔ ''تم اب جوان ہو صاحب عقل ہو اور وکیل بننے والے ہو میں سمجھتا ہوں اس سے بہتر وقت تمہاری شادی کے لئے اور کیا ہوگا۔''

''بھیا! شادی تو انسان کو کرنی پڑتی ہے میں بھی کروں گا مگر میرے خیال میں ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے ابھی مجھے امتحان کی تیاری کرنا ہے اس کے بعد وکالت کا تجربہ لینا ہے یہ کام اس نوعیت کا ہے کہ اس میں کسی اچھے وکیل کے ساتھ کام کر کے تجربہ لینا ضروری ہوتا ہے۔''

شیام سندر نے کہا۔ ''تم کو تمہارے کام سے کس نے روکا ہے کرتے رہنا مگر میری اور تمہاری بھابھی کی خوشی یہ ہے کہ تم شادی کر لو تمہاری خدمت کرنے کو بھی کوئی تو ہو۔''

"بھیا میں اس کی ضرورت ابھی محسوس نہیں کرتا۔"
روہن نے جواب دیا۔
"مگر ہم سب کی ضرورت ہے حویلی کے ہزار بکھیڑے ہوتے ہیں نوکر چاکر اور رسوئی کے کام ان سب پر نظر رکھنا ہوتا ہے اکیلی تمہاری بھابھی یہ سب نہیں کر پاتی دو ہوں گی تو اس کا بھی ہاتھ بٹائے گی پتاجی ہوتے تو تمہاری شادی بہت پہلے کر چکے ہوتے کیا تم ان کی بات موڑ دیتے میری بات پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو پھر جواب دو۔" شیام سندر نے کہا۔
ایک ہفتہ کے بعد شیام سندر نے پھر روہن سے پوچھا۔ "تم نے میری بات پر غور کیا؟"
"بھیا بات یہ ہے کہ اس سے میری تعلیم پر اثر پڑے گا۔" روہن بولا۔
"کچھ نہیں ہوگا یہ تمہارا خیال ہے۔" شیام سندر نے کہا۔
"میں آپ کو اور بھابھی کو ماتا پتا کا درجہ دیتا ہوں اس لئے منع نہیں کر سکتا۔" روہن بولا۔
"شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی میں یہ خوش خبری تمہاری بھابھی کو سنائے دیتا ہوں۔" شیام سندر نے کہا شیام سندر کی بیوی روپا کے ذہن میں جو لڑکی تھی وہ اس کی بھائی کی لڑکی کرشنا تھی وہ بھی کالج میں پڑھتی تھی اور روز آگرہ جایا کرتی تھی روپا کا بھائی بھی زمیندار تھا مگر اس کی زمینداری شیام سندر سے بہت کم تھی کرشنا پہلی لڑکی تھی جوان کے خاندان میں کالج میں پڑھ رہی تھی شیام سندر کے مزاج میں اور اپنے سالے موہن کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ موہن ایک سخت گیری زمیندار تھا کسان اور ہاریوں کا خون چوسنے والا اس کے مزاج کا اثر پورے گھرانے پر تھا کرشنا بھی اس مزاج کی تھی گھر کے ملازمین کو انسان کب خیال کرتی تھی۔
روپا جانتی تھی یہ بات اس کے آتے ہی حویلی میں ہلچل ہوگی اور بات آگے بڑھے گی۔ شیام سندر نے بات آگے چلائی اور اس کا ذکر موہن سے کیا۔
موہن بولا۔ "اس سے بڑھ کر بڑھیا بات میرے لئے اور کیا ہوگی۔" اس کی بیوی نے بھی خوشی کا اظہار کر دیا اور بات پکی ہوگئی۔ دونوں طرف شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اور ایک ماہ کے بعد نہایت کروفر اور شان سے بارات موہن کے دروازے پر آگئی۔
ضروری رسومات کے بعد پھیرے ہوگئے اور کرشنا رخصت ہو کر پیا کے گھر آگئی۔ روپا خوش تھی کہ میں اس کی خواہش کے مطابق سب کام ہوئے دوسرے وہ اس لئے بھی خوش تھی کہ کرشنا اس کے بھائی کی لڑکی ہے اور اس کا ہی کہا مانے گی۔
اب روپا کرشنا کی پھوپھی تھی اور جیٹھانی بھی دوہرا رشتہ تھا اور دونوں رشتوں میں روپا اوپر تھی اس کا پلان پورا تھا۔
چند روز کے بعد اس نے کرشنا سے پوچھا۔ "یہاں پر آ کر خوش تو ہے۔"
"خوش کیوں نہ ہوں گی نئی جگہ ہوتی تو دوسری بات تھی میری پھوپھی جو یہاں ہے۔" کرشنا بولی۔
"میرا مطلب روہن سے ہے تم اس سے خوش ہو۔" روپا بولی۔
"ان میں اب تک تو میں نے کوئی خرابی نہیں دیکھی۔"
"خرابی تو اس میں کوئی نہیں ہے مگر تو ذرا اس کی لگام تھام کے رکھنا مرد کو اور گھوڑے کو قابو کرنا پڑتا ہے۔ ذرا لگام ڈھیلی چھوڑی کہ وہ اپنی چال بدل لیتا ہے۔" روپا نے کہا۔
"ارے پھوپھی تم اس کی فکر ہی نہ کرو میں کوئی گاؤں کی گنوار جاہل لڑکی نہیں ہوں۔ کس وقت کیا کرنا ہے جانتی ہوں ابھی تو وہ امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں۔" کرشنا نے جواب دیا۔
"میں نے حویلی کی دیکھ بھال بہت کر لی مجھے تم فارغ کرو میں بھی ذرا بھیا کے گھر ہو آؤں اور تم نوکروں پر دھیان دو۔" روپا بولی۔
"پھوپھی حویلی کے نوکر چاکر آپ نے بہت بگاڑ رکھے ہیں ہر کوئی اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔" کرشنا

نے کہا۔ ''تو پھر تم اپنی مرضی سے کام کرواؤ کس نے روکا ہے۔'' روپا بولی۔

اور اگلوتا کرشنا کے دماغ میں آ گیا۔

میں نے اگلوتا سے پوچھا۔ ''تمہارا پروگرام گڑھی میں کچھ لمبا ہے؟''

''لمبا تو ہے اس لئے کہ دونوں بھائی آپس میں بہت محبت کرتے ہیں ان کو ایک دن میں تو نہیں بدلا جائے گا۔ پرکھوں کی دی محبت اور احترام کو اتنی جلدی ختم تو نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے نفرت کا بیج ڈال دیا ہے وہ سر اٹھائے گا میں اس پودے کو کھاد اور پانی دوں گا پھر جا کر وہ تناور درخت بنے گا۔'' اگلوتا نے کہا۔

''اور میں اس سرائے میں اکیلا پڑا رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیوں اکیلا پڑا ہے پورا شہر پڑا ہے موج کر کس نے روکا ہے میں تیرے پاس آتا تو ہوں۔ میری ضرورت پڑے تو یاد کرنا آ جاؤں گا اور اگر کوئی میرے مطلب کی چیز ہو تو یاد رکھنا۔'' اگلوتا نے کہا۔

میرے منہ کو تو خون لگا ہوا تھا مجھ کو ضرورت تھی مگر اب تک اگلوتا کی وجہ سے چپ تھا اب میں سرائے سے باہر آ گیا اور میں نے اس بازار میں جانا شروع کر دیا جہاں پر آسانی سے میری خواہش پوری ہوتی تھی۔ مگر میری تسلی نہیں ہو رہی تھی پیاس بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بازار میں سب بکاؤ مال تھا اور استعمال شدہ میرا دل اس بازاری خوراک سے بھر گیا۔ میرے تجربے کے مطابق مندر میں ایک ایسی جگہ تھی جہاں پر مجھ کو اپنی غذا مل سکتی تھی۔ پرتاب پور کے بھارت موٹر ورکشاپ کے پچھواڑے ایک بہت بڑا مندر گنیش دیوتا کا تھا میں نے مندر میں جانا شروع کر دیا مگر کبھی پوجا کے کمرے میں نہ گیا میرے دل میں چور جو تھا میں کب کسی کو مانتا تھا میرا تو کوئی دھرم تھا ہی نہیں۔ میں تو اپنے مطلب کی خاطر آتا تھا اور وہاں پر جو رونق صبح و شام ہوتی اس کو دیکھتا تھا۔

میں نے آہستہ آہستہ پنڈت مکھ رام کو اپنی خوش کلامی اور دان پن سے اپنی طرف مخاطب کر لیا اور پنڈت مکھ رام مجھ کو ایک دیالو آدمی کے طور پر جان گیا۔

میں نے اور آگے قدم بڑھایا اور پنڈت کی ذاتی ضروریات بھی پوری کرنے لگا۔ اس بات کا گہرا اثر پنڈت پر پڑا اور آہستہ آہستہ یہ دوستی بے تکلفی میں بدل گئی۔

ایک دن پنڈت نے پوچھا۔ ''تم روز آتے ہو اور خرچ کرتے ہو، رہتے کہاں ہو اب تک نہیں بتایا۔''

''میں بولا۔ ''ارے میں کیا بتاؤں، میں تو مسافر ہوں شہروں شہروں پھرتا ہوں۔ میرا کوئی ایک ٹھکانہ ایک مقام نہیں ہے آگرہ میں ایک سرائے میں رہتا ہوں۔''

''ارے تو ایک جگہ ٹک جا شادی بیاہ کر لے اور گھر بنا۔''

میں بولا۔ ''تیری بات پر غور کروں گا پر تو بھی میرا کام کر۔''

پنڈت بولا۔ ''تو نے میرے بڑے کام کئے ہیں تیرا کام کیوں نہ کروں گا۔''

میں بولا۔ ''میں انسان ہوں اور مرد ہوں تو جانتا ہے ہر مرد کو بھوک لگتی ہے۔ میں بازاری چیزیں پسند نہیں کرتا تو کچھ پربند کر دے۔''

پنڈت بولا۔ ''اس لئے تو کہتا ہوں کہ شادی کر لے اور گھر بسا لے۔''

''ابھی کچھ کام کرنے ہیں اس کے بعد کروں گا مگر بھوک تو اب ہے تیرے مندر میں سینکڑوں لڑکیاں روز آتی ہیں تو میرا پربند ان سے نہیں کرا سکتا تو میرا کام کرا دے میں تجھے نہال کر دوں گا میں نے نپے تلے الفاظ میں اپنی بات پوری کی۔''

پنڈت بولا۔ ''کام تو مشکل نہیں ہے پر اونچ نیچ ہو گئی تو بدنامی سے ڈر لگتا ہے۔''

یہ سن کر میں بولا۔ ''منہ کھاتا ہے تو آنکھ شرماتی ہے میں ایسا کروں گا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی اور اس کا گھر بھر دوں گا خرچ کی فکر مت کرنا۔''

پنڈت کو بھی روپے کی ضرورت تھی۔ وہ بولا۔

''ایک کنیا ہے تو بہت غریب ہے بجھن گاتی ہے شام کی پوجا میں آتی ہے دن میں کام کرتی ہے میں بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہوں۔ سائیں واڑے میں رہتی ہے۔ آج رات آئے تو ملواؤں گا مگر ذرا خیال رکھنا بہت بھولی بھالی اٹھارہ بیس سال کی ہے اور گنیش مہاراج کی دیوانی ہے۔'' پنڈت کو آتی مایا نے متاثر کر دیا۔

''ٹھیک ہے میں شام کو مندر آ جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

کامنی واقعی کامنی تھی نہایت معصوم چہرہ اور بھولا پن جسمانی طور پر وہ جوان تھی مگر چہرہ ایک چھ سات سال کی لڑکی کا تھا۔ اس بھولپن میں جوانی کا رس بھرا تھا۔

اور وہ پکی ہوئی رس بھری لگتی تھی آواز میں موسیقی اور سنگیت کی آمیزش اس کی آواز کو خوبصورت بناتی تھی دن بھر جسمانی محنت نے اس کے بدن کو سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ وہ بھجن گاتی تھی اور پورا مندر جھوم جاتا تھا۔

پوجا ختم ہوگئی سب لوگ چلے گئے پوجا کا ہال بند ہوگیا اور کامنی پنڈت کے ساتھ باہر آئی میں وہاں پر موجود تھا پنڈت نے کہا۔ ''یہ دیارام ہے نام کی طرح دیالو ہر کسی کے کام آنا ہی اس کا دھرم ہے میں نے اس سے تیرا ذکر کیا تھا تیری ضرورت کی بات کی تھی یہ تیری ہر طرح مدد کرنا چاہتا ہے اور جب کوئی خلوص کے ساتھ مدد کرے تو اس کو موڑنا نہیں چاہئے یہ وہ شخص ہے جو تیرے دن بدل دے گا اور اس سے زیادہ میں اس کی تعریف کیا کروں۔''

کامنی حیران تھی اس بگڑے زمانے میں اس طرح بھی کوئی مدد کرتا ہے وہ بولی۔ ''پنڈت جی حیرانی کی بات ہے۔''

پنڈت نے کہا۔ ''حیرانی تو ہے اس لئے کہ ایسا کوئی کوئی کرتا ہے آخر لوگ پیاؤ بناتے ہیں۔ کنویں کھدواتے ہیں دھرم شالائیں بناتے ہیں ان کے خرچ پورے کرتے ہیں کیوں کرتے ہیں ان سے ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے مگر کرتے ہیں۔''

کامنی نے کہا۔ ''تم نے یہ بات تو درست کی۔''

میں بولا۔ ''میں دھرم کا سیوک نہیں ہوں پر منش کا سیوک بننے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔''

پنڈت نے کہا۔ ''منش کی سیوا میں اصل دھرم ہے۔''

میں بولا۔ ''دھرم کی بات نہ کرو پنڈت کامنی کی بات کرو اس کی ضرورت پوری میں کروں گا۔ اس وقت تم یہ لو اور میں نے مٹھی بھر نوٹ کامنی کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا۔

''اور دوں گا سنسار میں تیرا مقام اونچا کر دوں گا۔''

کامنی نے اتنے روپے دیکھے تو وہ حیران رہ گئی اور میری نظریں جھک گئیں۔

منہ کھاتا ہے تو آنکھ جھک جاتی ہے شرماتی ہے۔ یہ دنیا کا اصول ہے۔

اس کے بعد بھی میں پنڈت اور کامنی کا منہ مایا سے بھرتا رہا۔

اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ کامنی میری بات رد نہ کر سکی اور میری محنت کام آ گئی۔ کامنی کے حالات درست ہوگئے۔ پنڈت کا گھر بھر گیا۔

تینوں اپنی اپنی جگہ پر خوش تھے اور اگلوتا مسکرا رہا تھا۔ دھرم کے پجاری اور گھنشام کی دیوانی کو میں نے خرید لیا تھا ان کو دھرم نے نہیں روکا مندر کے اندر جو ہوا گھنشام نے کچھ نہ کیا پنڈت نے نہیں کہا کہ میں پوجا کے کمرے میں کیوں نہیں آتا۔ اس کی آنکھیں صرف لال پیلے نوٹوں پر ہی رہیں کامنی کے حالات اور غربت نے اس کے دل میں کوئی سوال نہ آنے دیا دیارام کون ہے اس نے نہیں پوچھا کیونکہ اس کو اس کی ضرورت نہیں تھی اس کی ضرورت نوٹ تھی۔

زندگی کی ضرورت بہت سی باتوں کو بھلا دیتی ہے کامنی کو اب بھجن گا کر دان پن کی ضرورت نہ تھی میں اس کو اتنا دیتا تھا کہ اس کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ اب وہ میرے حکم پر چلتی تھی اور پنڈت ہم دونوں کی مدد کرتا تھا وہ رات کی پوجا ختم ہونے کے بعد آتی تھی اور رات بھر مندر

میں گزار کر جاتی تھی یہ بات اتنی خفیہ تھی کہ صرف ہم تینوں کو پتہ تھی اور کامنی کے گھر والوں کو پتہ تھی، خوشحالی اور سکون کی روٹیوں نے ان کی زبانوں پر تالے ڈال دیئے تھے۔ دنیا میں رہنے والوں کے لئے یہ روٹی کتنی ظالم چیز ہے اس کی خاطر وہ کیا کیا نہیں کرتا۔ اپنا نفس اپنی عزت اور اپنا دھرم تک داؤ پر لگا دیتا ہے کامنی کو اپنی فکر کے ساتھ ساتھ چار اور جانوں کی فکر بھی تھی۔

ایک دن انگلوتا نے کہا۔ ”تو نے بہت مزے کر لئے میرا کیا کیا۔“

میں بولا۔ ”گرو حکم کرو کیا کروں۔“

”تو نے رس پیا میرے پیٹ میں اس کا مزا آ گیا مگر اب پیٹ بھی خوراک طلب کرتا ہے آج رات کامنی واپس نہ جائے تم اس کو لے کر مندر سے باہر آ جاؤ گے قریب ہی ایک بہت بڑا نالا بہتا ہے مگر پنڈت یہ سمجھتا رہے کہ تم دونوں مندر میں ہو سویرے تم مندر میں ہو گے اور پنڈت کو کہو گے کامنی بہت سویرے چلی گئی تھی سمجھ گئے۔“ انگلوتا نے کہا۔

ہمیشہ کامنی صبح آ جاتی تھی مگر آج دوپہر تک نہ آئی تو اس کا پتا بناری لال کرنے مندر گیا پنڈت سے ملا تو پنڈت نے کہا۔ ”ارے اس کا رات میں مندر میں کیا کام مجھے کیا پتہ کہاں گئی۔“

”مگر وہ تو کہتی تھی کہ مندر میں رات رہتی ہے۔“ اس کا پتا بولا۔

”وہ کیا کہتی تھی میں کیا جانوں۔“ پنڈت بولا۔

اور پھر اس کی تلاش ہوئی اور لاش نالے کے اندر سے مل گئی کئی دن کے بعد لاش ملی تھی اس لئے بہت خراب حالت میں تھی پانی اور گند نے اس کی شناخت ختم کر دی تھی۔

یہ انگلوتا کی یہاں پر پہلی واردات تھی۔ پنڈت نے مجھ سے ضرور پوچھا کہ۔ ”وہ کب گئی تھی؟“

میں نے انگلوتا کی کہی بات اس کو کہہ دی انکوائری ہوئی ضرور مگر عدم ثبوت کی بنا پر پنڈت اور مجھ پر بات نہ آئی۔

کرشنا کا مزاج اپنے باپ کی طرح حاکمانہ تھا پھوپھی کے جانے کے بعد حویلی پر اس کا ہی راج تھا اس نے پرانے اور وفادار نوکروں کو حویلی سے باہر کر دیا اور نئے ملازمین رکھ لئے ان میں وفادار کم اور چاپلوسی کرنے والے زیادہ تھے حویلی کا ماحول تبدیل ہو رہا تھا۔

روہن کو اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ حویلی کے انتظامی امور کی طرف دھیان دیتا اور شیام سندر کو زمینداری کے کاموں میں الجھایا ہوا تھا اور روپا بھائی کے گھر تھی اور جان بوجھ کر رکی ہوئی وہ جانتی تھی کہ کرشنا کیا کر رہی ہو گی۔

یہ روپا کے ذہن کا منصوبہ نہ تھا اس کے ذہن میں یہ سب انگلوتا نے ڈالا تھا۔ اور جب روپا واپس حویلی آئی تو اس وقت حویلی کا ماحول جس میں نوکر چاکر پیار محبت سے کام کرتے تھے پیار کی زبان بولی جاتی تھی نہیں تھی ہر کوئی سہما سہما تھا نوکر اپنا اپنا کام کرتے تھے مگر ڈرے ڈرے کسی وقت چھوٹی مالکن کی جھاڑ ان پر پڑ جائے اس خوف کی وجہ سے ان سے غلطی بھی ہو جاتی تھی اور اس کی سزا ان کو بھگتنا پڑتی تھی۔

روپا نے یہ ماحول دیکھا تو بھی اس نے کوئی سوال نہ کیا اور الٹی کرشنا کی تعریف کی کہ اس نے اچھا کیا ہے اس طرح آہستہ آہستہ حویلی کا ماحول تبدیل ہوا روپا کے مزاج میں بھی تبدیلی آئی روپا کی وجہ سے شیام سندر کے طریقہ کار میں بھی تبدیلی نظر آنے لگی پہلے شیام سندر کسانوں اور ہاریوں کے ساتھ بہت رعایت کر دیا کرتا تھا ان کی بھول چوک کو نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ اب ان پر کڑی نظر رکھتا تھا اور وقت پر ان سے وصولی کرتا تھا ذرا رعایت نہ کرتا تھا یہ تبدیلی دھیرے دھیرے آئی تھی مگر ہر گاؤں کے آدمی کو اس کا احساس تو تھا پہلے زمیندار ایسا تو نہ تھا سب کیسے ہوا۔

روہن کو تھوڑا بہت اندازہ تھا مگر اس کے مشاغل دوسرے تھے وہ زیادہ دلچسپی زمینداری کے کاموں میں نہیں لیتا تھا حویلی میں کیا ہو رہا تھا زمینداری کیسی چل رہی ہے اس کو اس کی پرواہ نہ تھی اور یوں ہوا کہ شیام سندر ایک جابر بے رحم زمیندار کا روپ اختیار کرتا گیا۔

اور کسانوں پر اس نے ایسے حکم دیئے جوان کے بس کے نہ تھے سب پریشانی کا شکار ہو گئے۔

جب شیام سندر کا مزاج بدلا تو اسی طرح کے اس کے گماشتے ہو گئے وہ بھی کسانوں ہاریوں پر ظلم کرنے لگے ان کے چال چلن بھی خراب ہوئے اور وہ ایسا کام کرنے لگے جو کبھی اس جاگیر میں نہیں ہوا تھا روہن کے پاس شیام سندر کے کارندوں کی شکایتیں آنے لگیں تو ایک دن اس نے بھائی سے بات کرنے کی ٹھانی وہ بولا۔

''بھیا کچھ بات کرنا تھی۔ آپ کہو تو بولوں۔''

''ارے تو اتنی تمہید باندھنے کی ضرورت کیا ہے۔'' شیام سندر بولا۔

روہن نے کہا۔''ہمارے پرکھوں نے زمینداری کی ہے اوران سے ہمارے کسی گاؤں کے لوگوں کو شکایت نہیں ہوئی ہر کوئی پرکھوں کی اس زمینداری کی مثال دیتا تھا۔ ان کی زمینداری میں کبھی کسی پر ظلم نہیں ہوا کمزوروں کی مدد کرنا اور ان کو پیروں پر کھڑا کرنا ہمارا کام تھا۔ اس سے اس خاندان کا نام ہمیشہ اونچا رہا لوگ خوش حال اور زمیندار کو اپنا ہمدرد اور سرپرست خیال کرتے رہے۔ مگر اب چند دنوں میں ہمارے خاندان کی اس پرم پرا اور نام کو سخت نقصان ہوا ہے۔

میرے لئے یہ بہت دکھ کی بات ہے۔ میں اپنے پرکھوں کے نام کو جوانہوں نے سینکڑوں سال کی محنت سے کمایا تھا اس طرح بدنام ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔

آپ کے کارندے جو گاؤں گاؤں کر رہے ہیں ان کے کارنامے کی دھوم بہت دور تک جا رہی ہے مگر شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے ان کو لگام دینے کی ضرورت ہے۔''

شیام سندر نے خاموشی سے روہن کی بات سنی اور پھر بولا۔

''شاباش وکیل صاحب تم نے اچھی تقریر کی ہے مگر کسی عدالت میں کرتے تو کیس تم جیت جاتے مگر روہن سنگھ میرے بھائی وکالت اور زمینداری الگ الگ چیزیں ہیں۔ زمینداری نام ہے زمین سے اپنا حصہ وصول کرنا اس حصے کی وصولی یا تو کارندوں کے ذریعہ کی جاتی ہے کوئی آدمی جیب سے رقم نکالنا پسند نہیں کرتا اس کے لئے انگلی ٹیڑھی کرنا پڑتی ہے۔ تم نے زمینداری کی طرف توجہ دی ہوتی تو ایسا سوال نہ کرتے۔''

''ہمارے پتا جی نے بھی ہاریوں اور کسانوں سے وصولی کی تھی اور ان کے طریقہ کار کو آپ نے بھی جاری رکھا تھا اس وقت بھی ہمارے پاس کیا کمی تھی تو اب کیا ہو گیا ہے۔'' روہن بولا۔

''زمانے کے ساتھ ساتھ انسان کو بدلنا پڑتا ہے اب وقت بدل گیا ہے لوگ اپنی جیب سے کچھ دینا نہیں چاہتے اس کے لئے ان پر سختی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔'' شیام سندر نے کہا۔

''اور اگر وہ کسی مجبوری سے نہ دیں تو ان کے جانوران سے چھین لو۔ اور اگر پھر بھی نہ دیں تو ان کی بہن بیٹی پر ہاتھ ڈال دو ان پر ظلم کرو یہ کون سا طریقہ ہے۔'' روہن بولا۔

''ایسا کب ہوا ہے۔'' شیام سندر نے پوچھا۔

''آپ کے کارندوں نے گاؤں تالاب والا میں کسان دھیان چند کے ساتھ کیا کیا ہے آپ کو اس کی اطلاع ہے اگر اطلاع نہیں تو پھر میں سمجھ لوں کہ آپ کے کارندے خود مختار ہو گئے ہیں اور اگر اطلاع ہے تو آپ نے ان کارندوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ بھیا بات اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے آپ ان کارندوں کو فوراً برخواست کر دیں اور سزا دیں۔'' روہن نے کہا۔

''دیکھو روہن یہ زمینداری ہے کہیں پر نرمی اور کہیں پر سختی سے کام لینا ہوتا ہے پھر توازن برقرار رہتا ہے زیادہ نرمی اور زیادہ گرمی سے معاملہ بگڑ جاتا ہے۔'' شیام سندر نے کہا۔

''مگر کچھ عرصہ سے صرف گرمی کا ماحول ہے اس سے بگڑ رہا ہے باپ دادا کے زمانے سے نرمی کا ماحول تھا وہ چل رہا تھا بھیا کسان ہو ہاری ہو یا کوئی مزدور سب کی اپنی اپنی عزت ہوتی ہے اور ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق

اس کی حفاظت بھی کرتا ہے آپ یا کوئی اور ان کو بے عزت کرے وہ اس کو برداشت نہیں کرے گا آپ کے کارندوں نے ظلم کیا ہے اس کی سزا ان کو ملنا چاہئے اگر ایسا نہ ہوا تو ان کی ہمت اور بڑھ جائے گی اور وہ اس سے زیادہ کریں گے۔'' روہن نے کہا۔

''تم جذباتی ہو رہے ہو میری بات غور سے سنو! کارندوں کے ذریعہ ہی ہم کام کرتے ہیں وہ نہ ہوں گے تو سب کام نہ میں کر سکتا ہوں اور نہ تم ان کو رکھنا تو ضروری ہوا۔'' شیام سندر بولا۔

''میں نے ان کے رکھنے پر اعتراض نہیں کیا ہے مگر وہ مادر پدر آزاد ہو کر لوگوں پر ظلم کریں اور آپ کو پتہ نہ ہو میرا اعتراض یہ ہے وہ اگر خود کرتے ہیں تو مجرم ہیں اور اگر آپ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہے تو آپ نے غلط کیا ہے۔'' روہن نے کہا۔

''روہن تم سمجھ رہے ہو کہ تم کیا بات کر رہے ہو۔'' شیام سندر نے پوچھا۔

''بھیا میں خوب سمجھ کر بات کر رہا ہوں پانی سر سے اونچا ہونے سے پہلے ہم کو اپنے رویے اور اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا ہوگا۔'' روہن نے کہا۔

''تم مجھ پر اعتراض کر رہے ہو میں نے تم کو اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کیا ہے۔'' شیام سندر بولا۔

''اور وہی پیار آپ کو آپ کی غلط روش کا احساس کرا رہا ہے اگر میں غلطی کروں گا تو آپ مجھے میری غلطی کا احساس ضرور کرائیں گے اور آپ کہیں پر غلطی کریں تو میرا فرض ہے کہ آپ کو بتاؤں آپ مان لیں کہ آپ نے کارندوں پر ظلم کر کے وصولی کرنے کے احکامات دیئے ہیں۔''

شیام سندر کی زمینداری اور حاکمانہ ذہن کو روہن کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ غصہ میں بولا۔

''زمینداری مجھے کرنی ہے اور کس طرح کرنی ہے میں جانتا ہوں تم مجھے سبق نہ پڑھاؤ اور اپنی وکالت کرو۔''

روہن بھی اسی باپ کا بیٹا تھا بولا۔'' وکالت تو میں کروں گا ہی مگر آپ کو یہ ظلم و ستم بند کرنا ہوگا ورنہ آپ کو کوئی کسان کچھ نہ دے گا میں خود ان کو منع کر دوں گا۔'' روہن بولا۔

''تم اس قدر میرے خلاف ہو جاؤ گے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' شیام سندر نے بولا۔

''اور آپ اس قدر بدل جاؤ گے میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔ روہن بولا۔

اگلوتا دونوں کے ذہن کو کنٹرول کر رہا تھا اور اس کو اپنی کامیابی قریب نظر آ رہی تھی۔ ایک دن میں نے اگلوتا سے پوچھا۔'' گرو کب تک اس شہر میں رہنا ہے؟''

اگلوتا نے کہا۔'' کچھ دن اور رکنا ہوگا کام اب ختم ہونے کے قریب ہے دونوں بھائی آمنے سامنے آ رہے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ جس نے اس کام کی ابتدا کی تھی اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں ہے میرا کام ایسا ہی ہوتا ہے میں صرف شیرا لگاتا ہوں اس پر مکھی آتی ہے اور اس مکھی کو شکار کرنے کو چھپکلی ضرور آئے گی اور اس پر بلی اور پھر جھگڑا شروع ہے، میں نے کیا کیا صرف شیرا ہی تو دیوار پر لگایا تھا۔

آگے تو خود بخود کام پورا ہوا۔ شیام سندر کی حویلی کا ماحول تبدیل کرنے میں محنت کرنا پڑی اور اس ماحول کی تبدیلی کا اثر اس کی بیوی اور اس پر ڈالنے میں وقت لگا مگر اب منزل قریب ہے یہ دونوں آپس میں لڑیں گے مقدمہ بازی کریں گے اور پھر بٹوارہ ہوگا اور دو گروپ بن جائیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمنیاں پرورش پائیں گی میرا کام تب ختم ہوگا۔''

میں بولا۔'' اس میں تو بہت وقت لگے لگا۔''

''مجھے وقت کی فکر نہیں ہے کام کی فکر ہے تو کیوں جلدی کرتا ہے موج کرتا رہ۔''

''سارے دن کیا کروں بیکار پڑا ہوں۔'' میں بولا۔

''تو پھر ٹرک چلا دوڑ دھوپ کر روپے کے لئے نہیں اپنے لئے کر شاید وہاں پر کچھ نیا تجھ کو ملے۔'' اگلوتا نے کہا۔

گرو تمہاری یہ بات درست ہے میں کچھ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں تیرے ساتھ ہوں جب یاد کرے گا کاندھے پر پائے گا۔'' اگلوتا نے کہا۔

اس کے بعد میں نے پھر ٹرک چلانا شروع کر دیا اور مال دوسرے شہروں میں پہنچانے لگا اور بھانت بھانت کے چہرے میرے روبرو آنے لگے۔

میں نہایت کم دام پر کام کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے دوسرے مقامات پر جانے کو بہانے کی ضرورت تھی روپوں کے لئے میں کام نہیں کرتا تھا۔

اڈے پر دوسرے ٹرک والے میری وجہ سے پریشان تو ہوئے کیونکہ میں ریٹ خراب کر رہا تھا مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ ایک ٹرک ان کے لئے خطرہ نہیں ہے نقصان کرتا ہے تو اپنا کرلے گا جودھ پور آگرہ کے قریب ایک ریاست ہے وہاں پر آگرہ سے زیادہ تر اناج ہوا کرتا ہے اناج کا بیوپاری بنیا ایک نمبر کا کنجوس ہے وہ صرف دیارام کے ٹرک میں مال بھیجتا ہے کیونکہ وہ کرایہ کم لیتا ہے۔ دیارام جودھ پور کا مال رات میں سفر کر کے پہنچاتا ہے وہ رات میں دس گیارہ بجے روانہ ہوتا ہے۔ اور سکون سے چلتا ہوا سویرے جودھ پور پہنچ جاتا۔ یہ بات لوگوں میں مشہور ہو گئی تھی۔ درمیان میں ایک جگہ بنام روکڑی تھی۔ جہاں پر میں رکتا تھا۔ روکڑی بڑی بدنام جگہ ہے یہاں پر شریف آدمی تو کوئی نظر نہیں آتا جوا، شراب اور دھندہ کرنے والی عورتیں ہیں جو بھی یہاں آتا ہے عیش کرنے کی نیت سے آتا ہے۔

روکڑی میں فراغت کے بعد میں ٹرک پر آیا اور گاڑی کو چیک کیا چوکیدار کو پیسے دیئے اور گاڑی پر چڑھنے والا تھا کہ چوکیدار نے کہا۔ ''استاد ذرا میری بات تو سن لو! میں بولا۔ ''بول کیا بات ہے؟''

چوکیدار بولا۔ ''بھیا بات یہ ہے کہ دو سواری ہیں ان کو جودھ پور جانا ہے اس وقت سواری کے ملنے کا کوئی سوال نہیں ہے رات بھر ان کو یہاں پر رکنا ٹھیک نہیں ہے۔''

تم جانتے ہو ٹرک میں سواری نہیں بٹھائی جاتی پارٹی اعتراض کرتی ہے چوری چکاری کا ڈر ہوتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''استاد وہ سواریاں زنانی ہیں کسی کے پاس آئی تھیں مگر جس کے پاس آئی تھیں اس کا کچھ پتہ نہ چلا اور تلاش کرتے رات ہو گئی ایک ماں ہے ایک بیٹی شریف لوگ ہیں۔''

عورتوں کا سن کر میں بولا۔ ''چل ٹھیک ہے تو بھی اپنا ہی آدمی ہے مگر میری بات یاد رکھنا کہ یہ کام جوکھم کا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟ میں ان کو پہنچا دوں اور پھر کچھ گڑبڑ ہو تو میرے سر پر جائے اور میں بے فائدہ پھنس جاؤں تو کسی کو نہیں بتائے گا کہ میری گاڑی میں وہ عورتیں گئی ہیں ورنہ یاد رکھ میں کسی چکر میں آ گیا تو، تو بھی پھنس جائے گا۔''

''ارے گرو میں کیوں کسی کو بتانے لگا تم بے فکر رہو میری زبان بند رہے گی۔'' چوکیدار بولا۔

''تو ٹھیک ہے لے آ اور آگے بٹھا دے۔''

ایک چالیس کے لگ بھگ عورت تھی اس کی صحت اچھی تھی اور لڑکی کی ماں نہیں لگتی تھی دوسری لڑکی بیس سال کے قریب تھی ناک نقشہ اچھا تھا اور اٹھان پرکشش تھی۔ لڑکی اور ماں دونوں بڑی چھوٹی بہنیں لگتی تھیں دیہاتی حسن تھا کوئی چمک دمک نہ تھی مگر جوانی خود ایک حسن ہوتا ہے وہ ان دونوں میں خوب تھا۔

راجستھان میں عورتوں کا لباس بڑا تیز رنگ کا ہوتا ہے اوپر بدن پر قمیض نمونے کا بلاؤز مگر بہت مختصر پورا پیٹ نظر آتا ہے۔ اور نیچے لہنگا بڑا کھلا کھلا اور اوڑھنی اگر قمیض پیلی ہوگی تو لہنگا سرخ ہوگا ان کے زیورات بھی بھاری بھاری ہوتے ہیں۔

ٹھنڈے مزاج کے یہ لوگ ہوتے ہیں مگر زبان میں نرمی نظر نہیں آتی۔

عورت بولی۔ '' کاں جاوے گا اے ڈلیور ہم کا تو جودھ پور جانا ہے۔''

میں بولا۔ ''تو بیٹھ جا جودھ پور میں جاؤں گا۔ تیرا نام کیا ہے یہ تو بتا۔''

''نام کا کا کرے گا تو اپنا کرایہ تو بتا دے۔''

عورت بولی۔

''یہ سواری کی لاری نہیں ہے جو دل کرے دے دینا میں تو جا ہی وہاں رہا ہوں۔'' میں بولا۔

''نہ جی یہ تو گڑ بڑی کی بات ہو جائے گی تو نے زیادہ مانگ لئے اور میرے پاس نہ ہوئے تو پھر میں کا کرونگی۔'' عورت نے کہا۔

''دیر نہ کر جانا ہے تو بیٹھ جا اور جو تیرے پاس ہووے دینا۔'' میں نے کہا۔

اور میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا دونوں عورتیں میرے برابر میں بیٹھ گئیں اور ٹرک روانہ ہوا سڑک پر اندھیرا تھا مگر ٹرک کی ہیڈ لائٹ سڑک پر پڑ رہی تھی اور ٹرک چلا جا رہا تھا میں نے پوچھا۔ ''تو نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

عورت بولی۔ ''میرا نام گومتی ہے اور یہ میری چھوری گنگا ہے۔''

میں ہنس کر بولا۔ ''دونوں ہی پانی ہو پر یہ تیری چھوری لگتی نہیں ہے۔''

عورت بولی۔ ''کاہے نہ لگے ارے یہ میری چھوری ہے بہت چھوٹی تھی میں کہ باپو نے گونا کر دیا۔ اور یہ چھوری ہو گئی۔''

''تیرا پتی ہے کہ گزر گیا۔'' میں بولا۔

''ہے تو پر اوکا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دارو پی پی کے ناس مار لیا اب کچھ کرنے کا نہیں ہے میں ہی کام کاج کی خاطر پھرت ہوں پر یہ چھوری میری بیڑی بن گئی ہے اس کا کہاں چھوڑوں جمانہ بہت خراب آ لگا ہے بھروسہ تو کسی پر نہ کروں میں۔''

میں بولا۔ ''پر تو بھی ابھی جوان ہے تیرا کیا بگڑا ہے ابھی۔''

''ارے دیکھ تو ایسی بات نہ کر مو سے۔'' عورت بولی۔

''تیری تعریف کر رہا ہوں اور تو غصہ کر رہی ہے۔'' میں بولا۔

''نہ کر میری تعریف میں سب جانوں ہوں مرد عورت کی تعریف کب کرے ہے۔''

میں بولا۔ ''اچھا بتا کب تعریف کرتا ہے مرد۔''

گومتی نے میرے چہرے پر نظر ڈالی اور بولی۔

''جب اس کی نیت خراب ہوتی لاگت ہے تیرے دل میں بھی کچھ ہے۔''

''تو بڑی سمجھدار عورت ہے اندر کی بات بھی سمجھ جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تیرا کیا خیال ہے عورت سمجھ دار کب ہووے ہے اوکا تو مرد سمجھدار بنا دے ہے۔ عورت کی تو کوئی چیز اپنی نہ ہووے وہ تو دوسروں کے حکم پر زندگی گزارے ہے بچپن میں ماں نے جو کہا اس پر چلی جوان ہوئی تو جو اچھا برا مرد اس کے حصے میں آیا اس کے کہنے میں اس کی مرضی سے زندگی گزار دی اور بڑھاپے میں اولاد کی مرضی چلی۔ اب بتا عورت نے اپنی زندگی اپنی مرضی سے کب گزاری۔''

''تو نے بڑے تجربے کی بات کی ہے۔'' میں بولا۔

''تجربہ بھی عورت کو مرد ہی دیتا ہے۔'' گومتی بولی۔

اگر مرد ہی عورت کو سب کچھ دیتا ہے تو پھر عورت کو اس کی مرضی سے ہی چلنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

گومتی بولی۔ ''عورت چلتی تو ہے اب دیکھ میں تیرے ساتھ ہوں ناں۔''

''اچھا تو یہ بتا یہ تیری گنگا گونگی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''گونگی نا ہے پر بولتی کم ہے میں نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔'' گومتی نے کہا۔

''مرد کے برابر میں عورت ہو تو مرد موج میں ہوتا ہے پھر اس کے اندر گڑ بڑ شروع ہو جاتی ہے یہ کیا بات ہے اس کارن میں زنانی سواری اپنے قریب نہیں بٹھاتا تیری مجبوری دیکھ کر بٹھا لیا تھا پر اب ایسا لگتا ہے گاڑی آگے نہیں چلے گی گرم ہوائیں آنے لگی ہیں۔''

عورت کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''تو نے بھیڑ

دیکھی ہے۔"

"ہاں دیکھی ہے پر بھیڑ کا کیا ذکر یہاں پر۔" میں بولا۔

"بھیڑ جہاں جائے مونڈھی جاتی ہے عورت کہیں پر ہو اس سماج میں شکار ہوتی ہے اس کے شکاری ہر جگہ موجود ہوتے ہیں کوئی اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتا ہے کوئی اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے اور کوئی اپنی طاقت کے ذریعہ سب کام وہی کرتے ہیں۔" گومتی نے جواب دیا۔

میں بولا...... "تو پھر بتا عورت کا پھر کیا مصرف ہے پھول پودے پر لگتا ہے بہت خوبصورت اس کو توڑ کر کسی سہرے میں لگاتے ہیں یہ اس کا مصرف ہے اگر نہ توڑا جائے تو بھی پودے پر وہ مرجھا جائے گا اور بے کار جائے گا کسی سہرے پر لگ گیا تو اس کی عزت اور شان نہ بڑھ گی۔ عورت بھی ایک پھول ہے اس کا بہترین مصرف مرد کی چاہت ہے۔"

گومتی ہنس کر بولی۔ "مرد نے خوب کہانیاں اپنے مطلب کی خاطر بنائی ہیں۔"

میں ہنس کر بولا۔ "شکر ہے تیری ہنسی تو سنی میں تو سمجھ رہا تھا تو ہنستی ہی نہیں ہے اندر کی خوشی سے جو ہنسی باہر آتی ہے وہ سچی ہوتی ہے میری ہنسی اندر کی نہیں ہے یہ تو تیری باتوں سے صرف منہ میں آ گئی تھی۔" گومتی نے کہا۔

"باتیں خوب کرتی ہے کسی شہر کی ہوتی اور پڑھ لکھ جاتی تو تیرا بڑا نام ہوتا۔" میں نے کہا۔

"مگر رہتی تو عورت ہی ہر عورت کے لئے ایک جال اس جال کے رنگ الگ الگ ہیں۔ اس جال کے پھندے الگ الگ ہیں اور اس جال کو عورت پر پڑنا ہے۔ عورت اس جال سے بچ نہیں سکتی۔ خود چاہے جتنی اوپر چلی جائے۔" گومتی نے جواب دیا۔

"تیرے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے۔" میں بولا۔

"میری تعلیم کم نہیں ہے۔" گومتی نے کہا۔

میں حیران ہو کر بولا۔ "تو نے کہاں پڑھا ہے۔"

"میں نے اس سماج کے اسکول میں پڑھا ہے در در کی چوکھٹ پر پڑھا ہے میں نے مرد کی نگاہوں سے پڑھا ہے میرا ایک اسکول نہیں ہے تو بتا تو نے کہاں پڑھا ہے۔" گومتی نے پوچھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"میں نے انسان کی گالیوں اور سر پر پڑتی جوتیوں سے پڑھا ہے نفرت میرے لئے پہلا سبق تھا اور نفرت ہی آخری بھی ہے میرے اندر نفرت ہی نفرت ہے میری کوئی ماں نہیں میری کوئی بہن نہیں عورت صرف عورت ہے تو بھی ایک عورت ہے اور تیری گنگا بھی عورت ہے میں مرد ہوں صرف ایک مرد بول تو صرف عورت ہے نا۔"

"میں تیری باتوں سے اندازہ کر چکی تھی تو صرف مرد ہے تو نے نئی بات تو کوئی نہیں کی۔" گومتی بولی۔

سڑک کے درمیان میں ٹرک رک گیا۔ گومتی بولی۔ "گاڑی کاہے روک دی۔"

میں بولا۔ "پیاس لگی ہے آ نیچے اتر ذرا جل پانی کر لیں پھر آگے چلیں گے۔"

گومتی نیچے اتر آئی اور گنگا گاڑی میں بیٹھی رہی۔ سڑک پر دور دور اندھیرا تھا کوئی گاڑی آتی نظر نہ آتی تھی۔ میرے اندر کا مرد بیدار تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد ہم دونوں واپس ٹرک میں آ گئے۔ گنگا نے ماں کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لی ٹرک اسٹارٹ ہوا اور روانہ ہوا۔

گومتی خاموش تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ بھیڑ جہاں جائے مونڈھی جاتی ہے۔"

رات ختم ہونے کو تھی اور آبادی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ میں نے کہا۔ "بول کہاں اترے گی؟"

"بس آگے اتار دے۔" گومتی بولی۔

میں نے کچھ روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"تو نے یہ روپے مجھے کیوں دیئے ہیں۔" گومتی بولی۔

"میں کسی کام کو ادھورا چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں میں نے خوشی سے یہ دیئے ہیں۔ تو ضرورت مند ہے میں یہ بات جانتا ہوں رکھ لے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ تو آگے کا راستہ کھلا رکھنا چاہتا ہے کیونکہ گومتی کے ساتھ گنگا بھی ہے میں نے مرد کو ایسا ہی پایا ہے مرد بے وجہ کسی کو کچھ نہیں دیتا۔" گومتی نے کہا۔

"تیری نظر دور دور ہے بہت آگے کی بات تیری سمجھ میں آ جاتی ہے۔" میں بولا۔

"میں نے زندگی کی ابتدا ایک شرابی مرد کے ساتھ کی تھی اس کے شرابی دوست گھر تک آتے تھے وہ کیوں آتے تھے یہ بات وہ بھی جانتا تھا میں نے ان کو بہت پڑھا ہے ان کی نظریں اور اندر باہر کی خواہشات میں دور سے پہچان سکتی ہوں۔"

"تو پھر بتا تیرا گھر کہاں ہے میں تیرے پاس جب بھی جودھ پور آیا ضرور آؤں گا۔" میں بولا۔

"میرا گھر منگل واڑہ میں ہے کسی سے پوچھ لینا سور یا کمہار کا گھر پہنچ جائے گا۔"

میں گنگا سے بولا۔ "تو نے اب تک کوئی بات مجھ سے نہیں کی مگر میں تجھ کو بھولوں گا نہیں۔"

گومتی بولی۔ "بس اب تم جاؤ گنگا کو یاد نہ رکھو تو اچھا ہے۔"

گومتی کا پانی جتنا اچھا ہے اس سے بڑھیا گنگا کا ہے۔" میں بولا۔

"پانی تو پانی ہے اب تو جا۔" اور ٹرک اڈے کی طرف روانہ ہوا۔

میں نے اگلوتا کو یاد کیا اور وہ آ گیا آتے ہی بولا۔" موج کر لی۔"

"ہاں تیری اجازت سے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر مجھے یاد رکھا تو نے۔" اگلوتا نے کہا۔

"خوب یاد رکھا گنگا پر میں نے نظر اس لئے نہیں کی کہ تیرا خیال تھا تجھے میں خالص کنیا دینا چاہتا تھا۔ اور وہ ان چھوئی ہے اب تک اس کی ماں نے سب بوجھ خود پر ڈالا ہوا ہے۔" میں بولا۔

"ابھی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے جب ضرورت ہو گی بتاؤں گا میرا کام ختم نہیں ہوا۔"

روہن کے ذریعہ اگلوتا نے یہ کر دیا کہ وہ ہر گاؤں گیا اور کسانوں کو اطلاع دی کہ وہ شیام سندر کے کسی کارندے کو کچھ نہ دیں جو واجبات ہوں گے روہن خود وصول کرے گا۔

اور وصولی بند ہو گئی یہ بات شیام سندر کو بہت ناگوار گزری اور اس نے سخت لہجے میں روہن سے باز پرس کی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے زیادہ میرے خلاف ہو جاؤ گے کہ وصولی خود کرو گے۔"

"میں نے جتنی وصولی کی ہے وہ میرے پاس رکھی ہے اور اس کا حساب بھی رکھا ہے آپ کے کارکنوں کا طریقہ کار نہایت گھٹیا تھا۔ اس کو آپ بدل دیں۔"

شیام سندر نے غصے سے کہا۔ "اب تم مجھے طریقہ سکھاؤ گے۔"

"غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے آپ اپنی غلطی کو مانتے کیوں نہیں۔" روہن نے کہا۔

"میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں نے تم کو اولاد سے بڑھ کر چاہا۔ تم کو پڑھنے کو آزاد کر دیا اور تم وکیل بننے کے بعد مجھے وکالت دکھانے لگے اور میرے سوا سب کے ہمدرد بن گئے۔"

"آپ کے دل میں ایسا خیال کیوں آ گیا میں آج بھی وہی ہوں۔" روہن بولا۔

شیام سندر کے دماغ کو تو اگلوتا کنٹرول کر رہا تھا بولا۔ "تم نے سب کسانوں کو میرے خلاف کر دیا ہے اور مال خود بٹور رہے ہو مگر اب فیصلہ ہو کر رہے گا میں اتنی آسانی سے تم کو وصولی نہیں کرنے دوں گا۔"

"آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ آپ کے برابر میرا بھی حق ہے جاگیر پر۔" روہن نے کہا۔

"خوب یاد ہے تم کو بھی یہ یاد رکھنا تھا کہ میں کون ہوں؟"

دونوں بھائیوں کی اس گرما گرمی کی بات دونوں کی بیویوں کو بھی پتہ چل گئی۔

رات کو روہن گھر آیا تو کھانے پر اس کے ساتھ کوئی

نہ تھا اس نے کرشنا سے پوچھا۔

''آپ کھانا جلدی کھا لیا گیا ہے شاید۔''

''اب روز ہی ایسا ہوگا تم نے بھیا کے ساتھ جھگڑا جو کیا ہے۔'' کرشنا بولی۔

''میں نے وصولی بات کی تھی ہمارے خاندان میں جواب تک نہیں ہوا تھا وہ ہو رہا تھا میں کیسے چپ رہتا دوسری ذات کے زمیندار ہمارا مذاق اڑانے لگتے۔'' روہن نے کہا۔

''بھیا نے کوئی انہونی تو نہیں کر لی تھی ہر زمیندار جو کرتا ہے وہ کر رہے تھے میرے پریوار میں بھی ایسا ہی ہوتا آ رہا ہے اس میں نئی بات کیا تھی۔'' کرشنا بولی۔

''میں تمہارے خاندان کی بات نہیں کرتا مگر میرے پرکھوں نے ہمیشہ ایسی زمینداری کی ہے کہ ہر کسان ہاری ان کو دعائیں دیتا تھا کسی کو کسی قسم کی شکایت زمیندار سے یا اس کے کارندوں سے نہیں ہوتی تھی۔ ہر کسی کو اس کا حق ملتا تھا مگر ان سب باتوں کو بھلا کر نئی ریت ڈالی جا رہی ہے کارندے ظلم کر رہے ہیں کسانوں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالا جا رہا ہے ان کی بہن بیٹیوں پر بری نظریں ڈالی جا رہی ہیں ایسا نہ باپو کے زمانے میں ہوا تھا اور نہ دادا کے زمانے میں لوگ ہمارے خاندان کی مثالیں دیا کرتے تھے آج مذاق اڑا رہے ہیں۔'' روہن نے جواب دیا۔

''لوگوں کی زبانوں پر کس نے قابو پایا ہے تم زمینداری کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے بھیا جو کر رہے ہیں ان کو کرنے دو اور تم اپنی وکالت کی طرف دھیان دو۔'' کرشنا نے کہا۔

''تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ تم نے بچپن سے ایسا ہوتا دیکھا ہے تمہارے لئے نئی بات نہیں ہے تم یہ سمجھ لو کہ میں پہلے کسان ہوں زمین سے میرا گہرا رشتہ ہے اور اس کے بعد وکیل ہوں میں کسی کسان پر ظلم وستم نہیں ہونے دوں گا اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔'' روہن نے جواب دیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو تمہارے ایسا کرنے سے خاندان کی بدنامی نہیں ہوگی۔'' کرشنا بولی۔

''ہو مگر اس میں کسی کے فائدے اور آرام کی بات بھی ہوگی تم نے اس حویلی پر اپنا حکم چلا لیا۔ اپنی مرضی کے سب کام کر لئے اس لئے کہ بھابھی تمہاری پھوپھی تھی اس میں بھی اسی خاندان کا خون ہے جو تم میں ہے مگر میرے لئے تم کوئی حکم نافذ نہ کرنا کیونکہ میں ہرگز ہرگز اپنی خاندانی پرم پرا کو مذاق نہیں بنواؤں گا اور اگر اس معاملے میں بھیا کی طرف دار ہوان کے نئے طریقہ کار کو پسند کرتی ہو تو پھر تمہارا اور میرا ساتھ آگے نہیں چلے گا۔ سوچ لو اور پھر فیصلہ کرو۔'' روہن بولا۔

کرشنا بھڑک کر بولی۔ ''تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ذرا نہیں سوچا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔''

''میں جو زبان سے نکالتا ہوں اس پر پہلے غور کرتا ہوں تم نے میری ذرا حمایت نہیں کی بھیا کی طرف داری کی ان کی ہر بات کی تم نے طرف داری کی جبکہ تم میری پتنی ہو میں غلط بھی تھا تب بھی تم کو میرا ساتھ دینا تھا۔ مگر تم نے ایک پتی ورتا ہندو ناری ہونے کا ذرا سا ثبوت نہ دیا۔ میں نے اس سے اندازہ لگا لیا کہ تمہارے من میں میرے لئے وہ محبت نہیں جو ہر پتی ورتا ناری کے من میں ہوتی ہے۔ ان حالات میں میں نے تم کو اپنا فیصلہ سنا دیا تو تم کیوں بھڑک رہی ہو۔''

''روہن یاد رکھو کہ میں گاؤں کی جاہل عورت نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میرے کیا حقوق ہیں اور میرا خاندان بھی ایسا گیا گزرا نہیں ہے۔'' اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔

حویلی کے ماحول میں ایسی تناتنی کبھی نہیں آئی تھی حویلی کے باہر ہر گاؤں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ دونوں زمیندار بھائیوں میں ٹھن گئی ہے روہن نے سارے کارندے بیکار کر دیئے تھے۔ کوئی ان کو کچھ نہیں دے رہا تھا اور الٹا کئی کسانوں نے ان کی پٹائی بھی کر دی تھی سب ہی کسان روہن کی تعریف کرتے تھے ان حالات میں شیام سندر سخت پریشان تھا۔ روہن کا اثر بڑھ رہا تھا اور شیام سندر کا کم ہو رہا تھا اس کے ہاتھ پیر اس کے کارندے تھے

وہ اب کچھ نہ کر پا رہے تھے۔ اس نے روپا سے بات کی اور پھر روہن سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک دن بولا۔

''پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے اب اور زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں جو کر رہا ہوں وہی چاہتا ہوں باپو کے زمانے کی ریت رواج کو قائم رہنا چاہئے بس۔'' روہن بولا۔

''میں پھر کہوں گا زمانہ بدل گیا ہے اب ایسا نہیں ہوگا۔'' شیام سندر نے جواب دیا۔

''تو پھر آخری صورت بٹوارے کی ہے میرا حصہ الگ کر دیا جائے میں جس طرح کروں۔'' روہن بولا۔

''سات گاؤں کی زمینداری ہے یہ کام اتنی جلدی تو نہیں ہوگا۔'' شیام سندر بولا۔

''میں جانتا ہوں سارے گاؤں میں کون کون پیداواری لحاظ سے کتنا ہے زمین کتنی ہے اور ان پر جو مکانات ہیں وہ کتنے ہیں سب کا حساب ہوگا اس کام میں وقت تو لگے گا اور اس وقت تک جو وصولی میں کروں گا وہ تحریری شکل میں ہوگی وہ میں آپ کو آدھی دوں گا مگر جو آپ نے وصولی کی ہے اس کا حساب بھی آپ کو دینا ہوگا باپو کے زمانے اور ماتا جی کے زیورات اور ان کا جمع شدہ پیسہ بھی آپ کے پاس ہے سب کچھ بتانا ہوگا اس لئے میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کا ہے۔''

شیام سندر غصہ سے بولا۔ ''ہاں ہاں سب کر لینا۔''

''بٹوارہ تو طریقہ پر ہی ہوگا۔'' روہن بولا۔

''تیری ان ہی باتوں سے تیری پتنی بھی تجھ سے ناراض ہے تیرے دل میں ذرا خیال کسی کا نہیں ہے۔ سارے رشتے ناتے تو بھول گیا ہے۔'' شیام سندر نے کہا۔

''اور آپ سینکڑوں سال کی پرکھوں کی بنی بنائی عزت کو مذاق بنوا رہے ہیں اور اپنے سالے کے اصولوں پر چل رہے ہیں باپ دادا کو بھول گئے ہیں۔'' روہن نے جواب دیا۔

''اب تیری میری ملاقات کورٹ میں ہوگی کر لے سب انتظامات۔'' شیام سندر بولا۔

''اور ایک ایک پائی کا حساب ہوگا۔'' روہن نے کہا۔

''کر لینا حساب میرے بھی ہاتھ پیر ہیں۔'' شیام سندر غصہ سے بولا۔

اور پھر کورٹ کچہری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کرشنا ناراض ہو کر میکے چلی گئی اور حویلی میں دیوار کھڑی ہو گئی دونوں بھائی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔

بٹوارے کا جھگڑا طول پکڑتا گیا اور نفرت کی گہری خلیج دونوں کے درمیان آ گئی اگلوتا کا پروگرام پورا ہوا اور وہ مسرت کے گیت گاتا رہا۔

میں ٹرک پر سفر کرتا رہا اور دور دراز کے میوے کھاتا رہا۔

''اب کیا ہے گروتم نے وہ کام کر دیا جس کا بیڑہ اٹھایا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اب کام پورا ہوا اب یہ دشمنی پشت در پشت چلے گی میرا اب کام ختم ہوا اب میں تیرے ساتھ ہوں اب مجھے میری خوراک کی ضرورت ہے۔'' اگلوتا نے کہا۔

''میں نے جودھ پور میں تیری خوراک رکھی ہے میں اس کے پاس جاتا رہا ہوں مگر گنگا اب تک پوتر ہے۔'' میں بولا۔

''تیری یہ بات مجھے اچھی لگی ہے تو نے میرا خیال رکھا ہے۔'' اگلوتا بولا۔

''جب حکم کرو میں جودھ پور چلنے کو تیار ہوں'' میں بولا۔

''ارے اب اس طرف سے تو فرصت میں ہے آگے جو ہوگا یہ خود کریں گے میری ضرورت نہیں ہے۔ میرا کام یہ ہے کہ میں منش کو اس راہ پر ڈال دوں محبت بھائی چارہ کے دروازے بند کر دوں نفرت عداوت کے دروازے کھول دوں باقی کام تو خود بخود ہو جاتے ہیں۔''

میری وجہ سے گومتی کے حالات بدل گئے تھے اور اس کے چہرے پر خوش حالی کی رونق تھی اس کے ساتھ گنگا کی جوانی بھی بہار میں تھی اس کے بدن کی خوشبو

دیارام کو بے چین کرتی تھی مگر وہ صرف گومتی پر نظریں رکھتا تھا گومتی نے دیارام کو دیکھا تو ہنس کر بولی میری یاد آ گئی تھی یا پھیٹریل مل گیا تھا۔

میں بولا۔ ''تیری یاد کب نہیں آتی، تیرے نشے نے بے خود کر رکھا ہے۔''

''نشہ کرنے والوں سے میں نفرت کرتی ہوں اس نشے کی لت نے مجھے عورت سے وحشیا بنا دیا ہے۔''

''تیری رکھیل بنا دیا ہے نشے کی بات نہ کر۔'' گومتی نے کہا۔

''ناراض نہ ہو نشہ ایک طرح کا کب ہوتا ہے نشہ دولت کا بھی ہوتا ہے نشہ شراب کا بھی ہوتا ہے۔ نشہ جوانی اور حسن کا بھی ہوتا ہے طاقت کا بھی ہوتا ہے اور نشہ اقتدار اور کرسی کا بھی ہوتا ہے سارے نشے خطرناک ہوتے ہیں مگر میں تیرے نشے میں مست ہوں جب طلب ہوتی ہے آ جاتا ہوں تو میری عادت بن گئی ہے۔'' میں بولا۔

''اب کے دو چار دن رک کر جانا۔ ہولی کا تہوار آنے کو ہے ساتھ ہولی کھیلیں گے۔''

گومتی نے ہنس کر کہا۔ ''تو میں بھی ہنس کر بولا۔

''تو بھی ہولی کھیلتی ہے میں تو نہیں کھیلتا۔''

''رنگ ہی زندگی میں پیار لاتے ہیں ہرا رنگ آنکھوں کو ٹھنڈک دیتا ہے۔ تو سرخ جولانی پیدا کرتا ہے امنگوں کو جوان کرتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ بوڑھے جوان ہولی کے دن کتنے خوش ہوتے ہیں۔'' گومتی بولی۔

''تو کس چکر میں پڑ گئی ہے۔ چھوڑ ان باتوں کو اور سنا گنگا ٹھیک ہے نظر نہیں آ رہی۔''

''بہت ٹھیک ہے میں نے اس کی لگن کا انتظام کر دیا ہے لڑکا اچھا ہے اور خوب جوڑ کا ہے۔''

''دیوالی میں وہ چلی جائے گی۔''

''پر کنیا کو جانا تو ہوتا ہے۔''

''چل ٹھیک ہے۔'' میں بولا۔

اگلوتا نے کان میں کہا۔ ''سن لیا تو نے بس اب دیر نہ کر اور آج ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

میں بولا۔ ''تو اب گنگا گھر میں نہیں ہے کیا۔''

''آتی ہوگی رات کسی جگہ نہیں چھوڑتی کنواری لڑکی کانچ کی گڑیا کی طرح ہوتی ہے۔'' گومتی بولی۔

''تیری باتیں بھی خوب ہوتی ہیں کانچ کے برتن ہوتے ہیں تو نے لڑکی کو کانچ کا بنا ڈالا۔'' میں بولا۔

''اگر تو غور کرے تو تجھے پتہ چلے گا کہ یوں تو ہر عورت کلا کانچ کی ہوتی ہے ذرا سی ٹھیس لگنے پر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اس کو بڑی احتیاط سے چھپا کر دوسروں کی نظروں سے بچا کر رکھنا ضروری ہے تو اپنے چاروں طرف نظر کر کانچ کے ریزے بکھرے نظر آئیں گے ہر عورت نظر نہیں آئے گی۔''

تیری بہت باتیں میرے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ میں نے کہا۔

گومتی زور سے ہنس پڑی اور بولی۔ ''تو اتنا اونچا ہے پھر بھی تیرے اوپر سے گزرتی ہیں۔''

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تیرا تجربہ مجھ سے زیادہ ہے۔'' میں بولا۔

''تو نے تجربہ ٹرک کی سیٹ پر حاصل کیا ہے شہروں شہروں پھر کر حاصل کیا ہے۔''

''بس کیا اور میرا تجربہ کیا میں تو بہت معمولی دیہاتی عورت ہوں۔'' گومتی نے جواب دیا۔

''کیا آج بھوکا مارے گی روٹی نہیں کھلائے گی؟'' میں بولا۔

''تو روٹی کھانے کب آتا ہے مگر میں پھر بھی ضرور کھلاؤں گی۔'' گومتی بولی۔

کچھ ہی دیر میں گنگا آ گئی اگلوتا نے میرے کان میں کہا۔

آم ٹہنی پر ہی پک گیا ہے اب صرف توڑنے کی ضرورت ہے میں اس کے ساتھ جاتا ہوں تو اپنا کام کر اور سویرے گومتی سے پہلے اٹھ کر اللہ آباد کی طرف روانہ ہو جانا۔ تیری ضرورت نہیں ہے۔ میں خود اپنا کام کروں گا بہت دن کے بعد ایک سولہ آنا کنیا ملی ہے۔''

"واہ گرو تم میرے ذریعہ یہ کام کرواتے تھے آج یہ نئی بات کیوں۔"

تو اب تک اگلوتا کو نہیں جان سکا اور نہ سو سال تک جان سکتا ہے میرے ہزار روپ ہیں میں بہ وقت ضرورت جو چاہوں کر سکتا ہوں بڑے بڑے جادوئی ماہر کرتے ہیں مگر وہ میرا نام تک نہیں جانتے تو میرے بارے میں کیا جانیں گے۔"

آدھی رات گزر گئی۔ گنگا کے دل میں رہ رہ کر اپنی ماں کا خیال آ رہا تھا۔ کیسی ماں ہے خود موج کرتی ہے جوان لڑکی کا ذرا خیال نہیں اس کے جذبات میں ہلچل پیدا ہوتی ہے اور بے خیالی میں ایک طرف چل پڑتی ہے وہ نہیں جانتی کہ کہاں جارہی ہے آبادی ختم ہو جاتی ہے اور ویرانہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر ایک اونچا لمبا اور چوڑا مرد اس کے سامنے آ جاتا ہے اس کو لگتا ہے وہ اس کے لئے آئی ہے اور وہ اس جوان کی بانہوں میں خود کو گرا دیتی ہے اور پھر اگلوتا کا شیطانی کام شروع ہو کر ختم ہو جاتا ہے اب دوسرا کام ہوتا ہے گنگا بے خودی کے عالم میں رہتی ہے اور اس کے بدن کے اعضا جب باہر نکلتے ہیں تو وہ لاش ہو جاتی ہے مگر اس کے منہ سے اف تک نہیں نکلتی اور سویرا ہوتے ہوتے اگلوتا کام ختم کر لیتا ہے اور پھر اگلوتا میرے پاس پہنچ جاتا ہے۔

اس واردات کا طریقہ وہی پرانا تھا سرکاری مشینری پھر حرکت میں آ گئی گومتی نے بیان دیا کہ ڈرائیور میرے پاس ساری رات رہا گنگا اپنے کمرے میں تھی وہ کس طرح ویرانے میں اتنی دور گئی زبردستی لے جانے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ میں نے برابر کے کمرے میں کوئی آواز نہ سنی اور گنگا کبھی رات کو باہر نہیں گئی اس بیان سے ڈرائیور دیارام کی پوزیشن صاف ہو گئی تھی مگر پولیس کو پھر بھی میری تلاش تو تھی اور میں بڑا بے فکر ہو کر الہ آباد کی طرف چلا جارہا تھا مگر الہ آباد آنے سے پہلے ہی مجھے گرفتار کر لیا گیا تو میں نے اگلوتا کو کہا۔ "لو گرو پھر پھنس گئے۔"

اگلوتا ہنس کر بولا۔ "ان کو کر لینے دے اپنے من کی تیرا کچھ نہیں ہوگا۔"

گومتی کے بیان کی روشنی میں پھر تحقیقات ہوئیں۔ یہ ثابت ہوا کہ میں نے گومتی کے پاس رات گزاری میں نے گنگا پر کبھی میلی نظر نہ ڈالی گومتی کے بیان نے مجھ کو بے گناہ ثابت کر دیا اس کے علاوہ میرے خلاف کوئی گواہ نہ تھا۔

چند روز میں ہی میں رہا ہو گیا اور آگے روانہ ہو کر ایک قصبہ مچھلی شہر پہنچ گیا۔

یہ آبادی مسلمانوں کی ہے اور ہندو کم تعداد میں ہیں۔ اگلوتا نے کہا۔ "یہاں رکنا مناسب نہیں یہاں پر میرا کوئی نہ کوئی دشمن ضرور ہوگا۔"

میں اور آگے چلا اور منڈاڈاڑہ دوسرے بڑے قصبہ میں جا کر رکا اگلوتا نے کہا۔ "یہاں پر خطرہ کم ہے مگر ذرا ہوشیار رہنا ہوگا کیونکہ مسلمانوں کی آبادی بہت ہے یہ جہاں ہوتے ہیں میرے لئے خطرہ ہی ہوتے ہیں۔"

اگلوتا سے میں نے کہا۔ "گرو کیا جیون بھر اس طرح بھاگتے رہیں گے۔"

"زندگی کا نام ہی بھاگ دوڑ ہے ایک جگہ پتھر پڑے ہوتے ہیں۔"

اس نئی جگہ پر تیرا ٹھکانہ صرف قبرستان ہے تجھے اپنا روپ بدلنا ہے۔

اور ایک دنیا سے لاتعلق انسان کا روپ اختیار کرنا ہے یاد رکھ کہ یہ قبرستان مسلمانوں کا ہے مگر تو عقل سے دور ہے ایک فالتو اسفل آدمی ہے گونگا اور بہرہ بھی ہے قبرستان میں پڑا ہے مگر ایک بات یاد رکھنا کسی بھی میت کے آنے پر تو قبرستان میں نہ رکنا کیونکہ میں وہاں پر تیری مدد نہ کر سکوں گا مسلمانوں کے بہت سے کلمات سے میں ڈرتا ہوں۔" اگلوتا نے کہا۔

"کیا ہر مسلمان ان کلمات کو جانتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہر مسلمان تو نہیں مگر جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کو ایک ویکسین پیدا ہوتے ہی دی جاتی ہے وہ ویکسین اتنی اثر انگیز ہوتی ہے کہ اس کی ساری زندگی اس کے کام آتی

ہے یوں تو بھٹکے ہوئے یہ بھی ہوتے ہیں اوران پر میرا وار چل بھی جاتا ہے مگر ان میں کوئی تو ایسا ضرور ہوتا ہے جو میرے اثر پر غالب آ جاتا ہے میں ان سے دور رہنا پسند کرتا ہوں۔" اگلوتا نے کہا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے لئے صرف یہ لوگ ہی خطرہ ہیں گرو۔" میں نے کہا۔

"یہ دنیا کو بہت پہلے ہم ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے مگر یہ لوگ ہماری راہ کا سب سے بھاری پتھر ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ ہم ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ان کے دو الفاظ ہمارے پیر اکھاڑ دیتے ہیں۔"

میرا روپ بدل گیا مجھے یہ روپ پسند نہ تھا مگر اگلوتا کے حکم کے آگے میں کیا کرتا اور اگلوتا نے مجھ کو اس روپ کے لئے کیوں کہا تھا۔ اس راز کو میں نہیں جانتا تھا مگر اس بات کا مجھے یقین تھا کہ ضرور اس میں اگلوتا کی مصلحت پوشیدہ ہوگی۔

لوگوں نے دیکھا ایک گونگا بہرہ فقیر قبرستان میں پڑا رہتا ہے، نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا ہے دنیا میں کچے عقائد کے لوگوں کی کمی نہیں لوگ اس کے پاس آنے لگے وہ اشاروں میں ان سے بات کرتا اور ان کے ان تبصروں سے لطف لیتا جو وہ اس کے بارے میں کرتے بہت کم عرصہ میں وہ کوئی کام کئے بنا ہی مشہور ہو گیا اس کی دعائیں لینے زیادہ تر عورتیں آتی تھیں ایک دن ایک بوڑھی عورت کے ساتھ ایک نوجوان اور نہایت حسین لڑکی بھی آ گئی۔

لڑکی نے مجھ کو دیکھا تو بولی۔" اماں یہ تو مجھے کسی طرف سے پہنچا ہوا فقیر نہیں لگتا ذرا اس کی شکل تو دیکھو نگوڑے پر پھٹکار برس رہی ہے۔"

عمر رسیدہ عورت بولی۔" چل ہٹ تجھے ہر ایک میں عیب نظر آ جاتا ہے چار جماعتیں کیا پڑھ لیں ہیں کہ کسی کو مانتی ہی نہیں۔"

میرے کاندھے پر اگلوتا نہیں تھا کہ مجھے بتاتا کہ لڑکی کون ہے؟

اگلوتا کا نہ ہونا ثابت کرتا تھا کہ اس کا بس لڑکی پر نہیں چل سکتا۔

دونوں عورتیں میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

بوڑھی نے کئی دفعہ بات کی مگر میں سمجھنے کے باوجود انجان بنا رہا۔

بوڑھی تنگ آ کر بولی۔" یہ تو کچھ سمجھتا ہی نہیں اس کو کس طرح اپنی مشکل بتائی جائے۔"

لڑکی نے کہا۔" اماں میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ارے کوئی پہنچا فقیر نہیں ہے یہ سب ڈھونگ اس نے رچایا ہوا ہے۔"

بوڑھی ناراض ہو کر بولی۔" تیری بات میری سمجھ میں نہیں آئی اگر یہ ڈھونگی ہوتا تو کسی سے کچھ تو لیتا یہ تو کسی کا دیا کھاتا بھی نہیں اور تو کہہ رہی ہے یہ ڈھونگی ہے۔"

"اماں تم سمجھ نہیں رہی ہو، ہوسکتا ہے اس نے یہ ڈھونگ خود کو چھپانے کو رچایا ہو اور اس کا اصل کچھ اور ہو۔" لڑکی نے کہا۔

میرے کان لڑکی کی بات سن کر کھڑے ہو گئے میں نے سوچا لڑکی خطرناک لگتی ہے۔

"تیری تو عادت ہو گئی ہے ہر ایک پر شک کرنے کی۔" بوڑھی عورت نے لڑکی کو ڈانٹا۔

اگلوتا ہوتا تو وہ بتاتا کہ ی کون ہے اور کس کام سے آئی ہے؟ میں تو اس کے بغیر وہ بندوق ہوں جس میں کارتوس نہیں اور گرو نے مجھے ایسے مقام پر کیا کچھ کرنا ہے بتایا بھی نہیں ہر طرف سے اپنا محتاج رکھا ہے اس لڑکی کی ذہانت میرے لئے سخت نقصان دہ ہو سکتی ہے میں نے دل میں اگلوتا کا خیال کیا۔" اب کیا کروں گرو؟"

فوراً میرے دل میں یہ بات آ گئی کہ ان دونوں کو کسی طرح خود سے دور کر دے۔

میں فوراً کھڑا ہو گیا اور خوں خوں کر کے ان کو جانے کا اشارہ کرنے لگا اور ایک طرف خود بھی چل پڑا۔ بوڑھی عورت حیرانی سے مجھے جاتا دیکھتی رہی اور پھر واپس جانے لگی لڑکی بولی۔" اماں دیکھ لیا پہنچے فقیر کی حالت مجھے تو لگتا ہے اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں اسی لئے اس کا

مزاج ایک دم بگڑ گیا تھا۔

''بس اب خاموش رہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔'' بوڑھی نے جواب دیا۔

''اماں اس دنیا میں بڑے بڑے سیاہ کار پڑے ہیں اور ان کے ہزاروں روپ ہیں میں نے تعلیم حاصل کی ہے اس لئے ہر بات کو عقل کی روشنی میں دیکھتی ہوں میں جانتی ہوں آپ مجھے کیوں یہاں لائی تھیں اس لئے نا کہ میری عمر تعلیم کی وجہ سے زیادہ ہوگئی ہے کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آ رہا ہے۔''

''تیری ضد نے مجھے یہ دن دکھایا ہے نہ تو الہ آباد پڑھنے جاتی نہ یہ وقت مجھ پر آتا میں نے کتنا منع کیا تھا میں جانتی تھی کہ ایسا ہوسکتا ہے پر تیرے باپ نے میری نہ چلنے دی اور تو اب تک کنواری ہے تیرے ساتھ کی لڑکیاں بال بچے دار ہوگئیں، اتنا پڑھ کر تو نے کیا پایا خاندان بھر کے لوگ ہم سے دور ہوگئے اور تجھے اس تعلیم نے یہ دیا کہ کوئی شادی کرنے پر راضی نہیں ہے خاندان بھر میں تیری ٹکر کا لڑکا نہیں سب جانتے ہیں کہ لڑکی نے اتنا پڑھا ہے تو اس کے مزاج بھی اونچے ہوں گے وہ میاں کو کیا سمجھے گی اب میری زندگی کا کیا بھروسہ ہے آج مری کل دوسرا دن مگر میری قبر جلتی رہے گی صرف اس لئے کہ تیرا کچھ نہ کرسکی تیرا باپ تو میرے سر پر یہ بوجھ ڈال کر چلا گیا مگر میں کہاں جاؤں دنیا کی باتیں تو میرے حصہ میں آتی ہیں۔'' لڑکی نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا بوڑھی بڑبڑاتی رہی اور قبرستان سے باہر چلی گئی اس کے جاتے ہی اگلوتا میرے کاندھے پر موجود تھا۔

میں نے کہا۔'' گرو یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے اس لڑکی نے تو فوراً ہی پہچان لیا کہ میں کون ہوں؟''

''ہاں تو نے درست کہا اس صورت حال میں اگر میں بھی تیرے پاس ہوتا تو کیا کرتا۔

اس لڑکی کو بہکانا میرے بس سے باہر تھا اس کے پاس وہ کلمات تھے کہ وہ مجھے بھی دوڑا دیتی میں نے تجھے یہاں پر چھپا کر رکھا ہے کیونکہ تیرے سارے کیس پھر کھل گئے ہیں نام کی وجہ سے اور آخری واردات نے تو سرکاری مشینری کو یقین دلایا ہے کہ تم نے ہی یہ آخری واردات بھی کی ہے تیرا رہنا کسی بھی بستی میں تیرے لئے خطرناک ہوسکتا ہے میں تیری پوری مدد کروں گا اکیلا نہیں چھوڑوں گا مگر یہ ضدی مسلمان ہر جگہ موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے میں کچھ بے بسی محسوس کرتا ہوں اور کسی کسی کے تو سامنے جاتے ڈر لگتا ہے تجھے اس قبرستان میں رکھنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ کچھ دن گوشہ گمنامی میں تو رہے اور لوگ دیارام کو بھول جائیں۔'' اگلوتا نے پوری وضاحت کردی۔

''تمہاری شکتی کچھ چمتکار نہیں دکھا سکتی۔'' میں سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میری شکتی بہت کچھ کرسکتی ہے مگر مجھ پر بھی کچھ مقامات پر پابندی ہے میں اپنی حدود کے پار نہیں جاسکتا۔ اگر جاؤں گا تو دو طرف سے مجھے نقصان ہوگا پہلا نقصان یہ ہوگا کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہوجائے گا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ مجھے اکیلے ہی اپنی بقا کی جنگ لڑنا ہوگی۔۔ آقا کے ناراض ہوتے ہی اس کا فیض بھی ملنا بند ہوجائے گا ہمارے قانون میں یہ بات ہے کہ برے وقت میں کوئی ساتھ نہیں دیتا، میں تیرا ساتھ بھی اس وقت تک دوں گا جب تک تو میرے لئے کارآمد ہے، میں اس قانون کا پابند ہوں دنیا میں ہر چیز ضرورت پوری کرنے کو ہے، جب ضرورت پوری ہوئی تو وہ ختم ہوگئی ہزاروں لوگ جن کا ڈنکا بجتا تھا اب نہیں ہیں، ہزاروں بڑی بڑی تہذیبیں فنا کی گود میں چلی گئیں، تو نے بہت کم دیکھا ہے، میں نے ہزاروں سال اس دنیا میں گزارے ہیں میں نے گوتم بدھ کو انسانی دکھوں کے خلاف تقریر کرتے سنا ہے میں اس وقت بھی تھا جب عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ میں نے بابل کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے میں کب سے ہوں۔

تو اس کا تصور نہیں کرسکتا، اس لئے کہ تیری طبعی زندگی بہت کم ہے۔ تجھے فنا لازم ہے اور میرے آقا کو موت کی چھوٹ دی گئی۔ میں مرتا نہیں صرف مارتا ہوں

،میرا وجود بوسیدہ اور پرانا نہیں ہوتا۔ میں اکیلا نہیں ہوں آقا کے نامعلوم کتنے غلام ہیں اور دنیا پر اپنی برتری قائم کرنے کے لئے کام کر رہے ہیں۔''

انگلوتا خاموش ہوا تو میں بولا۔

''ایک بات پوچھوں گرو، تم ناراض تو نہیں ہوں گے؟'' اس کے بعد اچانک اس جگہ خاموشی چھا گئی ایسا لگا کہ جیسے دیارام کی آتما کا وجود ختم ہو گیا ہو۔

رولوکا سوچنے لگا۔

'' یہ کیا ہو گیا، کیوں دیارام کی آواز اچانک بند ہو گئی؟''

انگلوتا کا داؤ دیارام کی آتما پر چل گیا تھا۔ دیارام کی آتما ایک شیشے کے مرتبان میں جکڑی ہوئی تھی بہر حال رولوکا نے اپنی مخفی قوت سے دیارام کی آتما کو رہائی دلائی اور بولا۔'' دیارام اس وقت سے میں نے اپنا ایک طاقتور کارندہ تیری حفاظت پر مقرر کر دیا۔ اب انگلوتا تیرے قریب نہیں آسکتا۔ دوسری رات اس جگہ پھر دیارام کی آتما موجود تھی۔ رولوکا بولا۔'' دیا رام اپنی کہانی شروع کر۔'' اور دیارام بولنے لگا۔ میں نے انگلوتا سے سوال کیا تو انگلوتا بولا۔'' جو سوال کرنا ہے کر میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں اس لئے کہ تیری ضرورت مجھے ہے۔''

میں بولا۔'' تم نے کہا کہ ہزاروں سال سے تم دنیا کے خاتمے کے کام کر رہے ہو مگر میں دیکھتا ہوں دنیا میں اب بھی رونق ہے آج بھی سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے بارش وقت رہوتی ہے یہ سن کر انگلوتا کے چہرے پر نہایت سفاکانہ اور سنگ دلی کے آثار نمایاں ہوئے۔''

اس کے چہرے پر نفس پرستی اور سیاہ کاریوں کے بادل پوری طرح نمایاں تھے میں اس کی صرف آواز سن سکتا تھا اگر چہرہ دیکھ پاتا تو شاید صرف چہرہ دیکھ کر مر جاتا اس وقت اس کی مکروہ اور منحوس شکل نہایت غصہ میں تھی کچھ دیر اس کی یہ حالت رہی اس دوران اس نے کچھ نہ کہا کچھ دیر کے بعد اس کی آواز مجھے سنائی دی۔

''تو نے بہت نازک سوال کر دیا ہے تو نہیں جانتا کہ شیطان نے صرف ایک ہی تو نافرمانی کی تھی اور اپنا سب کچھ کھو دیا تھا۔ اور اسی ضد کی خاطر اس نے انسانوں کو راہ سے بھٹکانے اور دنیا کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا میں نے تجھ سے وعدہ کر لیا ہے ورنہ تیرا سوال تجھے بہت نقصان پہنچاتا اب تیرے سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا کو ختم کرنے اور راہ سے ہٹانے کا کام تو استاد نے کیا اور اختیارات بھی بہت حاصل کر لئے مگر بات پھر بھی نہ بنی اور وہ کام نہ کر سکا جو کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ ایک ایسا نظام اس دنیا کا بنا دیا گیا کہ اس پر گرو کا کنٹرول نہیں ہو سکتا تھا مگر یہ بات ماننی پڑے گی کہ میرے گرو نے ہار نہیں مانی ہے اس کی کوشش آج بھی ہے انسان کی زندگی کیا ہے ایک خواب کی مانند ہے مگر اس کو اس قدر ڈھیٹ بنایا گیا ہے کہ یہ اس مختصر زندگی میں بھی بہت کچھ کر جاتا ہے۔

گرو کو کنٹرول کرنا ہر کسی کا روگ نہیں ہے مگر ایک قصہ ایسا ہے جس کو گرو قابو نہیں کر پاتا اس کے گرو کا توڑ کرنے کو بڑے اختیارات ہیں میں اس لئے ڈرتا ہوں کہ میں غلام ہوں۔ میں تیرے جیسا سوال گرو سے نہیں کر سکتا میری فنا اور بقا گرو کے ہاتھ میں ہے اور تیری میرے ہاتھ میں ہے انسان خود کو ہمیشہ معصوم خیال کرتا ہے بات اس کے دماغ میں ہوتی ہے۔ اور اپنی غلطی کو اتفاقات اور حالات سے منسوب کرتا ہے۔''

''معاف کر دو گرو! اب آئندہ سوال نہیں کروں گا مگر میں بھی کیا کرو انسانی فطرت میں تجسس کا مادہ بھی تو ہے، میں بھی تو انسان ہوں اگر آئندہ غلطی کروں تو مجھے انسان سمجھ کر معاف کر دینا۔''

''لفظ معافی میرے لئے بہت مشکل ہے بات ہے ضرورت کی کبھی کسی سے معافی کی امید اس دنیا میں نہ رکھنا یہاں پر ہر رشتہ ہر تعلق ضرورت کے تحت قائم ہوتا ہے اور ضرورت ختم ہوئی سب کچھ ختم تو پھر بتا ہمارا تو مشن ہی دوسرا ہے تو ہم سے معافی اور درگزر کی امید کرتا ہے۔'' انگلوتا بولا۔

'' دنیا کے اور آپ کے اصول ایک جیسے ہیں پھر تو

۔‘‘میں بولا۔

’’مطلب پرستی مکرو فریب کے سارے اصول ہم نے رائج کئے ہیں بس ہم اس قدر کامیابی حاصل کر پاتے ہیں مگر ہم ناامید نہیں ہیں دنیا والوں نے اپنی تباہی کے اوزار خود بنائے ہیں دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے ہمارا مشن پورا ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں ہے۔‘‘

’’گرواب تو سوال کرنے سے ڈر لگنے لگا ہے۔‘‘ میں جھجکتے ہوئے بولا۔

’’سوال کرنے والے کو پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو سوال وہ کر رہا ہے اس کا جواب سامنے والا دے سکتا ہے کہ نہیں ہر سوال کا جواب ہر کسی کو نہیں آتا اور وہ صرف اپنی برتری کی خاطر کچھ بھی جواب دے دیتا ہے۔ میں تیرے ہر سوال کا جواب نہیں دے سکتا تو زیادہ سوال کرے گا تو پچھتائے گا۔‘‘ اگلوتا نے کہا۔

’’گروتم نے کہا کہ دنیا تباہی کے کنارے کھڑی ہے ایسے ہتھیار دنیا والوں نے خود بنائے ہیں کہ وہ خود دنیا کو ختم کر سکیں گے سوال یہ ہے کہ کیا دنیا والے دانشور یہ بات نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اگر دنیا پر آفت آتی ہے تو وہ خود کہاں ہوں گے اسی سوال میں دوسرا سوال یہ ہے کہ دنیا فنا ہونے کے بعد دنیا کو فنا کرنے والا کہاں ہوگا تم کہاں ہو گے اگر ہو گے تو کیا کرو گے؟‘‘ میں نے کہا۔

’’تیری عقل کے گھوڑے بے لگام ہو رہے ہیں ذرا ان کو کنٹرول کر نازک باتیں نہ کر تیرے سوال کا جواب میں صرف یہ دے سکتا ہوں کہ ہمارا کام وہ ہے جو ہمارے لئے حکم ہے آگے ہمیں نہیں سوچنا۔ دنیا کے لیڈر اور دانش ور ہمارے ہاتھ میں اس وقت کھلونا ہیں ہم ان سے کام لے رہے ہیں۔ مگر ابھی پورا کام نہیں ہوا جلد ہی کام پورا ہوگا اور ہر ملک دنیا پر اپنی برتری قائم کرنے کو اپنے ہتھیاروں کا رعب ڈالے گا بڑے درخت کے سائے میں پلنے والے چھوٹے بڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ہم کہاں ہوں گے دنیا کے ختم ہونے کے بعد اس کے بارے میں، میں نہیں جانتا۔‘‘

منڈ ڈاڑھ کے اس قبرستان میں آنے والی لڑکی ایک الہٰ آباد کی پڑھی اور روشن خیال لڑکی ہے وہ دوران تعلیم الہٰ آباد میں ماموں کے گھر رہتی تھی اور ماموں کی شخصیت سے متاثر تھی۔ لڑکی کا نام ہاجرہ اور ماموں کا نام میاں بشیر احمد تھا۔ بشیر احمد بریلی کے ایک بزرگ کے مرید تھے اور گدی نشین تھے دور دور سے لوگ ان کے پاس آتے تھے اور فیض پاتے تھے وہ کسی سے کچھ نہ طلب کرتے تھے اور نہ لیتے تھے بلکہ دور سے آنے والے پر خود خرچ کر دیا کرتے تھے وہ ایک بلند پایہ بزرگ تھے ان کا کاروبار صرف یہ تھا کہ خاندانی زمین تھی اس کی دیکھ بھال ان کے لڑکے کرتے تھے اللہ برکت دیتا تھا اور وہ خدمت خلق کرتے تھے مکان بھی بزرگوں کے زمانے کا بنا ہوا تھا جو کہ ان کی ضرورت سے زیادہ تھا آدھے مکان میں ان کا خاندان آباد تھا اور آدھا مکان میاں بشیر احمد کا آستانہ تھا۔ صبح سے رات گئے تک لوگ ان کے پاس آتے تھے اور وہ کسی کو ناامید نہیں کرتے تھے۔

ہاجرہ الہٰ آباد آ گئی اور اس نے قبرستان اور فقیر کا ذکر میاں بشیر سے کیا اور اپنے شک کا اظہار بھی کر دیا۔ حاجرہ نے کہا۔ ’’ماموں اللہ والے لوگوں کے چہرے روشن اور پرنور نظر آتے ہیں۔ ظاہری حالت ان کی کچھ بھی ہو۔‘‘

میاں بشیر بولے۔ ’’تم نے درست کہا جو اللہ والے ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر ہی دلی سکون ملتا ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔‘‘

’’مگر اس شخص کا چہرہ نہایت مکروہ اور گھناؤنا مجھے لگتا تھا۔ میرے دل نے اس کو دیکھ کر فوراً مجھے کہا کہ یہ اس کی اصل نہیں ہے یہ کوئی بہت بڑا مجرم ہے اور خود کو چھپانے کو اس نے یہ روپ اختیار کر رکھا ہے انسان اگر خود صاف ہو تو اس میں کسی قسم کی گندنہ ہو تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کا دل آنکھ کے دیکھے تو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ حواس خمسہ کو تمام باطنی گواہی کے باوجود دل نہیں مانتا۔‘‘

’’چونکہ تمہارا دل ایک صاف آئینہ ہے اس لئے تم کو ایسا لگا ہے اور تمہارا شک وشبہہ درست بھی ہو سکتا ہے

۔'' میاں بشیر نے جواب دیا۔

''مگر ماموں یہ تو بڑی خطرناک بات ہے کہ گاؤں کی سادہ اور معصوم عورتیں اس کے پاس جائیں اگر وہ کوئی مجرم ہوا تو کوئی بھی واردات ہوسکتی ہے۔ آپ میرے ساتھ منڈ اڑھ چلیں اور اس فقیر کو خود دیکھیں۔'' باجرہ نے کہا۔

''ہاں میں ضرور تمہارے ساتھ جاؤں گا مگر ابھی کچھ ضروری کام ہیں چند روز صبر کرو۔'' میاں بشیر بولے ایک ہفتہ کے بعد میاں بشیر باجرہ کے ساتھ منڈ اڑھ آ گئے۔ بہن نے ان کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ۔'' بھیا میرے کہنے سے نہ آئے اور بھانجی تم کو لے آئی۔''

میاں بشیر مسکرائے اور کہا۔'' اسی کو کہتے ہیں اصل سے پیارا سود ہوتا ہے۔''

''مگر بھیا سود تو حرام چیز ہے۔'' بہن نے کہا۔

''یہ صرف کہاوت ہے اس کا مطلب ہے تم سے زیادہ یہ عزیز ہے۔''

اکلوتا گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور بولا۔'' اب چلنے کی تیاری کر لے اب تیرا ٹھکانہ اس قبرستان میں بھی نہیں ہے۔''

''مگر ہوا کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہی لڑکی کسی کو لے کر آئی ہے اور وہ قصبے میں آ گیا ہے قبرستان ضرور آئے گا بڑا بھاری پتھر ہے بڑی دور تک اس کی پہنچ ہے۔'' اور پھر میں گھبراہٹ میں پیدل ہی آگے روانہ ہوا اور میں نے نہیں دیکھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں رات ہوگئی اور میں نہ رکا اس لئے اکلوتا نے مجھے رکنے کا اشارہ نہیں کیا تھا۔ آدھی رات کو میں ایک گاؤں میں تھا گاؤں کے کتے مجھے دیکھ کر دم دبا کر دور چلے گئے۔ کسان آدھی رات کو کاندھے پر ہل اور بیلوں کی جوڑی لے کر کھیتوں پر جانے کو نکل آئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک ننگا فقیر اکیلا سڑک پر کھڑا ہے آج یہ نئی بات تھی کسی نے پوچھا۔'' بابا تم کون ہو؟''

میں بولا۔'' جو تم ہو وہی میں ہوں تم پر بھی بوجھ ہے اور مجھ پر بھی ہے۔''

بے پڑھے کسان کی سمجھ میں اس کی بات نہ آئی بولا۔

''بابا تمہارا بوجھ نظر نہیں آتا۔''

یہ سن کر میں بولا۔'' تو جا بچہ تیرا حرج ہو رہا ہے ہم تو مست لوگ ہیں اپنا وقت کیوں خراب کرتا ہے۔''

''سویرے تک رکو تو میں کھیت سے واپس آ کر تمہاری خدمت کروں گا۔'' کسان بولا۔

''میں سویرے تک ہوں تو اپنا کام کر کے آ جا۔''

کسان بیلوں کو ہانکتا چلا گیا اور میں ایک درخت کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ تھکا ہوا تھا فوراً نیند آ گئی دن کے وقت رات والے کسان نے مجھ کو جگایا اور کہا۔'' لو سادھو جی ناشتہ کر لو غریب آدمی ہیں محنت کرتے ہیں پر اتنا ہی ملتا ہے کہ جوار باجرہ کھا سکیں گیہوں تو ہمارے نصیب میں نہ ہے دیکھو تو ناانصافی، محنت کریں ہم اور ہمیں ملے باجرہ جوار۔''

میں بولا۔'' تیرے دن پھرنے والے ہیں تو آدمی اچھا ہے۔'' اور اس کے ہاتھ سے باجرے کی روٹی اور اچار لے کر کھانے لگا بھوک میں بہت اچھی لگی، کھانے کے بعد میں نے کہا۔'' تیرا نام کیا ہے؟''

کسان بولا۔'' میرا نام گیان چند ہے اور میں اسی گاؤں میں رہتا ہوں۔''

''اور اس جگہ کا کیا نام ہے؟''

''یہ گاؤں رام تلیہ ہے۔'' گیان چند نے بتایا۔

''گیان چند زندگی میں جو دکھ آتے ہیں وہ کہہ کر نہیں آتے اسی طرح خوشی اور خوش حالی بھی اچانک آ جاتی ہے میں اس گاؤں میں کسی ارادے سے نہیں آیا ہوں بس آ گیا ہوں مجھے تو پہلا آدمی ملا ہے اور تو نے میری خدمت کی ہے میرا پیٹ بھرا ہے میں اس گاؤں میں دو چار دن رکنا چاہوں تو پربند کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ارے پربھو دو چار دن کیا جب تک دل کرے رہو میں خدمت کروں گا۔ بس میں غریب آدمی ہوں غریب کا گھر بھی غریب ہی ہوتا ہے جو کھاؤں گا آپ کو کھلاؤں گا اور بکری کا دودھ ہے میرے پاس، گائے

بھینس نہیں ہے۔'' گیان چند بولا۔

میں ہنس کر بولا۔ ''ہم فقیر منش ہوا کی طرح کسی مقام پر نہ رکنے والے ہم کیا جانے بکری کا دودھ کیسا ہوتا ہے اور بھینس کا کیا جو ملا زندگی قائم رکھنے کے لئے پیٹ میں ڈال لیا تو یہ مت سوچ کے تو غریب ہے تو دل کا بہت امیر ہے۔''

اگلوتا نے کان میں کہا۔'' زیادہ لمبی تقریر نہ کر اپنا مطلب نکال۔''

گیان چند کا گھر ایک غریب کسان کا گھر تھا کچی مٹی کی دیواروں پر پھونس کے چھپر پڑے تھے بڑا سا آنگن تھا اس میں ایک نیم کا درخت کھڑا تھا اور اس کے سائے میں دو تین بکریاں کھڑی جگالی کر رہی تھیں صحن کے ایک کنارے رسوئی تھی چولہے کے پاس لکڑیاں پڑی تھیں دروازے کے اندر آتے ہی ایک بیٹھک نما چیز تھی یہ صاف ستھری جگہ تھی اور اس کی دیواریں اور فرش گوبر اور پیلی مٹی سے لیپا پوتا گیا تھا صرف ایک کھاٹ اس میں پڑی تھی مگر اس پر کسی قسم کا کوئی بستر نہ تھا کسی کسان کا گھر اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ گیان چند ادھیڑ آدمی تھا دو لڑکیاں جوان تھیں اور ان کی شادی کی فکر اس کی گھر والی کو وقت سے پہلے بوڑھا کر رہی تھی۔ حالات کے بدلنے اور لڑکیوں کے شادی کا انتظام کرنے کی کوئی امید دور دور نظر نہ آتی تھی زمیندار کا قرض چڑھ رہا تھا بنیا الگ ادھار دینے سے منع کرنے لگا تھا۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اب گیان چند کسی غیبی امداد کا منتظر تھا۔

گیان چند کی پتنی گوری نے کہا۔'' کبھی عقل کی بات کر لیا کر وارے کھانے کو پورا نہیں ہے، اور تم نے ایک جان اور بڑھا لیا۔''

''اری نیک بخت سب اپنی اپنی کھاتے ہیں کسی کو کون کھلا سکتا ہے دو روٹی اور ڈال لینا۔''

''میں تو ڈال لوں گی پر وہ بنیا کب ڈالنے دے گا جب بھی کچھ لینے جاؤں حساب کھول کے دکھاتا ہے آدھی فصل زمیندار کی اور آدھی بنیا لے گیا تمہارے پاس رہ کیا جاتا ہے سارے سال ادھار پر گزارہ ہے کیا ہمارے نصیب میں یہی لکھا ہے۔''

گیان چند ایک بے پڑھا لکھا کسان تھا اس نے تو مدت ہوئی گاؤں سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ وہ ایک کولہو کے بیل کی مانند تھا آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور وہ ایک دائرے میں گردش کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ پتنی کی بات کا کیا جواب دے صرف اتنا کہہ سکا۔'' دو چار دن کی بات ہے۔''

''موئے دو چار دن تو کیا شام کی فکر ہے جوار اور باجرہ نہیں ہے اور لکھی رام بنیا تم جانو پھر اپنا حساب بتائے گا۔'' بیوی نے کہا۔

گیان چند بولا۔'' تو نہ جانا اس کے دوارے میں جاؤں گا۔''

دونوں میاں بیوی کی باتیں، میں کان لگا کر سن رہا تھا۔ اگلوتا نے کہا۔'' موقعہ اچھا ہے کر دے ان پر احسان اور یہ ذہن میں رکھ کہ اس کی دو لڑکیاں ہیں۔''

گیان بیٹھک کی طرف آیا تو میں نے کہا۔'' کہاں جا رہا ہے گیان چند؟''

گیان چند نے کہا۔'' ذرا روٹی پانی کا پربند کرنے جا رہا ہوں۔''

''کاہے سے کرے گا تیری جیب میں تو ایک کوڑی نہیں اور بنیا ادھار دے گا نہیں۔'' میں بولا۔

''تم کا یہ بات کیسے پتہ ہے مہاراج۔'' گیان چند حیرت سے بولا۔

''بہت پتہ ہے تو اس بات کو چھوڑ اور یہ لے بنیا کے منہ پر سب اگلا پچھلا حساب چکتا کر دے اور پورا راشن پریوار کے لئے لے آیا۔'' میں نے نوٹ اس کی جیب میں ڈال دیئے۔

اتنے روپے گیان چند نے ایک مدت سے نہیں دیکھے تھے حیرت سے بولا۔'' اتنے روپیہ میرے کا جی۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔'' میں نے کہا تھا کہ تیرے نصیب پھرنے والے ہیں۔''

گیان چند اندر بیوی کی اور جانے لگا تو میں نے اس کو روک کر کہا پہلے بنیا کی خبر لے لے پھر بیوی کو بتانا جو کام پہلے کا ہے پہلے کر۔"

گیان چند پر تو میرے روپوں کا بوجھ آن پڑا تھا میری بات کیسے نہ مانتا بولا۔ "جو حکم مہاراج۔" اور وہ باہر کی طرف چلا گیا۔

بنیا لکھی رام گیان چند کو دیکھتے ہی منہ بنا کر بولا۔

"لے اب تو آیا ہے لوگائی تیرے جانے ہے کہ اب اور نہ دوں گا اس لئے تو آیا ہے پر کان کھول کے سن لے اب کچھ بھی ادھار نہ دوں گا۔ بہت چڑھا لیا ہے ارے تیری فصل ہی کتنی ہے کہ ادھار پورا کرے گی بس اب بہت ہو گیا اب کچھ نہ ہی دوں گا ارے میں نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے کھلانے کا۔"

لکھی رام بنیا نے ایک سانس میں گیان چند کی خبر لے ڈالی۔

گیان چند نے اسان سے پوچھا۔ "لالہ تیرا حساب حساب کتنا ہے ذرا بتلا تو۔"

"اوہو پوچھ تو اس طرح رہا ہے جیسے بڑی ہنڈی لے کر آیا ہے۔" بنیا بولا۔

ارے لالہ۔ "تو حساب تو بتا۔" گیان چند بولا۔

"ارے پائی پائی کھاتہ میں لکھی ہے بتلائے دیتا ہوں۔" اس نے لال کتاب اٹھائی اور کئی ورق الٹ پلٹ کرنے کے بعد بولا۔ "ہاں یہ رہا تیرا حساب بڑا حساب یہ ہے کہ ایک من جواری اور باجرہ بیس سیر گڑ پانچ سیر دال مرچ اور دوسرے ہلدی دھنیا نمک۔ رقم بنی ساٹھ روپے ساڑھے چھ آنے بڑا دھن والا بنا ہے تو نکال۔"

گیان چند نے منہ سے کچھ نہ کہا جیب میں ہاتھ ڈالا اور ستر روپے اس کی ہتھیلی پر رکھ کر کہا۔

"باقی پیسوں کا سامان جو بتاؤں تول دے۔"

گیان چند کی یہ حرکت لکھی رام بنیا کو حیران کر گئی۔ اس نے روپوں کو دیکھا اور بولا۔

"ارے بھیا اتنی جلدی کا ہے کی ہے نقد ادھار تو چلتا رہتا ہے پھر دے دینا۔"

گیان چند بولا۔ "اس لئے کہ ادھار رہے گا تو تیرا بیاج بھی چڑھے گا۔"

"تو غصہ ہو گیا میری تو عادت ہے پر میں کام تو سب کے آؤں ہوں میرا دھندہ بھی ایسا ہے کیا کروں پر تو فکر نہ کر ڈٹ کے کھا پر فصل پر جواری مجھے ہی دینا۔" بنیا بولا۔

اور گیان چند سب کھانے کا سامان لے آیا اور تیس روپے اس کی جیب میں اب بھی پڑے تھے۔ بیوی نے دیکھا تو بولی۔ "تم پر بنیا کیسے مہربان ہو گیا بہت بگڑا ہوا تھا وہ تو۔"

"جوتا مارا ہے اس کے منہ پر پھر نرم ہوا ہے۔" گیان چند بولا۔

"ہیں تم نے لکھی رام کے جوتا دے مارا کا ہے۔" بیوی حیرت سے بولی۔

ہاں نقدی کا جوتا او کا منہ بند کر دیا سب حساب بے باک کر دیا اور یہ سامان نقد لیا ہے۔ یہ تیرے سمجھ کی بات نہ ہے تو مہمان کے لئے کھانے کی تیاری کر اور چھوریوں سے کہہ جلدی چکی سے آٹا نکالیں اور تو ذرا بڑھیا سا ساگ بنا لے میں لسی کا بندوبست کرتا ہوں۔"

میں جانتا تھا کہ گیان چند کیا کر رہا تھا الگوتا نے کہا۔ "میں نے دونوں لڑکیوں کو دیکھا ہے دونوں تیر کمان ہیں دیکھے گا تو رال ٹپک پڑے گی۔

دونوں پر جوانی کا جوبن پوری طرح چھایا ہوا ہے مگر صبر سے کام کرنا ہے میں جب اشارہ کروں تب تک تو گیان چند اور اس کی گھر والی پر اتنا بوجھ لاد دے کہ تیرے سامنے وہ گردن نہ اٹھا سکیں۔"

گیان چند نے شام کے کھانے پر اپنے حساب سے اچھا بندوبست کر لیا اور پھر میرے سامنے بوجھن جن کر پنکھا لے کر بیٹھ گیا بولا۔ "مہاراج بھوجن کرو۔"

میں بولا۔ "ارے بچہ تو نے تو بہت پربند کر لیا۔"

"مہاراج یہ آپ کی کرپا ہے میری تو باجرے کی

روئی تھی۔'' گیان چند بولا۔

''سب تیرا ہے میرا کچھ نہیں تیرے پاس بھینس نہیں یہ لسی تو نے کسی سے لی ہے۔'' میں بولا۔

''ہاں مہاراج گاؤں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے لینی پڑتی ہے۔'' گیان چند بولا۔

''تو بھینس پال لے پھر تجھے لسی مانگنا نہیں پڑے گی۔''

''بہت بھاری کام ہے پربھو میرے بس کا ناہے۔'' گیان نے کہا۔

''سب کام ہوتے ہیں تو نے میری سیوا کی تھی اب میں کچھ کروں گا تو بھینس دیکھ اور بتا کتنے کی ہے۔اور بڑھیا نسل کی لے آ۔'' میں نے کہا۔

''بڑھیا نسل تو بھوری بھینس ہے پر اوکا دام پچاس کے لگ بھگ ہے۔'' گیان چند بولا۔

''تو شام کو کل بتانا مجھے اور دام بھی لے لینا۔'' دیا رام بولا۔

گیان چند ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بڑھیا قسم کی بھوری بھینس تلاش کرنے لگا اور دوسرے دن ہی یہ خوش خبری کو سنادی کہ ایک کم چالیس میں سودا اس نے کرلیا ہے میں نے پچاس روپے اس کو دے دیئے اور بھینس گیان چند کے آنگن میں آ گئی بھینس کیا آئی کہ سارے گھر میں خوشیاں آ گئیں بیوی کا چہرہ کھل گیا لڑکیاں مارے خوشی کے پھولے نہ سمائی تھیں اب گیا چند غریب لاچار ادھار میں دبا ہوا کسان نہ تھا اس کے پاس خود کا دودھ دہی گھی تھا اب بکریوں کی اہمیت کم ہو گئی۔ مگر اس کے باوجود گیان چند کے مشاغل وہی رہے وہ رات کو کھیت تیار کرنے جاتا رہا اور جب بوائی ہو گئی تو تو بھی دن میں کام کرتا رہا۔سب نے اس کی اس ترقی کو بیوی کی چترائی کہا۔میرا روپ سادھو کا نہ رہا میں نے کپڑے پہن لئے۔

اگلوتا جس مقام پر گیان چند کو لانا چاہتا تھا وہ مقام آ گیا تھا اگلوتا مجھ سے بولا۔

''اب وقت آ گیا ہے فصل کاٹ لی جائے اب گیان چند کی زبان پر تالہ پڑ چکا ہے۔''

''تم حکم کرو گرو کیا کرنا ہے؟'' میں بولا۔

''آج رات میں بڑی رام مورتی کے پاس ہوں گا۔'' اگلوتا نے کہا۔

''اور سویرے ہنگامہ کھڑا ہو گا۔'' میں بولا۔

''کچھ نہیں ہو گا میں بھوکا نہیں ہوں صرف اس کے شریر کے پیچ وخم سے پیٹ بھروں گا دل گردہ نہیں چھوؤں گا اب تو آگے سوال نہ کرنا میں اپنے بارے میں تجھے بتا چکا ہوں۔'' اگلوتا نے کہا۔

رات کو اگلوتا میرے کاندھے پر نہ تھا وہ رام مورتی کے بستر پر تھا۔وہ شروع میں گھبرائی اور آواز نکالنی چاہی مگر آواز نہ نکلی پھر اس قوی مرد کے بدن نے اس کے بدن کو رام کرلیا اور اس نے خود کو اس کے حوالے کر دیا اور صبح سے پہلے ہی وہ مرد چلا گیا اور اسکا بہت کچھ اپنے ساتھ لے گیا۔مگر اس کے ساتھ اس کو ایک انوکھی دنیا کی سیر بھی کرا گیا۔

صبح اٹھ کر گاؤں کی عورتوں کو سب سے پہلا کام یہ کرنا ہوتا ہے کہ چکی پر دانے ڈال کر آٹا پیسا جائے پھر روٹی پکتی ہے مگر آج رام مورتی نہ اٹھی سوتی رہی ماں نے کہا۔''چل میں پیس لیتی ہوں بیمار ہو گئی ہو گی۔''

چھوٹی نے کہا۔''ارے تو رات کو بھلی چنگی سوئی تھی رات میں تو ئے کا ہوا۔''

''ارے میں رات ماسوئی کب کسی کو مت بتائیو پتہ نہیں کون میری کھاٹ پر آ گیا پھر بس کا بتاؤں تجھے کسی بتانا نہیں نہیں تو ماتا پتا کی بدنامی ہووے گی۔''

چھوٹی بھگوان وتی بولی۔'' ہائے رام یہ کا ہوا ارے مجھے جگا دیتی باپو کو واج دے لیتی۔''

''پتہ نہیں کا ہوا میری تو واج ہی بند ہو گئی اور پھر ایسا طوفان آیا کہ پوری ڈوب گئی اب کا ہو گا تو بتا۔'' رام مورتی نے پوچھا۔

''اپنی زبان بند کر اور یہ بات اب کبھی کسی سے

مت کہنا جو ہوا بھول جا۔"
"بس کا ہے کہوں کیا میرا دماغ خراب ہے۔"
رام مورتی بولی۔
پر دوسری ہی رات بھگوان وتی کے ساتھ بھی وہی شیطانی عمل ہوا اور اس نے بھی رام مورتی کو بتا دیا رام مورتی بولی۔ "یہ کون ہے کہ گھر میں آ جاتا ہے باہر سے کوئی نہیں آ سکتا گھر میں دو مرد ہیں ایک باپو اور ایک مانک رام باپو پر شک کیسا رہا مانک رام تو وہ اتنا بھلا آدمی ہے کہ وہ تو مرا سادھو لگتا ہے پھر کون ہے؟ مانک رام پر میں شک نہیں کرتی۔"

اور پھر یہ سلسلہ روز انہ کا ہوا۔ اگلوتا نے دونوں پھولوں کا رس چوس لیا۔ دونوں کے چہرے مرجھانے لگے ان کے بدن جو چڑھی کمان کی مانند تھے ان میں تبدیلی آتی گئی دونوں کی حالت ماں کی نظر میں تھی دونوں دن بدن کمزور ہوتی جارہی تھیں ماں نے ان سے بہت پوچھا پر کسی نے کچھ نہ بتایا وہ بتاتی بھی تو کیا کس کا نام بتائیں انہوں نے تو اس راکشش کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی بس اس کا تو صرف بدن ہی محسوس کیا تھا پھر ایک وقت یہ آیا کہ وہ کھاٹ پر لیٹ گئیں کسی کام کاج کے کرنے کی ہمت جواب دے گئی گیان چند اور اس کی گھوالی نے ان کو بہت دیدوں کو دکھایا۔ مگر فائدہ کیا ہوتا۔

ایسا لگتا تھا کہ ان کے جسم کا خون دن بدن کم ہو رہا تھا گیان چند پھر نئی فکر میں پڑ گیا پہلے روٹی کی فکر تھی اب اولاد کی ہو گئی۔ وہ دونوں کو علاج کے لئے منڈ اڑھ لے گیا وہاں پر ایک حکیم کو دکھایا حکیم بلند خان نے ان کا معائنہ کیا دونوں کی حالت ایک ہی جیسی تھی اس پر ان کو ذرا حیرت تو ہوئی مگر آدمی تجربہ کار تھے اور دنیا کے ہزاروں نشیب وفراز سے گزر چکے تھے بولے۔

"بات ذرا دوسری لگتی ہے ان دونوں پر کسی خطرناک سائے نے حملہ کر رکھا ہے وہ ان دونوں کو اس طرح کھا رہا ہے کہ بس اس کے آگے تم کو کیا بتاؤں تم باپ ہو۔"

"تو پھر اس کا اپائے کیا ہے میری چھوریاں تو مرجاویں گی۔" گیان چند خوف زدہ ہو کر بولا۔
حکیم بلند خان بولے۔" میں علاج کرتا ہوں جڑی بوٹیاں دے کر میں اس مرض کا علاج نہیں کر سکتا یہ کام تو ماہر روحانیات یا کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہی کر سکتا ہے تم کو الہ آباد جانا ہوگا میں پتہ بتلائے دیتا ہوں وہاں پر ایک آستانہ ہے اس آستانے سے ہر شخص کو فیض ملتا ہے۔" اور گیان چند الہ آباد روانہ ہوا۔
اگلوتا نے مجھ کو کہا۔" اب یہاں کیا رکھا ہے آگے سواری بڑھا۔"
"ٹھیک ہے گرو جو حکم ہو۔" میں بولا۔
"اب تو مانک رام ہے کسی کو اپنا نام دیا رام نہیں بتائے گا۔"
"یہ کیوں گرو۔" میں نے پوچھا۔
"اس لئے کہ دیا رام کی تلاش سرکار کو ہے مانک رام کی نہیں ہے دوسرا تیرا روپ بھی بدل جائے گا میں تجھے ایک نیا روپ دے رہا ہوں غور سے سن۔ ہندو دھرم کا ایک فرقہ جینی کہلاتا ہے اصل میں ہندومت ایک صغیرہ اور مذہب کے لحاظ سے غیر مرتب اور سینکڑوں پہلو رکھتا ہے وہ تمام کے لئے سب طرح کی چیز ہے یہ ایک موم کی ناک ہے کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے دل کرے تو سانپ کو پوج لو تم حیران ہو گے کہ چوہے کو بھی پوجا جاتا ہے ہزاروں فرقے ہزاروں طرح کی پوجا پاٹ کرتے ہیں ان پر ہندو دھرم میں کوئی پابندی نہیں ہے ان کو کوئی نہیں کہتا کہ تم غلط کر رہے ہو اس طرح اس دھرم کی کوئی اساس کوئی بنیاد نہیں رہ گئی ہے اور اس کی کچھ تھی ہی نہیں اس لئے جس کو اچھا لگا کرنے لگا میرا شکار یہ لوگ ہیں اس لئے کہ ان سے جو چاہو آسانی سے کرا لو۔
تو اب جینی ہے تیرے جسم پر صرف ایک لنگوٹی ہوگی پورے بدن پر تو گیلی مٹی کا لیپ کرے گا اور کاندھے پر بہنگی۔ دوران سفر لوگ تجھے لوگ جو کھانے کو دیں گے وہ کھائے گا میں تیرے ساتھ ہوں۔

یہ ایک طویل سفر ہے اس سفر میں تیرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے تیرا نعرہ بم بم بھولے ہوگا اگر کوئی گروہ ملتا ہے تو ان میں شامل ہوسکتا ہے۔''

اور پھر ایک تالاب دیارام مہابیر کے بھکشو کی شکل اختیار کرگیا چہرہ اور جسم سب مٹی کی تہہ کے اندر پوشیدہ ہوگیا اور اس کے کاندھے پر بانس کی بہنگی آ گئی اور زبان پر بم بھولے کا نعرہ آ گیا اس کا رخ بدل گیا اور اجین کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں پر ان کا سالانہ میلا ہوتا ہے پورے ہندوستان میں یہ بھکشو سفر کرکے آتے ہیں ان کے علاوہ لاکھوں جینی فرقے کے لوگ اجینی میلے میں آتے ہیں ان میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یہاں پر ہر قسم کی آزادی ہوتی ہے مذہبی معاملہ ہے اس لئے سرکاری مشینری زیادہ مداخلت نہیں کرتی بلکہ نظر انداز کرتی ہے۔

دیارام کا سفر جاری تھا ایک آبادی آ گئی اور رات بھی ہونے کو آئی تھی ایک برگد کے درخت کے نیچے سب بہنگیاں رکھ دی گئیں پندرہ بھکشو درخت کے نیچے آرام کرنے لگے گاؤں والوں کو پتہ چلا تو عورتیں ان کے لئے کھانے بنا کے لانے لگیں۔

ان میں کنواری اور بیاہی سب ہی تھیں اور یہاں پر اگلوتا کی بھوگ جاگ گئی اس نے میرے کان میں کہا۔

''تیرے پاس ہری چندری اور گلابی بلاؤز میں ایک کنیا آ رہی ہے اپنی مراد بھی بیان کرے گی نوجوان لڑکی کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کو مل جائے اور اچھا ہو اس کے بعد اسکی کوکھ سے اولاد ہو تو اس کو مراد اس کے بیان کرنے سے پہلے اس کو بتا دینا وہ چلی جائے گی اور پھر تجھے آگے سفر کرنا ہے وہ میری بھوک مٹائے گی۔''

اور اگلام کے قریب گاؤں میں ایک کنیا کی لاش پانی کے کنارے میں ملی اس کے جسم کے بہت سے اعضاء نہیں تھے اور لاش کی حالت سابقہ وارداتوں کی طرح تھی پولیس نے دیکھتے ہی اعلان کردیا کہ یہ واردات اسی راکشش کی ہے جو اب تک وارداتیں کرتا رہا ہے۔ ان وارداتوں میں دیارام کا نام لکھا تھا اس لئے پھر دیارام کی تلاش از سر نو شروع ہوئی اور میں اگلام کی طرف کاندھے پر بہنگی رکھے بھکشوؤں کے ٹولے کے ساتھ بم بم بھولے کا نعرہ لگاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

کمشنر ریڈ کو یقین تھا کہ مجرم دور نہیں ہے اس کے جاسوس بھکشوؤں کے ہر ٹولے کے ساتھ ساتھ سفر کررہے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر بھکشو کو نوٹ کررہے تھے وہ ان کی خدمت کرتے تھے ان کو کھلاتے تھے مگر وہ ڈیوٹی پر تھے میرا چہرہ مٹی میں چھپا ہوا تھا اور بدن پر بھی لیپ چڑھا تھا اصلی شکل نظر نہ آتی تھی اس لئے میری شناخت آسان نہ تھی اس کے علاوہ اگلوتا نے ہوشیار بھی کردیا تھا کہ کسی وقت بھی کوئی غلط حرکت مجھ سے نہ ہو میں صرف ایک جینی بھکشو ہوں جاسوس اپنا کام کررہے تھے اور ان کی نگرانی کمشنر خود کررہا تھا اس پر بھی سخت دباؤ تھا۔

اور پھر اجین آ گیا اجین میں مٹھ کے باہری میدان میں لوگوں کا ہجوم تھا دکانیں کھلی تھیں اور مرد عورت اپنی اپنی چھولداریوں میں بیٹھے تھے ان کے بچے بھی نظر آرہے تھے یہ سب جینی ہندو تھے۔

اگر اگلوتا تازہ واردات نہ کرتا تو میرا روپ بہت کامیاب تھا مگر اس تازہ واردات نے دیارام کو حکومت نے پھر یاد کرلیا اور میری شکل کے خاکے ہر جگہ پھر آ گئے ہر جاسوس کے پاس وہ خاکہ موجود تھا میں اتنا بڑا مجرم تھا کہ میرے بارے میں پورے ہندوستان کی پولیس جانتی تھی۔

اگلوتا کا حکم تھا کہ میں بھیڑ سے دور قیام کروں اس لئے رات میں سونے کی غفلت میں میرے چہرے کی مٹی اتر بھی جائے تو کوئی میری شکل نہ دیکھ سکے۔ مگر شیطان بھی غلطی کرتا ہے ٹولے سے الگ ہونا شک کا باعث بنا اور مجھ پر نظریں جم گئیں۔ میں میلے کی رونق سے بہت دور ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور سو گیا تھا میرے سونے کے بعد اگلوتا میلے میں آ گیا اور کوئی نئی کہانی شروع کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ میرے بے خبر سوتے ہی دو نہایت ہوشیار جاسوس میرے نزدیک آ گئے ان میں ایک اے ایس آئی شکور اور ایک پانڈے تھا پانڈے نے کہا۔'' اس کا

منہ صاف کرنا ہے پانی سے تو یہ اٹھ جائے گا۔‘‘

شکور نے کہا۔’’ سوکھا ہی کھرچ کچھ تو شکل نظر آئے گی۔‘‘ اور پانڈے نے مٹی کی پپڑیاں اتارنا شروع کردیں یہ کام نہایت آہستہ اور ہوشیاری سے وہ کرتا رہا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر ماری اور پانڈے نے کہا۔’’ شکور بھائی وہی لگتا ہے ناک اور دہانہ بالکل وہی ہے۔‘‘ اور کچھ ہی دیر میں وہاں پر کئی پولیس آفیسر آ گئے اور مجھکو گرفتار کرلیا گیا اس وقت میرے کاندھے پر اگلوتا نہیں تھا۔

اور فوراً خفیہ طریقہ پر مجھے الٰہ آباد روانہ کردیا گیا اور یہاں پر میری نہایت باریک بینی سے جانچ کی گئی۔ اور جب پولیس کو یقین ہوگیا کہ یہ دیارام ہی ہے تو سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ ڈی ایس پی منان خان نے شروع کیا اس لئے کہ کمشنر ریڈ مسلمان آفیسروں پر زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔

’’ تیرا نام کیا ہے؟‘‘ منان نے پوچھا۔

’’ میرا نام مانک رام ہے۔‘‘

’’ تیرا پیشہ؟‘‘

’’ میں ٹرک ڈرائیور تھا۔‘‘

’’ ٹرک کہاں ہے؟‘‘

’’ وہ الٰہ آباد میں ایک گیرج میں کھڑا ہے۔‘‘

’’ ٹرک چلانا کیوں چھوڑ دیا؟‘‘

’’ میرا ڈرائیونگ لائسنس گم ہوگیا تھا میں نے ٹرک چلانا بند کردیا۔‘‘

’’ اور بھکشو کیوں بنا؟‘‘

’’ میرے من میں آیا اور بن گیا۔‘‘

’’ تو اصل میں کہاں کا ہے اور کس ذات کا ہے؟‘‘

’’ میں الٰہ آباد کا ہوں اور کانست ذات کا ہوں۔‘‘

’’ تیرے باپ کا نام کیا ہے؟‘‘

میرے ذہن میں فوراً ایک نام آیا اور میں بولا۔’’ موم چند۔‘‘

’’ موم چند کا پیشہ؟‘‘

’’ کاشت کاری۔‘‘ میں بولا۔

اس قسم کے سینکڑوں سوالات ہوتے رہے اور میں فرضی جوابات دیتا گیا اس لئے کہ میرے کاندھے پر اگلوتا موجود تھا اگلوتا نے کہا۔’’ کرنے دے ان کو من مانی تیرا کچھ نہیں ہوگا۔‘‘

میری گرفتاری کی خبر پھیل گئی تھی یہ گرفتاری معمولی بات نہ تھی دوسرے شہروں کے آفیسر آ کر میری شناخت کررہے تھے اور ان سب کا فیصلہ تھا کہ میں یہی وہ راکشش ہوں جس نے نامعلوم کتنی عورتوں اور لڑکیوں کا قتل کیا ہے یہ کمشنر ریڈ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

مجھے دلی لے جانے کی تیاری کی گئی اور پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ الٰہ آباد سے قافلہ دلی کی طرف روانہ ہوا مگر راستہ آدھا ہی طے ہوا تھا کہ ہواؤں کا سخت طوفان آ گیا تیز آندھی آ گئی دھول مٹی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور اندھیرا ہوگیا اس اندھیرے میں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹ بھی روشنی کرنے سے قاصر ہوگئیں اور پورے قافلے کو رکنا پڑا ایک بند گاڑی میں، میں تھا اس کے آگے اور پیچھے کئی پولیس جوانوں کی گاڑیاں تھیں بند گاڑی درمیان میں تھی مگر اس بند گاڑی کے اندر اور ہر گاڑی کے اندر دھول مٹی اس قدر بھر گئی تھی کہ کسی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

یہ طوفان صرف چند منٹ رہا مگر اس مختصر وقت میں ایسا ہوا کہ جس کو انگریز آفیسر اور کوئی تسلیم نہیں کرسکتا جب ذرا روشنی ہوئی ہوائیں بند ہوگئیں تو پتہ چلا کہ قافلہ ایک پل پر تھا اور قافلے کے کسی شخص کا چہرہ صاف نہ تھا۔ گاڑیوں میں ریت بھری تھی اور سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ جس پل پر قافلے کی گاڑیاں کھڑی تھیں وہ پل آگے اور پیچھے سے دریا میں گر چکا تھا اور قافلہ کسی طرف نہیں جاسکتا تھا اور وہ درمیان کی بند گاڑی جس میں مجرم میں تھا اس میں میرے ساتھ میری نگرانی کرنے والے آفیسر اور اس کی نفری بھی نہیں تھی۔ یہ ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ تھا کمشنر ریڈ اور دوسرے انگریز افسران کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا اس واقعہ کی ہر بات حیران کن تھی۔

پولیس افسران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آ گے کیا رپورٹ کریں مجرم گیا اور ساتھ دس جوان اور دو افسر بھی گئے۔ ان کی لاشیں بھی دریا میں نہ ملیں جو مٹی گاڑیوں میں بھر گئی تھی وہ بھی الٰہ آباد اور اس کے اطراف کی نہ تھی وہ تھر کے ریگستان کی ریت تھی۔ کوئی ایک بات نہ تھی جس پر پولیس چکراتی ہر بات حیران کرنے والی تھی۔ کمشنر ریڈ اور بڑے پولیس افسران کسی ایک بات کی توجیہہ پیش نہ کر سکے ڈی ایس پی منان بھی ان واقعات سے حیران تو تھا مگر اس کا سوچنے کا انداز انگریز افسران سے مختلف تھا مگر وہ اس پوزیشن میں نہ تھا کہ بڑے انگریز افسران کو کوئی مشورہ دے اس کی پوزیشن صرف اوپر کے آرڈر پورا کرنے کی تھی۔ اس زمانے میں بات صرف اس آفیسر کی چلتی تھی جو لندن سے آیا ہوتا تھا ہندوستان کے افسر تھے مگر وہ دوسرے درجے پر ہی تصور ہوتے تھے ان کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ آگے بڑھ کر دخل اندازی بھی نہیں کرتے تھے ہاں نفری میں ہندو مسلمان سب تھے وہ صرف سلوٹ کرتے تھے اور حکم بجالاتے تھے اس ماحول میں ڈی ایس پی منان کو کیا ضرورت تھی کہ کمشنر ریڈ یا کسی اور بڑے افسر کو اپنا نقطہ نظر بتائے مگر وہ اپنے برابر کے رینک کے افسروں کے ساتھ تبادلہ خیال ضرور کرتا تھا فیروز خان پشاور کا پٹھان تھا مگر عمر دلی میں گزری تھی اور دلی پولیس میں ترقی کر کے وہ بھی منان کے برابر کا رینک رکھتا تھا۔

منان نے اس سے پوچھا۔ ''یار فیروز خان تیرا کیا خیال ہے اس واقعہ کے متعلق؟''

فیروز خان بولا۔ ''یہ واقعہ ایسا ہے کہ عقل کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوتا۔''

''ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی جادوگر نے جادو کر دیا ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے گردن موڑ کر بیٹھ رہنا اور یہ کہنا کہ پتہ نہیں کیا ہوا درست نہیں ہے کسی بھی مسئلے پر انکار کی پالیسی درست نہیں ہے مثال کے طور پر کچھ لوگ علم کیمیا اور سنگ پارس کو من گھڑت اور بے ہودہ خیال کرتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو اس کے بارے میں علم ہے اور جس کو پوری دست رس حاصل ہے وہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ علم کیمیا اور سنگ پارس کیا چیز ہیں انسانی ذہن کائنات کی وسعت کے بارے میں نہیں سوچ سکتا اس میں اب بھی کروڑوں راز ہیں اور وہ راز انسانی ذہن سے باہر ہیں انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ان کے بارے میں سوچے یہ وقت کی کہانی ہے وقت ہمیں کیا کچھ دکھا سکتا ہے یہ کائنات طلسمات سے بھری پڑی ہے یہ سب کچھ کارخانہ قدرت کا ہی حصہ ہیں۔ مگر ہر ذی روح کی ایک حد مقرر ہے اس مقررہ حد سے کوئی آگے نہیں آتا۔

اس کی نظر اس کی عقل کا جو دائرہ بنا دیا ہے وہ اس کے اندر ہے۔ ہمارے اردگرد کیا کیا ہے ہم نہیں جانتے اس لئے کہ ہمارا ان سے ٹکراؤ نہیں ہے ہمارا الگ ٹریک ہے۔''

''منان صاحب بات آپ کی درست ہے مگر کبھی کبھی اور کہیں نا کہیں کوئی ایسا واقعہ یا ایسی چیز ضرور سامنے آ جاتی ہے جس کی عقلی توجیہہ انسان کے پاس نہیں ہوتی۔''

''دیارام مجرم جو کچھ اب تک کرتا رہا ہے وہ انسانی کام نہیں آدم خوری ریپ اور پھر قتل یہ کام صرف شیطان کے ہیں اور میں کہتا ہوں دیارام بہت بڑا جادوگر ہے اور یہ طاقت اس کو صرف اور صرف شیطان کی بخشی ہوئی ہے۔''

فیروز خان نے کہا۔ ''آپ نے درست اندازہ کیا ہے مجرم کے چہرے پر جو اطمینان تھا وہ بھی آپ کی بات کو درست ثابت کرتا ہے۔''

''وہ بہت بڑا جادوگر ہے سارے کام اس کے شیطانی ہیں اب اس کا گرفتار ہونا مشکل ہوگا اور اگر گرفتار ہو گیا تو انگریز سرکار اس کو قید نہ رکھ سکے گی کیونکہ یہ لوگ جس انداز میں سوچتے ہیں وہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔''

''مگر شیطان کا تصور تو عیسایت میں بھی موجود ہے۔'' فیروز خان نے کہا۔

''درست کہا تم نے مگر ان میں بھی کم لوگ ہیں

جو عیسائی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات پر پوری طرح کاربند ہیں۔ مادہ پرستی ان میں بھی حد سے زیادہ ہے اور وہ جدید تعلیم کی روشنی میں ہر چیز کو پرکھنے کے عادی ہیں۔'' منان خان بولے۔

''دلی اور الہ آباد کے اعلیٰ افسران سر جوڑ کر بیٹھے ہیں مگر میں جانتا ہوں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائیں گے اور تان تمہارے اور میرے اوپر ٹوٹے گی۔'' منان نے کہا۔

''ہم کو تو وہی کرنا ہے جو آرڈر ہوگا۔''

میرے کاندھے پر اگلوتا سخت بے چین تھا۔ بولا

''دیا رام کام تو بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے۔''

میں بولا۔ ''کیا ہوا گر وتم پریشان ہو۔''

''ہاں میں جو کرنے یہاں پر آیا تھا اب شاید نہ کر سکوں۔'' اگلوتا بولا۔

''ایسی کیا بات ہوگئی گر وتم تو شکتی کے مالک ہو۔'' میں بولا۔

''اب پنجاب کی طرف کوچ کرتے ہیں۔'' اور میں خاموشی سے روانہ ہوا میری شکل ایک سادھو کی تھی جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی سر پر بال نہ تھے اور ماتھے پر تین سفید دھاریاں پڑی تھیں۔ اور میں ایک درخت کے نیچے پیڑ کی جڑ کے سہارے پڑا تھا۔

چاروں طرف کھیت تھے اور ان کھیتوں میں کسان کام کر رہے تھے۔

یہ گاؤں گونا والا تھا۔ یہاں کا زمیندار سردار جوگندر پال تھا سردار جوگندر پال بڑا زمیندار تھا اس کی زمینداری میں تین گاؤں تھے دادا نے انگریزوں کی بڑی خدمت کی تھی اور اس خدمت کے بدلے اس کو یہ زمینداری ملی تھی۔

جوگندر پال نہایت اصولی آدمی تھا نہ کسی کو بے وجہ تنگ کرتا تھا نہ ضرورت سے زیادہ نرمی کا قائل تھا۔ ہر کام کرنے والے کو وہ عزیز رکھتا تھا اور اس کی ضرورت بھی پوری کرتا تھا۔

اس کے کسان اور ہاری یہ بات جانتے تھے اور اس لئے محنت سے کام کرتے تھے۔ مگر اس کی ایک کمزوری بھی تھی اس کمزوری کی وجہ سے وہ خود بھی پریشان ہوتا تھا مگر اس پر وہ قابو نہیں کر پاتا تھا۔

اور وہ کمزوری عورت تھی حالانکہ اس کی بیوی اتنی بری نہ تھی اور اس کی خدمت کرنے کو ہر وقت تیار رہتی تھی مگر اس کو گھر کی مرغی دال برابر لگتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی کمزوری کسی دن ذلیل کرا دے گی اس لئے وہ بڑا ہوشیار رہتا تھا ہر کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا اور جب ہاتھ ڈالتا تھا جب کام کا یقین ہو جاتا تھا اس کے پاس اس کام کے لئے وہ آدمی تھے مگر ان کی زبانوں پر تالے پڑے تھے وہ نہایت خاموشی سے کام کرتے تھے۔ جوگندر پال کا یہ مشغلہ جاری تھا وہ ایک کے بعد دوسرے مشن پر لگ جاتا تھا۔

اور کام ہونے کے بعد پھر نیا مشن جاری کرتا تھا اس کے لئے وہ نقصان بھی اٹھاتا تھا۔ اس کے دونوں کارندے اس سے فائدہ بھی اٹھایا کرتے تھے۔ اگر یہ کمزوری سردار جوگندر میں نہ ہوتی تو وہ ایک اچھا آدمی ہوتا مگر اس کمزوری نے اس کی بہت سی اچھائیوں کو بھی دبا دیا تھا۔

وہ دن بھر گھر سے باہر رہتا تھا اس کے بہت کام تھے وہ گاؤں گاؤں پھرتا تھا پیداوار اور کسانوں کی نگرانی کرتا ان کی مشکلات دور کرتا جس کو ضرورت ہوتی خوش کرتا ان کے گھریلو حالات اور پریشانیاں سنتا اور اس طرح وہ اپنا مطلب حل کرتا لوگ اس کو ہمدرد انسان سمجھتے اور اپنا دکھڑا بیان کرتے وہ بھی ہمدردی سے ان کی سنتا اور ان کے کام آجاتا اس طرح وہ ان کے گھروں میں گھس جاتا اس کے بعد اس کے کارندے کام کرتے اور جوگندر اپنا ہدف حاصل کرتا اس کا اپنا ایک طریقہ کار تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی تھا نہ کسی کو ظلم کا نشانہ بناتا نہ زیادتی کرتا سب کی کمزوریوں پر نظر کرتا اور اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا اس طرح طرح اس کی بدنامی نہ ہوتی عام آدمی اس کو ایک ہمدرد اور کام آنے والا بندہ خیال کرتا ہے۔

دوپہر کو کھیتوں پر کام کرنے والے کسانوں کی

عورتیں ان کے لئے کھانا لے کر آنے لگیں اور پھر سب اس درخت کے سائے میں آ گئے جس درخت کی جڑ کے پاس میں بیٹھا تھا۔

ایک کسان بولا۔ ''لے بھئی آج تو یہ سادھو آ گیا ہے۔''

سابو بولا۔'' ارے تو کیا ہے ایک ایک روٹی کم کھائیں گے۔'' وہ اپنی بیوی سے بولا جنداں ایک روٹی اور لسی اس کے لئے ایک کر دے اور پھر کئی روٹیاں اور لسی پیاز اچار اور ساگ سادھو کے سامنے آ گیا مرجائی بولی۔

''سادھو مہاراج بھوجن کرلو سب کر رہے ہیں۔'' میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے مرجائی کو دیکھا وہ اس گاؤں کی سادہ جٹی کو دیکھا اس کے چہرے پر کوئی میک اپ نہ تھا مگر اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

میں نے دل میں سوچا اگر یہ شہر میں ہوتی تو کتنے قدر دان ہوتے اس کا چہرہ اس کے فکر اور بغیر کسی بناوٹی سہارے کے بغیر یہ ایک حسین عورت کہلاتی۔

مرجائی بولی۔'' کی دیکھ رہا ہے سادھو روٹی کھالے۔''

میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں روٹی کھانے لگا کھانے کے بعد اس کی لسی پی لی اور بولا۔

''بہت مزے دار روٹی کھائی۔''

سابو بولا۔'' کدھر کا ارادہ ہے سادھو مہاراج؟''

''ارے ہم ارادے سے چلتے ہیں نہ رکتے ہیں ہمارے سب کام خود بخو ہوتے ہیں۔''

مرجائی بولی۔'' تو پھر کل دو روٹی اور لے آؤں گی۔''

جندا بولی۔'' بابا روٹی میں بھی لے آؤں گی بھوکے نہیں رہو گے۔ پر ایک بات کا خیال رکھنا کہ رات کو جانور بہت آتے ہیں اس طرف لومڑا اور گیدڑ بھی بہت ہیں۔''

سابو بولا۔'' تو نے یہ بات اچھی یاد دلا دی۔''

میں بولا۔'' فکر نہ کرو لومڑ اور گیدڑ میرا کیا کریں گے ارے یہ بد بو ماش ان کو کیا بھائے گا۔''

میری بات کسانوں کو سمجھ نہ آئی اور وہ کام پر چلے گئے عورتیں برتن اور مٹکیاں کاندھے پر رکھ کر گاؤں کی طرف چلی گئیں اور درخت کے نیچے صرف میں رہ گیا تو اگلوتا بولا۔

''اس گاؤں کی ناریاں بڑی خوبصورت ہیں اور ان کے بدن کو تو نے دیکھا۔''

''ہیں تو کیا ارادہ ہے۔'' پھر میں نے پوچھا۔

''ارادہ کیا ہوتا ہے کچھ نظارہ کرو پھر یہاں کا ماحول دیکھیں گے اور پروگرام بنائیں گے۔'' اگلوتا نے کہا۔

''اس پیڑ کے نیچے ہی رہنا ہوگا۔'' میں بولا۔

''تو سادھو سنت ہے یہ لوگ اسی طرح رہتے ہیں روٹی تو تجھے یہاں پر بھی ملے گی۔ آگے خود بخود راستہ بن جائے گا۔''

دو چار دن میں ہی سارے گاؤں کو پتہ چل جائے گا کہ گاؤں کے باہر جامن کے درخت کے نیچے ایک سادھو پڑا ہے وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا روٹی کھلاؤ تو کھالیتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔

سردار جوگندر کو بھی پتہ چل گیا اور شام کے وقت وہ اپنے گھوڑے پر میرے پاس آ گیا اور میرے پیر پکڑ کر بولا۔'' مہاراج آپ یہاں کھلی جگہ پڑے ہیں گاؤں چلو گاؤں گوناوالا میں آپ کے لئے بہت جگہ ہے ہم آپ کی سیوا کریں گے۔''

میں بولا۔'' میرے لئے گاؤں اور ویرانہ برابر ہے تو میری فکر نہ کر۔''

سردار بولا۔'' نہیں مہاراج میرے لئے تو یہ ڈوب مرنے کی بات ہے کہ تم یہاں پڑے رہو۔''

میں بولا......'' چل تیری عزت کی خاطر چلتے ہیں۔'' اور میرا ٹھکانہ چوپال ہوا۔ اور میرا بھوجن زمیندار کی حویلی سے آنے لگا۔ اگلوتا زمیندار اور اس کی حویلی کی خبر رکھنے لگا اور بہت جلد وہ یہاں کے ماحول اور زمیندار کے کردار اور حویلی کے حالات کو سمجھ گیا۔ یہاں کے

حالات بڑے دل چسپ ہیں۔'' وہ مجھ سے بولا۔
''مجھے تو بتاؤ کیا دل چسپ ہیں؟''
''زمیندار سردار جوگندر پال جو نظر آتا ہے وہ ہے نہیں۔''
''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔
''وہ اندرونی طور پر وہی کرتا ہے جو میں کرتا ہوں مگر بیرونی طور پر لوگوں پر احسان کرتا ہے۔ اور اس احسان سے لوگوں کی زبانیں بند کرتا ہے۔ یہ حویلی میں کم رہتا ہے اس کی بیوی مہینوں اس کا انتظار کرتی ہے اس کی طرف رخ نہیں کرتا اس کے دل میں اس کی محبت ختم ہو گئی ہے اور مرغن اور خالص غذا اس کے دماغ میں گھس گئی ہے زمیندار کے دو کارندے زمیندار کے لئے یہ کام کرتے ہیں اور وہ اب اپنے کام میں اتنے ماہر ہیں کہ کسی کو بھی زمیندار کی خوراک بنا دیتے ہیں زمیندار نے بڑا انوکھا اور خفیہ راستہ اپنایا ہے اس سے سانپ بھی مرجاتا ہے اور لاٹھی بھی سلامت رہتی ہے۔'' اگلوتا نے بتایا۔
''اس کا مطلب ہوا یہ تو ہمارا بھی استاد ہے۔'' میں نے کہا۔
''اب تم اس استاد کے استاد بنو گے۔ پھر باغ کے سارے پھل اپنے۔'' اگلوتا بولا۔
''تم پروگرام بنا چکے ہو سب۔'' میں بولا۔
''پروگرام تو بنا لیا ہے پر ذرا انتظار کرنا ہو گا اس لئے کہ غلطی کا خدشہ نہ رہے۔'' اگلوتا بولا۔
دو چار دن اور گزر گئے تو اگلوتا نے مجھ سے کہا۔
''اب تیرے ایکشن میں آنے کا وقت ہے اب جب تیرے پاس سردار جوگندر آئے تو تو اس سے کہے گا۔ ''سردار تیرا راستہ محفوظ تو ہے مگر بہادرانہ نہیں۔'' وہ اس کے بعد کئی سوال کرے گا مگر تو اس کے آگے کچھ نہیں بولے گا تیری یہ بات اس کو بہت کچھ بتائے گی وہ پھر تیرے پاس آئے تو میں بتاؤں گا کہ تجھے کیا کہنا ہے۔''
میری بات سردار کے اندر تک چلی گئی اور وہ ایک رات بے چین رہنے کے بعد سویرے سویرے پھر میرے پاس تھا اور آتے ہی پیر پکڑ کر بولا۔
''مہاراج آپ کی بات جو آپ نے کل کی تھی سمجھ نہیں آئی۔''
میں بولا۔ ''یوں کہہ کہ سمجھ تو آئی پر یہ نہ سمجھ سکا کہ میں نے کیسے جان لی۔''
ہر انسان کے دو چہرے ہوتے ہیں ایک دنیا کے سامنے ہوتا ہے اور ایک پوشیدہ رہتا ہے کسی کا برا چہرا باہر اور اچھا اندر چھپا رہتا ہے کسی کا اچھا باہر اور دوسرا اندرونی طور پر کام کرتا ہے میرے بھی دو چہرے ہیں تو بھی وہی کرتا ہے جو سب کرتے ہیں تو ڈرپوک ہے تیرے اندر ہمت نہیں اس لئے چھپ کر اپنی اصلیت کو استعمال کرتا ہے جبکہ تو کم از کم اپنے پنڈ کا راجہ ہے تیرا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے کسی ایک کو حاصل کرنے کو لمبا چکر چلاتا ہے اس کی ضرورت کیا ہے ہاتھ بڑھا اور توڑ لے تیرا ہی سب مال ہے پھر ڈرنا کیسا مگر تو ڈرتا ہے یہ دوغلی پالیسی ہے انسان کو ایک پاسے ہونا چاہئے میں تیری مدد کر سکتا ہوں مگر تجھے اپنی پالیسی پر غور کرنا ہو گا ایک پاسے چلنا ہو گا۔
سردار میری باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا حیرت میں بولا۔ ''تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟''
میں نے جواب دیا۔ ''تو جو نہیں جانتا میں وہ بھی جانتا ہوں۔ تو صرف یہ بتا کہ تیرے اندر جو ہے وہ میں نے دیکھ لیا ہے کہ نہیں اگر میں نے دیکھ لیا ہے تو قبول کر لے۔''
سردار نے کہا۔ ''مہاراج تم تو انتریامی ہو تم سے کیا پردہ میں مکر تو نہیں سکتا میں کیا کروں ایک عادت سی ہو گئی ہے اس عادت سے ڈرتا ہوں بدنامی سے ڈرتا ہوں۔''
''تجھے دو باتیں ایک ساتھ نہیں چلانی ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں بھی تیری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ تو چھپ کر اور احسان کر کے جو کرتا ہے اس کو بند کر اور کھل کر وہ کو جو تیرا اصل ہے جو لوگ اپنی اصلیت سے دور ہونے کی کوشش کرتے ہیں

وہ کہیں کے نہیں رہتے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔''

''آپ نے مہاراج مجھے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔''

''اتنی صاف باتیں تیری سمجھ نہیں آ رہی ہیں تو پھر تیرا سردار رہنا بے کار ہے۔'' میں نے آنچ تیز کی۔

''اگر میں نے اپنی من مانی کرنا شروع کر دی تو گاؤں کے لوگ باغی ہو جائیں گے۔'' سردار بولا۔

''تو سردار ہے مالک ہے کچھ بھی کر سکتا ہے تیرا کیا بگڑے گا۔'' میں بولا۔

''میں اس پر غور کروں گا۔'' سردار بولا۔

سردار کے اندر جو شیطان تھا اس کو ایک نئی زندگی میں نے دے دی اگر سردار کے اندر کچھ نہ ہوتا تو وہ شاید مجھ کو جوتے مار کر گاؤں سے باہر کر دیتا مگر اس میں پہلے ہی کوڑا کچرا بھرا ہوا تھا میرے مشورے اس کو ناگوار نہ لگے اور وہ میرے مطابق سوچنے لگا۔

مرجائی پر سردار جوگندر کا دل بہت دن سے تھا مگر وہ اس کے صاف کردار سے ڈرتا تھا۔ مرجائی کھیت پر بھی کام کرتی تھی۔ اور اپنے مرد صابو کا ہاتھ بٹاتی تھی دونوں کی محنت ان کو روٹی دیتی تھی وہ بہت کم بات کرتی تھی اور کسی کو منہ نہ لگاتی تھی اس کی وجہ اس کی نظر شناسی تھی یوں تو ہر عورت میں قدرت نے یہ خوبی رکھی ہے کہ وہ مرد کی نظر کو پہچان لیتی ہے مگر مرجائی میں یہ خوبی زیادہ ہی تھی شاید اس کی وجہ اس کا حسین چہرہ اور سڈول جسم تھا اس کو احساس تھا کہ اس کا بدن مردوں کے لئے پرکشش ہے اس کی چال مور کو اپنی طرف راغب کرتی ہے اس لئے اس کا رویہ مردوں کے ساتھ کھردرا اور اچھا نہ تھا اس کی زبان بھی شیریں نہ تھی ہاں عورتوں کے ساتھ وہ خوب گھل مل کر رہتی تھی ہنسی مذاق بھی کرتی تھی مندر میں عورتوں کے ساتھ بھجن بھی گاتی اس کے اس رویہ نے سردار کو بھی اس سے دور رکھا تھا مگر اب سردار کو ایک نئی سوچ مل گئی دیارام نے تازہ کمک اس کو دے دی اور اس نے سابو کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ ''دیکھ بھئی سابو تیرا کام پورا نہیں ہو رہا ہے تیری بڑی شکایت ہے تو دن بھر گھر والی کے ساتھ کھیت میں ٹھولیاں کرتا ہے اور کام نہیں کرتا۔''

سابو حیران ہو کر بولا۔ ''سردار یہ غلط ہے میری گھر والی تو خود کام کرتی ہے۔''

''میں تیری بات نہیں مانتا تو اکیلا کام کرے گا تیری گھر والی کھیت پر نہیں آئے گی۔''

یہ تھی ابتداء سردار جوگندر کی سردار کے حکم کے مطابق مرجائی نے کھیت پر جانا بند کر دیا اور ایک دن دوپہر کے وقت سردار سابو کے گھر چلا گیا۔

سردار کو دیکھ کر مرجائی ذرا پریشان ہوئی اور بولی۔

''کیسے آیا سردار؟''

سردار نرم لہجے میں بولا۔ ''بس تیری خیر خیریت پتہ کرنے آیا تھا۔''

''میں ٹھیک ہوں سابو کھیت پر ہے مجھ سے تیرا کیا کام ہے۔''

سردار بولا۔ ''کام تو تجھ سے ہی ہے میں سابو کے لئے نہیں تیرے لئے آیا ہوں۔'' سردار نے آگے قدم رکھا۔

مرجائی بولی۔ ''دیکھ سردار میں تیری نیت جان گئی ہوں پر میں عزت دار عورت ہوں تو کوئی اور گھر دیکھ میری طرف نہ دیکھ تجھے کچھ نہیں ملے گا۔''

''اور میرا دل تجھ پر ہے۔'' سردار بولا۔

''دل کی بات نہ کر دل تو بہت چیزوں پر ہوتا ہے پر وہ سب تو نہیں مل جاتیں۔'' مرجائی بولی۔

''جو چیز ملنے والی ہوتی ہے اس پر دل ہو تو مل ہی جاتی ہے۔'' سردار نے جواب دیا۔

''میں ملنے والی چیز نہیں ہوں۔'' مرجائی کے تیور بدل گئے۔ مگر اس وقت اگلو تا حرکت میں آیا۔

سردار حرکت میں آیا اور مرجائی کچھ نہ کر سکی اور سردار کی پرانی خواہش پوری ہو گئی۔

سردار چلا گیا اس کے بعد مرجائی اٹھ کر بیٹھ گئی اس

کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ اتنی بے بس اور کمزور کیونکر ہوگئی اس کا سر شرم سے خود اپنے سامنے جھک گیا۔

شام کو سابو آیا تو اس نے کہا۔" سابو بس اس گاؤں میں نہیں رہنا، آگے چل۔"

سابو حیران ہو کر بولا۔"ہوا کیا ہے اچانک۔"

"جس جگہ بندے کی عزت محفوظ نہ ہو اس جگہ نہیں رہنا چاہئے بس تو چل کام تو محنت کا کرتا ہے ہر جگہ کر لیں گے۔"

سابو نے کہا۔" اگر یہ بات ہے تو پھر چل۔" اور سابو خاموشی سے گاؤں چھوڑ گیا۔"

اس کے بعد کئی گھرانے خاموشی سے گاؤں سے چلے گئے مگر سردار کی من مانیاں بند نہ ہوئیں۔

کام کرنے والے کم ہوئے تو دانے بھی کم پیدا ہوئے مگر میں نے اس کو سوچنے کی مہلت نہ دی اور اس کی آڑ میں میں بھی ہاتھ صاف کرتا رہا اگلوتا سردار کی مدد کرتا رہا۔ اور گھر ویران ہونے لگے محنت کرنے والے ہی نہ رہے تو کھیت ویران ہو گئے ہر طرف ویرانی نظر آنے لگی۔ دوسرے دور قریب کے پنڈ آباد ہو گئے اگلوتا بہت خوش تھا اب گاؤں میں صرف چند گھر تھے کیونکہ ان کے گھروں میں سردار کے مطلب کی کوئی چیز نہ تھی۔ سب حیران تھے آخر یہ گاؤں ویران کیسے ہوا۔ سردار کے دونوں گاؤں برباد ہو گئے۔ اس کی گھر والی سب جانتی تھی وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔

اب اگلوتا کا کوئی کام نہ تھا اس کا مشن پورا ہو چکا تھا۔

میں نے سردار کو کہا۔"بس اب ہم جاتے ہیں۔"

سردار بولا۔" مہاراج سب چلے گئے گاؤں ویران ہو گیا کھیت اجڑ گئے اور تم بھی میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔"

سردار کو حیران چھوڑ کر میں گاؤں سے نکل گیا۔

اگلوتا نے کہا۔" تیری کارگزاری اچھی رہی اور تو نے موج بھی اڑائی مگر تو بے فکر نہ ہو جا تیری تلاش اب بھی ہے یو پی اور پنجاب پولیس تیری فوٹو لئے آج بھی تیری کھوج میں پھر رہی ہے بس اڈے اور ریلوے اسٹیشن پر چوکس پولیس والے موجود ہیں۔ یہ سفید چمڑی والے بڑے ضدی ہوتے ہیں تو دوبارہ ان کو جل دے کر ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے ہو سکتا ہے اس دفعہ وہ کسی ایسے طریقہ پر عمل کریں جو میرے بس سے باہر ہو اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے ہاتھ میں نہ آیا جائے تیرے چہرے پر ڈاڑھی آ گئی ہے اور بڑھنے دے مونچھ بھی صاف نہ کر اور لباس تیرا یہ لنگوٹی ٹھیک زبان کو بند رکھ اور سخت ضرورت کے وقت استعمال کر تیرا سفر لمبا ہے اور ریل کے ذریعہ ہے۔"

"جانا کہاں ہے گرو؟" میں نے پوچھا۔

بہت دور ایک صوبہ ہے اس کا نام اڑیسہ ہے اس صوبے میں ایک بہت قدیم شہر ہے اس شہر کا نام بھوگیشور ہے یہ شہر بھی ہندوؤں کی یاترا ہے اس شہر میں سینکڑوں مندر ہیں اور ایک ایک ہزار سال پرانے مندر آج بھی موجود ہیں یہاں پر پورے ہندوستان سے لوگ آتے ہیں ہندو یاترا کے لئے اور دوسرے صرف ان قدیم مندروں کی طرز تعمیر اور ان کی دیواروں پر مورزی کی بناوٹ دیکھنے ہزاروں سال پہلے ان کو انسانی ہاتھوں نے بنایا تھا اور کیسی ہنر مندی دکھائی تھی کہ آج بھی یہ لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہے۔

اونچے اونچے مندر ان کے کلس اور پتھر کی "ماں" ایک ہزار سال پہلے جبکہ کسی مشین کا تصور بھی نہ تھا کس طرح ممکن ہوئی یہاں پر ان قدیم مندروں میں آج بھی پوجا ہوتی ہے پجاریوں سے یہ مندر آباد ہیں اور ان میں ہی رہتے ہیں یہاں پر ایک دریا بھی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں سات دریاؤں کا پانی ہے۔

"تم نے اتنی دور کا ارادہ کیوں کر لیا جبکہ مجھے ان مندروں کو دیکھنے کا شوق ہے نہ میں دھرم سے سروکار رکھتا ہوں۔" میں بولا۔

"ہاں یہ درست تم نے کہا مگر یہ بھی تیری خاطر میں نے ایسا کیا ہے تیرے چاروں طرف خطرہ ہے بھوگیشور

اتنی دور ہے کہ ابھی تیرے بارے میں وہاں پر کسی کو خبر نہیں ملی ہے اور پھر وہاں پر ہر روز نئے نئے لوگ آتے ہیں تیرا روپ ایسا ہے کہ تو کسی بھی مندر میں بڑی آسانی سے کھپ جائے گا۔

ڈبہ بھرا ہوا تھا مگر میں اندر چلا ہی گیا۔ مگر سیٹ پر جگہ ملنے کی ذرا امید نہ تھی۔ اگلوتا نے کہا۔ ''فکر نہ کر تو آرام سے سفر کرے گا میں پربند کرتا ہوں۔'' اور وہ میرے کاندھے سے اتر گیا۔

میں دروازے کے پاس کھڑا تھا ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک آدمی بھیڑ کو چیرتا میرے پاس آ گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''آپ کشٹ نہ اٹھائیں پربھو میری سیٹ پر آ جائیں میں سمجھ گیا کہ اگلوتا نے کام دکھا دیا ہے اور میں اس شخص کے ساتھ اس کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔'' بچہ اب تو کشٹ اٹھائے گا میری وجہ سے۔''

وہ بولا۔ ''کوئی بات نہیں شاید آپ کی کرپا سے میری چنتا دور ہو جائے۔''

''اچھا تو بتا تیری کیا چنتا ہے۔'' میں بولا۔

''مہاراج میرا نام چورسیا ہے میں بھوگیشور اس کارن جا رہا ہوں کہ میرا بیوپار سخت گھاٹے میں جا رہا ہے میں دلی میں اناج کا دھندہ کرتا ہوں خوب کاروبار تھا مگر اب ہر طرف سے گھاٹا ہے مال خریدتا ہوں تو دام گر جاتے ہیں اور گھاٹا ہوتا ہے مال خراب نکل آتا ہے اونے پونے نکالنا پڑتا ہے اور گھاٹا پورے سال میں نے اٹھایا ہے زندگی بھر بیوپار کیا ہے۔ باپ دادا کے زمانے سے یہی ہو رہا ہے مگر اب نہ جانے کیا مکھی چھینک گئی ہے کہ جو کام کرتا ہوں غلط ہو جاتا ہے۔''

میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ ''ہوتا ہے ستارے جب اپنی چال بدلتے ہیں دھن دان کے دن بدلتے ہیں اس وقت کو لوگ انقلاب زمانہ کہتے ہیں اس انقلاب کی لپیٹ میں بڑے بڑے بادشاہ آ جاتے ہیں ان کی اولادیں سڑکوں پر آ جاتی ہیں۔

تیرے ستارے بھی شاید اپنا رخ بدل رہے ہیں اس دور میں تو جو کرے گا وہ الٹ ہو جائے گا اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس بڑے پیمانے کام نہ کر بھول جا کہ تو بڑا بیوپاری تھا جو باقی ہے اس کو تھوڑا تھوڑا استعمال کر جو میری سمجھ میں آیا ئے آیا بتا دیا یہ جواب تیری باتوں سے جو میں سمجھ سکا اس کا اصل بات اتنی جلدی کون سمجھ سکتا ہے اس کے لئے تو کچھ وقت لگتا ہے۔''

''میں بھوگیشور میں آپ سے ملاقات کروں گا آپ کہاں ملو گے مہاراج۔'' چورسیا بولا۔

''بچہ ہمارا کوئی استھان نہیں ہے مگر یہ مندر ہمارا امتحان ہے تو تلاش کرے گا تو پالے گا۔'' میں بولا۔

''میں آپ کو تلاش کروں گا۔'' چورسیا نے کہا۔

کھانے کا وقت ہوا تو چورسیا پوریاں اور ساگ لے آیا اس طرح سارے راستے مجھ کو ایک خدمت گار مل گیا اور اگلوتا کے کہنے کے مطابق میرا سفر نہایت آرام سے طے ہوا۔

بھوگیشور آتے ہی مسافر جے جے کار کر کے اترنے لگے یہاں ماحول دوسرا تھا۔

زیادہ تر سادھو سنت قسم کے لوگ تھے یا پھر باگڑ پر آئے ہندوان میں تفریح کرنے والے ہندو مسلمان اور دوسرے بھی نظر آنے لگے کسی پر کوئی پابندی نہ تھی سب ہی لوگ مندروں کے اندر جاتے تھے جو پوجا پاٹ کے لئے آتے ہیں وہ پوجا کرتے ہیں اور جو صرف ہزاروں سال پہلے کی طرز تعمیر اور کاریگر دیکھنے آتے ہیں وہ ان مندروں کی تصویریں بناتے ہیں اور ایک ایک مورتی اور ان پر پتھر اور ان پر پتھر سے ابھارے نقوش کو بغور دیکھتے ہیں ان مندروں کی پوری دیکھ بھال ہوتی ہے کیونکہ یہ قدیم ہندو کا ورثہ ہے۔

شہر میں سکون ہے بھاگ دوڑ کا ماحول نہیں ہے ہر شخص اپنے اپنے کام میں مگن ہے۔ کوئی کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا سنکھ اور گھنٹیوں کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔

میں جس سڑک پر چل رہا تھا اس پر زیادہ تر لوگ پیدل ہی چل رہے تھے سڑک دونوں طرف تھوڑے فاصلے

پر بڑے چھوٹے مندر نظر آتے تھے کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں پر ایک ہزار مندر تھے اور اس شہر کو مندروں کا شہر کہا جاتا تھا ان سب پر توجہ نہیں رہی وقت گزرتا رہا اور وہ گرتے رہے اب چار سو کے قریب مندر ہیں اس لڑکے کے خاتمے پر ایک بہت بڑا مندر نظر آ رہا تھا اس کے بعد دریا تھا یہ مندر اونچے مقام پر تھا اور بنایا گیا اونچا تھا اس لئے دور سے نظر آتا تھا۔

اس کی ہر دیوار پر مورتیاں پتھروں پر ابھاری گئی تھیں اور آج بھی نہایت واضح تھیں۔

میں کہیں نہ رکا اور مندر کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا۔ مندر کے اندر بہت لوگ تھے بھانت بھانت کے لوگ کچھ صرف تصویریں بنا رہے تھے کچھ بڑی شیو بھگوان کی پوجا کر رہے گیندے اور رتن جو کہ پھول ڈال رہے سارے ہال میں لوبان کی خوشبو بھری ہوتی تھی۔

میں وہاں سے باہر آ گیا اور دریا کی طرف اترنے والی سیڑھی پر بیٹھ گیا کسی نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا کون پوچھتا یہاں پر مجھ جیسے سادھوں کی بھیڑ تھی یہاں کے پجاری روز ہی دیکھتے تھے۔

شام تک میں وہیں بیٹھا رہا یاتری اور سیاحوں سے مندر خالی ہو گیا اور بھوجن کا وقت ہوا تو ایک پجاری میرے پاس آیا اور بولا۔ ''کیا بات ہے پربھو آپ سارا دن یہاں بیٹھے رہے اب آؤ بھگوان کے درشن کر لو اور بھوجن کھا لو یہاں پر کوئی بھوکا نہیں رہتا۔ سب کو بھگوان دیتے ہیں۔''

یہ سن کر میں بولا۔ ''ہاں بھوجن تو ہم کریں گے اور رہی درشن والی بات تو وہ بھی کریں گے پر اپنے من میں جب آئے گا تب تب اور اسی کارن ہم کو یہاں آنا ہوگا تو جانتا ہے کہ منش کا دل بھگوان کا مندر ہوتا ہے جب بھگوان کے مندر میں گھنٹی بجے گی ہم شیو کے درشن کریں گے۔''

پجاری کی سمجھ میں میری پوری بات تو نہ آئی پھر بھی بولا۔ ''میں تو جی شیو بھگوان کا سیوک ہوں بہت چھوٹا اور آپ کو مندر کے اندر رکھنے کی اجازت بڑے پجاری ہی دے پائیں گے۔''

میں بولا۔ ''تو پھر مجھے بڑے پجاری کے پاس لے کر چل۔''

''روش سے بھگون آؤ میرے ساتھ۔'' مجھ کو بڑے پجاری کے کمرے میں لے گیا۔

بڑا پجاری ایک بھاری بھرکم آدمی تھا سر پر بڑی موٹی اور لمبی چوٹی تھی مگر باقی سر بالوں سے بے نیاز تھا۔

اس کی آواز بھی اس کے جسم کی طرح موٹی تھی وہ دونوں کو دیکھ کر بولا۔

''کیا بات ہے کاشی ناتھ یہ تیرے ساتھ کون ہے؟''

''یہ سادھو ہے مہاراج آپ سے ملنا چاہتا تھا تو میں لایا ہوں۔'' کاشی ناتھ نے جواب دیا۔

اب پجاری بدردی پرشاد میری طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ ''بول کیا بات ہے؟''

''میں مانک رام ہوں بہت دور سے آیا ہوں آیا کیا ہوں بلایا گیا ہوں۔ یہ نہ پوچھنا کہ کس نے بلایا ہے۔ اور پوچھے گا تو بھی میں نہیں بتاؤں گا۔ میرے رہنے کا پربند کرے گا اور جب بلانے والا کہے گا تو میں چلا جاؤں گا بول تیری کیا اچھا ہے۔'' میرا لہجہ اتنا پراعتماد تھا کہ پجاری کو لگا جیسے میں اس کو حکم دے رہا ہوں دوسرے اگلوتا بھی اس پر اپنا اثر ڈال رہا تھا۔

پجاری کی زبان سے نکلا۔ ''میں آپ سے کوئی سوال نہیں کرتا ہاں سیوا کروں گا جب تک دل کرے رہو اور شاید یہی بھگوان کی مرضی ہے۔''

اور میں پجاری کا مہمان بن گیا۔

اگلوتا نے کہا۔ ''اب تیرے اندر کچھ اعتماد ابھر رہا ہے تجھے بات کرنے کا ڈھنگ آتا جا رہا ہے۔''

مجھے اس پجاری پر زیادہ محنت نہ کرنا پڑی یہ پجاری سخت بدمزاج تک چڑھا ہے کیونکہ اس مندر میں لوگ زیادہ آتے ہیں اس کی آمدنی سب سے زیادہ ہے اور یہ

مندر سب سے زیادہ پرانا مشہور ہے۔

میں بولا۔ اس کے بعد کیا کرنا ہے کچھ تو بتاؤ۔"

"اس پجاری کی بھی کچھ کمزوریاں ہیں ہر مندر کی طرح یہاں پر بھی وہ کھیل ہوتا ہے جس کو لوگ ہمارا کھیل کہتے ہیں۔ مگر کرتے خود ہیں اور نام ہمارا بدنام کرتے ہیں میں ان کو اس کام سے نہیں روکتا یہ بھی میرا ہی کام کر رہے ہیں تو یہاں پر محفوظ ہے تیرے اردگرد کئی خطرے منڈ لارہے ہیں۔ پولیس کے ساتھ ساتھ وہ بوڑھی عورت جس کو میں اور تو بھول گئے تھے تیری بو سونگھتی پھر رہی ہے یہ خطرہ پولیس سے بڑھ کر ہے۔"

میں بولا۔ "اس بڑھیا میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ماری ماری پھر رہی ہے۔"

"تو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور میں بھی صرف ایک بوڑھی عورت ہی سمجھتا ہوں مگر شاید یہ درست نہیں ہے میری شکتی اس کے قریب نہیں جاتی اور اس کا پردہ قائم ہے۔" اگلو تا نے بتایا۔

"اس کا تو مطلب ہوا کہ وہ یہاں تک آسکتی ہے۔" میں بولا۔

"ہاں اس کا راستہ کون روک سکتا ہے یہ پتھر کی مورتیاں اور یہ ان مورتیوں کے ذریعہ عیش کرنے والے پنڈت اس کے قریب نہیں جائیں گے میں جو کہ خاص شکتی رکھتا ہوں اس سے دور رہتا ہوں مگر ابھی وہ بہت دور ہے اور اس کا رخ بھی ادھر کا نہیں ہے۔" اگلو تا نے بتایا۔

"پھر تو کچھ سکون رہے گا۔" میں نے کہا۔

"تو فکر نہ کر میری نظریں ہر طرف ہیں جب خطرہ ہوگا میں بتاؤں گا مگر تو ایک بات کا خیال رکھنا اس مندر میں مقامی کم اور باہر کے زیادہ لوگ آتے ہیں ان میں پولیس کے مخبر ہوتے ہیں تیری شکل میں تبدیلی تو آئی ہے مگر پھر بھی تو نئے لوگوں کی نظروں سے دور رہنا۔"

کمشنر ریڈ کو اس مشن کا چیف مقرر کر دیا گیا تھا عورتوں کا قاتل راکشش جس کا نام دیا ارام بتایا گیا تھا کی تلاش نئے سرے شروع کر دی گئی تھی ہر شہر کی پولیس کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ اور جاسوس پھیلا دیئے تھے ریڈ جانتا تھا کہ اس راکشش کے پاس کچھ ایسا جادو ہے کہ وہ حوالات سے بھی نکل جاتا ہے پوری کان بائی کو دھوکا دے جاتا ہے اس کی شکتی کے بارے میں اس نے بہت ایسا کام کرنے والوں سے پوچھا بھی مگر کوئی تسلی بخش جواب اس کو نہیں ملا تھا۔ اس کو اس مشن کا چارج ملا تو یہ اس کے لئے ایک چیلنج بن گیا مگر کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا کسی طرف سے کوئی اشارہ نہ تھا۔ دیا رام یعنی میں لوگوں کی نگاہوں سے دور ہا کرتا تھا۔ مگر تاک جھانک تو ضرور کرتا تھا ایک دن اس نے ایک انگریز عورت یا شاید لڑکی کو دیکھا اس کا اسکرٹ اتنا مختصر تھا کہ پوری ٹانگیں نظر آتی تھیں نہایت تندرست اور گوری گوری اتنی گوری اور اجلی ٹانگیں دیارام نے پہلے نہ دیکھی تھیں اسکا دل چاہا کاش میں ان پر ہاتھ پھیر سکتا۔ پھر یہ خواہش اور آگے بڑھی اور میں بے چین ہو گیا۔

اگلو تا نے کہا۔ "زیادہ جلدی نہ کر وہ بھارت کی ناری نہیں ہے اس ملک کی ہے جس کا راج ہے وہ سیاح ہے وہ ان مندروں کے بارے میں تحقیقات کر رہی ہے ان پر کتاب لکھنا ہے ایک دن میں تو یہ کام نہیں ہوگا وہ روز آئے گی اس کے ساتھ کوئی گائیڈ بھی ہوگا پھر دیکھیں گے۔"

"میں نے اتنی چمک دار اور گوری ٹانگیں نہیں دیکھیں قریب سے دیکھنا ہے۔" میں بولا۔

"اور میں نے بھی بہت عرصہ سے گورا نوالہ نہیں کھایا۔" اگلو تا بولا۔

"تو پھر چلاؤ کچھ چکر۔" میں بولا۔

"ٹھنڈا کر کے کھانا بہتر ہے گرم گرم سے منہ کے جل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔" اگلو تا نے جواب دیا۔

دراصل وہ ایک ماہر جاسوسہ تھی اس کو خاص طور سے ریڈ نے بلوایا تھا وہ ہر اس مقام پر جارہی تھی جہاں پر اس کو ذرا بھی میرے ہونے کا شک ہوتا تھا اس کا روپ ایک سیاح کا تھا مگر اصل میں وہ کام دوسرا ہی کرتی تھی

اور ہر شخص پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ وہ بظاہر اکیلی نظر آتی تھی مگر ایسا نہ تھا اس کے ساتھی اس کی نگرانی دور رہ کر کرتے تھے وہ کسی سے نہیں ملتی تھی مگر جانتی سب کو تھی۔ یہ بڑا مندر خاص طور سے اس کی نظر میں تھا اس مندر میں اکثر وہ اس وقت تک رکتی جب مندر خالی ہو جاتا اور صرف مندر کے انتظام کرنے والے ہی رہ جاتے وہ ان سے کچھ معلومات کرتی بات کرتی اور ان کو انعام بھی دیتی یہ نہایت سادہ سیاح نظر آنے والی لڑکی اصل میں مندر کی دیکھ بھال کرنے والوں کو چیک کر رہی تھی مگر اس کے سامنے اب تک میں نہیں آیا تھا۔

دونوں شکار کی تلاش میں گھات پر بیٹھے تھے دونوں کے اپنے طریقے تھے اگلوتا خود بے چین تھا اور موقعہ کی تلاش میں تھا۔ کیٹی سر پکڑنے کی کوشش میں تھی تین دن تک وہ برابر مندر آتی رہی اور اس پر مایوسی طاری ہونے لگی کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ آیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج چوتھے دن پھر کوشش کرنا ہے۔ چوتھے دن شام ہو گئی تھی اور وہ ایک بڑی پتھر کی مورتی کے سائے کھڑی تھی اور اس کا گائیڈ اس کو بتا رہا تھا کہ یہ مورتی جے پوری پتھر کی ہے اور اس کو بنانے میں ماہر کاریگر نے کئی ماہ صرف کئے تھے۔

''کیٹی نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو روکا اور بولی۔ ڈیل مین تم کو یہ بات کیسے پتہ چلا۔''

گائیڈ ذرا نروس ہوا مگر پیشہ ور پرانا گائیڈ تھا بات بنانے کو بولا۔......

''یہ بات سینہ در سینہ چلی آ رہی اس نسل کے لوگ آج بھی زندہ ہیں اور وہ اپنے پرکھوں کی باتیں بتاتے ہیں اور کچھ پرانی پوتھیوں میں مل جاتا ہے اس طرح کڑی سے کڑی مل کر ایک حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔''

کیٹی بولی۔'' تم مجھے کسی پرانے خاندانی آدمی سے ملواؤ میں خود اس سے پوچھوں گی۔''

گائیڈ بولا۔'' میں کوشش کرتا ہوں مگر آپ کو اس کے لئے ایک دو دن اور رکنا ہوگا۔''

کیٹی نے کہا۔'' تم فکر نہ کرو میں رک جاؤں گی۔''

اب گائیڈ کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو خود کو پرانے کسی خاندان کا فرد کہے۔ تو اس کے سامنے میں آ گیا اور مجھے اگلوتا سامنے لایا کیونکہ وہ خود اس کے قریب آنے کا بہانا تلاش کر رہا تھا۔ کیٹی نے پوچھا۔'' تمہارا نام کیا ہے؟'' میں بولا۔'' میرا نام مانک رام ہے۔''

'' تم ادھر کا رہنے والا ہے۔''

میں بولا۔'' ہاں میرے بڑے اس زمین کی پیداوار تھے اور یہاں پر ہی ان کی زندگی گزری اور وہ ماہر کاریگر تھے۔ یہاں کے مندروں میں نامعلوم کتنے مندر ایسے ہوں جن کو میرے بزرگوں نے بنایا ہے پر میرے باپ کی یہ لین نہ تھی وہ یہ کام نہیں کرتا تھا اور یہاں سے چلا گیا تھا میں اس شہر میں پیدا نہ ہوا مگر میرے ہوش سنبھالتے ہی وہ مجھ یہاں لایا اور اس نے مجھے اپنے خاندان اور ان کے کارنامے بتائے یہ کاریگری میں نہیں جانتا میرا رجحان دوسرا تھا اور میں نے یہ کام نہ کیا۔''

میں نے ایک من گھڑت نئی کہانی بیان کر دی جو کہ اگلوتا نے مجھے بتائی تھی۔

کیٹی بولی۔'' اور تم کیا کرتا ہے یہ تو بتاؤ۔''

میں یہ کرتا ہوں کہ یہ پتھر کی مورتی جو ہزاروں سال سے اس مقام پر کھڑی ہے اس کا وزن اتنا ہے کہ کئی آدمی اس کو ذرا سا بھی ہلا نہیں سکتے یہ مورتی کل آپ کو یہاں نہیں ملے گی یہ مندر کے دروازے پر کھڑی ہوگی اور یہ خود چل کر جائے گی کوئی لے کر نہیں جائے گا تم نے ایک سوال کر دیا تھا۔ یہ اس کا جواب ہوگا اس قدیم شہر میں یہ حیرت ناک واقعہ پہلی بار ہوگا۔'' میں نے اگلوتا کے اشارے پر بڑی بات کہہ دی۔

کیٹی کے ساتھ گائیڈ نے حیرت سے مجھ کو دیکھا اور کہا کیٹی بولی۔'' تم ایسا کر سکتا ہے۔''

میں بولا۔'' یہ ایک بہت معمولی کام ہے میرے لئے۔''

'' تم کس طرح یہ کام کرے گا۔'' کیٹی نے پوچھا۔
میں بولا۔'' یہ ہندوستان ہے یہاں پر ہزاروں

قسم کے لوگ ہیں ہزاروں قسم کی شکتیاں ہیں تم ان کے بارے میں ساری زندگی چھان بین کرتی رہو مگر کچھ سمجھ نہ پاؤ گی۔ میں ان ہزاروں میں سے ایک ہوں تم میرے بارے میں ہی جان پاؤ یہ بھی ناممکن ہے مگر تم میرا ایک چمتکار کل ضرور دیکھ پاؤ گی۔"

"ویل مین میں کل سویرے آؤں گی پھر دیکھوں گی۔"

کیٹی کو یقین نہ تھا کہ یہ لنگوٹی پوش جاہل سا نظر آنے والا یہ کر پائے گا۔

مگر دوسرے دن دروازے پر وہ بھاری مورتی کھڑی تھی اور اس کے چاروں طرف مندر کے خادمین اور پجاری کھڑے تھے اور حیران نظروں سے مورتی کو دیکھ رہے تھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور مورتی کو چھو کر چوم رہے تھے ایک غیر اہم مورتی جو کہ غیر اہم مقام پر کھڑی تھی اچانک اہم ہوگئی تھی لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ یہاں پر کس طرح آ گئی مندر کے کسی آدمی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ رات میں انہوں نے کوئی آواز کوئی نئی بات نہ دیکھی تھی وہ کیا بتاتے وہ خود حیران تھے یہ ایک چمتکار تھا اور کوئی چمتکار کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔

کیٹی اس مقام پر گئی تھی جہاں پر وہ مورتی کھڑی تھی مگر وہ جگہ خالی تھی اور کوئی نشان ایسا نہ تھا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں پر کوئی مورتی کبھی تھی یہ بات اور بھی حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ اب اس کو مورتی سے زیادہ اس ننگے سادھو کی تلاش تھی جس نے یہ کام کیا تھا گائیڈ اور وہ ہی جانتے تھے کہ یہ کام کس کا ہے۔ گائیڈ کے ساتھ وہ میری کوٹھری تک چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ آئے گی۔ وہ بولا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے من میں سینکڑوں سوالات منڈلا رہے ہیں مگر میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا یہ ممکن نہیں ہے اس لئے تم سوال نہ کرو تم نے پوچھا تھا میں کیا کرتا ہوں اس کا جواب میں نے دیا ہے اب سوال کے جواب میں ہزاروں سوال ہیں ان کا جواب نہیں دوں گا۔"

"تم صرف ایک سوال کا جواب دو۔" کیٹی نے کہا۔

اگلوتا نے کہا۔ "لڑکی ذہین ہے یہ بات کی تہہ تک جلدی پہنچ جاتی ہے ذرا ہوشیاری سے بات کرتا۔"

"میں بولا۔ "تم میرے بارے میں زیادہ نہ سوچو جو کچھ ہوا اس میں اس مورتی کا ہاتھ خود بھی ہے ہزارہا سال سے ایک مقام پر کھڑی کھڑی تھک گئی تھی ان سب عورتوں کو صرف مورت نہ سمجھنا پتھر کی بے جان مورتی جس کو کبھی نہ کبھی کسی انسان نے پتھر سے تراشا ہوگا۔ اس کے اندر بھی خواہشات پیدا ہوگئیں تم مجھ کو الجھانے کے لئے تو اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ کیٹی نے کہا۔ تم جس قدر غور کرو گی الجھتی جاؤ گی یہ ایک بہت بڑا چکر ہے اس کی یہ خوبی ہے اس پر جتنا غوف کرواتا ہی اس دلدل میں دھنس جاؤ گے۔" میں بولا۔

کیٹی کی سمجھ میں میری زیادہ تر باتیں سمجھ نہ آئیں مگر اس نے میرے بارے میں ایک رپورٹ بنائی اور ریڈ کو روانہ کر دی اور اس پر کڑی نگرانی کرنے کی درخواست کی۔

کیٹی نے صرف ایک سیاح کے روپ میں نہایت معصوم طریقہ پر مجھ کو ہر طرح ٹٹولا مگر میں اسی قسم کی باتیں کرتا رہا اور کیٹی کو اس کی شکتی کے بارے ذرا علم نہ ہو سکا۔ مگر اس نے میری حرکت کو نوٹ کیا اور آگے بڑھایا اور پھر ایک رات کیٹی فرنانوس ماہر جاسوسہ اپنے ہوٹل کے کمرے سے غائب ہوگئی اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئی اس کے حفاظتی ساتھی اس کی حفاظت نہ کر سکے کسی نے اس کو ہوٹل سے باہر جاتے نہیں دیکھا۔

مقامی پولیس اور ہوٹل کی انتظامیہ حیران رہ گئی۔ انگریز حکومت میں طوفان آ گیا بڑے بڑے افسر اور ریڈ بھی بھوگیشور آ گیا ہر آدمی پر شک کیا جانے لگا۔ غلام قوم کی عورتوں اور لڑکیوں کے قتل پر اتنا شور نہ ہوا تھا جتنا ایک انگریز اور صاحب اقتدار قوم کے غائب ہونے پر ہوا ریڈ نے ظاہر نہیں کیا مگر مجھ پر کڑی نظر رکھی جانے لگی۔ کیٹی نے میرے بارے میں رپورٹ دی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دیارام جو نظر آتا ہے اس سے بہت زیادہ ہے اس کے

دلائل اس کو باتیں اور اس کے اطمینان کے بارے میں رپورٹ میں موجود تھا ان رپوٹوں میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس کو پکڑ کر دیارام پر کوئی الزام دھرا جائے مورتی کا ذکر بھی رپورٹ میں تھا مگر یہ بھی قابل گرفت جرم نہ تھا ریڈ کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی تھی کہ یہاں کے سادھو سنت کچھ شکتی رکھتے ہیں اور اس کے ذریعہ وہ کچھ کارنامے انجام دے دیتے ہیں مگر اس کے باوجود بھی وہ دیارام کے بارے میں پوری تحقیقات کرنا چاہتا تھا اور ایک ایک حرکت اس پر اس کی نظر تھی۔

اس کے ساتھ اس کے اعلیٰ افسران کے ساتھ مشورے جاری تھے۔

اگلوتا ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھا مگر وہ زیادہ فکرمند نہ تھا انگریز پولیس اور پوری سرکار سے وہ ذرا نہیں ڈرتا تھا۔

کمشنر ریڈ نے مجھ کو گرفتار کر لیا اور مجھ کو الٰہ آباد لے جایا گیا۔ اگلوتا نے کہا۔ ''فکر نہ کرو تو خود کو الٰہ آباد کا ہی بتانا اور محلہ دریا گنج کا کہنا باقی کام میں کر لوں گا۔''

میں بڑے اطمینان سے پولیس کی تحویل میں الٰہ آباد آ گیا اس کو ایک خاص حوالات میں رکھا گیا۔ اور سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا اس کام کے لئے ریڈ نے ایک بہت ہوشیار اور پرانے تجربہ کار انسپکٹر اصغر علی کو مقرر کر دیا۔ انسپکٹر اصغر علی اپنی ذہانت اور ایمانداری کے لئے مشہور تھا۔ وہ ایک پولیس والا تھا اس کی سوچ بھی پولیس کی تھی مگر انسانیت کے دائرے میں وہ ہر تحقیقات کرتا تھا مجرم کی نفسیات اور وجہ جرم پر غور کرتا تھا چونکہ اس کی زندگی نہایت سادہ تھی اخراجات صرف اتنے تھے جتنی اس کی تنخواہ تھی اس لئے اس کے دل میں لالچ نہ تھا وہ نہایت بے باک انداز میں افسران سے بات کرتا تھا اور ہر کوئی اس کی بات غور سے سنتا بھی تھا اسکا بے داغ کردار ایسا تھا کہ اس کے دشمن اس کی تعریف کرتا تھا۔

اصغر علی نے میرے بارے میں جاننا چاہا مگر مانک رام کے بارے میں کوئی ریکارڈ نہیں تھا اور نہ مانک رام کوئی اہم آدمی تھا سب کچھ نئے سرے سے کرنا تھا۔

وہ حوالات میں میرے پاس آیا میں اطمینان سے بیٹھا تھا اصغر علی کو دیکھ کر بولا۔

''تم لوگوں نے مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے یہ تو بتاؤ۔''

اصغر علی بولا۔ ''سوال تم نہ کرو میرے سوالات کے جواب دو۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اصغر نے پہلا سوال کیا۔

میں بولا۔ ''میرا نام مانک رام ہے اور میں اس شہر کا پیدائشی ہوں میرا باپ بھوگیشور کا تھا۔''

''پھر تم بھوگیشور کب گئے۔''

''دو تین سال کی عمر میں میرا باپ مجھے لے گیا تھا۔''

''تیرے باپ کا نام کیا تھا؟''

''سورج رام۔''

وہ الٰہ آباد کا تھا اس کا کوئی ثبوت۔''

''میرا باپ محلہ دریا گنج کا رہنے والا تھا بہت عرصہ گزر گیا میں نہیں کہہ سکتا کہ وہاں پر اس کے کوئی عزیز یا دوست ہوں میں نے تو بچپن میں دریا گنج چھوڑا تھا میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا میری زندگی پہاڑوں اور بیابان جنگلات میں تپسیا کرتے گزری ہے۔''

اصغر علی دریا گنج چلا گیا۔ اور وہاں پر دو بوڑھے آدمیوں نے گواہی دی کہ سورج رام کسی زمانے میں یہاں رہتا تھا اس کا ایک لڑکا تھا پھر وہ کہاں گیا ان کو پتہ نہ تھا۔ یہ گواہیاں پیدا کرنا اگلوتا کے لئے کیا مشکل تھی۔ مجھ پر گرفت نہیں ہو رہی تھی میں جو بات کرتا تھا اس کو سچ ثابت کر دیا کرتا تھا۔

ریڈ نے کہا۔ ''ویل اصغر کیا ہم لوگ غلط راستے پر ہیں۔''

اصغر بولا۔ '' ابھی تک تو سیدھا راستہ نہیں ملا مگر میں امید کرتا ہوں مل جائے گا۔''

ریڈ بولا۔ ''تم کس بنیاد پر ایسا کہتے ہو؟''

''سر اس کے چہرے کا اطمینان مجھے شک میں ڈالتا ہے اس سے پہلے دیارام کے ریکارڈ سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ اسکے چہرے پر بھی ذرا گھبراہٹ نہ تھی میرے خیال میں اس کی پشت پر کوئی ایسا ہاتھ ہے جو اس کو اطمینان دلا رہا ہے۔ سر یہ ہندوستان ہے یہاں پر جادو سفلی اور نہ جانے کتنے علوم ہیں آپ کو بھی اس کا تجربہ دیارام کے سلسلے میں ہوا تھا۔'' اصغر علی نے کہا۔

''تم ان چیزوں کو مانتے ہو ریڈ نے کہا۔''

''سر میں مسلمان ہوں مجھ پر ان چیزوں کا اثر نہیں ہوتا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ نہیں ہے جادو تو ہے میرے مذہب کے عقائد کے لحاظ سے انسان کے دل کو خدا کا گھر تسلیم کیا گیا ہے اور آپ کے مذہب میں انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰ نے کہا کہ خدا کی سلطنت ہمارے اندر موجود ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے مقدس اور پاکیزی انسانوں نے مختلف زمانوں میں جو معجزے اور کرامات دکھائیں وہ ان کی روحانی تکمیل کا نتیجہ نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے دوسرے لوگ بھی اپنے اندر ایسی یہ قوتیں پوشیدہ رکھتے ہیں اگر وہ ان قوتوں کو استعمال کرنا سیکھ جائیں تو بہت سے عجیب وغریب کمالات دکھا سکتے ہیں یہ علوم ان کو کہاں سے طاقت دیتے ہیں یہ صرف اور صرف شیطانی علوم ہیں ان کا تعلق پاکی اور طہارت سے نہیں ظوتا اس لئے اس کو گندہ علم کہا جاتا ہے مگر یہ ہے تو اس کو تو تسلیم کرنا پڑے گا مگر یہ صرف کافر کرے گا اسکا فر کا تعلق کسی بھی مذہب سے نہیں ہوتا۔'' اصغر علی نے کہا۔

''تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بھی کوئی اسی قسم کا چکر ہے۔'' ریڈ نے کہا۔

لگتا تو ایسا ہی ہے مگر میں نے آج تک کسی آدم خور جادوگر کو نہیں دیکھا اور نہ سنا سفلی اور دوسرے کالے کے جادوگر گندگی تو کھاتے ہیں مگر آدم خوری پہلی دفعہ سامنے آئی ہے۔'' اصغر علی بولا۔

''آگے کا کوئی راستہ نظر آتا ہے تم کو کیونکہ مانک رام ہر طرف سے بے گناہ ثابت ہو رہا ہے۔'' ریڈ نے کہا۔

''سر اس وقت تو ہمارے لئے بہت مشکل ہے عدالت میں وہ صاف طور پر بری ہو جائے گا ہم کچھ بھی ثابت نہیں کر سکیں گے دیارام تو بہت دور کی بات ہے۔'' اصغر بولا۔

''تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے۔'' ریڈ نے پوچھا۔

''یہی بہتر طریقہ ہے مگر اس کے ساتھ نہایت ہوشیار جاسوس لگا دیئے جائیں اس کی ہر حرکت پر نظر رکھی جائے۔'' اور پھر مجھ کو باعزت چھوڑ دیا اگلوتا نے کہا۔'' میں نہ کہتا تھا تیرا یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔''

میں بولا۔''میں جانتا تھا اس لئے بے فکر تھا۔''

''اب تو سفر کو تیار ہو جا گورکھپور جانا ہے یہ شہر بھی ہندوستان کا دور دراز کا آخری شہر ہے اس کے آگے پہاڑ ہیں اور نیپال شروع ہوتا ہے اگر وہاں پر بھی کچھ ہوا تو پہاڑوں پر قیام کریں گے تم کو گے تو آخراتنی دور کیوں تو سن کہ وہ بوڑھی تیری بو سونگھ رہی ہے اس کی ناک بہت تیز ہے۔''

''میں تو تمہارا غلام ہوں گرو جو تمہارا حکم ہوگا کروں گا۔'' میں بولا۔

میں نے ریل کے ذریعہ سفر کرنا پسند کیا اور روانہ ہوا میرا حلیہ وہی تھا لوگ مجھ کو سادھو سنت سمجھ کر میرے ساتھ رعایت کرتے تھے۔

اگلوتا نے کہا۔'' تیرے ساتھ تیرا دشمن بھی ہے ہوشیار رہنا تجھے چھوڑا گیا ہے مگر تو پوری طرح آزاد نہیں ہے میں دیکھ رہا ہوں تجھ پر پوری نظر رکھی جا رہی ہے۔''

''یہ تو خطرناک بات ہے گرو۔'' میں بولا۔

''ہے تو مگر تو فکر نہ کر میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔''

ایک گھنٹہ کے بعد گاڑی کسی اندھیرے اسٹیشن پر رکی پلیٹ فارم چھوٹا سا تھا اور اس پر روشنی بہت کم تھی جاسوس گاڑی سے اترا اور اسٹیشن ماسٹر کے چھوٹے سے کمرے کی طرف گیا شاید کچھ کام اس کو یاد آ گیا تھا

مگر اس کے جاتے ہی انجن نے گاڑی کے چلنے کی سیٹی بجائی اور گاڑی حرکت میں آ گئی جاسوس پلٹ کر گاڑی کی طرف دوڑا مگر گاڑی تیز ہو چکی تھی اور اندھیرا ابھی تھا اس کا پیر پٹری کے کنارے سنگل کے تار میں الجھ گیا اور وہ گر پڑا اور عین اسی ڈبے کے ایک پہیے کے نیچے اس کا سر آ گیا اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا یہ ساری کارروائی اگلوتا نے اس طرح کی کہ یہ حادثہ بن گئی ٹرین رک گئی روشنی کی گئی اور لاش پٹری سے ہٹائی گئی ضروری کارروائی کے بعد گاڑی روانہ ہوئی اور میں نے کہا۔ ''تم نے ایک اور شکار کر لیا۔''

اگلوتا بولا۔ ''نہ کرتا تو یہ تیری جان چھوڑنے والا نہ تھا۔''

''تم سمجھتے ہو یہ صرف ایک ہی ہو گا۔'' میں بولا۔

''تو فکر نہ کر سب کا انتظام کروں گا۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔

''تو کیا یہ شک میں ڈالنے والی بات نہ ہو گی۔'' میں بولا۔

''میرے کام نرالے ہیں شک میں بھی کسی قسم کا ثبوت تیرے خلاف ثابت نہیں ہو گا۔ اگلوتا نے کہا گر وہ ایسا لگتا ہے کہ اب اس دیش میں ہمارا گزارہ مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو کمزوری کی بات نہ کر میں کیا کر سکتا ہوں تو اب تک اس کا اندازہ نہیں کر سکا۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔

''تم جانو میں نے تو ایک اشارہ دیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس ڈبے میں ایک آدمی اور ہے جو تجھ پر نظریں جمائے بیٹھا ہے مگر وہ پولیس کا آدمی ہے نہیں ہے وہ پورے لباس میں ہے اور نیپال جا رہا ہے اس نے محسوس کر لیا ج ہے کہ تیری اصلیت یہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے وہ شخص کئی سال سے پہاڑوں پر تپسیا کرتا رہا ہے اور اس کے پاس بھی کچھ ہے۔

اس کی دل چسپی تجھ میں کم اور مجھ میں زیادہ ہے ابھی وہ صرف اندازے لگا رہا ہے کہ تیرے پاس کیا ہے کہ تو تو سب سے الگ اس کو نظر آتا ہے یہ نہایت خطرناک بات ہے یہ تیرے لئے بھی اور میرے لئے بھی میرے لئے اس لئے کہ میں نے ہزاروں سالوں میں کسی کی غلامی نہیں کی ہیں آزاد ہوں مرضی کے کام کرتا ہوں اور اس کو میرے بارے میں اندازہ ہوا تو یہ جو کچھ کرے گا میرے لئے کرے گا۔

تیری تو اس کے نزدیک کوئی حیثیت ہو گی ہی نہیں۔'' اگلوتا نے بتایا۔

''یہ تو اس بڑھیا سے بڑھ کر زیادہ خطرہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں یہ خطرہ تو ہے مگر اس سے بڑھ کر نہیں اس لئے میں اس سے مقابلہ کر سکتا ہوں اور اس بڑھیا سے میں دور رہنے پر مجبور ہوں لڑوں کا کیسے۔'' اگلوتا بولا۔

''تو پھر اس کا تو بندوبست کرو۔'' میں بولا۔

''آسان نہیں ہے یہ بدھ مت ہے ان کے بھی کچھ قاعدے اور طریقے ہیں ان پر بھی اوپر سے کسی کا ہاتھ ہے یہ کوئی عام انسان نہیں ہے سب بندوبست کر کے چلا ہے۔'' اگلوتا بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ نئی مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔'' میں بولا۔

''یہ تیری مصیبت نہیں ہے میری ہے اور میں اس کا توڑ بھی کر دوں گا۔'' اگلوتا بولا۔

گورکھپور آ گیا اور گاڑی ختم ہو گئی میں ڈبے سے باہر آ گیا۔ اور ایک طرف روانہ ہوا دوسرے جاسوس دور رہ کر میری نگرانی کرتے رہے اب اگلوتا کو ان جاسوسوں سے زیادہ اس آدمی کی فکر تھی جو کچھ فاصلے پر میرے ساتھ چل رہا تھا وہ ناٹے قد کا گول مٹول سا آدمی تھا اس کا بدن مضبوط اور کسا ہوا لگتا تھا سر اور ڈاڑھی پر ایک بال نہ تھا رنگ گندمی تھا اور دھوپ میں اس کا چہرہ اور سر چمک رہا تھا اس کی چال ایسی تھی جیسے وہ کسی پہاڑی پر چڑھ رہا ہو اسکی گول گول آنکھیں بڑی متحرک تھیں جیسے وہ کسی جنگل میں

سفر کر رہا ہو ہر طرف سے چوکنا رہنا شاید اس کی عادت تھی بازار ختم ہوا دیا رام چلتا رہا اور پھر میں اگلوتا کے اشارے پر ایک ایسی عمارت میں داخل ہوا جو کہ ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تھی اس میں پہاڑوں سے آئے لوگ بستر لے کر رات گزارتے تھے اور کھانا بھی کھاتے تھے ایک بڑے سے ہال میں چارپائیاں پڑی تھیں ان پر پرانے اور میلے بستر پڑے تھے۔اس کے اندر جاتے ہی ایک جاپانی نقش نگار کا آدمی میرے پاس آ گیا اور بولا۔'' کیا مانگتا ہے۔'' وہ بولا۔

میں بولا۔'' رات گزارنا ہے بستر ہوگا۔''

'' اور ادھر کیا ہے تم بھگت آدمی ہے تم کو چھوکری کا ضرورت نہیں ہے روٹی کھائے گا۔'' وہ آدمی بولا۔

'' ادھر چھوکری بھی ملتا ہے کیا۔'' میں بولا۔

'' سب ملتا ہے چھوکری کے ساتھ دارو بھی پر تم کیا کرے گا۔'' وہ بولا۔

'' تم نے درست کہا تم میرے لئے صرف بستر کا انتظام کرو۔''

'' بستر کا دو روپیہ اور کھانے کا ایک روپیہ ہوگا ابھی تم بولے گا زیادہ ہے۔'' وہ بولا۔

'' زیادہ تو ہے پر رات تو گزارنا ہے۔'' میں بولا۔

میرے بعد دو تین اور آئے ان میں وہ گول مٹول بھی تھا جس کے بارے میں اگلوتا نے بتایا تھا ان کو دیکھ کر ہوٹل کا آدمی ان کے پاس چلا گیا اور ایک ایک سے بات کرتا رہا اور پھر انتظام کرنے چلا گیا کچھ دیر میں ہوٹل کا آدمی ایک آدمی کے ساتھ آیا اور اس نے ایک چارپائی پر صاف چادر ڈال دی اور بولا۔'' یہ تمہارا بستر ہے سادھو بھی کھانا کب کھاؤ گے۔''

میں بولا۔'' ایک گھنٹہ کے بعد لے آنا۔'' اور وہ چارپائی پر بیٹھ گیا۔

'' ادھر بھاجی دال ملتا ہے بولو تم کیا کھائے گا۔'' ہوٹل والا بولا۔

'' میں سبزی کھاتا ہوں اور چاول ہے تو لے آنا۔'' میں بولا۔

اس کی چارپائی سے چھ چارپائیوں کے بعد اس گول مٹول نیپالی کی تھی۔

اگلوتا بولا۔'' اس کا چہرہ تیری طرف نہیں ہے مگر اس کے دماغ کی لہریں تجھ پر ہیں تو نہیں سمجھ سکتا مگر محسوس کر رہا ہوں۔''

'' اور کوئی پولیس کا آدمی تو نہیں گھس آیا پھر۔'' میں نے کہا۔

اگلوتا بولا۔'' ایک ہے مگر اب اس کا خطرہ دوسرے درجے پر ہے اول تو وہ نیپالی ہے۔''

'' تم اس سے خوف زدہ ہو۔'' میں بولا۔

'' وہ مجھ پر کیا ہاتھ ڈالے گا یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے مگر تیرے اندر ضرور کچھ تبدیلی کر سکتا ہے یہ تبدیلی کس قسم کی ہوتی ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تو نہیں جانتا وہ اس وقت بھی مصروف عمل ہے تو اگر اس کے اثر میں آ گیا تو میں پھر کیا کروں اس پر غور کر رہا ہوں۔''

چند منٹ گزرے تھے کہ میرا کھانا ایک پیتل کی تھالی میں آ گیا کھانا آتے ہی نیپالی گول مٹول نے حرکت کی اور میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا......'' سادھو مہاراج یہ کھانا تم نہ کھانا۔''

میں نے اس کو تعجب سے دیکھا اور بولا۔'' کیوں اس میں کیا خرابی ہے؟''

میں اکثر اس طرف آتا ہوں یہ لوگ جو کھانا بناتے ہیں وہ گندا ہوتا ہے اور ایک مسلمان یہ کھانا پکاتا ہے تم سادھو ہو ایک مسلمان کے ہاتھ کا کھانا تم کھاؤ گے۔''

میں بولا۔'' میرے خیال میں یہ کوئی خرابی نہیں ہے۔''

نیپالی بولا......'' ارے کیا بات کرتے ہو تم کیسے ہندو ہو تمہارا دھرم بھرشٹ نہ ہوگا۔''

میں بولا۔'' دھرم کرم کیا چیز ہے تو جانتا ہے تیرا دھرم کیا اتنا نازک ہے کہ کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اور تو دھرم کی بات نہ کر تو خود کسی دھرم کا پابند نہیں

کرتا گوتم بدھ نے جو کہا ہے کیا تو اس پر چلتا ہے اپنے دھرم کی فکر نہیں ہے اور میرے دھرم کی بات کرتا ہے۔''

میں نے اگلوتا کے کہنے پر کہہ دیا۔ نیپالی بولا۔ بات تیری غلط نہیں ہے تو بھی بنا ہوا سادھو ہے اندر تیرے بھی کوئی اور ہے اور میں بھی ایسا ہی ہوں دونوں ایک ہی سفر پر ہیں۔ میں تیری نہیں کہوں گا تو میری مت کہہ پر تو کون ہے اتنا تو بتا دے؟''

''میں جانتا ہوں تو نے اپنی شکتی کو استعمال کیا ہے پر کیا ملا تجھے۔'' میں بولا۔

''تیرے اندر صرف ایک چیز ملی ہے تو ناری کا لو بھی ہے تیرے دماغ کے اندر عورت گھسی ہوئی ہے پر پھر بھی تو شکتی دان نظر آتا ہے تیری شکتی کون سی ہے اور کیا ہے یہ بتا پھر تیرا میرا ساتھ اس دھرتی کو ہلا سکتا ہے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرسکتا ہے تو اور میں اس دھرتی کے مالک ہو سکتے ہیں۔'' نیپالی بولا۔

''مگر میں اس دھرتی کا راجہ بننا نہیں چاہتا۔'' میں نے جواب دیا۔

دیارام کی باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''دیارام صبح ہونے والی ہے اب تو جا میں بھی جا رہا ہوں کل پھر ملاقات ہوگی تو گھبرانا نہیں بہت جلد اگلوتا اپنے انجام کو پہنچے گا تیری جان چھوٹ جائے گی۔''

دوسری شب حسب وعدہ رولوکا وقت مقررہ پر ہمالیہ کی ترائی میں مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا لیکن دیارام کی آتما موجود نہیں تھی۔ رولوکا نے سوچا۔ ''ہوسکتا ہے چند گھڑی یا منٹ دیر ہو جائے۔'' مگر پانچ منٹ گزرنے کے باوجود بھی دیارام کی آتما نہیں آئی تو رولوکا کو تشویش لاحق ہوگئی کہ ''کبھی تو ایسا نہیں ہوا اور آج اتنی دیر کیسے ہوگئی؟''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ آج پھر اگلوتا نے کوئی رکاوٹ ڈال رہا ہو۔'' یہ خیال رولوکا کے دل و دماغ میں آتے ہی رولوکا نے اپنے دو کارندوں کو کسی انجان زبان میں کچھ کہا تو دونوں کارندے زن سے آگ کے دہکتے گولے کی مانند ایک طرف کو آسمان کی وسعتوں میں گم ہوگئے۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دیارام کی آتما اپنی جگہ آن موجود ہوئی اور بولی۔ ''مہاپرش آج اگلوتا نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے میرے راستے میں اس نے ایک مضبوط شیشے کی دیوار کھڑی کردی تھی، میں جس طرف بھی جاتا اس طرف وہ دیوار موجود ہوتی، لاکھ کوشش کے باوجود بھی میں آنے سے قاصر رہا، برابر اگلوتا کی آواز سنائی دیتی رہی۔ ''پاپی، احسان فراموش، بدذات، تو نے میرے ساتھ چھل کیا، میں تجھے نشٹ کر کے رکھ دوں گا تو نے اپنے جس حمایتی کے بل بوتے پر مجھ سے ٹکر لی ہے، میں تیرے حمایتی کو بھی نشٹ کردوں گا۔'' اگلوتا مزید آگے کچھ بولتا کہ میں نے دیکھا بڑی تیزی سے آگ کے دو گولے ایک طرف سے آئے اور دیوار سے ٹکرا گئے، اور پھر پلک جھپکتے ہی وہ شیشے کی دیوار تیز چنگاریوں کی شکل میں ریزہ ریزہ ہوگئی، اور میرے کانوں میں آواز آئی۔ '' دیارام یہاں سے فوراً نکل، مکار، بزدل اگلوتا پھر بھاگ گیا۔''

''مہاپرش، میں اس جگہ سے آنے میں کامیاب ہوگیا۔'' یہ سن کر رولوکا بولا۔ ''دیارام، میری باتوں پر بھروسہ رکھ، بس یہ سمجھ لے کہ اب آئندہ اگلوتا کا فرار ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ میں نے اس کا پورا پورا بندوبست کردیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اب زیادہ وقت تک بھاگ نہیں سکے گا۔ میں نے چاروں سمت ایک ان دیکھا جال پھیلا دوں گا جس میں یہ اگلوتا جکڑ کر رہ جائے گا۔ میرے کارندے چوکس ہوگئے ہیں اور عنقریب اگلوتا کا حشر نشر ہو جائے گا۔ خیر تو گھبرا نہیں اور انہیں روداد سنا، تو بالکل بھی گھبرا نہیں اب تیری جان اگلوتا سے چھوٹنے والی ہے اور میری کوشش ہوگی کہ تو اپنی اصلی منزل پر پہنچ جائے انسان اپنی زندگی میں اپنے عیش و آرام اور اپنی خواہش کی تکمیل کے زیر اثر آخرت کو خراب کر لیتا ہے، لوگ چند روزہ زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں جبکہ ہر انسان نے اپنی چند روزہ زندگی سے چھٹکارہ پا

کر موت کا مزہ چکھ لینے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ قائم ودائم رہنے والی زندگی کو اپنانا ہے، بہرحال تو بے فکر ہوجا اور آگے کی بتا۔"

رولوکا کی باتیں سن کر دیارام کی آتمانے کہا۔"میری باتیں سن کر نیپالی بولا۔"

"اگر راجہ نہیں بننا چاہتا تو پھر سوانگ کیوں بھرا ہوا ہے ہر آدمی اپنے من میں کوئی تمنا رکھتا ہے اور اس کو پانے کے لئے وہ ڈھونگ رچاتا ہے جس کے دل میں تمنا نہیں ہے وہ انسان نہیں ہے انسان خواہشات کا پتلا ہے کیا تو انسان نہیں ہے؟"

نیپالی کی باتیں سن کر میں نے جواب دیا۔"میں کیا ہوں اس سے تجھے کیا غرض تو جا اپنا کام کر مجھے بھوجن کرنے دے۔"

اگلوتا نے کہا۔"یہ جان نہیں چھوڑے گا میں اس کو بھگاتا ہوں۔" اچانک نیپالی کے سر پر ایک بڑی سی چھپکلی گری اور اس کی قمیض میں گھس گئی۔ نیپالی اچھل پڑا اور زمین سے کئی مرتبہ اچھلا اور پھر رک گیا اس نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔"کر گیا وار یہ شعبدے بازی نہ کر اس سے تجھے چھٹکارا نہیں ملے گا یاد رکھ کہ میں پہاڑی آدمی ہوں پتھر کا بنا ہوا۔"

اس کی بات سن کر میں بولا۔"تو اپنا وقت برباد کر رہا ہے میرے پاس کچھ نہیں ہے تو نے خود تلاشی لے لی ہے۔"

"یہی تو حیرت ہے تو خالی بھی ہے اور بھرا ہوا بھی۔" نیپالی بولا۔

"تو پھر میری رپٹ کرادے خود کچھ نہیں کر سکتا ارے تو ہے کیا خود کو بہت بڑا شکتی دان سمجھتا ہے اور سوالات مجھ سے کر رہا ہے چل ہٹ جا۔" میں ناگواری سے بولا۔

نیپالی بولا۔" زیادہ اونچا نہ بول میں تیری حقیقت جان کر رہوں گا تو نہ بتا پھر بھی۔" اور نیپالی اپنی کھاٹ پر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اگلوتا بولا۔"آدمی ضدی ہے آج ہی اس کا بندوبست کرنا ہوگا۔"

ہال میں دس بارہ چارپائیاں پڑی تھیں ان پر چھ آدمی سو رہے تھے ایک معمولی روشنی کا بلب اس ہال میں نہایت کم روشنی دے رہا تھا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا نیپالی کے سرہانے ایک نہایت بدہیت اور خوفناک شکل کا آدمی کھڑا تھا مگر اسکے کچھ کرنے سے پہلے ہی نیپالی اٹھ کر بیٹھ گیا اس کا جسم تانبے کی طرح سرخ ہو رہا تھا اس کی آنکھیں اس آدمی پر تھیں اس کے اٹھتے ہی اس بدہیت نے نیپالی کو دبوچنا چاہا مگر وہ اسپرنگ لگے گدے کی طرح اچھل کر اس سے دور جا کھڑا ہوا اور بولا۔"تو ہے اس کا رکھوالا یہ بتا تو کون ہے؟"

بدہیت بولا۔" میں وہ ہوں جس کی تمنا ہر کوئی کرتا ہے مگر میں کسی کو نہیں ملتا...... میرا نام شکتی ہے ایسی شکتی جس کا توڑ کسی جادوگر کے پاس نہیں، جادو کے سارے درجے ہمارے پیروں تلے ہیں۔ کھنڈالا بھی میرے سامنے ہوتا ہے۔"

"پر تیرا نام تو کچھ ہوگا تیری شکتی کا آخری سرے کا تو پتہ چلے۔" نیپالی، اطمینان سے بولا۔

"میرا آخری سرا وہی پہلا سرا ہے اس کا وعدہ ہے کہ انسان کو انسانیت کے درجے سے گرائے گا اس کو اپنے راستے پر چلائے گا جو اس کے لئے اور سب کے لئے باعث تباہی ہوگا میرا کام یہی ہے۔"

نیپالی بولا......"تو پھر تو نے اس دنیا کو برباد کر دیا۔ انسان کو بہکا دیا۔"

"کوشش جاری ہے ایک دن ہماری کوشش ضرور رنگ لائے گی، امید ہے۔"

"لاکھوں سال سے تو یہ کر رہا ہے تیرے پاس شکتی بھی ہے مگر کچھ نہ ہوا دنیا آج بھی ویسی ہی ہے۔" نیپالی بولا۔

تو جس کو لاکھوں سال کہتا ہے میرے لئے وہ پل دو پل کی بات ہے کام بڑا ہے وقت تو درکار ہے انسان اب خود اس قابل ہو رہا ہے کہ اپنی تباہی کر سکے گا۔" میں بولا۔

''تو پھر تیری ضرورت باقی نہیں رہی۔'' نیپالی بولا۔

''حالات خود بخود وہاں پر آ رہے ہیں کہ میری ضرورت نہیں رہے گی مگر ابھی کچھ ہیں جو کہ میرے کام میں رکاوٹ ہیں ان کو اپنے مرکز سے دور کرنا ضروری ہے وہ جب تک اپنے مرکز پر رہیں گے میرا کام آگے نہیں بڑھے گا ان میں عقیدے بنا رہا ہوں یہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑیں گے ایک دوسرے کو برا کہیں گے تو ان میں کمزوری آئے گی مگر یہ ایک بہت مشکل کام ثابت ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

نیپالی بولا...... ''کام تیرا بھی وہی ہے جو میں کرتا ہوں فرق صرف طریقہ کار کا ہے مگر کام ایک ہی ہے اس طرح تو میرا ہی ساتھی ہے پھر مجھ سے دشمنی کیوں کرتا ہے؟''

''وعدہ کر کہ میرے راستے میں نہیں آئے گا تو کوئی دشمنی نہیں رہے گی۔'' میں بولا۔

''مجھے تو صرف یہ بتا دے کہ تو کون ہے کیسی شکتی ہے؟'' نیپالی بولا۔

''میرے بارے میں مت پوچھ کوئی نہیں جانتا میں ہزاروں سال سے ہوں میں کتنی بار اس دنیا میں آیا ہوں میرا کوئی باپ نہیں ہے میں ایک ایسا بیر ہوں جو اپنی مرضی سے کسی کے پاس جاتا ہے مگر اس کے لئے بھی کچھ کڑی شرطیں ہیں جو میری ضرورت ہیں تو میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس کو راجہ بناتا ہوں اور وہ میری خوراک مجھے دیتا ہے میں اس سے زیادہ تجھ کو نہیں بتاؤں گا۔ اتنا بھی اس نے بتا دیا ہے کہ تو بھی میری مدد کسی طرح کر رہا ہے اگر میری راہ میں آئے گا تو یاد رکھ تیری کوئی شکتی تیرے کام نہ آئے گی اور تو بہت بھاری نقصان سے دوچار ہو جائے گا۔''

نیپالی بولا۔ ''میں تیری مدد کرنا چاہوں۔''

''مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے تو اپنی مدد کر اور خاموشی سے میرا راستہ چھوڑ دے۔''

نیپالی بھی شکتی کا مالک تھا مگر اگلوتا کے پراعتماد لہجے نے اس کو متاثر کر دیا دوسرے اس کی شکتی نے بھی اس کو بتا دیا کہ وہ اس بھاری پتھر کو برداشت نہ کر سکے گی نیپالی کو اپنی کمزور پوزیشن کا احساس ہو گیا اور وہ بولا......'' تیری شکتی اور کام بہت بڑا ہے میں ہی غلطی کرنے جا رہا تھا مگر اب میرا وعدہ ہے کہ تیرے لئے سارے راستے کھلے ہیں میں تجھے نظر نہیں آؤں گا۔''

سویرے نیپالی پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے کہا دشمن بھاگ گیا۔

''یوں کہو کہ بھگا دیا میرا اور اس کا ٹکراؤ اس لئے درست نہ تھا کہ وہ بھی کسی اور طریقہ پر محدود درجے پر میرے کام کر رہا تھا اگر میں اس کو ختم کرتا تو یہ میرا ہی نقصان تھا میں نے اس لئے اس کے ساتھ رعایت کی اور اس کی سمجھ میں میری یہ بات تو آ گئی اور وہ چلا گیا۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔

میں بولا۔ ''ایک تو گیا اب ذرا ان سرکاری مہمانوں کی خاطر بھی کرنا ہے یہ سویرے ہمارے ساتھ ہی چلیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے یہ اور بڑھ جائیں۔''

اگلوتا نے کہا۔ ''ان کی فکر نہ کر یہ تو بھنگے ہیں اڑ جائیں گے۔''

ناشتے کے بعد میں نے ہوٹل والے کو پیسے دیئے اور جانے کو کھڑا ہوا تو ایک شخص میرے روبرو آن کھڑا ہوا اور بولا۔ ''تم کہاں جانا چاہتے ہو سادھو جی؟''

میں نے کہا۔ ''نیپال میں گرو ہیں ان کے پاس جانا ہے تم کون ہو؟''

''میں کون ہوں یہ بات جانے دو اور میرے ساتھ چلو۔'' وہ آدمی بولا۔

''اور اگر میں تمہارے ساتھ نہ جاؤں تو۔'' میں بولا۔

''جانا تو ہو گا راضی نہیں جاؤ گے تو میں اپنی مرضی سے لے کر جاؤں گا فکر نہ کرو پیدل نہیں گاڑی پر لے کر جاؤں گا۔'' وہ آدمی بولا۔

''تیری گاڑی اور تو میرا وزن اٹھا لیں گے۔'' میں بولا۔

وہ آدمی حیرت سے بولا۔ ''وزن تو تمہارا زیادہ نہیں

لگتا۔"

"تیری نظر اتنی نہیں کہ تو مجھے پرکھ سکے اس نے میری راہ کھوئی نہ کر اپنا کام کر جا۔"

وہ آدمی بولا۔" میرا تو کام ہی تم کو روکنا ہے دوسرا اور کیا کام کروں اور وہاں میں اکیلا نہیں ہوں میرے سیٹی پر کئی لوگ اور آ جائیں گے پھر بھی تو جائے گا۔"

اگلوتا نے کہا۔" چل اس کی بھی رکھ لے ورنہ معاملہ لمبا ہو جائے گا۔"

میں بولا۔" یوں کہہ کہ تو میری گرفتاری کا انتظام کر کے آیا ہے پر میرا کچھ نہ ہوگا چل۔"

گورکھپور کے تھانے میں مجھ کو بند کر دیا گیا اور آگے خبر دے دی کہ ایک سادھو نما آدمی کو شک کی بنیاد پر پکڑا ہے اس کی شناخت کروائی جائے۔"

اور پھر وہ سب گورکھپور آ گئے جن کی ضرورت تھی اور میرے بال ترشوائے گئے داڑھی بھی صاف کر دی گئی اور مجھ کو پوری طرح شناخت کر لیا گیا کہ یہی وہ راکھشس ہے جس کی تلاش تھی۔

یہ ریڈ اور اس کے عملے کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ کڑی نگرانی میں مجھے حوالات میں رکھا گیا ریڈ کے سامنے میرا پورا ریکارڈ موجود تھا اس کے عقل میں نہ آنے والے کارنامہ وہ جانتا تھا اس لئے اس نے میری حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا تھا۔ مگر میرے چہرے پر کسی قسم کی فکر کی لکیر نہ تھی میں اب بھی پر اعتماد تھا ابھی مجھ سے سوال جواب کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اسکی ضرورت تھی بھی نہیں گواہوں نے میری شناخت کر لی تھی پولیس کے پاس میرے قتل کے پورے ثبوت تھے اب مجھے دلی لے جانے کا تھا اور وہیں پر مجھ پر کیس چلانا تھا مگر یہ مرحلہ آسان نہ تھا۔

ایک تجربہ کار کمشنر کے سامنے تھا، اب کے وہ کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کمشنر ریڈ اپنے اعتماد کے افسران سے مشورے کر رہا تھا۔

"اصغر علی تم بتاؤ کیا طریقہ کیا جائے؟" ریڈ نے پوچھا۔

"سر میرے خیال میں ریل کے ذریعے سفر زیادہ بہتر ہوگا۔" انسپکٹر اصغر علی نے جواب دیا۔

انسپکٹر سولنگی نے کہا۔" اور اس میں فروٹ لے جانے والا ڈبہ ہو اس کے دروازے باہر سے بند ہوں اس کے دونوں طرف فورس ہو۔"

کمشنر ریڈ نے کہا۔" یہ سب تو ہوں گے مگر تم جانتے ہو پہلے کیا ہوا تھا انتظام تو پہلے بھی پورا تھا۔"

اصغر علی نے کہا۔" سر وہ صرف اتفاق نہیں تھا وہ طوفان قدرتی نہیں تھا مگر ہم سب چونکہ اس کے لئے تیار نہ تھے اس لئے کچھ نہ کر سکے تھے مگر اب پوزیشن ہمارے سامنے ہے مجرم کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ یہ کیا کر سکتا ہے تو پھر انتظام بھی اسی طرح کرنے ہوں گے ورنہ پھر ہم کو پچھتانا پڑے گا۔"

ریڈ نے کہا۔" میں حیران ہوں کہ ایک معمولی نظر آنے والا آدمی یہ سب کر سکتا ہے۔"

اصغر علی نے کہا۔" سر عقل و دانش اپنی جگہ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک پر اسرار دنیا۔ کا وجود بھی ہے جہاں کی باتیں مکمل طور پر ابھی تک انسان کی سمجھ میں نہیں آئیں ہیں۔"

سولنگی نے کہا۔" سر میں نے دلی میں ایک مداری کو دیکھا تھا وہ لال قلعہ کے میدان میں تماشا دکھا رہا تھا، وہ بنگالی تھا اس کا آخری کام یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ اس سے کچھ طلب کریں کسی مقام کا میوہ پھل سبزی وغیرہ، اس کا بیر چند منٹ میں لا کر دے دیا کرتا تھا، میں نے ہری تازہ الائچی طلب کی تھی اور وہ لے آیا تھا یہ وہ جادوگر ہیں جو کہ دوسرے اور تیسرے درجے کے ہیں ان سے بڑے کیا کرتے ہوں گے۔"

ریڈ نے کہا۔" تو کیا یہ جادوگر انسانی گوشت بھی کھاتے ہوں گے۔"

"سر اس کے بارے میں نہیں سنا مگر میں یہ جانتا ہوں کہ جب یہ یہ کام کرنا شروع کرتے ہیں تو ان کا ایمان

اور دھرم ان سے چھڑایا جاتا ہے کسی بھی مذہب کا آدمی ہو وہ لا مذہب ہو جاتا ہے اس کے لئے اس کو گندی غذا دی جاتی ہے اور گندی جگہ پر رکھا جاتا ہے یہ اپنا پورا کورس گندگی میں پورا کرتا ہے اور گندی غذا کھاتا ہے ایسی غذا کہ عام آدمی اس کے تصور سے قے کر دے۔ ان کے بیر جن پر یہ کنٹرول حاصل کرتے ہیں گندے ہوتے ہیں اور اس قدر بے رحم ہوتے ہیں کہ اپنے ماسٹر پر بھی حملہ کرتے ہیں ان سے کوئی کام لینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کو ان کی بھینٹ دی جائے۔ اگر بھینٹ نہ ملے تو اپنے ماسٹر پر بھی حملہ کرتے ہیں یہ صرف وہ کام کرتے ہیں جو کسی کو بھی نقصان پہنچانے کے ہوتے ہیں ماسٹر ان سے وہی کام لیتا ہے جو وہ کرتے ہیں اس طرح یہ لوگ صرف بدی کے کام کرتے ہیں۔'' اصغر علی نے بتایا۔

''سوال یہی ہے کہ آخر ان کے جادو کا توڑ کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔'' ریڈ نے سوال کیا۔

''سر میں اپنے مذہب کے نقطۂ نظر سے بات کرتا ہوں میرا ایمان ہے کہ دنیا میں ایک ایسی قوت بھی ہے جس کے آگے ساری قوتیں ہیچ ہیں ساری دنیا کی قوتیں سر جوڑ کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اس کا صرف ایک اشارہ ہی بہت ہے وہ تمام کائنات کا مالک و مختار ہے میں اس کو اللہ کہتا ہوں۔ آپ گاڈ کہتے ہیں اور میرا یہ ساتھی بھگوان یا ایشور کے نام سے یاد کرتا ہے۔'' اصغر نے کہا

''تم نے درست کہا گاڈ کا تصور تو ہر مذہب میں موجود ہے۔'' ریڈ نے کہا۔

''مگر میرے مذہب میں یہ خاص بات ہے کہ خدا صرف ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا ہے اس کے ماں باپ نہیں ہیں عبادت صرف اس ذات کی کی جاتی ہے۔ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرنا گناہ عظیم ہے جو کہ نا قابل معافی ہے وہ مالک ہے کسی بھی گناہ کو معاف کر سکتا ہے مگر شرک کو معاف نہیں کرتا۔ ہر مذہب جب خدا کا تصور پیش کرتا ہے تو پھر کئی مذہبوں میں کئی کئی خدا کہاں سے آئے۔ میرا خیال ہے یہ کام ان لوگوں نے کیا جو کہ شیطان کے پیروکار ہیں۔'' اصغر علی نے بتایا۔

''بات بہت دور تک جاتی ہے مگر معاملہ ہمارے سامنے دوسرا ہے تم نے مجرم کو دلی تک پہنچانا ہے۔ اس کے بارے میں پلان بتاؤ۔'' کمشنر ریڈ نے پوچھا۔

اصغر علی نے کہا۔ ''اس کا توڑ میرے پاس ہے میں مجرم کو انشاء اللہ دلی تک پہنچا دوں گا مگر اس کے لئے مجھے تھوڑا وقت آپ کو دینا ہوگا میں دلی جاؤں گا اور پھر واپس آ کر دیارام کو دلی لے جاؤں گا اس وقت تک آپ کو حفاظت کرنا ہوگی۔''

''تم وہاں دلی میں کیا کرو گے جا کر؟'' ریڈ نے پوچھا۔

''شیطانی کام کے توڑ صرف مذہب کر سکتا ہے میرے ایک مرشد ہیں میں ان کے پاس جاؤں گا۔ اور ان سے اپنی مشکلات بیان کروں گا میں امید کرتا ہوں یہ کام میں کر سکوں گا۔'' اصغر نے کہا۔

''تو پھر دیر نہ کرو میں یہاں پر موجود ہوں۔''

میں نے اگلوتا سے پوچھا۔ ''گرو کب تک اس کال کوٹھری میں رہنا ہے۔''

اگلوتا بولا۔ ''میں چاہوں تو آج ہی تجھے نکال دوں مگر ایسا اس لئے نہیں کر رہا کہ ان کا جوتا ان کے منہ پر مارا جائے یہ تجھے دلی لے کر جائیں گے وہاں پر مقدمہ چلائیں گے اور میں تجھ پر جرم ثابت نہیں ہونے دوں گا اور تو صاف بچ جائے گا تو کیوں فکر کرتا ہے ذرا تفریح رہے گی تیری زندگی میں تبدیلی ہوگی۔ بے فکری سے ایک مقام پر رہ کر خوب ڈٹ کر کھا اور موج کر، یہ پولیس والے تیری خدمت کریں گے میں دلی تک کچھ بھی نہیں کروں گا جو کروں گا دلی میں کروں گا۔''

اصغر علی کو واپس آنے میں ایک ہفتہ لگ گیا اور اس کے آتے ہی مجرم کو دلی لے جانے کی تیاری شروع کر دی گئی اور ایک بوگی خاص طور پر ٹرین میں لگائی گئی اس کے دروازے لاک کر دیئے گئے اور پولیس کی نفری کے ساتھ

اصغر علی اور مجرم دونوں ساتھ رہے۔
اگلوتا نے میرے کان میں کہا۔" یہ پولیس افسر خطرناک لگتا ہے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے میں تجھ سے دور نہیں رہوں گا مگر اس پولیس والے کے قریب رہنا میرے لئے مشکل ہے تو آرام سے دلی تک جائے گا یہ لوگ دلی تک تجھے کوئی دکھ نہ دیں گے دلی میں میں تیرے کاندھے پر رہوں گا۔"
سارے حفاظتی انتظامات کے بعد گاڑی روانہ ہوئی اصغر علی میرے قریب رہا مجھ سے باتیں بھی کرتا رہا کرید تا رہا ٹٹولتا رہا مگر میں بھی گول مول جوابات دیتا رہا۔ دلی تک اگلوتا کا کوئی پروگرام نہ تھا کسی بھی ہنگامے کے بغیر وہ لوگ آ گئے۔
ریڈ کے لئے یہ دوسری کامیابی تھی اس نے بڑا مضبوط کیس بنایا تھا گواہ پکے اور سچے وہ تھے جن کے ساتھ ان وارداتوں کا تعلق تھا۔ جہاں جہاں وارداتیں ہوئی تھیں سب کو جمع کر لیا گیا تھا عدالت میں گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پہلا گواہ میرے خلاف پیش کیا گیا یہ گواہ مندر کا پجاری تھا یہ وہی پجاری تھا جس کے پاس میں رہا تھا اور میرے لئے لڑکیوں کا انتظام کرتا تھا اس کو پولیس نے پوری طرح تیار کیا تھا کہ وہ وہی بیان دے جو وہ جانتا ہے مگر پہلے گواہ نے ہی مجھ کو پہچاننے سے انکار کر کے پولیس کو پریشان کر دیا۔ پجاری نے کہا۔" یہ وہ شخص نہیں ہے جو مجھ سے لڑکیاں منگواتا تھا نام کا میں کیا کہوں کئی لوگ ایک نام کے ہوتے ہیں۔" پجاری نے بڑی روانی اور صاف گوئی سے وہ کہا جو اگلوتا اس سے کہلوانا چاہتا تھا۔
جج نے کمشنر ریڈ کی طرف دیکھا اور انگریزی میں کہا۔" تم ایسے گواہ لائے ہو۔" کیونکہ انگریز جج خود مجھ کو سزا دینا چاہتا اس کی ہمدردیاں ریڈ کے ساتھ تھیں۔
اس کے بعد پولیس کے ہر گواہ نے وہی کچھ کیا جو مجرم کے حق میں جاتا تھا۔ کمشنر ریڈ اور پولیس کا کیس بہت کمزور ہوتا گیا اور میرے وکیل خوشیاں منانے لگے وہ خود حیران تھے کہ" یہ سارے گواہ منکر کس طرح ہو گئے ان کی یادداشت کس طرح ختم ہو گئی عدالت میں آتے ہی انکی حالت کیوں جواب دے گئی؟"
میرے خلاف پولیس کچھ ثابت نہ کر سکی اور جج دیارام کے خلاف ہو کر بھی مجھے قانونی سزا نہ دے سکا جتنی تعریف مجرم کو گرفتار کرنے کی ہو رہی تھی اب اس سے زیادہ بدنامی پولیس کے حصے میں آ گئی۔
کمشنر ریڈ سخت پریشانی کے عالم میں تھا اس نے نہ ایسا مجرم دیکھا تھا نہ ایسا کیس حالانکہ بڑے بڑے سورماؤں سے اس کا پالا پڑا تھا اور اس نے ان کو جیل یا پھانسی گھاٹ تک پہنچا دیا تھا اسکا ریکارڈ بہت اچھا تھا مگر وہ ہار گیا تھا نفسیاتی طور پر وہ شکست تسلیم کر چکا تھا اور اس نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اصغر علی اس کے پاس گیا اور بولا۔
" سر آپ ناامید نہ ہوں زندگی ان ہی بھول بھلیوں کا نام ہے انسان کوشش کرتا ہے ناکام ہونے پر اس پر ذہنی بوجھ ہوتا ہے اس بوجھ کی وجہ سے وہ اور غلطی کرتا ہے اور یہ سلسلہ دراز ہو جاتا ہے میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ ناامید نہ ہوں اور نئے سرے سے پھر کوشش شروع کریں مجرم کتنا ہی طاقتور ہو اس کا آخری انجام بھی ہوتا ہے میں جانتا ہوں اور سب کو یقین ہے کہ دیارام مجرم ہے اس نے بڑے بھیانک جرم کئے ہیں مگر ہمارے پاس اسکے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے عدالت کے باہر گواہ دیارام کے خلاف باتیں کرتا ہے مگر گواہی کے وقت وہ دوسری زبان بولتا ہے اور اتنے وثوق سے اور اعتماد سے بولتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے مگر اسکے بعد بھی میرا ایمان ہے کہ قدرت خاموش نہ رہے گی اس کا برا وقت آئے گا اس کی شیطانی طاقت کا قدرت خود انتظام کرے گی اور اس کا انجام بھیانک ہوگا۔"
" اصغر علی تم نے ٹھیک کہا ہے مگر مجھ پر ہر طرف سے دباؤ ہے میں کس کس کو فیس کروں، تم نے میرے ساتھ کام کیا ہے تم مجھے جانتے ہو اس لئے یہ کہہ رہے ہو مگر ہر کوئی مجھے اتنا نہیں جانتا میں نے جس کو عدالت میں کھڑا کیا ہے

اس کے بارے میں پوری تحقیقات کرنے کے بعد کھڑا کیا ہےاوراس کا جرم ثابت کیا ہے۔"

میں آزاد ہوتے ہی سہارن پور کی طرف روانہ ہوا ٹرین سے اترتے ہی اگلوتا نے کہا۔"یہاں سے تیرا سفر لاری اور پیدل کا ہے کیونکہ تیرا خطرہ کم نہیں ہوا کچھ نگاہیں اب بھی تجھ پر لگی ہیں اب کچھ دن تو خاموش رہے گا تو آگے چل ہمالیہ کی ترائی میں بڑے اچھے اورآباد گاؤں ہیں ان میں قیام کریں گے۔"

میرا سفر نہایت سست روی سے تھا میں کسی بھی جگہ رک جاتا تھا میرے سر پراور داڑھی پر بال بڑھ رہے تھے نا میرے کھانے کا کوئی وقت تھا نا آرام کا۔گاؤں کے لوگ مجھے دیکھ کر ادب سے سر جھکاتے وہ مجھ کوکوئی دھرآتما سمجھتے تھے مجھے روٹی کھلاتے اور میں ان سے کلام نہ کرتا اورآگے بڑھ جاتا۔

تنک پور میں تین چار دن رکنے کے بعد آگے چلا اور ایک گاؤں میں رک گیا اس گاؤں کا نام گام پور تھا .....اور جنگل کے درمیان تھا زیادہ بڑی آبادی گام پور کی نہ تھی مگر ان کے پاس زمین بہت تھی لوگ محنت کرتے تھے۔

گام پور کا مکھیا دوارکا پرشاد تھا نہایت بوڑھا اس کی نظر بھی کمزور تھی اور عمر بھی بہت تھی۔اس نے مجھ سے پوچھا۔" تو کون ہے رے اور کاہے اتنی دور گام پور آیا ہے۔"

میں بولا۔"ہم تو مسافر ہیں چوہدری جدھر منہ اٹھا چل پڑے ہمارا ٹھکانہ کوئی نہیں پر ہر جگہ ٹھکانہ ہے۔"

میں گاؤں کے کنارے ایک کوٹھری میں ٹک گیا۔

اگلوتا نے کہا۔"یہ جگہ ایسی ہے کہ تو کسی کی نظر میں نہیں ہے یہاں کے آدمی اور عورتیں بڑے تندرست ہیں۔"

میں بولا۔"تم نے کسی کو آتے ہی تاڑ لیا کرو۔"

"میری غذا کا وقت ہونے والا ہے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔"اگلوتا بولا۔

"آتے ہی گڑبڑ ہوئی تو شک ہم پر ہی ہوگا۔"میں نے جواب دیا۔

اگلوتا بولا۔"نہیں ہوگا رات شیر اور دوسرے جانور گاؤں کے چاروں طرف پھرتے ہیں ان پر الزام آئے گا ذراسا طریقہ کار تبدیل کرنا ہوگا۔"

"کیا تبدیل کروگے۔"میں بولا۔

"تو جانتا ہے میری پسند کیا ہے مگر اب اس طرح کام کرنا ہے کہ واردات شیر چیتے کی معلوم ہو۔"

"یہ بات دل کو لگتی ہے اس قسم کی وارداتیں اکثر یہاں پر ہوتی ہی ہیں۔"میں بولا۔

میرا کھانا دوارکا پرشاد کی بہو لاتی تھی۔

اسکی چال کسی مست ہتھنی کی چال تھی میں روز اس کو دیکھتا تھا وہ آتی روٹی رکھتی اور یہ ضرور کہتی ۔"کوئی اورکوئی ضرورت تو نا ہے سادھو مہاراج۔" میں انکار میں گردن ہلاتا اور وہ خاموشی سے چلی جاتی یہ کام وہ سورج غروب ہونے سے پہلے روز کرتی تھی۔

اس کے جانے بعد، میں روز اس کے بارے میں سوچتا یہ جنگلی پھول بڑی تیز خوشبو کا ہے۔

اگلوتا نے پوچھا۔" کیا بات ہے تجھ پر اس عورت کا اثر ہو رہا ہے۔؟"

میں بولا۔"گروتم نے ٹھیک کہا ہے ناری کیا ہے ایک چنگاری ہے۔"

"تو پھر کریں رام اس کو۔"اگلوتا نے کہا۔

پتی والی ہے سب کچھ جانتی ہے سب اگل دے گی اور یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"میں نے جواب دیا۔

"کچھ نہیں ہوگا تیری گود میں آجائے گی تو اشارہ تو کرنا تو ہر بار بھول جاتا ہے کہ میں اگلوتا ہوں میرے اشارے پر وہ تیری ہوگی اور گھر جا کر اس کو یاد آئے گا کہ وہ کیا کر آئی ہے اس وقت وہ کیا کرے گی صرف حیران ہوگی کہ اس نے یہ سب کیوں کیا؟"

گرو کون سا کام تم نہیں کر سکتے ہر بات کا تمہارے پاس اپائے ہے۔"میں بولا۔

''میں بہت سے کام نہیں کر سکتا۔'' اگلوتا بولا۔

دوسرے دن وہ پھر حسب معمول شام سے ذرا پہلے آ گئی اور پھر مسکرا کر بولی۔ ''کونو اور کوئی سیوا میرے کا جے سادھو مہاراج۔''

میں نے اس کے چمکتے صحت مند چہرے پر نظر دوڑائی اور کہا۔ ''سیوا تو بہت ہے پر کونی کرے گی کب۔''

''وہ بولی ایسی بات نا ہے تمری سیوا تو دھرم ہے تم بولو تو مہاراج۔''

میں آگے بڑھا اور بولا۔ ''ناری پرش کی جو سیوا کرتی ہے اسی کی ضرورت ہے۔''

وہ بولی۔ ''مہاراج تم تو دھرم میں مگن ہو۔ تمکا ای سب کی کا ضرورت ہے۔''

''پرش تو اول آخر پرش ہے اس کی ضرورت بھی اول تا آخر ناری ہے تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔'' میں بولا۔

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا مگر گئی بھی نہیں۔

میں نے اس سے اندازہ کرلیا کہ اگلوتا نے اپنا کام کر دیا ہے عورت بے بس ہے اور میں نے اپنا مطلب حل کرلیا وہ خاموشی سے اٹھی اور چلی گئی۔

میں کسی نئے ہنگامہ کا انتظار کرتا رہا مگر کچھ نہ ہوا۔

اگلوتا نے کہا۔ ''عورت سمجھ دار ہے اب تو بےفکر ہو جا وہ کسی کو نہیں بتائے گی۔''

میں نے کہا۔ ''تمہاری بات درست لگتی ہے گرو۔''

''اب کے آئے تو پھر میری ضرورت بھی نہ ہو۔'' اگلوتا نے بتایا۔

میں بولا۔ ''کیا ایسا ہو سکتا ہے؟''

دوسرے دن وہ پھر آ گئی مگر آج اس نے کسی اور خدمت کا ذکر نہیں کیا تو میں بولا۔

''تم نے روز کی طرح پوچھا نہیں کہ کوئی اور خدمت ہے۔''

وہ گردن جھکا کر بولی۔ ''کا پوچھوں مرد سادھو ہو کہ مزدور کسان شہر کا ہو کہ بیابان کا ناری تو اس کی ضرورت ہے وہ کچھ کرے مرد کے ہاتھ اس تک آ ہی جاویں ہیں تو بھی سادھو کے روپ میں مرد ہے میں جان گئی ہوں۔''

''تو عورت ہوشیار ہے شہر میں ہوتی تو تیرے نہ جانے کتنے چاہنے والے تیرے ارد گرد ہوتے۔''

''اب زیادہ بات نہ کر میں جا رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

اب اتنی بھی کٹھور نہ بن بھوکے کو روٹی کھلاتی ہے پانی کون پلائے گا۔''

اگلوتا نے کہا۔ ''تیرا کام تو چل پڑا ہے میری فکر کر۔''

اور پھر اگلوتا نے پہلی واردات کی۔ اس کی لاش دوسرے دن ہی مل گئی تیرہ چودہ سال کی بانکی بکریاں اور لکڑیاں لے کر آ رہی تھی کہ اچانک وہ ایک خرگوش کو دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگ کھڑی ہوئی اس کی ساتھی لڑکیوں نے اس کو آواز دی مگر وہ نہ رکی اور پھر رات ہو گئی دوسرے دن اس کی تلاش ہوئی اور اس کی لاش بہت بری حالت میں ملی ایسا لگتا تھا اس کو کئی بھیڑیوں نے بری طرح بھنبھوڑا ہے اور ہر جگہ کا گوشت کھایا ہے اندرونی اعضا بھی لاش میں نہ تھے سب نے بھیڑیوں کی کارستانی قرار دے دیا۔

اگلوتا جہاں ہو اور وہ جگہ امن و شانتی سے رہے یہ تو ناممکن بات ہے۔

اچانک گاؤں میں ایک نیا شوشہ شروع ہوا ایک جوان نے پنچایت بلا کر کہا۔

''گاؤں کے باسیو میری بات سنو ہمارے گاؤں کا سرپنچ اور چوہدری ایک ایسا آدمی بنا ہوا ہے جس کو نظر نہیں آتا وہ چل پھر نہیں سکتا بڑھاپے میں آدمی کی عقل بھی جواب دے جاتی ہے چوہدری تو ایسا ہو کہ جو ہر طرف کی دیکھ بحال کرے اور سب سے آگے آگے کام کرے بہت سے کام دوڑ بھاگ کے ہوتے ہیں۔''

میں داور کا پرشاد کو چوہدری اس لئے نہیں مانتا ہوں لوگو! کیا میں نے غلط بات کی ہے۔''

زیادہ آوازیں اس کے حق میں آئیں مگر پھر ایک آدمی نے کہا۔ ''گوبندہ تم بھول رہے ہو کہ اس گاؤں کی پرم پرا یہی ہے کہ چوہدری صرف مرتے دم تک چوہدری

ہے یہ ہم پرکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"
گوبندہ تڑک کر بولا۔"اور اس پرم پرا سے اب تک اندھیرے میں پڑے ہو۔"
وہ آدمی بولا۔"ارے تو کیا نیا چوہدری بجلی لگا دیگا گاؤں میں۔"
"وہ نہیں لگائے گا تو بھی کچھ نہ کچھ تو کرے گا کھاٹ پر پڑا کھانستا تو نہیں رہے گا۔" گوبندہ نے کہا۔
اسی وقت گاؤں کے دو گروپ بن گئے ایک گوبندہ کے ساتھ تو دوسرا دوارکا پرشاد کے ساتھ۔
گوبندہ کے من میں چوہدری بننے کا سودا سما گیا عمر رسیدہ لوگ اس کے ساتھ نہ تھے مگر نوجوان ضرور اس کا ساتھ دے رہے تھے اور یہی نوجوان محنت کش تھے کئی دفعہ آپس میں تو تو میں میں ہوئی ہاتھا پائی ہوئی بڑوں کا لحاظ ختم ہوا اور بوڑھوں کو ہتھیار ڈالنا پڑے پنچایت نے گوبندہ کو گاؤں کا چوہدری بنا دیا۔
اس کے چوہدری بنتے ہی میری دوسری واردات گوبندہ کے گھر میں ہوئی اور گوبندہ اس سے بے خبر رہا ادھر اگلوتا نے گوبندہ کے من میں یہ بات ڈالی کہ اب تو ہی اس گاؤں کا مالک ہے سب کچھ تیرا ہی ہے جوان گوبندہ نے ہاتھ کھولے اور وہ بھی وہی کرنے لگا جو دیارام کرتا تھا اندھیرے اجالے جنگل میں وہ کھیل کھلتا یہ بات کب تک چھپنے والی تھی آخر اس کے خلاف عورتوں نے ایک محاذ بنا لیا۔ اس دور دراز جنگل کے گاؤں میں کوئی بیرونی قانون نہ تھا ان کے اپنے قاعدے تھے۔
اب ان کے سامنے ایک دو ٹانگ کا درندہ تھا وہ تھا گوبندہ۔ دیارام کو لوگ بھول گئے تھے ان کے نزدیک ساری خرابیاں گوبندہ کی تھیں اور پھر ان خرابیوں کو عورتوں کے ایک ٹولے نے موت کے حوالے کر دیا۔ یہاں پر موت زیادہ تر درندوں کی گردن پر ڈالی جاتی تھی اور یہ بھی ڈال دی گئی عورتوں نے سکون کا سانس لیا چوہدری کی موت ان کے لیے اطمنان بخش ثابت ہوئی اور نیا چوہدری پھر ایک عمر رسیدہ شخص بن گیا جوان چوہدری بنانے کا تجربہ چونکہ فیل ہو چکا تھا۔
گاؤں پھر پر سکون ہوا۔ اگلوتا کو یہ کب پسند تھا۔ کچھ عرصہ سکون رہا دوارکا پرشاد کی بہو میرے پاس آتی رہی۔ اور اگلوتا پھر کچھ سوچ رہا تھا۔
دلی میں کمشنر حیران تھا کہ دیارام کہاں گیا مدت سے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ اس سرزمین کو چھوڑ گیا وہ ضرور کسی ایسے مقام پر چھپا ہو جہاں پر ہماری پہنچ نہیں ہے۔ اس نے اصغر علی سے کہا۔" تم دیارام کو بھول گئے؟"
اصغر علی نے کہا۔"سر جس درندے کے منہ انسانی خون لگ جاتا ہے وہ انسانوں کو شکار کرنے سے باز نہیں آتا وہ کسی ایسے مقام پر ہے جہاں پر ہماری گرفت اس تک نہیں ہے۔"
"تم نے درست کہا اصغر علی کبھی کبھی بے خبر اور بے کار نظر آنے والا آدمی کوئی ایسا کام کرتا ہے کہ عقل تسلیم نہیں کرتی یہ بقول تمہارے وقت اس سے کرواتا ہے اور وہ کرتا ہے۔"
"آپ کے سوچنے کا انداز میری طرح ہے میرے دل میں بھی دیارام کے لئے ایک نفرت کا لاوا ابل رہا ہے۔ کچھ دیر میں خود کو قابو نہیں کر پاتا ایک ایسا مجرم جو انسانیت کا دشمن ہے ہم اس کا صرف اس لئے کچھ نہ کر سکے کہ اس کے پاس کوئی پوشیدہ قوت ہے اور آج تک یہ پوشیدہ قوت ہماری عقل سے دور ہے ہم آج بھی وہیں پر کھڑے ہیں جہاں تھے۔ وہ آج بھی ہم سے اوپر ہے ہم آج بھی اس کا کچھ نہ کرسکیں گے۔" اصغر علی نے جواب دیا۔
"ان مافوق الفطرت انسان کو قابو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مدمقابل ایسا ہی آدمی ہو۔" ریڈ نے کہا۔"سر میرا ایمان ہے کہ ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ خود بہ خود کوئی اس کے مدمقابل آ جائے گا۔ خدا نے پھر فرعون کے لئے موسیٰ پیدا کیا ہے، بدی کی طاقت کتنی بھی بڑھ جائے آخر وہ فنا کی گود میں جاتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان نے اس دنیا اور اس کے اندر رہنے والوں کی

بربادی کے ہزار ہا سامان کر دیئے تھے۔
بڑی بڑی جنگیں ہوئیں ہزاروں مارے گئے راسپوتین جیسے فتنے پیدا ہوئے ہٹلر نے ہزاروں کو مروا دیا۔ چنگیز خان نے سروں کے مینار بنائے آج یہ سب کہاں ہیں دنیا پھر آباد ہے برباد کرنے والے کہاں گئے یہ نیکی اور بدی کی لڑائی ہے نیکی سرخرو ہوتی ہے اور بدی کو ذلیل ہونا ہوتا ہے۔''
''تم بھی بہت دور تک سوچتے ہو میں نے اندازہ کیا ہے کہ تم صرف پولیس افسر ہی نہیں ہو۔''
''جرم وسزا سے ہٹ کر بھی تمہارے دماغ میں بہت سے سوالات ہیں جن کے جوابات کوئی نہیں دے سکتا ہماری روز بڑھتی ہوئی بصیرت ہمارے شعور کے لئے تکلیف دہ ہے۔''
''ہمیں اس سے ہر روز اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ مگر اسکے باوجود انسان کو کسی مقام پر اپنی طلب سے نفرت نہیں ہوتی علم وآگہی کا بھی یہی حال ہے جتنا جانتے ہیں کم نظر آتا ہے ہزاروں برس بھی اگر ہم زندہ رہیں تو بھی ہماری طلب کم نہ ہوگی کائنات کے رازوں کو جاننے کی خواہش ہر دور کے انسان کو تھی اور اس نے اس زمانے اور عقل کے سہارے بہت جانا بھی مگر کیا ہوا راستہ بند ہوا اور بڑی ترقی یافتہ قومیں زمین کا پیوند بن گئیں'' ریڈ نے کہا۔
''یہ اس لئے ہوا کہ کچھ دیا جاتا ہے تو کچھ پابندیاں بھی ہوتی ہیں ان کی پاسداری کرنا پڑتی ہے۔
جن قوموں نے اس پاسداری کی سرحد کو عبور کیا ان کو وارننگ دی گئی اور اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو الٹ دیا گیا۔'' اصغر علی نے کہا۔
''میری زندگی کی بڑی تمنا یہ ہے کہ میں دیارام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتا ہوا دیکھوں۔'' ریڈ نے کہا۔
''انجام تو اس سے بھی بدتر ہوگا مگر انسان کی ہر خواہش پوری ہو۔ اس کی ضمانت کون دے سکتا ہے مگر آپ کو یہ یقین ضرور رکھنا ہوگا کہ دیارام کا انجام ہونے والا ہے۔'' اصغر علی نے جواب دیا۔

اگلوتا جہاں ہو وہاں پر سکون کیسے ہو سکتا ہے نیا چوہدری ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کا نام رام جودھا تھا نہایت محنت کرنے اور ٹھنڈے دماغ کا تھا، مگر اس کی عورت نہایت تیز تھی اگلوتا نے اس کی عورت کنچن پر اثر ڈالا اور اس کے دماغ میں یہ بات آ گئی وہ تو چوہدرائن ہے حاکمیت کا غرور اس میں پیدا ہوا اور اس کا رویہ تبدیل ہوا اور اس کا آنا جانا میرے پاس شروع ہوا میں نے اپنا سکہ گاؤں کی عورتوں پر خوب جما لیا تھا اکثر میرے تصرف میں تھیں۔ مگر ان کی زبانوں پر میری تعریف ہی تھی کنچن نے مجھ کو بتایا کہ ''وہ چوہدری کی پتنی ہے۔''
میں بولا۔ ''تو پتنی کسی کی بھی ہو میرے لئے تو ایک ناری ہے۔''
کنچن بولی۔ ''مہاراج میری اولاد بھی کوئی ہوگی کہ نہیں یہ تو بتاؤ۔''
میں بولا۔ ''اب تک تجھے اولاد کی فکر نہ تھی اب کیوں ہوگئی؟''
کنچن بولی۔ ''اولاد کی تمنا تو ہمیشہ تھی میری اور چوہدری کی عمر میں فرق بہت ہے میں کیا کرتی۔''
میں بولا۔ ''اب بھی تمنا نہ کر تو اچھا ہے۔''
کنچن بولی۔ ''تم چاہو تو میری جھولی بھر جائے۔''
میں نے کہا۔ ''میں پراتھنا کرنے والا نہیں جو کرتا ہوں خود کرتا ہوں تیرے لئے بھی کروں گا پر اس میں تیری اپنی مرضی شامل ہوگی تب۔''
''میں تو اولاد کو ترس رہی ہوں میں چوہدرائن ہوں اور بے اولاد ہوں کتنی شرم کی بات ہے۔'' کنچن نے کہا۔
''ہے تو شرم کی بات پر تو میرا کہا مانے گی نہیں، بول مانے گی۔'' میں نے کہا۔
''مہاراج تم بولو تو، میں کیا کروں؟'' کنچن نے کہا۔
''میری بات پر ذرا چل کر تو دیکھ۔''
''چل تو رہی ہوں اور کیسے چلوں؟'' کنچن ایک ادا سے مسکرائی اور بولی۔

''جس درخت پہ پھل نہ لگے وہ درخت صرف چولہا جلانے کے کام آوے ہے۔''

کنچن نے کہا۔''یہ بات تو ٹھیک ہے۔''

''تو چوہدری کے مقابلے میں بہت جوان ہے چوہدری ڈھلوان پہ ہے اب اس کو نیچے ہی جانا ہے اوپر آنے کی کا امید ہے تو اس سے اولاد کی امید رکھے بیٹھی رہے گی، بول اری عورت کی ایک عمر اولاد پیدا کرنے کی ہوتی ہے اس عمر میں جتنی ہوئی ہوگئی اور وہ عمر گزری کہ عورت بے بس ہوگئی۔''

کنچن نے بڑے غور سے میری بات سنی اس کی سمجھ میں میری گہری سازش تو نہ آئی، مگر یہ سمجھ آ گئی کہ چوہدری ادھیڑ عمر کا ہے گاڑی رک رک کر چل رہی ہے۔

''تو اب کا ہو سکے میرے ہاتھ میں کا ہے۔'' وہ بولی۔

''ارے سب تیرے ہی تو ہاتھ میں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں کا کروں؟'' وہ بولی۔

''کنواں پرانا ہو جائے اس کا پانی کم ہو جائے تو بھی آدمی اس میں ہی ڈول نہ ڈالے نیا کنواں بناتا ہے نیا پانی پیتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو پیاسا نہ مرجائے۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج تمہاری بات کچھ کچھ سمجھ آ رہی ہے۔'' کنچن نے کہا۔

''میرا کام تجھے تیرے فائدے کی بات بتانا تھی وہ بتادی۔'' میں بولا۔

اور کنچن نئے نئے خیالات لئے گھر چلی گئی میں نے اس کو اپنی طرف راغب کرنے کا ایک نیا طریقہ اپنایا تھا میں جانتا تھا کہ عورت ماں بننے کے لئے دماغ سے کم اور جذبات سے زیادہ سوچتی ہے بس ذرا اس کے جذبات کو بھڑکانے کی ضرورت ہے میں تجربہ کار مرد تھا ہر عورت کی نفسیات اور اس کی کمزوری پر انگلی رکھ کر بات کرتا تھا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ ان معاملات میں مجھے اگلوتا کی مدد کی ضرورت کم پڑتی تھی۔

کنچن اولاد کے نشے میں میری ساری باتیں مانتی گئی میرا مقصد بڑی آسانی سے پورا ہوا اور چوہدری کے بارے میں بغاوت کے آثار گاؤں میں نظر آنے لگے۔

چوہدری کا گروپ کمزور تھا مجھ کو بھی خطرہ ہوا نوجوان اس کے بھی خلاف تھے کیونکہ ان کی عورتیں میرے پاس آتی تھیں۔

اگلوتا نے کہا۔''بس اب اپنا کام پورا ہوا یہ آپس میں لڑتے ہی رہیں گے کبھی چوہدراہٹ کے لئے کبھی عورت کے لئے ان میں لالچ اور نفرت دونوں پیدا ہوگئی ہیں اب تو چل آگے۔''

اور میں ایک رات نہایت خاموشی سے گاؤں چھوڑ گیا اور سفر کرتے ہوئے میں ہمالیہ کی ترائی کے گاؤں شیراں والی پہنچا جہاں دیوی شیراں والی کا میلہ لگتا تھا۔

یہ میلہ کئی روز لگتا تھا اس میں دور دور سے دکاندار آ کر دکانیں لگاتے تھے نوٹنکی والے تھیٹر لگاتے تھے اور ہندو دھارمک کے کھیل دکھایا کرتے تھے چھوٹا موٹا کوئی سرکس بھی آ جاتا تھا۔ گاؤں شیراں والی تنک پور سے جنوب کی طرف تھا اس گاؤں کی خاص بات یہ تھی کہ یہ سپاٹ میدانی علاقہ نہ تھا ٹیکریاں اور پہاڑیوں کے درمیان آبادی اور جو میدانی علاقہ تھا اس پر کاشت ہوتی تھی۔ پانی کثرت سے تھا۔ اور زمین زرخیز تھی کسان محنت کش تھا اس لئے یہ گاؤں کسی بیرونی امداد کے بغیر خوش حال تھا۔

اگلوتا نے کہا۔''دیا رام تیرا کام تو بن گیا دیکھ کتنا بڑا میلہ تیرے انتظار میں ہے۔''

یہ سن کر میں بولا۔''گرو میرے انتظار میں کیوں ہے؟''

''یہ جو سینکڑوں لوگ دور دور دیہات سے رنگ برنگی پگڑیاں باندھ کر اور جسم پر تیل کی مالش کر کے آئے ہیں ان کی عورتیں نیلی پیلی اوڑھنیاں اور بلاؤز پہن کر آنکھوں میں کاجل دانتوں پر مسی جما کر آئی ہیں یہ سب تیرے

اور میرے لئے نرم چارہ ہیں ان کے مرد لمبے تگڑے ہیں پر ان کا اوپری خانہ خالی ہے تو ان کو ذرا چمتکار دکھائے گا یہ تیری شکتی کے غلام بن جائیں گے اور مائی شیراں والی کی مورتی پر گیندے کے پھول چڑھانے والے تیرے قدموں میں بھی پھول ڈالیں گے۔''

میں بولا۔ ''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔''

''تو پھر لگا دے ایک نرنجن کا نعرہ اور کود جا ان کے درمیان میں، سب سے زیادہ بھیڑ سرکس کے پنڈال کے سامنے ہے وہیں پر تو اچانک نمودار ہونا اور اعلان کر دینا کہ سرکس کا جادوگر ان کو بے وقوف بنا رہا ہے اور جس لڑکے کو لڑکی بناتا ہے وہ تو لڑکی ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا وہ ایسا کرتا ہے۔''

اگلوتا بولا۔ ''ہاں آج پھر وہ ایسا کرے گا، مگر اس کی صفائی نہیں ہو گی لوگ اس کی چالاکی پکڑ لیں گے اور تیری بات مان جائیں گے پھر تو اپنا کمال دکھائے گا اور تجھے شکتی والا تسلیم کریں گے اور تو گاؤں شیراں والی میں جم جائے گا۔''

''تو تم نے پہلے ہی پروگرام بنایا ہوا تھا'' میں بولا۔

''نہیں ایسا نہیں تھا یہاں کے ماحول اور لوگوں کو دیکھ کر پینترا بدلا ہے۔'' اگلوتا نے کہا۔

سرکس کے باہر ایک اونچا سا تخت بنا تھا اور اس پر دو ہیجڑے رنگین زنانے کپڑوں میں بے ڈھنگے پن سے ناچ ناچ کر اعلان کر رہے تھے۔ ''آؤ سجنو اندر آ جاؤ اور نئے نئے تماشے دیکھو شیر کو ہاتھی پر سواری کرتے دیکھو ایک پہیہ کی سائیکل کے کرتب دیکھو اور جادو کے حیرت میں ڈالنے والے کرتب دیکھو ایک نوجوان کو اپنی آنکھوں کے سامنے لڑکی بنتے دیکھو جلدی کرو ٹکٹ خریدو صرف ایک روپے میں یہ سب کام بڑا سستا سودا ہے زندگی بھر تم نے جو نہیں دیکھا ہے وہ تم دیکھو گے دیر نہ کرو شو شروع ہونے والا ہے۔ صرف ایک روپیہ خرچ کر کے تم نئی نئی چیزیں دیکھ سکو گے۔''

پنڈال کے باہر رش بڑھ رہا تھا لوگ ٹکٹ خرید کر اندر جا رہے تھے کچھ صرف جیب ٹٹول کر کھڑے ہیجڑوں کا بے تکا ناچ دیکھ رہے تھے۔

اسٹیج نما دائرے میں دو جوکر ڈھیلے رنگین کپڑے پہنے اوٹ پٹانگ حرکتیں کر کے لوگوں کو ہنسانے کی کوشش میں مصروف تھے عورتیں ان کے کپڑے اور رنگین شکلوں کو دیکھ کر ہی ہنس رہی تھیں اور ان کے بچوں کے لئے تو یہ ایک نرالی چیز تھی اس لئے ان کا روپیہ تو وصول ہو رہا تھا لوگ آتے رہے شو شروع ہونے کے اعلانات ہوتے رہے اور پھر پورا سرکس بھر گیا تو شو شروع ہوا اور ایک سائیکل والا آ گیا اس نے سائیکل کے کرتب دکھائے پھر ایک پہیہ کی سائیکل پر اس نے کپڑے بدلے اور سائیکل برابر چلتی رہی گاؤں کے لوگ حیرت سے یہ دیکھتے رہے اور تالیاں بجاتے رہے۔

ایک کے بعد دوسرا آتا گیا اور کام کرتا رہا دیا رام کے لئے ان کے کسی کام میں خاص بات نہ تھی مگر میں بیٹھا تھا اب صرف جھولے کا کام تھا مگر اس سے پہلے ایک جادوگر کالے کپڑوں اور کالی ٹوپی پہن کر آ گیا اس کے ساتھ ایک اس کا ہیلپر نوجوان لڑکا بھی تھا۔

اگلوتا نے مجھ سے کہا۔ ''یہ لڑکا اصل میں اس جادوگر کی بیوی ہے یہ اس کو اس کالے صندوق میں ڈالے گا اور وہ اس صندوق میں سے زمین میں بنے گڑھے میں چلی جائے گی صندوق کا پیندا نہیں ہے پھر کپڑے بدل کر صندوق میں آ جائے گی اور سب دیکھیں گے وہ صندوق سے برآمد ہوئی ہے تو اس کے برآمد ہوتے ہی اسٹیج پر چلے جانا اور اس کی چالاکی کا بھانڈا پھوڑ دینا اور کہنا کہ میں اس سے زیادہ بڑا جادوگر ہوں میں اس عورت کو سچ مچ کا لڑکا بنا سکتا ہوں بولو لوگو یہ تماشا دیکھو گے...... اور پھر اس کی بیوی سب کو لڑکا نظر آئے گی جادوگر کو بھی یہ لڑکا نظر آئے گی جادوگر تم کو پھر سے کہے گا اور یہ لڑکی بن جائے۔ یہ صرف بہت معمولی نظر بندی کا کھیل ہو گا اور صرف چند منٹ کا ہو گا مگر تیرا سکہ ان دیہاتیوں پر ضرور جم جائے گا اور سرکس والے بھی تیرے احسان مند ہوں گے جادوگر

جو کہ ذرا بھی کچھ نہیں جانتا وہ تیرا غلام بن جائے گا۔"

"مگر گرو اس کا فائدہ کیا ہوگا؟" میں بولا۔

"گاؤں شیراں والی میں رکنا بھی تو ہے رکنے کو کچھ نہ کچھ تیری بنیاد تو ہونی چاہئے۔"

اور پھر وہی ہوا جو کچھ اگلوتا نے کہا تھا اس کی بیوی جب پورا لڑکا بن گئی تو وہ میرے قدموں میں گر گیا اور بولا۔" گرو معاف کردو میری بیوی میرے حوالے کردو۔"

میں بولا۔" ہوجائے گی ذرا صبر کر۔" گاؤں کے لوگ میرا چمتکار دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ میں نے کسی صندوق کسی پردے کے بغیر عورت کو لڑکا بنادیا تھا اس کے نمایاں نسوانی نشانیاں غائب کردی تھی اور بڑی بڑی مونچھیں صاف نظر آتی تھیں۔ سرکس میں موجود ہر شخص کو یہ نظر آیا تھا۔سرکس والوں نے کہا۔"مہاراج ہم آپ کو آپ کا منہ مانگا دیں گے ہمارے ساتھ کام کرو۔"

میں نے کہا۔"ہم مداری نہیں ہیں موج میں آئے تو کچھ کرتے ہیں پیسہ لے کر کام نہیں کرتے۔تم میلے کے ختم ہونے کے بعد جاؤ موج ہوئی تو ہم تم سے آن ملیں گے پر بتا کر جانا کہ تمہارا راستہ کدھر کو ہے۔"

میلہ ختم ہوا اور سرکس پیلی بھیت کی طرف روانہ ہوا مجھ کو اس نے بتادیا کہ سرکس پیلی بھیت جارہا ہے وہاں پرنوچندی کا میلہ بھرنے والا ہے۔" گرو آجاؤ تو کرپا ہوگی۔" مالک میری بنتی کر کے چلا گیا۔

"تو نے اس کو آسرے پر کیوں رکھ دیا۔" اگلوتا نے پوچھا۔

میں بولا۔"گرو تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بھی کچھ کچھ سیکھ لیا ہے اگر شیراں والی میں پیر نہ جمے تو سرکس تو رہے گا یہ خود شہروں شہروں گاؤں گاؤں لئے پھرے گا۔"

"بات تو تیری بھی ٹھیک ہے۔" اگلوتا نے جواب دیا۔

"شیراں والی بڑا گاؤں ہے یہاں کے لوگ بھی ذرا ہوشیار نظر آتے ہیں۔ایک پاٹ شالہ اور ایک گئو شالہ بھی ہے اور ایک بہت بڑی چوپال بھی ہے لوگ اپنے کام ختم کر کے رات کو آتے ہیں اور لکھیا بھی آتا ہے لکھیا کچھ تعلیم یافتہ آدمی ہے اور گاؤں والوں کی نظر میں اس کی بہت عزت ہے وہ بریلی اور شاہجہاں پور آتا جاتا رہتا ہے اس کی بات صرف آخر ہوتی ہے رات کو یہ اپنے سفر کے حالات سناتا ہے اور شہروں میں کیا ہورہا ہے بتاتا ہے۔

اسکی باتیں کچھ سچی ہوتی ہیں اور زیادہ تر گپ مارتا ہے مگر لوگ سچ سمجھ کر ہی غور سے سنتے ہیں اس سے ان کو شہروں کی زندگی اور وہاں کے حالات تو ضرور پتہ چل جاتے ہیں سب لوگ اس کو بڑا جانکار اور عقل کل خیال کرتے ہیں اور اگر دیکھا جائے تو وہ اس دیہات کے سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار بھی ہے اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔" دیارام نے بتایا۔

اگلوتا بولا۔"تو نے بھی کام کرنا سیکھ لیا ہے، مگر تو فکر نہ کر اس کی عقل کل کو کیل دوں گا۔"

مجھ کو گئو شالہ میں رہنے کو جگہ مل گئی لکھیا نریندر ناتھ نے کہا۔

"مہاراج یہاں آرام سے رہو اور رہی سیوا تو سب تمہاری سیوا کریں گے کیونکہ تم جیسا دھرماتما گاؤں میں موجود ہو تو بڑی سکھ کی بات ہوتی ہے پوجا پاٹ کے لئے مندر شیراں والی موجود ہے تپسیا کرو تو جنگل دور نہیں ہے اور پھر یہاں پر بھی تم یہ کام کرسکتے ہو اجازت کے بنا کوئی نہیں آوے گا۔"

بدری ناتھ یہاں کے کام کرتا ہے بال بچے دار آدمی ہے آپ کے بھوجن پانی کا خیال رکھے گا۔"

بدری ناتھ کے سر پر یہ مفت کی بیگار آ گئی شروع میں اس نے کوشش کی کہ مجھ کو چلتا کردے میں نے اس کو کہہ دیا۔"بدری ہم اپنی مرضی سے آتے ہیں اور جاتے ہیں اگر تیری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہ آئی ہو تو پھر ہم اس کا پر بند کردیں گے پھر اس سے تجھے کچھ تکلیف ہوگی جو ہوگا یہ بات کان کھول کر سن لے۔"

بدری ناتھ میرے بارے میں جانتا تھا سرکس کا واقعہ بھی اس کو یاد تھا۔وہ بولا۔

''گرو میرے من میں کچھ نہیں ہے میری زبان کبھی کبھی کڑوی ضرور ہو جاتی ہے پر یہ میری عادت ہے۔ فطرت نہیں ہے میں اپنی اس بری عادت کو چھوڑ دوں گا اور کبھی غلطی کروں تو میری عادت سمجھ کر معاف کر دینا بال بچے دار ہوں میرا گزارہ بھی گئو شالہ کے دان پن پر ہے۔''

''تیرے دان پن میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے پر ہماری طرف نظر سیدھی رکھنا۔'' میں نے کہا۔

''میں تو سیوک ہوں مکھیا نے بھی تاکید کر دی ہے آپ کا خرچ بھی وہی دیں گے دو روٹی گھر والی تمہارے لئے اور ڈال دے گی تو کچھ گھٹ تو نہ جائے گی۔''

''تیرے گھر میں کون کون ہے بدری؟'' میں نے پوچھا۔

بدری بولا۔ ''زیادہ بڑا میرا کنبہ نہیں ہے ایک چھوری بڑی دو چھورے چھوٹے ہیں۔ چھوری کی لگن کے لئے دبدا میں پڑا ہوں کونوں کہیں پر بات بن نہیں رہی۔''

''پر بات کیوں نہیں بن رہی۔'' میں بولا۔

''مہاراج بات یہ ہے کہ ذات کا تو میں برہمن ہوں پر میرے پلے اتنے دام ناہیں کہ کسی پنڈت کے گھر بات ڈالوں میں گئو شالہ میں پڑا ہوں مندر میں نہیں ہوں۔ مندر میں آمدنی ہووے ہے اور اوکا کوئی حساب پجاری رکھتا نہیں آدھا تو ضرور اس کی جیب میں جاتا ہے اور اس کی اولاد کے رشتے بھی ترنت ہو جاتے ہیں تم جانو گرو بنی کے سب ساتھی ہیں بڑی ذات کو میں کیا کروں ہولی دیوالی بھی میں اپنے بچوں کو کپڑا اور وہ خوشیاں نہیں دے پاتا۔ جوان کا حق ہے بدری بھرا بیٹھا تھا پوری کتھا سنا دی۔

میں بولا۔ ''تو نے سنا ہے سیوا سے میوہ ہے تو جتنا گڑ ڈالے گا اتنا ہی میٹھا ہوگا۔''

تیرے دن پھرنے والے ہیں پر بات وہی ہے کہ میوہ کھانے کو سیوا کا کشٹ تو اٹھانا ہوگا۔''

''ایسا کشٹ تو ضرور اٹھاؤں گا گرو۔'' بدر نے کہا۔

''تیری چھوری کا لگن بھی ضرور ہوگا بے فکر رہ۔'' میں نے کہا۔

''اگر ایسا ہو جائے گرو میں سمجھ لوں گا گنگا نہا لیا۔''

''تو سمجھ لے گنگا خود چل کر گاؤں شیراں والی میں آ گئی ہے۔'' میں نے کہا

''یہ تو بڑی اترن کی بات ہوگی مانو چمتکار ہوگا۔''

''جب کرپا ہوتی ہے تو سب دروازے کھل جاتے ہیں منش چاہے جس دروازے سے اندر چلا جائے۔ اور جب کرپا نہ ہو تو سب دروازے بند، منش سر پھوڑتا ہے پر اندر نہیں جا پاتا اور یہ سب سیوا کے ذریعے ملتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ تو آگے کیا کرتا ہے۔'' میں نے اپنا فلسفہ بیان کر دیا۔

بدری ناتھ کی سمجھ میں تھوڑا بہت آیا مگر زیادہ تو سر کے اوپر سے گزر گیا۔

''مہاراج کبھی کبھی چوپال میں بھی آ جایا کرو۔'' آٹھ روز کے بعد مکھیا نے مجھ کو کہا۔

میں نے کہا۔ ''آویں گے پر جب آنے کا سمے ہوگا تب آویں گے۔''

مکھیا بولا۔ ''گئو شالہ میں کوئی تکلیف تو نہیں بدری سیوا کرے ہے نا۔''

''خوب کرے ہے تو جا میری فکر نہ کر۔'' میں نے جواب دیا۔

اور پھر دو چار دن کے بعد میں چوپال چلا گیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کچھ عزت ہے کہ نہیں میرے جاتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے ایک اونچی جگہ دی گئی جہاں پر مکھیا زیندر پہلے سے موجود تھا اس نے بڑی عزت دی بولا۔ ''مہاراج نے میری لاج رکھ لی پدھارو گرو۔''

''تو نے کہا تو آ گئے ہم دنیا سے دور کے آدمی ہیں ہمارا ٹھکانہ جنگل بیابان اور ہمالیہ کی برف میں ڈوبی گپھائیں ہیں کوئی کام ہو تو انسانوں کے جنگل میں آتے ہیں۔'' میں بولا۔

اگلوتا نے کہا۔ ''اچھا جا رہا ہے تیری باتیں من

کو بھار ہی ہیں۔ پرزیادہ نہ رک تیری کم باتیں کم ہوں گی تو لوگوں کو یاد رہیں گی زیادہ کو لوگ بھول جاتے ہیں۔''

میں اٹھ کھڑا ہوا۔''اب ہم جاتے ہیں۔'' میں بولا۔

رات کو بدری ناتھ خود کھانا لاتا تھا اور رات کے کھانے کا خاص اہتمام کرتا تھا کبھی کبھی اس کی جورو بھا سا گھونگھٹ منہ پر ڈال کر کھانا لاتی تھی، مگر اب تک اس کی چھوری نہیں آئی تھی مگر اس رات نہ بدری ناتھ آیا نہ اس کی جورو۔ لڑکی کھانا ایک بڑی سی سینی میں لے کر آئی گھونگھٹ تو اسکا بھی پڑا تھا مگر پھر بھی چہرہ جھلک رہا تھا میں نے پوچھا۔''تیری ماں نہیں آئی آج کیا بات ہے؟''

وہ بولی۔''باپو گیا ہے گاؤں جانکی اور ماں کے تاپ چڑھا ہے تم کھالو تو میں برتن ساتھ لے جاؤں گی۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے آج کھانا ضرور اچھا ہوگا۔'' میں بولا۔

''ماتا جیسے پکاتی ہے ویسے ہی میں نے پکایا ہے اچھا کیوں نہ ہوگا، ہاں برا ہو تو معاف کر دینا مہاراج۔''

''تیرا سواد الگ اور تیری ماں کا سواد الگ ہر ناری الگ الگ سواد رکھتی ہے۔'' میں بولا۔

''مہاراج ای کا بات ہے دودھ دہی وہی نمک مرچ وہی اور طریقہ بھی وہی پھر سواد میں کا فرق پڑا۔'' وہ حیرت سے بولی۔

میں نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا اور نیا سوال کر دیا۔

''تو نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''مہاراج میرا نام پیاری ہے اور سب اس نام سے بلاویں ہیں۔''

''اچھا کرتے ہیں تو ہے بھی پیاری تیری لگن نہ ہوا ابھی تک۔'' میں نے پوچھا۔

پیاری خاموش رہی تو پھر میں بولا۔''وقت ذرا کڑا ہے تیرے ستارے کنڈلی میں نہیں ہیں۔ پر آ جائیں گے اور تیرا بر خود آ جائے گا۔''

پیاری بولی۔''باپو کہتا ہے لڑکے والے مانگ کرے ہیں اور باپو کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔''

''جب ستارے کنڈلی میں ہوں گے تو دینے کو بھی چاندی سونا آ جاوے گا میں تیری مدد کروں گا پر تجھے روز آنا ہوگا تب ہی میں تیرا میل ستاروں سے کرا پاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''باپو نہیں آنے دے گا۔'' پیاری بولی۔

''میں خود اس سے بات کرلوں گا، اس کی تو فکر نہ کر۔'' میں بولا۔

دوسرے دن بدری ناتھ آیا تو میں نے کہا۔''تیری چھوری بڑی سگھڑ ہے بہت اچھا بھوجن بناتی ہے۔ پر اتنی سگھڑ چھوری کا اب تک لگن نہیں ہو پایا۔''

بدری ناتھ نے روہانسا ہو کر کہا۔''اس دبدا میں تو میں آدھا ہو گیا ہوں گرو۔''

''اچھے برے دن سب پر آتے ہیں برا وقت تجھ پر نہیں تیری چھوری پر ہے اس کے ستارے کنڈلی میں نہیں ہیں کچھ وقت ایسا ہی رہے گا پھر تو فکر نہ کر میں کوشش کروں گا کہ کٹھن وقت گزر جائے اور اچھا بر آ جائے۔'' میں نے دلاسا دیا تو بدری ناتھ بولا۔

''مہاراج آپ جیسا رشی منی یہ کام کر سکتا ہے آپ کا ہی آسرا ہے بس۔''

''کام بڑا مشکل ہے ستاروں کی چال اور بدلنا آسان نہیں ہے، بات ایک رات کی نہیں ہے اور پھر تیسرے آدمی کا دخل بھی چھوری کے لئے اچھا نہ ہوگا یہ کام بہت بھاری ہے تجھے چھوری کو میرے پاس چھوڑنا ہوگا اگر تو ایسا نہیں کرتا تو پھر میں مجبور ہوں کام ادھورا اور دبدا والا میں نہیں کرتا۔''

''گرو بات یہ ہے کہ گاؤں کے لوگوں کو پتہ چلے گا تو میرا جینا دشوار کر دیں گے بدنامی ہو جائے گی۔'' بدری بولا۔

''کسی کو تو بتائے گا تو بدنامی ہوگی بات تیرے اور میرے درمیان ہے۔'' میں نے کہا۔

اور پھر پیاری رات کا بھوجن لے کر آ گئی میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا۔

''تیرا پتا سمجھ دار آدمی ہے میری بات سمجھ گیا ہے اب تو آرام سے بیٹھ اور یہ گھونگھٹ ہٹا دے مجھ سے جتنی قریب ہوگی اتنی ہی جلدی تجھ پر سے کشٹ کے ستارے دور ہوں گے۔''

پیاری نے پلو کندھے پر ڈال لیا تو میں بولا۔'' تیرا نام پیاری تیری طرح ہے۔''

پیاری نے شرما کر گردن جھکا دی اور مسکرانے لگی۔

میں بولا۔'' تیرے من میں کوئی صورت تیرے بر کی تو ضرور ہوگی ہر کنواری کے دل میں ہوتی ہے۔ مجھے بتا میں ویسا ہی بر تیرے قریب لے آؤں گا۔''

پیاری خاموش رہی اور شرماتی رہی بولی کچھ نہیں۔

میں پھر بولا۔

''چل نہ بتا میں تیرے لئے خود اچھا سا بر لاؤں گا تگڑا جوان تیری جوڑ کا پر تجھے میرا ساتھ دینا ہوگا اور جو کچھ میں کہوں کرنا ہوگا اور سب کچھ اپنے تک رکھنا ہوگا کسی کو پتہ نہ چلے کہ یہاں پر کیا ہوا سات دن کا یہ کام ہے اگر سات دن سے پہلے کسی کو ذرا بھی بھنک ہوگئی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور پھر نئے سرے سے دوبارہ بھوگ کرنا پڑے گا۔''

اگلوتا نے میرے کان میں کہا۔''تو نے تو سات راتوں کا راشن کر لیا۔''

پیاری خاموش تھی میں نے ہنس کر کہا۔''تیری زندگی کی ساری نحوست دور کرنے کو یہ سات راتیں بہت ہیں تیری نحوست دور ہوگی تو تیرے پریوار کی بھی دور ہو جائے گی اور بدری ناتھ گؤشالہ سے کسی مندر میں آ جائے گا یہ سب چکر تیری وجہ سے ہے بدری کے ستارے گردش میں تیری وجہ سے ہیں کیسی انوکھی بات ہے تیری شکل پیاری بدن ہزاروں میں ایک اور تیری قسمت کے ستارے نحوست میں گھرے پر میں نے تیرا مرض جان لیا ہے اچھے دن آنے کو ہیں۔''

میں مسلسل گرم لوہے پر چوٹیں مار رہا تھا اور اپنی مرضی کا بنا رہا تھا پیاری کی برف پگھل رہی تھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ کے آثار آ رہے تھے، مگر کنوارپنے کا ڈر اور جھجک آڑے آ رہی تھی وہ سمٹی سکڑی بیٹھی تھی مگر بدن میں چیونٹیاں سرسرا رہی تھیں وہ زیادہ نہیں جانتی تھی مگر جو جانتی تھی وہ بھی اس کے لئے بہت تھا۔

سویرے تک اس کے تجربے میں اور بہت اضافہ ہوگیا تھا وہ جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے واپس چلی گئی بظاہر کوئی تبدیلی اس میں نہ تھی اس نے کسی کو ایک لفظ نہ بتایا ماں سے بھی اس نے کچھ نہ کہا۔

اگلوتا نے کہا۔'' بڑا سکون ہے اس گاؤں میں کھیا کا راج چل رہا ہے۔ ارے کچھ تو ایسا کر کہ کچھ مزا آئے تو جانتا ہے کہ میرا مزا کس بات میں ہے۔''

بہرحال پیاری اور اس کے گھر والوں کی ضرورتیں پوری ہوگئیں، میں بھی نہال ہوگیا تھا اس کے ساتھ ہی اگلوتا نے دو وارداتیں کیں تو جیسے گاؤں میں ہلچل مچ گئی۔

ایک دن آگلوتا کی باتیں سن کر میں بولا۔

''تو اس کا مطلب ہوا اب یہاں کا قیام بے کار ہے۔''

''بڑی پریشانی یہ ہے کہ وہ بڑھیا دور نہیں ہے اس میں بھی ہر انسان کی طرح ضد بھری ہے۔

اب صرف ایک راستہ ہے کہ آبادی سے دور جنگل کی طرف جایا جائے۔'' اگلوتا بولا۔

''تم ایسا کرنا مجھ سے دور رہنا اور میں اپنا بہروپ اس قسم کا بنا لوں گا کہ کوئی پرکھ نہ سکے گا۔'' میں بولا۔

''تو میری دنیا کے قانون و قاعدے نہیں جانتا میں صرف چند گھنٹے تجھ سے دور ہو سکتا ہوں اس کے بعد تیرے کاندھے پر آنا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میرا قیام اس دنیا میں نہیں ہو سکتا مجھے واپس جانا ہوگا اس کا مطلب ہے مجھے پھر اس دنیا میں آنے کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑے گا یہ انتظار سو سال بھی ہو سکتا ہے اور ہزار سال بھی پھر تجھ جیسا حرامی تلاش کرنا ہوگا اب تو خود سوچ یہ کتنی بڑی سزا ہوگی۔ صدیاں گزر جائیں گی۔

اب کے میں اتنا کامیاب نہیں ہوا مجھے صرف، یہ

افسوس ہے پہلی دفعہ میں بہت کامیاب تھا میں نے بڑی بڑی بستیوں کوان کی راہ سے بھٹکادیا تھا بڑی بڑی جنگیں کرائی تھیں انسان کوتباہی کے کنارے کھڑا کر دیا تھا، مگراس دفعہ ایسا نہیں ہوا۔ میں ابھی جانا نہیں چاہتا میری دلی تمنا پوری نہیں ہوئی اس لئے اس ضدی بڑھیا سے دور جانا پڑے گا میری وجہ سے تیری زندگی خراب ہوگئی ہے وہ سفید چمڑی کا کمشنر تجھے بھولا نہیں ہے اوراس کا ساتھی مسلمان انسپکٹر تیری تلاش میں آج بھی ہے، اس لئے تو برف پوش وادی کی طرف چل وہ کمزور بڑھیا شاید اس طرف نہ آسکے اور وہ ضدی کمشنر بھی نہ آئے۔'' اگلوتا بولا۔

''مگراس قدر ٹھنڈی جگہ میں کس طرح رہ سکوں گا۔'' میں بولا۔

تجھے کچھ نہ ہوگا میں تیرا انتظام کروں گا۔'' اگلوتا نے جواب دیا۔

اب دنیا کو برباد کرنے اور نت نئے ہنگامے کھڑا کرنے والا اگلوتا خود اپنی بقا کی فکر میں ہمالیہ کی کسی ایسی گپھا کی تلاش میں تھا جہاں پر وہ محفوظ رہ سکے۔ میرے جسم کو اس نے ایسا کر دیا تھا کہ مجھ پر موسم کے اثرات نہیں ہوتے تھے میں چلا جا رہا تھا میرے سامنے سفید سفید برف پوش چوٹیاں تھیں۔ درخت سفید تھے اور کہیں کہیں پر زندگی کے آثار نظر آتے برفانی ریچھ اوران کے بچے ہر چیز سفید تھی آسمان پر سفید بادل تیز ہواؤں سے چوٹیوں کی طرف جا رہے تھے اوران سے ٹکرا رہے تھے برف میں میرے پیر دھنس رہے تھے، مگر برف روئی کا گدا معلوم ہو رہی تھی مجھے سردی گرمی کا ذرا احساس نہ تھا میں خود بھی حیران تھا، مگر اگلوتا کی شکتی بھی میری نظر میں تھی میں جانتا تھا کہ اگلوتا کی میں ضرورت ہوں مگر اب میری بھی ضرورت اگلوتا تھا۔

میں ایک گپھا کے سامنے پہنچ گیا اس گپھا کا ایک گول سا دروازہ تھا اندر اندھیرا تھا اوراس میں سے سخت بدبو آرہی تھی کیونکہ وہ برفانی ریچھوں کا مکسن تھا مگر چند منٹ میں سارے ریچھ باہر نکل گئے اور گپھا خالی کر گئے۔ اگلوتا بولا۔'' اب اندر چل۔''

اندر بدبو تھی مگر اندر تو جانا ہی تھا۔ اگلوتا بولا۔'' آج رات یہ دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ برف پڑے گی اور پھر ہفتوں یہ بند رہے گا تو اندر رہے گا میں تیرا خیال رکھوں گا اور چاروں طرف نظریں رکھوں گا۔''

تیری اور میری سلامتی کے لئے یہ برداشت کرنا ہوگا یہ زندگی کا کٹھن وقت ہے اس کو گزارنا ہے یہ وقت اتنی جلدی آجائے گا اس کی امید نہ تھی اس بڑھیا نے مجھے دبدا میں ڈال دیا ہے۔ اور مصیبت یہ ہے کہ میں اس کے قریب تک نہیں ہو سکتا۔''

اگلوتا مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

کمشنر ریڈ اور انسپکٹر اصغر علی تنک پور تک آچکے تھے گاؤں شیراں والی کے قریب تھے انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر تنک پور کو بنا لیا تھا اور اپنے آدمی چاروں اطراف پھیلا دیئے تھے۔

دو تین روز میں ان کو پتہ چل گیا کہ گاؤں شیراں والی میں ایک رشی منی آیا تھا اصغر علی اور ریڈ دونوں فوراً وہاں پہنچے اور مکھیا نریندر سے ملے تو اس نے بتایا کہ ایک سادھو آیا تھا مگر پھر اچانک غائب ہو گیا۔

اصغر علی نے پوچھا۔'' تم اس سے ملے تھے وہ کہاں رہتا تھا۔''

نریندر نے بتایا کہ'' وہ گئوشالہ میں رہتا تھا اس کی روٹی پانی کا انتظام بدری کرتا تھا۔''

ریڈ نے کہا۔'' پہلے تم ہم کو بدری ناتھ کے پاس لے کر چلو اس سے معلومات کریں گے۔''

اصغر علی نے بدری ناتھ سے کہا۔'' دیکھو بدری ناتھ جو کچھ تم نے دیکھا اور اس نے تم سے کہا یاد کر کے سب کچھ بتا دینا کچھ چھپانا نہیں تم نہیں جانتے کہ وہ کون تھا اور اس نے کتنے جرم کئے تھے۔ ہمارا خیال ہے وہ وہی تھا اور تمہارے پاس چھپا ہوا تھا اس نے جس قسم کے جرائم کئے ہیں ہم جانتے ہیں یہاں پر بھی وہ اپنی عادت سے باز نہ آیا ہوگا، اب تم اپنا بیان ریکارڈ کراؤ۔''

بدری ناتھ بولا۔'' سرکار مکھیا نریندر جی نے اس کو

میرے حوالے کیا تھا اوراس کی روٹی کا خرچ بھی وہ دیا کرتے تھے وہ بڑی گیان کی باتیں کرتا تھا اس کی گواہی پورا گاؤں دے گا وہ دوچارروز میں مجھ سے میری گھریلو باتیں بھی کرنے لگا اس کی ہم دردی کی باتوں نے مجھے متاثر کیا سرکار میں غریب برہمن ہوں گئوشالہ کی آمدنی بہت کم ہے میرا گزارہ نہیں ہوتا پریوار کم ہے پر اس کے لئے بھی کھانے کو نہیں ملتا برہمن ہوں دان دکھشنا پر گزارہ ہے مگر بھیگ تو نہیں مانگ سکتا اس کی ہم دردی کی باتوں نے میرا دل جیت لیا اس نے پوچھا۔''میری بیٹی پیاری کا اب تک لگن کیوں نہیں ہوا میں نے اپنی مجبوری بتادی۔''تو وہ بولا۔

''تیری بیٹی کے ستارے نحوست میں ہیں جب تک وہ باہر نہ آئیں لگن نہیں ہوگا اور تیری حالت بھی نہیں سدھرے گی اس کے لئے محنت کرنا پڑے گی۔''اور سات رات پیاری رات کو اس کے پاس رہے گی میں نے کہا۔ میں اس کے ساتھ رہ جاؤں گا مگر اس نے منع کیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا اس کو اکیلا رہنا ہوگا ورنہ کام نہیں ہوگا تیرے دن پلٹ جائیں گے بن برسنے لگے ساری نحوست دور ہوجائے گی سرکار میرا من نہیں کرتا تھا کہ میں چھوری کو اس کے پاس اکیلا چھوڑوں میں نے گھر والی سے مشورہ کیا اور سب کتھا اس کو سنائی راضی تو وہ بھی نہ تھی مگر میرے حالات اور لڑکے والوں کی مانگ نے مجھے جھکا دیا اور میں اکیلا چھوڑنے پر راضی ہوگیا گھر والی نے ایک رات کے بعد ہی بتادیا کہ چھوری کے ساتھ کیا ہوا مگر ہم نے روکا نہیں اس لئے کہ جو ہوا سو ہوا اب کام ادھورا چھوڑنے کا کچھ فائدہ نہ تھا میں اس پر خود کو کبھی معاف نہیں کرسکتا۔'' یہ کہہ کر بدری ناتھ رونے لگا۔

ریڈ نے کہا۔''وہ دیارام ہی تھا اس نے یہی کرنا تھا تم نہیں جانتے کہ وہ آدم خور بھی ہے تمہاری لڑکی کی صرف اس نے عزت لی شکر کرو کہ جان نہیں لی۔ مگر اس نے اوروں کی جان لے لی۔''

رات کا وقت تھا جنگل کی راتیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں شکاری جانور اپنے اپنے شکار کی تلاش میں باہر آجاتے ہیں ان میں خطرناک سانپ مکڑیاں اور الو سب ہی شامل ہوتے ہیں۔

قدم قدم پر موت موجود ہوتی ہے۔ دلیر سے دلیر آدمی بھی رات کو جنگل میں رہنا نہیں چاہتا۔ یہاں کے باشندے جو جنگل کو جانتے ہیں وہ بھی رات سے پہلے اپنی اپنی آبادیوں میں آجاتے ہیں اس دل ہلا دینے والے ماحول میں ایک بوڑھی عورت ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہے اس کا جسم کمزور ہے بال بکھرے ہیں چہرے پر جھریوں کا جال پھیلا ہے اور اس بوڑھے چہرے پر دھول مٹی کی تہہ جمی ہوئی ہے اس کی نظریں آسمان کی طرف ہیں۔

اس کے قریب سے خطرناک حشرات الارض گزر رہے ہیں مگر اس کے جسم میں ذرا لرزش نہیں ہے اور خطرناک کیڑے مکوڑے بھی اس کے وجود سے بے خبر نظر آتے ہیں۔ بوڑھی کے جسم پر صرف ایک لمبا سا جبا نما کپڑا ہے۔ اس کو گرمی سردی کا احساس نہیں ہے اس کی آنکھیں کھلی ہیں اور ان میں حیرت انگیز چمک ہے بوڑھی کے گرد نورانی حلقہ ہے جو نظر نہیں آتا۔

اچانک بوڑھی کے جسم میں حرکت ہوئی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور اس کے منہ سے نکلا''کب تک دوڑے گا کہاں تک جائے گا اور اب تو زمین کے کنارے آگیا ہے آگے راستہ بند ہے۔ میں آرہی ہوں اب کے تو میری نظروں کو دھوکا نہیں دے پائے گا کوئی نہیں جانتا پر میں جانتی ہوں تو کون ہے؟''

رات گزرتی رہی اور نہ معلوم کس کس سے گفتگو کرتی رہی پھر سورج نے جنگل کے اندھیرے کو روشنی میں بدل دیا اور جنگل خوبصورت نظر آنے لگا جو لوگ جنگل میں رات نہیں گزارتے ان کو یہ جنگل بہت خوبصورت لگتا ہے، مگر جو ایک بار بھی ایسا کرلیتا ہے اور بچ کر آجاتا ہے وہ زندگی بھر کے لئے رات گزارنے سے توبہ کرلیتا ہے۔

یہ جنگل انسانوں کو زندگی دیتے ہیں تو وہیں پر زندگی لیتے بھی ہیں، مگر قدرت نے ان کو بھی منع کر رکھا ہے کہ اس

کے پیاروں کی وہ حفاظت کریں ان کی خاطر کریں تو وہ کرتے ہیں۔

اگلوتا کی شکتی مجھے پل پل کی خبریں دے رہی تھی۔ مگر ان میں اتنا دم نہ تھا کہ بوڑھی کے قدم روک سکیں بوڑھی کا ہر قدم اتنا مضبوط تھا جیسے زمین میں پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ اس کے راستے میں دریا بھی آئے مگر اس کے قدموں کی چاپ نے ان کو منجمد کر دیا پہاڑوں کو راستہ دینا پڑا۔ کیونکہ وہ قدم نیکی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنی ذات کو فنا کر دیتے ہیں وہ کسی سے محبت کرتے ہیں تو وہ بھی اللہ کے لئے اور نفرت کرتے ہیں تو وہ بھی اللہ کے لئے یعنی اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں اور اللہ کی رضا حاصل کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے دوست ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ کوئی ڈر ہوتا ہے نہ کوئی خوف ان کے قریب جاتا ہے اس لئے ان کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات اللہ سنتا ہے۔

ان کے ذمہ بھی کچھ کام اللہ کرتا ہے اور وہ صرف وہی کرتے ہیں جو حکم خداوندی ہوتا ہے۔

اللہ کا ولی کبھی کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور شیطان کا چیلا کبھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ یہ بہت واضح فرق روحانیت اور شیطانیت کا ہے یہ وہی فرق ہے جو موسیٰ اور فرعون میں تھا۔ موسیٰ حق اور فرعون شر یہ دونوں طاقتیں ابتدا سے ہی انسان کے ساتھ چلی آ رہی ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گی شر کی طاقت جتنی بھی ترقی کر جائے دنیاوی طور پر انسان ان کے دباؤ میں آ جائے، مگر آخر اس کو ختم ہونا ہے فتح صرف اللہ کی ذات کو ہے اس لئے کہ وہ ہی اس دنیا کا مالک مختار ہے۔

اگلوتا سخت خوف کے عالم میں میرے پاس آیا اور بولا۔

''تیرا اور میرا برا وقت ہے دونوں کے دشمن سر پر کھڑے ہیں ایسا لگتا ہے تیری اور میری ملاقات یہ آخری ہے اس لئے کہ میرا دشمن میرے قریب ہے اور تیرا بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ مجھے اپنی فکر کے ساتھ تیری بھی ہے اس لئے کہ تو اگر زندہ رہے گا تو میرے کام کو آگے بڑھائے گا اور اگر نہ رہا تو بھی کام تو ہوگا مگر مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرا ایک بھی سپاہی کم ہو۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں تیرے لئے اس سفید چمڑی والے سے لڑوں گا، تو بھی کوشش کرتا کہ اس گپھا سے نکل کر جنگل کی طرف روپوش ہو جا، زندگی سے تیری یہ جنگ ہوگی انسان کو زندہ رہنا چاہئے اور تجھ کو تو ضرور رہنا چاہئے کہ تو میرے مشن کا ایک پرزہ ہے اب تو اکیلا ہے میں جب تک اس زمین پر ہوں تو سردی گرمی سے محفوظ ہے اور جب تجھے اس کا احساس ہو جائے تو سمجھ جانا کہ میں تجھ سے دور ہو گیا ہوں۔''

اگلوتے کے جاتے ہی میں گپھا سے باہر نکلا اور تیزی کے ساتھ پہاڑی اونچائی سے پھسلتا ہوا نشیب کی طرف آنے لگا میرے بدن پر صرف ایک جانگیہ نما لنگوٹی تھی، مگر مجھ کو سردی گرمی کا احساس ذرا نہ تھا اور میں تیزی سے زمین کی طرف دوڑ رہا تھا میری سمجھ میں اگلوتا کی بات آ گئی تھی کی اب زندگی کے بقا کی جنگ مجھے خود لڑنا تھی، اگلوتا میرا ساتھ نہ دے سکے گا آج پہلی بار ایسا ہوا تھا اور پہلی بار مجھے زندگی بچانے کی فکر تھی، ہر انسان کو زندگی پیاری ہوتی ہے چاہے وہ جس حال میں ہو زندگی پیاری ہوتی ہے وہ مرنا نہیں چاہتا۔ میں دوڑ رہا تھا زندگی کی طرف اور زندگی میری کوشش پر مسکرا رہی تھی یہ ہے انسان جب خود پر آن پڑی تو پتہ چلا کہ زندگی کیا شے ہے اس کی قیمت کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے؟

دوسروں کی زندگی چھننے والے کو آج اندازہ ہوا۔

کمشنر ریڈ کا قافلہ تنک پور سے جنگل کے اندرونی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ بیس آدمیوں کا یہ قافلہ اور اس کے ساتھ گھوڑے اور سامان بردار گدھے اس کے علاوہ تھے وہ دن میں سفر کرتے تھے اور رات کو مناسب جگہ آرام کرتے تھے کمشنر ریڈ اس مشن کو کامیاب کرنے کے لئے ہر جتن کر رہا تھا اور خود سب کی کمان کر رہا تھا اس کے ساتھ انسپکٹر اصغر علی بھی دیوانہ وار اس کام کو آگے بڑھا رہا تھا۔

رات ہوگئی تھی چھولداریاں لگ چکی تھیں پہرے دار اپنی اپنی جگہ چوکس تھے اور جنگل میں ہو کا عالم تھا درندوں کی آوازیں آ رہی تھیں درختوں پر الو آنکھیں چمکا رہے تھے ان کی خوفناک آوازیں پہرے داروں کو چونکا رہی تھیں مگر سب کو اصغر علی نے ذہنی طور پر اس ماحول اور یہاں کے بارے میں بتا دیا تھا کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا ہر قسم کے حالات سے ان کو لڑنے کی تربیت دی گئی وہ جسمانی اور ذہنی طور پر تیار تھے۔

اگلوتا موقع کی تلاش میں ان کے تعاقب میں تھا۔ اندھیری رات تھی بتیاں بند کر دی گئی تھیں اس لئے بتیوں پر بڑے بڑے اور خطرناک قسم کے مچھر آ رہے تھے۔ ہر پہرے دار کے پاس تیز روشنی کی ٹارچیں تھیں آدھی رات کے بعد کے پہرے دار چھولداریوں میں آرام کر رہے تھے ریڈ کی چھولداری میں اصغر علی موجود تھا۔

ریڈ نے کہا ''ابھی تک تو اس کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔''

''سر میں تو اس بات سے حیران ہوں کہ یہاں پر اس قدر سردی ہے کہ ہم لوگ ہر قسم کے سامان اور لباس کے باوجود سردی محسوس کر رہے ہیں مگر اس کے جسم پر نہ تو لباس ہے نہ سردی کے بچاؤ کا کوئی سامان وہ انسان کیسا ہے انسان تو ہر قسم کے موسم کا شکار ہوتا ہے یہی اس کے انسان ہونے کی دلیل ہے۔''

''تم نے درست کہا اصغر علی میں نے اکثر اس پر غور کیا ہے تو میری سمجھ میں صرف یہی آیا ہے کہ دیارام یا تو انسان ہے ہی نہیں اور اگر انسان ہے تو مافوق الفطرت خوبیاں اس میں ہیں۔''

''آپ نے درست کہا آپ یہاں کے حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں ہندوستان کی سرزمین پر جادو ٹونے کے اثرات ہر جگہ ہیں یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ جادو شیطانی علم ہے اور بہت قدیم علم ہے۔ اس کے وجود سے کسی کو انکار نہیں ہے حضرت موسیٰ کے مقابلے پر جو آئے تھے وہ سب نامی گرامی جادوگر تھے ہر مذہب نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور جادو کو شیطانی علم مانا ہے۔

اس کے سیکھنے کو جو کلمات روا کرنا پڑتے ہیں ان کا تعلق صرف شیطان کی ذات سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دماغ قدرت نے ایسا بنایا ہے کہ یہ ہر علم سیکھ سکتا ہے اور انسان شیطانی علم سیکھ جاتا ہے وہ اس شیطانی علم کے زور پر آسمانوں میں اڑ سکتا ہے اور ہر وہ کام جو کسی کے نقصان کا ہو انسانیت کے خلاف ہو کر سکتا ہے اللہ کا ولی بھی یہ کام کر سکتا ہے مگر وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہی بنیادی فرق دونوں کا ہے۔

دنیا میں ہزاروں جادوگر گزرے ہیں اور وہ دنیا کی تباہی کے سامان کرتے کرتے فنا ہو گئے۔'' اصغر علی نے کہا۔

ریڈ نے کہا۔ ''ہر دور میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوئے اور ہر دور میں ان کو ختم کرنے والے بھی آئے اور ان فتنوں کو ختم کیا گیا دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔''

اندھیری رات کے آخری پہر اچانک آسمان پر کالا بادل چھا گیا اس کے ساتھ تیز ہوائیں آنے لگیں اور چند منٹ میں ہوائیں اتنی تیز ہو گئیں کہ پڑاؤ کی چھولداریاں اڑ گئیں گھوڑے اور گدھے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے سامان خورد و نوش اڑ گیا سپاہیوں نے درخت کے تنوں سے لپٹ کر اپنی اپنی جانیں بچائیں پورے کیمپ کو تباہ کرنے کے بعد ہوائیں رک گئیں اور پھر سناٹا چھا گیا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ریڈ اور اصغر علی ٹارچ لے کر کیمپ کی طرف دیکھنے لگے مگر جہاں چھولداریاں لگی تھیں وہاں پر ان کے کھونٹے تک نہ تھے ایک بھی جانور نہ تھا اور سپاہی دور دور پڑے تھے کسی قسم کا سامان نہ تھا جو سپاہیوں اور اصغر علی اور ریڈ کے جسم پر وہی باقی بچا تھا۔

اصغر علی نے ہر سپاہی کا نام لے کر ان سب کو پکارا اور سب ہی اس کے قریب آ گئے صرف ایک سپاہی کم نکلا پتہ چلا کہ وہ رات ڈیوٹی پر تھا۔

ریڈ نے کہا۔ ''اس وقت اس کو تلاش کرنا مشکل ہے

دن کی روشنی میں تلاش کریں گے۔"
رات گزر گئی اور دن کی روشنی پھیلی تو پتہ چلا کہ ہواؤں نے صرف اس علاقے کو برباد کیا تھا جہاں پر ان کا قیام تھا یہ دیکھ کر ریڈ اور سب لوگ حیران رہ گئے اصغر علی نے فوراً کہا۔ "سر یہ ہم پر حملہ تھا یہ ہوائیں قدرتی نہیں تھیں دشمن نے ہم کو بے سروسامانی کے عالم میں کردیا ہے اب ہمارے لئے بہت زیادہ پریشانیاں ہوں گی ہم جنگل کے بہت اندر ہیں کھانے کو کچھ نہیں ہے سردی کے بچاؤ کے لئے ہمارے جسم پر کپڑے ہیں۔

درندوں کا خطرہ الگ ہے اسکے علاوہ ہزار قسم کے خطرے ہمارے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں۔"

"سر یہ تو ہے مگر اسکے باوجود میرے پاس ایک سہارہ ہے اور میں گھبرا نہیں رہا جب سب سہارے ختم ہوجاتے ہیں تو خدا کا سہارا ہوتا ہے میرا ایمان ہے کہ شیطان نے اپنا کام کردیا ہے اب خدا بھی اپنا کام کرے گا اور آپ یقین کرو کہ کوئی نہ کوئی سبیل ایسی ضرور پیدا ہوگی کہ ہم حیران رہ جائیں گے۔" اصغر علی بولے۔

"میں تمہاری بات کا یقین کرتا ہوں اس لئے کہ میں بھی اہل کتاب ہوں اور خدا پر بھروسہ کرتا ہوں۔

تم ایسا کرو کہ سپاہی ہمت نہ ہاردیں ان کا حوصلہ بڑھائیں ان کو یقین دلائیں۔"

میں سرپٹ بھاگ رہا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ میں کدھر بھاگ رہا ہوں میرے جسم پر اب لباس نام کی کوئی چیز نہ تھی درندے میرے قریب آتے تو میں درختوں پر چڑھ جاتا بھوک لگتی تو جو جنگلی پھل ملتا کھاتا مجھ کو اب تک یہ ڈھارس تھی کہ اگلوتا میرے قریب ہے کیونکہ سردی گرمی اور موسم کے اثرات مجھ پر اثر انداز نہیں ہورہے تھے میں چلتا گیا اور ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر مجھ کو انسان نظر آئے عورتیں اور بچے بھی نظر آئے یہ ایک چھوٹا سا جنگلی قبائلی گاؤں تھا یہ لوگ لامذہب لوگ تھے تہذیب کی روشنی ان تک اب تک نہیں پہنچی تھی وہ بھی مادرزات ننگے تھے ان کی زبان عجیب تھی میں بھی ننگا تھا اور میرا جسم بھی کالا تھا۔ میرے سر پر بال جھاڑ جھنکار کی طرح موجود تھے بال بے تحاشا بڑے تھے اور آپس میں الجھے ہوئے تھے میں بہت تھکا ہوا تھا اس گاؤں میں پہنچتے ہی میں تھکن سے گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا۔

پتہ نہیں کتنی دیر میں اس طرح بے ہوش پڑا رہا جب ذرا ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے قریب دو تین عورتیں موجود تھیں اور ان کے بچے میرے بال نوچ کر بیدار کرنے کی کوشش کررہے تھے عورتیں جوان تھیں ان کے جسم مضبوط اور بھرے بھرے تھے ان کو اپنی برہنگی کا ذرا احساس نہ تھا میرے ہوش میں آتے ہی ایک جوان اور پرکشش عورت میرے اور قریب آ گئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عورت نے کچھ کہا مگر میری سمجھ میں نہ آیا۔ بھوک کے مارے میری حالت خراب ہوگئی تھی اور اب بھی میں سخت بھوکا تھا میں نے اشارے سے اپنا مدعا عورت کو کہا اشاروں کی زبان سب جانتے ہیں عورت سمجھ گئی کہ میں بھوکا ہوں، عورت نے اپنی ایک ساتھی عورت کو کچھ اشارے کئے اور وہ دوڑ کر کچھ لے آئی پہلی نے اشارے سے مجھ کو کہا کہ وہ کھائے یہ لمبی لمبی جڑیں تھیں میں کھانے لگا مجھے اس میں شکر قندی کا مزا آیا مگر بھوک میں، میں وہ کھاتا گیا اور اس کے کھانے سے مجھے توانائی کا احساس ہوا پھر میں نے پانی کا اشارہ کیا اور پھر ایک عجیب سے مٹکے میں پانی بھی آ گیا اب تک میرے قریب کوئی آدمی نہیں آیا تھا۔

میں نے عورت سے اشاروں میں ان کے مردوں کے بارے میں پوچھا تو عورت نے اشاروں سے بتایا کہ وہ کھانے کو شکار اور جڑیں لینے گئے ہیں شام کو آئیں گے۔ اتنی دیر میں کچھ اور بھی عورتیں میرے گرد جمع ہوگئی تھیں۔

اگلوتا چاہتا تھا کہ ریڈ اور اصغر علی کے قافلے کو برباد کرکے ان کو مار ڈالے تاکہ میں محفوظ ہوجاؤں۔ مگر دوسری طرف اس کو خود اپنی بھی فکر تھی اس کے گرد بھی ایک جال تھا اگر یہ دباؤ نہ ہوتا تو وہ پھر ریڈ پر بڑا حملہ کرتا

مگر وہ ایسا نہ کر سکا پھر بھی ان کے قریب ہی ریڈ اور اصغر علی بھی رکے نہیں ان کی رفتار کم تھی اور ان کا گزارہ جنگلی پھلوں پر تھا۔ بوڑھی نے دائرہ تنگ کر دیا تھا اس دائرے میں اگلوتا تھا اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اب مجھ پر سخت وار ہو گا اس لے اس نے ایک وار ریڈ اور اس کے قافلے پر کر دیا تا کہ دشمن ان کو بچانے میں لگ جائے اور وہ کسی طرح اس دائرے سے نکل جائے۔

اگلوتا نے قافلہ پر بڑے خونخوار بھوکے چوہوں کا حملہ کیا یہ حملہ ایسا تھا کہ وہ چوہے ضرور ایک ایک کو کھا جاتے ان پر نہ کوئی گولی اثر کرتی تھی نہ چھری چاقو مگر قریب ہی بوڑھی عورت جانتی تھی کہ یہ سب قدرتی نہیں ہے اس لئے ان کو مار بھگایا اس دوران اگلوتا موقع دیکھ دائرے سے نکل گیا اور پھر اس نے پلٹ کر زمین کی طرف نہ دیکھا۔ اگلوتا جو فساد و شر پیدا کرنے کے لئے وارد ہوا تھا سخت بدحواسی کے علام میں نہ جانے بھاگ کر کہاں روپوش ہو گیا۔

اگلوتا کے جاتے ہی مجھ کو سردی لگنے لگی اور مجھے پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ اگلوتا بھاگ گیا میں بہت پریشان ہوا شام ہو رہی تھی قبیلے کے مرد آنے لگے تھے اور پھر ان کا سردار بھی آ گیا۔ مجھ سے سردار نے پوچھا۔ "کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟" زبان اشاروں کی تھی۔ میں نے برف میں ڈوبے پہاڑوں کی جانب اشارہ کر دیا۔

سردار بولا۔ "تو جھوٹ بولتا ہے ان پر کون رہتا ہے تو ضرور ہماری عورتوں کے لئے آیا ہے۔"

میں نے اشارے سے بتایا کہ میں ایک جادوگری قید میں تھا، مجھے سردی نہیں لگتی تھی اب وہ جادوگر بھاگ گیا ہے میں آزاد ہو کر یہاں آیا ہوں تمہاری عورتوں سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔"

سردار میرے بات سے مطمئن نہ ہوا اور مجھے قید کر دیا۔ تین راتوں کے بعد ریڈ کا قافلہ اس گاؤں کے قریب آ گیا سویرے پانی پر جانور پانی پینے آنے لگے تو جو سپاہی کھانے کے انتظام کرتے تھے انہوں نے فائر کر کے دو ہرن شکار کر لئے مگر ان کی فائرنگ سے پورا گاؤں خوف زدہ ہو گیا۔ انہوں نے ایسے دھماکے پہلے نہیں سنے تھ انہون نے اتنا گورا آدمی بھی نہیں دیکھا تھا انہوں نے کپڑے نہیں دیکھے تھے وہ سب ڈر گئے اور ریڈ کے سامنے سجدہ کرنے لگے۔

اصغر علی نے ان سب کو سجدہ کرنے سے روکا اور حکم دیا کہ "کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ان کو بندوق دکھائی اور ہوائی فائر کر دیا سب ڈر گئے۔ اصغر علی نے اشارے سے بتایا کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے تم سب کو مار سکتی ہے مگر ہم تم کو مارنے نہیں آئے ہم ایک آدمی کو تلاش کر رہے ہیں تم بتاؤ تم نے کسی اجنبی کو یہاں دیکھا ہے اگر دیکھا ہے تو وہ کدھر گیا ہے۔"

سردار آگے بڑھا اور بولا۔ "ہاں ایک آدمی ہم نے پکڑا ہے اور ہماری قید میں ہے۔"

"تو اس کو پیش کرو۔" اصغر علی نے حکم دیا۔

سردار نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ قیدی کو لے کر آجائیں۔

کچھ ہی دیر میں ایک ریچھ نما انسان کو لے کر آ گئے اس کے چہرے سر اور جسم پر بالوں کا گھنا جنگل تھا اور وہ بھوک سے نڈھال تھا۔ اصغر علی اور ریڈ کے اس کے قریب گئے اور غور سے میرا چہرہ دیکھا اور اصغر علی نے اعلان کر دیا کہ یہی دیارام ہے اور تسلی کے لئے اس نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ اس کے سر کے بال اور داڑھی صاف کر دی جائے۔ سپاہی کے پاس اس کا انتظام تھا اس نے چند منٹوں میں میری اصلی شکل سامنے کر دی اب ریڈ نے بھی مجھ کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

"تیرا نا دیارام ہے۔" ریڈ نے سوال کیا۔

میں کمزور آواز میں بولا۔ "ہاں میں دیارام ہوں۔"

ریڈ نے کہا۔ "دل کرتا ہے تیرے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں تو نے انسانوں کو بہت دکھ دیئے ہیں، مگر میں اپنے قانون سے مجبور ہوں، مگر میں جانتا ہوں تیرا انجام کیا ہونے والا ہے۔"

میں بولا۔ ''اپنا انجام میں بھی جانتا ہوں صاحب۔''

اصغرعلی نے کہا۔ ''جانتا تھا اور پھر بھی ایسے بھیانک جرائم کرتا تھا۔''

میں نے بے بسی سے اصغرعلی کو دیکھا اور کہا۔ ''ہاں سرکار میں کرتا تھا مگر میں یہ کیوں کرتا تھا میں مجبور تھا میں پیدائشی غلام تھا۔ اس سماج میں اونچے مقام پر بیٹھے ہیں ۔ہم ان کی خدمت کرنے کو پیدا کئے گئے ہیں جس طرح بیل کو ہل چلانا ہے پیٹھ کو کوڑے کھانا ہے ہم کو انسان کسی نے نہیں کہا ہمارے کسی حق کو تسلیم نہیں کیا گیا ہماری کوئی چیز نہیں ہے، ہر اچھی چیز ہم سے چھین لی گئی ہے ہمارے سماج نے ہمارے ہاتھ پیر باندھ دیئے ہیں میں ایک ایسی عورت کا پودا ہوں جس کو روندا گیا ہے بے دردی سے ہر ایک نے اس کی عزت کو پامال کیا وہ خود نہیں جانتی تھی کہ میرا باپ کون ہے اور پھر میری پیدائش کے فوراً بعد وہ مرگئی اس کو تو مرنا ہی تھا، مگر اس نے مرنے میں جلدی کر کے میرے گلے میں ایک اور تمغہ ڈال دیا۔ میں لوگوں کے قدموں میں لوٹ پوٹ کر جوان ہوا میری ذہنیت میری سوچ تو غلامانہ ہوئی تھی میں صرف خدمت کرنے اور جوتے کھانے کے لیے پیدا ہوا تھا اس کے آگے میں کیا سوچتا۔

اور پھر ایک حادثہ ہوا میری زندگی میں انقلاب آ گیا۔ میرے ذہن کو بنایا گیا وہ کون تھا کہاں سے آیا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا اس کا نام انگلوتا تھا اور وہ میرے کاندھے پر سوار رہتا تھا نظر نہیں آتا تھا صرف احساس تھا اس کی آواز کان میں آتی تھی وہ جو حکم دیتا تھا میں کرتا تھا اس کے حکم پر میرے فائدے اور انسانوں کے لئے نقصان ہوتے تھے میں کرتا تھا اس لئے کہ میں خود اسی معاشرے اور یہاں کے رواج کا باغی تھا اور نا معلوم اور کتنے ہوں گے جن کے دل میں بغاوت ہوگی سرکار یہ بغاوت ایک دن یا ایک دو سال کی نہیں ہے۔ یہ سینکڑوں سال کے ظلم وستم نے پیدا کی ہے میں جانتا ہوں میرے ہاتھ سے بڑے بڑے جرائم ہوئے ہیں انکار کردوں تو کون مانے گا، مگر ان جرائم کا پس منظر میں نے بیان کردیا اب وہ چلا گیا ہزاروں سال کے لئے چلا گیا ہے۔

مگر اور نہ جانے کتنے انگلوتا اس زمین پر ہیں وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور ان کے کتنے آلہ کاران کے ہیں۔''

کمشنر ریڈ نے کہا۔'' تم نے کسی کے بھی کہنے پر کیا ہو، مجبوری میں کیا ہو مجرم تم ہی ہو۔''

میں بولا۔ ''میں انکار نہیں کروں گا۔''

اور پھر واپسی کا سفر شروع ہوا تنک پور تک بڑی مشکلات کے بعد وہ پہنچے اور وہاں سے ان کو گاڑی مل گئی اور وہ دلی روانہ ہوگئے۔

کمشنر ریڈ کی بہت تعریف ہوئی اس کی پارٹی کو انعامات سے نوازا گیا اور ترقی دی گئی اور مجھ کو پھانسی کی سزا سنادی گئی مجھے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا۔

پھانسی کے بعد میرے شریر کو ایک کال کوٹھری میں رکھ دیا گیا کیونکہ میرا کوئی وارث نہ تھا جس کے حوالے میرا شریر کیا جاتا اور پھر اس کوٹھری میں انگلوتا کا وار کام کر گیا انگلوتا نے میرے شریر کو کوٹھری سے غائب کر دیا۔ اور میری آتما کو اپنے قبضے میں کر کے پھر اپنی من مانی کرانے لگا۔''

دیارام کی باتیں یہیں تک پہنچی تھیں کہ اچانک ایک زبردست جھماکہ ہوا۔ ہر طرف آگ کی روشنی پھیل گئی اور پھر جب روشنی ختم ہوئی تو نظر آیا کہ آگ کا ایک دائرہ ہے جس کے درمیان ایک پرہیبت خوفناک چمگادڑ پھڑ پھڑا رہی ہے دراصل چمگادڑ کے روپ میں انگلوتا تھا اس کے بعد چشم زدن میں اس چمگادڑ کی دلدوز دلخراش اور فلک شگاف چیخ پورے ماحول کو لرزا گئی۔ اب آگ کا وہ دائرہ سمٹ کر ایک چھوٹا سا گولا بن گیا تھا اور پھر وہ آگ کا گولا بھی غائب ہوگیا۔

رولوکا کی آواز سنائی دی۔ ''دیارام آج انگلوتا کا نام ونشان مٹ گیا خاتمہ ہوگیا اب یہ انگلوتا تجھے پریشان نہیں کرے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا میرا قائم کردہ نادیدہ جال میں آج پھنس گیا، اس کی شکتی کام نہ آئی ہمیشہ نیکی بدی پر غالب آجاتی ہے، بدی نیکی کے سامنے ٹھہرتی نہیں اور یہی حال انگلوتا کا ہوا۔ دیارام اب تو آزاد ہے

،اپنے بھگوان سے اپنے کیئے کی معافی مانگ کیونکہ دنیا کا خالق و مالک بہت فراخ دل کا ہے اپنے بندوں کی غلطیاں اکثر درگذر کردیتا ہے اگر بندہ سچے دل سے معافی مانگے، اب تو اس وقت پھر سفر کرجا۔" رولوکا کی باتیں سن کر دیارام کی آتما کی آواز سنائی دی۔ "مہاپرش آپ کا بہت بہت دھنے باد، آپ نے اس پاپی اگلوتا سے مجھے مکتی دلا دی، بھگوان سے میرا پرارتھنا ہے کہ بھگوان میری غلطیوں کو معاف کردے اور آپ کو اور زیادہ شکتی دے کہ آپ پریشان لوگوں کی مصیبت دور کریں اس وقت میں بہت خوش ہوں اور آپ کے حکم کے مطابق پرلوک کی طرف سفر کا آغاز کررہا ہوں۔ مہاپرش بہت بہت دھنے باد۔"

اور پھر دیارام کی آواز سنائی نہیں دی۔ رولوکا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور پھر رولوکا بھی ہمالیہ کی ترائی کی اس جگہ سے حکیم وقار کے مطب کی طرف لوٹ گیا۔

اگلوتا اور دیا رام ۔ کیس سے فراغت کے بعد رولوکا اپنے تئیں بہت فرحت محسوس کررہا تھا۔ دوسرے دن شام کا وقت تھا۔ مطب میں حکیم وقار اور رولوکا دونوں بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کررہے تھے کہ اچانک حکیم وقار نے پوچھا۔ "اور سناؤ تمہارے اگلوتا اور دیارام کے کیس کا کیا بنا؟"

یہ سن کر رولوکا بولا۔ "حکیم صاحب اگلوتا بہت ہی ڈھیٹ تھا۔ کسی دم سامنے ٹھہرتا نہیں، اپنے اوچھے ہتھکنڈے دکھا کر فوراً سے پیشتر رفو چکر ہوجاتا تھا۔ اس قسم کے وجود دنیا میں سوائے شر پھیلانے کے اور کچھ نہیں کرتے، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کا وہ چین اور سکون برباد کردیں، قوم و ملک میں اگر امن قائم ہے تو اسے تہہ و بالا کردیں اور اس کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے اور کراتے ہیں، کہیں پر جنگ وجدل کی صورت میں، کہیں تنظیم بازی اور کہیں پر فرقہ واریت، یہ وجود ازل سے ہے اور رہتی دنیا تک رہے گا، جو لوگ اپنے مضبوط ایمان اور قوت ارادی پر قائم رہتے ہیں وہ لوگ ایسے وجود کے بہکاوے میں نہیں آتے ہیں اور اچھے لوگوں کی ہمیشہ بلکہ ہر پل یہ کوشش ہوتی ہے کہ فلاح و بہبود کے کام میں مصروف ہیں، دوسروں کے دکھ درد اور مصیبت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، دوسروں کے غم کو اپنا غم تصور کرتے ہیں، اپنے دکھ درد کو سینے میں دبائے دوسروں پر اسے ظاہر نہیں کرتے اور سامنے والوں کی خوشی میں خوشی خوشی شرکت کرتے ہیں۔ اس دنیا میں بڑے بڑے طاقتور، رتبے اور دبدبے والے آئے اور نظام قدرت کے تحت مٹی میں مل گئے، جانے والوں کا عمل رہ جاتا ہے جس کے تحت ان لوگوں کو اچھے اور برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، اگلوتا جیسے وجود دنیا میں فساد اور بدامنی پھیلانے میں برسرِ پیکار ہیں اور رہیں گے لیکن دنیا کا نظام چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، نیکی ہمیشہ بدی پر غالب رہے گی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ اگلوتا جیسے سارے وجودوں کو شکنجے میں جکڑ کر نیست و نابود کردیا جائے گا، خیر ایسا تو ہوتا رہے گا، اگلوتا کا خاتمہ ہوگیا اور دیارام کی آتما اپنی اصل منزل کی طرف چلی گئی۔"

رولوکا کی باتیں سن کر حکیم وقار بولے۔ "تم نے بہت جامع اور حقیقی باتیں کی ہیں، کاش کہ بدی کے مرتکب لوگ اپنے آغاز عمل اور انجام کے متعلق سوچ لیں تو کسی قسم کی دہشت گردی، خون خرابہ اور جنگ وجدل نہ ہو بلکہ پوری دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بن جائے، خیر اب تمہارا آگے کا کیا پروگرام ہے۔"

"حکیم صاحب جب بھی کوئی ضرورت مند آجائے تو اپنا کام شروع۔" رولوکا بولا۔

اس کے بعد رولوکا اور حکیم وقار دیگر موضوع پر باتوں میں مصروف ہوگئے۔

☆......☆......☆

اس میں حیرت اور تعجب کی کوئی بات نہیں، ایک شخص اپنا اصل نام بھول جائے، اس کے گھر والے بھی...... اس کا اصل نام کیا تھا شاید وہ خود بھی بھول گیا تھا۔ شاید اس کے ماتا پتا بھی...... ورنہ وہ اسکول میں اس کا نام سورما نہیں لکھواتے...... مجھے اچھی طرح سے یاد تھا کہ

وہ بچپن سے ہی سورما کے نام سے مشہور تھا بلکہ مشہور ہو چکا تھا۔ اس کا نام سورما کیوں اور کس لئے اور کس نے رکھا یہ اس کے والدین نہیں جانتے تھے۔ جب وہ تین برس کا تھا تب سے وہ سورما کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ میری پتنی کی یادداشت بہت تیز ہے اسے اس کا نام آج بھی یاد ہے۔ سریندر...... لیکن سورما نام غلط نہ تھا۔ کیوں کہ وہ واقعی کسی سورما سے کم نہ تھا۔ اس کا نام سورما اس دن سے پڑا تھا جس دن اس نے ایک آٹھ برس کی عمر کے لڑکے کی زبردست پٹائی کردی تھی۔ کیوں کہ اس لڑکے نے اس کا کھلونا توڑ دیا تھا۔ اس سے بڑی عمر کے لڑکے اس سے بہت خوف کھاتے تھے۔

وقت تیزی سے گزرتا اور پر لگا کر اڑتا گیا۔ اس نے جوانی کی سرحد پر قدم رکھ دیا۔ وہ ماضی کی قصہ کہانیوں کے سورما کی ہی طرح بے خوف اور بڑا ہی نڈر تھا۔ بزدلی اس کی لغت میں نہیں تھی اور وہ نہیں جانتا تھا کہ خوف کس چڑیا کا نام ہے۔ ایسے دلیر نوجوان فی زمانہ بہت ہی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ بڑا باہمت تھا۔ اس کی مثال ہر کوئی دیا کرتا تھا۔

لیکن اس نے کبھی اپنی اس بہادری کا ناجائز فائدہ محلے والوں سے نہیں اٹھایا تھا بلکہ وہ ہر کسی کے ساتھ بڑی محبت، اخلاص، برادرانہ اور دوستانہ انداز سے ملتا اور ہر کسی کا احترام بھی کرتا تھا۔ وہ عمروں کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ وہ بزدل یا ڈرپوک تھا اور بھیگی بلی بن جاتا تھا۔ دراصل اس کی یہ سادگی اور شرافت تھی جو عام طور پر اس طرح کے آدمیوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ دندناتے ہوئے پھرتے ہیں اور شیخیاں بگھارتے رہتے ہیں۔

اس کی صحت قابل رشک تھی۔ کسرتی بدن تھا۔ کسی فلمی ہیرو کی طرح دراز قد بھی تھا جس نے اس کی شخصیت اور وجاہت پن میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا۔ بھرا بھرا کتابی چہرہ...... بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں اپنائیت سی جھلکتی تھی۔ چہرے پر نرمی اور دمک چپکی رہتی تھی۔ سپاہیوں جیسا چوڑا چکلا اور مضبوط سینہ...... سرخ و سفید رنگت جس میں شہد کی سی آمیزش تھی۔ جو نوجوان لڑکیاں اور عورتیں اس کی طرف دیکھتی تھیں تو ان کے سینوں میں جیسے سرد آہوں کا غبار بھر جاتا اور ان کی آنکھوں میں حسرتیں اور انجانے خواب لہرانے لگتے۔

جب سے وہ رام چند کے سرائے میں آکر مستقل طور پر رہنے لگا تھا قرب و جوار کے محلے کے ایک سے ایک چھٹے بدمعاشوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ان کی نہ صرف سرگرمیاں ماند پڑگئیں بلکہ ساری اکڑفوں نکل گئی تھی۔ ان کی بدمعاشی میں نمایاں کمی آگئی جس کی توقع نہ تھی۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ کیوں کہ یہ بدمعاش پولیس اور قانون سے بھی ڈرتے نہ تھے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے انہیں خائف کردیا اور بری طرح دہلا دیا تھا۔ یہ بدمعاش اسے دیکھتے تو بھیگی بلی بن جاتے۔

شروع شروع میں لوگوں نے سورما یا اس کی بڑی بڑی مونچھوں والے راجپوت شخصیت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اسے ایک عام سا آدمی سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے اور پھر اس نے خود کو ظاہر بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کیا چیز ہے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ بدمعاشوں نے اس سورما کا لوہا مان لیا۔ اس کی دھاک ان کے سینوں میں ہیبت کی طرح بیٹھ گئی۔

شرفا اور بزرگوں نے اس سورما کی شخصیت کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی عزت اور آؤ بھگت شروع کردی اور انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ محلے کے بدمعاشوں سے نجات مل گئی۔ درحقیقت وہ اس عزت کا اس لئے قابل تھا کہ اس کی وجہ سے ہر کسی کی عزت محفوظ تھی۔ سب سے زیادہ لڑکیوں اور عورتوں کو خوشی ہوئی۔ کیوں کہ اب کوئی بدمعاش تو کیا محلے کے منچلے بھی میلی آنکھ سے نہیں دیکھتے اور نہ ہی فقرے کستے تھے۔ ایک طرح سے وہ سب کی عزت و آبرو کا محافظ جو بن گیا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کیوں کہ پولیس بھی ان پر قابو پانے میں ناکام رہی تھی۔

سورما نے رام چندر محلے کی سرائے میں جو مکان کرائے پر لیا تھا اس سے تین چار مکان چھوڑ کر شیر سنگھ کا

مکان تھا۔ اس کا نام شیر سنگھ تھا لیکن لوگ اسے دہشت سنگھ کہتے تھے۔ کچھ لوگ خبیث اور شیطان بھی کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ پورے شہر میں ایک شیطان اور دہشت گرد کی طرح مشہور تھا۔ بیشتر تھانوں میں وہ بڑی پابندی سے بھتہ جمع کراتا تھا۔ بھتہ چوں کہ خاصا معقول ہوتا تھا اس لئے پولیس والوں کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ اس پر ہاتھ ڈال سکیں اور اس کی مجرمانہ سرگرمیوں میں رخنہ ڈالیں۔ وہ اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ جو اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ کرتا تھا اسے لینے کے دینے پڑ جاتے تھے۔ وہ اس بھتہ کے باعث پولیس افسران کا منظور نظر بنا ہوا تھا۔ اس لئے بھی پولیس والے اس کے کسی بھی معاملے میں درگزر کرتے یا آنکھ بچا کر نکل جاتے...... لوگوں کو چوں کہ اپنی عزت پیاری تھی اور اس سے خوف کھاتے تھے اس لئے وہ اس سے دور رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ اس بات کی پوری کوشش کرتے تھے کہ اس سے سامنا نہ ہو۔

شیر سنگھ ایک طرح سے مافیا ہی تھا۔ اس نے جو اپنا گروہ بنا رکھا تھا اس میں دس بارہ ایسے افراد شامل تھے جو ایک سے ایک دس نمبری اور جیلوں میں برسوں تربیت پا کر نکلے تھے۔ جو بدمعاش جیل میں رہ کر باہر آتے تو شیر سنگھ ان کی خدمات حاصل کر لیتا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ جیل کی آب و ہوا اور مجرموں کی دوستی انہیں خطرناک بنا دیتی ہے۔ ان کا کام شہر کے دوسرے کم زور بدمعاشوں سے دھونس دھمکی دے کر بھتہ وصول کرنا تھا۔ شہر میں اس کے دو چار اڈے بھی چلتے تھے جہاں کھلے عام جوا کھیلا جاتا تھا۔ دو ایک شراب کی بھٹیاں بھی تھیں جس سے اس کی بہت اچھی آمدنی تھی۔ وہ اس کی جیب میں جاتی تھی اور اس کے جوئے خانوں میں جو نال نکالی جاتی تھی وہ یومیہ سینکڑوں روپے کی ہوتی تھی وہ بھی اس کی نذر ہوتی تھی۔

ایسے بدمعاشوں کو عورت کی لت کیوں نہ ہوتی۔ کیوں کہ ان کی پشت پر شیر سنگھ تھا اور شیر سنگھ کی پشت پر اعلیٰ پولیس افسران تھے۔ جب پولیس کی سرپرستی حاصل ہو تو پھر ڈر اور خوف کس بات کا...... وہ بازار حسن سے یا سر راہ کوئی عورت اٹھا لاتے۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے اپنا ایک عشرت کدہ کسی ایک جگہ پر بنا رکھا تھا۔ وہاں یہ لوگ رنگ رلیاں مناتے تھے اور پھر اس عورت یا لڑکی کو ایسے پولیس افسران کی خدمت میں پیش کر دیتے جن کی کم زوری عورت ہو۔ جو شخص شراب پیتا ہو۔ رشوت لیتا اور حرام کی کھاتا ہو اس کی کم زوری عورت کیوں نہ ہو...... عورت ایک ایسی شے ہے جس سے دور رہنا کالی بھیڑوں کے بس کی بات نہیں۔

اگر بات یہیں تک رہتی تو سورما اور شیر سنگھ کا آپس میں کبھی بھی ٹکراؤ اور سامنا نہ ہوتا...... کیوں کہ شیر سنگھ کی بہت بڑی کم زوری حسین اور نوجوان لڑکیاں تھیں اور اس کی فطرت ایک بھیڑیے کی مانند تھی اور ان کے سلسلے میں بہت کھیل کھیلنے کا عادی تھا۔ وہ انہیں کھلونے سمجھتا تھا۔ وہ اس لئے بھی شیر بن گیا تھا کہ پولیس یا لڑکی کے متعلقین اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ جب کوئی لڑکی یا عورت تباہ حال گھر آتی تو گھر والے خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔

یہ ایسی بات تھی کہ سورما کی شیر سنگھ سے نہ بن سکی تھی جس کے نتیجے میں شیر سنگھ کو نہ صرف ہمیشہ کے لئے یہ محلّہ چھوڑنا پڑا بلکہ اس نے دو چار بار ناکامی اور ذلت اٹھانے کے بعد سورما کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے...... سورما نے اسے جیسے فتح کر کے مفتوحہ علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ شیر سنگھ کا علاقہ تاخت و تاراج کر دیا کہ وہ یہاں ایک دن بھی نہ رہ سکے۔

سورما اور شیر سنگھ کی آپس میں ٹکراؤ کی وجہ ایک اسکول ماسٹر کی نوجوان لڑکی ثابت ہوئی جو ان دنوں کالج میں زیر تعلیم تھی۔ لڑکی بہت حسین تھی۔ خوب سیرت اور بہت شریف اور عام قسم کی لڑکیوں سے قدرے مختلف...... اس نے بڑی سادی طبیعت پائی تھی۔ وہ اس محلے کی ایک مثالی لڑکی تھی۔ ابتدائی جماعتوں سے میٹرک تک وہ اول آتی رہی تھی۔ کالج میں بھی وہ ایک مثالی طالبہ تھی۔ بہت حسین

ہونے کے باوجود اس میں پندارِ حسن قطعی نہ تھا۔ کالج میں بھی وہ بڑی عزت واحترام کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔

اسکول ماسٹر اور سورما کے گھر کے مابین دیوار مشترک تھی۔ اس لئے پہلے ہی دن سے عورتوں کا آپس میں میل جول شروع ہوگیا۔ اسکول ماسٹر کی بیوی نے سورما کی ماں کو باتوں باتوں میں شیر سنگھ کی بدمعاشیوں کے دو چار قصے بھی سنائے جن کی بھنک سورما کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس نے محلے کے لوگوں سے بھی سن رکھا تھا اور شیر سنگھ کے مکان میں بدمعاشوں کی دن رات آمدورفت بھی دیکھی تھی۔ اس نے مزید معلومات شیر سنگھ کے بارے میں غیر محسوس انداز سے حاصل کرلی تھیں۔ اسے دکھ اور حیرت اس بات کی تھی کہ ایک بدمعاش کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ پولیس نے اسے من مانی کا لائسنس دے رکھا ہے۔ کوئی اس کے خلاف قدم نہیں اٹھاتا ہے۔ مردوں کے لئے کیا یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے؟ یہ مرد اس قدر بزدل اور کم ہمت کیوں ہوگئے ہیں؟

پھر کچھ ہی دن بعد اسکول ماسٹر کی بیوی گرمیوں کی ایک دوپہر کو بدحواسی کی حالت میں روتی پیٹتی سورما کے گھر پہنچی تو گھر والے اس کی صورت دیکھ کر گھبرا گئے اور پریشان ہوگئے۔ سورما کی ماں کو بتایا کہ شیر سنگھ کے ساتھی اس کی بیٹی کو کالج سے واپسی پر اغواء کرکے لے گئے ہیں...... "ہائے رام...... میں کیا کروں......؟ کہاں جاؤں......؟ میں تو پولیس کے پاس بھی جا نہیں سکتی...... کیوں کہ وہ کمینہ اور ذلیل شخص پولیس کو بھتہ دیتا ہے......؟ تھانے دار مردود اس کی مٹھی میں ہے...... محلے میں کوئی ایسا مرد نہیں ہے جو میری بیٹی کی عزت و آبرو اس سے بچا سکے۔" لڑکی کی ماں رونے لگی۔

"صبر کر میری بہن......" سورما کی ماں نے اسے دلاسا دیا۔ "تم چنتا نہ کرو۔ ہم دونوں محلے کے پرکھوں کے پاس جائیں گے۔ انہیں شرم اور غیرت دلائیں گے...... محلے کی عورتیں اور مرد جلوس لے کر تھانے پہنچیں گے۔ تھانے دار سے کہیں گے کہ ہماری بیٹی کو اس درندے سے نجات دلاؤ...... اس لڑکی کی عزت پر آنچ آگئی تو سمجھو تمہاری بیٹی کی عزت پر آنچ آگئی...... اس مردود تھانے دار کی تین لڑکیاں ہیں۔ باپ ہونے کے ناتے شاید اس کی غیرت جاگ اٹھے۔"

"وہ خود تو منہ کالا کرتا پھرتا ہے اسے کیا غیرت اور شرم آئے گی۔" لڑکی کی ماں بولی۔ "جب تک جلوس تھانے پہنچے گا اس میں بہت سمے لگ جائے گا۔ میری بیٹی کی عزت آبرو خاک میں مل چکی ہوگی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کیا کروں؟"

"ہاں یہ بات تو ہے بہن!" سورما کی ماں بولی۔ "معلوم نہیں لوگ تھانے چلیں گے بھی نہیں...... میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کس طرح سے تمہاری بیٹی کی عزت بچائی جاسکتی ہے۔ بھگوان غارت کرے اس شیطان شیر سنگھ کو......"

اتفاق سے اس وقت سورما گھر پر موجود تھا۔ اندر والے کمرے میں ہونے والی باتیں اس کے کانوں میں پڑیں تو اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس کی نس نس میں لہو ابلنے لگا۔ کوئی اور معاملہ ہوتا تو کسی مصلحت کی بنا پر وہ خاموش ہوجاتا اور اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا...... لیکن یہ معاملہ ایک ایسی پارسا لڑکی کا تھا جو محلے کی تھی۔ اس کے پڑوسی کی تھی۔ اس کے نزدیک محلے کی لڑکیوں اور عورتوں کی عزت اس کے گھر کی عورتوں جیسی تھی۔ اس کے لئے یہ ذلت اور بے غیرتی کی بات تھی کہ ایک بدمعاش نے ایک لڑکی کو اغوا کرلیا تھا۔ اس کے محلے کی لڑکی نہ بھی ہوتی تو اس کی مردانگی کے لئے ایک چیلنج تھا۔ اس نے شیر سنگھ کا چیلنج جیسے قبول کرلیا تھا۔

اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنی بیٹھک سے اپنی لاٹھی اٹھائی۔ اس کے چہرے پر جسم کا سارا خون سمٹ آیا تھا۔ اس کی آنکھیں لال ہوکر بھٹیوں کی طرح دہک اٹھی تھیں۔ اس وقت اس کا چہرہ کوئی دیکھ لیتا تو وہ دہشت زدہ ہوجاتا اور اس کی گھگھی بندھ جاتی۔ اس کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور نس نس میں خون

آتش فشاں کے لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔ نفرت اور غصے کا دہکتا آتش فشاں یک لخت پھٹ پڑا تھا۔

اس وقت وہ یہ بھول گیا تھا کہ شیر سنگھ کتنا بڑا بدمعاش ہے۔ اس کے گروہ میں کیسے خطرناک اور پیشہ ور قاتل مجرم موجود ہیں۔ اسے پولیس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ شیر سنگھ کا بال تک بیکا نہیں کرسکتا۔ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ چوں کہ اس پر ایک اندھا جنون سوار ہوگیا تھا۔ اس لئے اسے ان باتوں کا خیال نہیں رہا تھا۔ مصلحت کس چڑیا کا نام ہے وہ جانتا نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز ایک لڑکی کی عزت وآبرو تھی۔

اس نے نہ تو اپنی ماں سے کچھ کہا اور نہ ہی لڑکی کی ماں سے...... وہ ان دونوں کی نظریں بچا کر شیر سنگھ کے مکان کی چھت پر پہنچ کر اسے للکارا۔ اس وقت وہ تن تنہا لاٹھی لئے کسی شیر کی مانند دہاڑ رہا تھا۔

اس وقت شیر سنگھ شراب کے نشے میں دھت تھا لیکن قدرے ہوش میں تھا۔ یہ دہاڑ سن کر پہلے تو اسے یقین نہیں آیا۔ حیرت بھی ہوئی اور سخت طیش آیا کہ یہ کون بدمعاش ہے اور گستاخ جو اسے اس طرح سے للکار رہا ہے وہ جیسے شیر سنگھ نہیں چوہا سنگھ ہے۔ کسی کی مجال نہ تھی جو اسے اس انداز سے للکارے۔ یہ اس کی توہین تھی۔ ذلت تھی...... اس وقت اس کے دو چار ساتھی بھی موجود تھے۔ وہ بھی شراب میں دھت ہوجاتے تھے لیکن آپے میں رہتے تھے۔ ایسے میں سورما کا اسے للکارنا وہ کیسے اور کس طرح سے خاطر میں لاتا۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ وہ سینہ تان کر باہر آیا۔ اس نے ایک گندی گالی اچھال کر سورما کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ پھر تڑختے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا بات ہے بے......؟ تو کون ہے بے......؟ تیری یہ مجال کہ میرے گھر میں شور مچائے......؟ مجھے للکارے...... کیا تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں......؟ کیا تیرے باپ نے تجھے میرے بارے میں نہیں بتایا؟''

''میں تجھے کیا تیرے باپ کو بھی جانتا ہوں...... شیر سنگھ!'' سورما نے لاٹھی پر گرفت جماتے ہوئے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ ''میں کون ہوں......؟ کیا ہوں......؟ یہ تو تجھے بعد میں تیرے باپ دادا کی آتما آکر بتائیں گی...... میں اس لئے آیا ہوں کہ تم تو جو ماسٹر صاحب کی لڑکی کو اپنے گھر لایا ہے اسے باہر نکال شرافت سے...... ورنہ......؟''

''ورنہ کیا......'' وہ قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ ''کیا وہ تیری بہن لگتی ہے......؟'' شیر سنگھ نے حقارت سے جواب دیا۔

''وہ میری نہ سہی کسی کی بہن بیٹی تو ہے......'' سورما بولا۔ ''اس گلی، محلے، ماں باپ اور گھر کی عزت ہے۔''

''چوں کہ تو اس محلے میں نیا آیا ہے اس لئے تجھے میرے دروازے تک آنے کی جرأت ہوگئی۔'' وہ سینہ تان کر بڑی رعونت سے بولا۔ ''تو نہیں جانتا کہ میں اس شہر کا راجہ ہوں۔ شاید تو نے میرا نام نہیں سنا...... تو نے میرا نام سنا ہوتا تو اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالتا...... کیا تجھے اپنی زندگی پیاری نہیں ہے......؟ خیریت چاہتا ہے تو چپ چاپ چلا جا...... ورنہ......؟''

''ورنہ کیا ہوگا......؟'' شیر سنگھ کی دھمکی سن کر سورما کے تیور اور زیادہ خراب ہوگئے۔ وہ لال پیلا ہوکر گرجا...... ''چوہے کی اولاد میں تیرا کیا تیرے باپ کا نام بھی جانتا ہوں۔ وہ چمار کی اولاد تھے۔ موچی گلی میں جوتے چپلیں سیتے تھے۔''

''بتاؤں پھر کیا ہوگا......؟ تو بڑا اکڑتا جارہا ہے۔'' شیر سنگھ نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے قہر آلود نظروں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''لگتا ہے کہ تو پی کر آیا ہے۔ دھت ہورہا ہے۔ تیری سمجھ میں میری بات نہیں آرہی ہے۔''

''بتا...... خالی خولی دھمکیاں کیوں دے رہا ہے......؟'' سورما نے اپنی لاٹھی زمین پر ٹیک کر کہا۔

''رنجیت سنگھ'' شیر سنگھ نے اپنے ایک ساتھی کو

مخاطب کر کے کہا۔ ''تو اسے ذرا سمجھا دے کہ جس نے بھی شیر سنگھ کی طرف نگاہ اٹھائی اور اس کے راستے میں جو بھی آیا اس کا انجام کیا ہوا......؟ اس کی لاش کا بھی پتا نہیں چلتا ہے۔''

''لیکن میرے مقابلے پر آنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ تیری ایک ہڈی بھی سلامت نہیں رہے گی۔'' سورما اس سے بولا۔

رنجیت سنگھ چھریرے بدن کا مالک تھا۔ لیکن کاٹھی بڑی مضبوط تھی۔ بڑا پھرتیلا تھا۔ بڑا خطرناک بدمعاش تھا۔ اس نے شیر سنگھ کا اشارہ پایا تو پہلے تو وہ کسی درندے کی طرح غرایا اور اس کے چہرے پر درندگی ابھر آئی۔ وہ سورما کی باتوں سے بڑا خار کھا رہا تھا اندر ہی اندر...... اپنے باس کا اشارہ پاتے ہی اپنے نیفے سے بجلی کی سی سرعت سے چاقو نکال لیا اور ایک جھٹکے سے کھول لیا۔ پھر وہ بجلی کا کوندا بن کر سورما کی طرف لپکا۔ سورما بھی اپنی جگہ پوری طرح چوکنا اور مستعد تھا۔ وہ چاقو دیکھ کر گھبرایا نہیں۔ وہ لاٹھی چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ رنجیت سنگھ اور شیر سنگھ کا یہ خیال تھا کہ سورما ڈرانے اور دھمکانے کے لئے لاٹھی لے کر آیا ہے۔ انہیں اندازہ نہ تھا کہ دشمن کس صلاحیت کا مالک ہے۔ چنانچہ پہلے ہی وار میں رنجیت سنگھ لوٹ پوٹ ہوگیا۔

یہ دیکھ کر شیر سنگھ اور اس کے باقی دو ساتھی بیک وقت سورما پر ٹوٹ پڑے۔ سورما نے انہیں قریب پھٹکنے بھی نہیں دیا۔ اس کی لاٹھی میں جیسے بجلی بھری ہوئی تھی۔ اس نے انہیں دن میں تارے دکھا دیئے۔ اس کی لاٹھی مشینی انداز میں چلتی رہی جس نے ان کا حشر نشر کر دیا۔ وہ اس کے حملے سے اپنے آپ کو بچا نہ پا رہے تھے۔ ان کی چیخیں اور کراہیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ ان کی اس طرح سے پٹائی ہو رہی تھی۔ جیسے اسکول میں کسی شریر لڑکے کی استاد کے ہاتھوں پٹائی ہوتی ہے۔ وہ بے حال ہو گئے۔

''شیر سنگھ......! مجھے مجبور نہ کرو...... ورنہ تم سب کا انجام بہت خراب ہوگا۔ ایسا بھیانک کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے...... یہ جھگڑا اس صورت میں ختم ہوسکتا ہے کہ ماسٹر جی کی لڑکی واپس کر دو نہایت شرافت سے......''

سورما نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو تم سب کا بھرکس نکال دوں گا۔ تمہارا جغرافیہ ایسا بگڑ جائے گا کہ تم لوگوں کی ماں بھی نہیں پہچان سکے گی۔''

جواب میں شیر سنگھ کے ساتھی نے جو گالی سورما کو دی وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھی...... اس نے آج تک ایسی غلیظ اور بے ہودہ گالی کسی لوفر اور بدمعاش کی زبان سے بھی نہیں سنی تھی۔ ایسی گالی سے ناآشنا تھا۔ اس گالی نے اسے بری طرح تپا دیا تھا۔ اگر بدمعاش گالی نہ دیتا تو بات نہیں بڑھتی۔ چنانچہ سورما نے پینترا بدل کر ہاتھ جو لگایا تو گالی دینے والے کا جسم لہولہان ہوگیا۔ اور ہڈیاں چیخ اٹھیں...... ابھی وہ اپنا توازن برقرار رکھنے کے لئے لڑکھڑا ہی رہا تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی کی کمر پر ایسی بھرپور ضرب لگائی کہ وہ بلبلا اٹھا اور سیدھا نالی میں لڑک گیا۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور چہرہ لہولہان ہونے لگا۔

اب صرف شیر سنگھ اس کے مقابلے پر تنہا رہ گیا تھا۔ سورما نے اس کے دوسرے ساتھی کی جو درگت بنائی تھی وہ شیر سنگھ کی نظریں بچا کر...... شیر سنگھ ٹھنڈا سا پڑ گیا تھا۔ شیر سنگھ انتہائی کائیاں اور موقع شناس تھا۔ اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کا جو عبرت ناک حشر نشر دیکھا تو اس کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اسے سورما فرشتہ اجل دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے فوراً ہی دو قدم پیچھے ہٹتے اپنے آپ کو بہ مشکل سنبھالتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''ماسٹر کی لڑکی سے تمہارا کیا رشتہ ہے جو تم نے اپنی جان کی بھی پروا نہیں کی...... اور مجھ سے ڈرے بھی نہیں یہ جانتے ہوئے کہ میں بہت خطرناک شخص ہوں۔ مجھ سے شہر کے تمام بدمعاش اور پولیس والے بھی

ڈرتے ہیں۔"

"وہی جو ایک شریف آدمی کا شریف آدمی سے ہوتا ہے۔" سورما نے لاٹھی روکتے ہوئے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "وہ ایک شریف گھرانے کی اور محلے کی عزت ہے اور میری پڑوسن ہے۔ یہ بات میں تم سے پہلے ہی کہہ بھی چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اسے تم لے جاسکتے ہو......" شیر سنگھ نے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جس میں اس نے لڑکی کو قید کیا ہوا تھا۔ "وہ اس کمرے میں بند ہے۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔"

سورما اس کمرے کی طرف بڑھا لیکن وہ ہوشیار اور چوکنا تھا کہ کہیں شیر سنگھ کمینگی نہ دکھائے اور اس پر پیچھے سے حملہ کردے، گو کہ شیر سنگھ اس قابل نہیں رہا تھا کہ سورما سے ٹکرائے۔ لیکن سورما محتاط تھا۔ کیوں کہ بدمعاش کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دہلیز پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "باہر آجاؤ۔ خطرے کی بات نہیں ہے۔ میں نے شیر سنگھ اور اس کے آدمیوں کو سبق دے دیا ہے۔ وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے......"

جواب نہیں ملا تو سورما کمرے میں گھس گیا۔ اسکول ماسٹر کی بیٹی خوف و دہشت سے بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ سورما بروقت پہنچا تھا۔ لڑکی کی حالت بتا رہی تھی کہ شیر سنگھ کے ہاتھوں سے وہ محفوظ رہی ہے۔ اسے من مانی اور دست درازی کا موقع نہیں مل سکا۔ اگر سورما دیر سے جاتا تو لڑکی کی عزت پامال ہوچکی ہوتی۔ اس نے ماسٹر کی بے ہوش لڑکی کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور کمرے سے باہر آکر اس نے شیر سنگھ سے خشونت بھرے لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے آئندہ کسی بھی مجبور لڑکی یا محلے کی کسی بھی عورت پر بری نظر ڈالی تو اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہوگا......تمہاری لاش ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی...... اسے تم صرف دھمکی مت سمجھنا شیر سنگھ......!"

شیر سنگھ کو ایسا لگا سورما نے اس کے منہ پر اور اس کی بہادری پر تھوک دیا ہو۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ کر بھی کیا سکتا تھا۔ آج تک کسی نے ایسا ذلیل نہیں کیا تھا۔ اس کے منہ پر جوتا نہیں مارا تھا۔ اس وقت صورت حال کچھ ایسی تھی کہ وہ دم بھی نہیں مار سکتا تھا۔ لیکن اس نے دل میں فیصلہ کیا بلکہ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر سورما سے انتقام لے گا اس بے عزتی کا......وہ پہلی ہی فرصت میں سورما کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس کا گوشت کتوں کو کھلا دے گا۔

اسکول ماسٹر کی جوان بیٹی کا اغواء اور کچھ دیر بعد اس کی بازیابی کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ ایک ایسے شخص سے جو خطرناک اور مافیا تھا اس کے ناک چنے چبوا دینا اور جس کو پولیس کی پشت پناہی حاصل تھی اس کے ہاں سے تنہا ایک لڑکی کو بازیاب کرالینا بدمعاشوں کی موجودگی میں بہت بڑی بات تھی۔ محلے کے لوگ اور جس جس نے بھی سنا وہ عش عش کر اٹھا تھا۔ اس کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔ محلے کے لوگ جو بہت خوش ہوئے تھے اس بات نے شیر سنگھ کو اور تپا دیا تھا۔

شیر سنگھ کئی بار اس لڑکی کو چھیڑ چکا تھا اور ہر بار اس لڑکی نے اسے کئی بار بہت بری طرح دھتکار دیا تھا۔ یہ اس کے لئے ذلت کی بات تھی۔ جب وہ کسی چیز کو ایک بار حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیتا تھا تو اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک اسے حاصل نہ کرلے۔ اس نے کبھی بھی کسی بھی معاملے میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس بات کو کیسے برداشت کرتا کہ ایک اسکول ماسٹر کی بیٹی جس کی اوقات ہی کیا ہے وہ اسے خاطر میں نہ لائے۔ جب وہ سیدھے سادے طریقے سے لڑکی کو زیر نہ کرسکا تو اس نے یہ شرمناک طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کچھ لڑکیاں ایسی تھیں جو نوٹوں کی جھلک پر بہک جاتی تھیں۔ اس نے اس لڑکی کو ایک اسکول ماسٹر کی بیٹی سمجھ کر نوٹوں اور زیورات کی جھلک بھی دکھائی تھی۔ لیکن اس لڑکی کے بارے میں شیر سنگھ کے

سارے اندازے غلط ثابت ہوئے تھے...... شیر سنگھ کے ہاتھوں اغواء کی ہوئی لڑکی کا مستقبل کیا ہوتا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ شیر سنگھ سے اس واقعہ پر لڑ پڑتا۔ اگر سورما نہ ہوتا تو ایک اور معصوم لڑکی تباہ ہو جاتی۔ اس طرح اس نے محلے کی اور لڑکیوں کو تحفظ فراہم کر دیا تھا۔ ایسا تحفظ جو کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا۔ صرف سورما نے تنہا انجام دیا تھا۔

سورما کے اس کارنامے نے محلے کے ان شرفاء کی زبان کھول دی جواب تک خاموش بیٹھے تھے۔ شیر سنگھ سے اس لئے خوف کھاتے تھے کہ کہیں وہ کسی دن ان کے گریبان اور گھر کی عورتوں پر ہاتھ نہ ڈال دے۔ اب وہ سورما کی وجہ سے شیر ہو گئے تھے۔ آٹھ دس لوگوں کا ایک وفد اس وقت تھانے پہنچا اور سب نے یک زبان ہو کر شیر سنگھ کے خلاف بیان دیا۔

اس وقت تھانے میں ایک افسر موجود تھا۔ اگر ایک دو آدمی شیر سنگھ کے خلاف بیان دینے جاتے تو وہ انہیں الٹا ڈرا دھمکا کر بھگا دیتا۔ لیکن اس وقت دس افراد کا وفد موجود تھا اور یہ سب محلے کے شرفاء میں سے تھے۔ اس نے محلے والوں کو دکھانے کی خاطر باقاعدہ لکھا پڑھی کی اور پھر اس نے شیر سنگھ کو گرفتار بھی کر لیا۔ شیر سنگھ کی گرفتاری سے وفد مطمئن ہو کر چلا آیا۔

لیکن اس پولیس افسر نے شیر سنگھ سے کچھ لے دے کر اسے چھوڑ دیا۔ یوں بھی شیر سنگھ اسے نوازتا رہتا تھا۔ شیر سنگھ حوالات کے بجائے اس افسر کے کمرے میں بیٹھا، لیٹا اور کھاتا پیتا رہا اور اس سے سودے بازی کرتا رہا تھا۔ بعد میں کیا ہوا کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ بہر حال چوں کہ شیر سنگھ کے خلاف پہلی بار کسی نے خم ٹھونکنے کی جرأت کی تھی اس لئے اس واقعے کی اطلاع کسی حادثے کی طرح جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور ساتھ ساتھ سورما کے نام کا بھی چرچا ہونے لگا۔

لیکن لوگوں کا خیال یہ تھا کہ شیر سنگھ یہ ذلت آمیز شکست اور توہین کسی صورت میں برداشت نہیں کرے گا کیوں کہ اس نے آج تک اپنے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا۔ وہ جلد ہی سورما کے خلاف کوئی اقدام کرے گا۔ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک بدلہ نہ لے۔ کیوں کہ سورما نے اس کی ناک کاٹ دی تھی۔ دو ایک دن میں سورما کی لاش کسی ویرانے سے دستیاب ہو سکے گی۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ شیر سنگھ کی طرف سے کوئی فوری کارروائی نہیں کی گئی۔

کوئی پانچ روز تک رام چندر سرائے کے محلے میں امن رہا۔ اس عرصے میں شیر سنگھ کی شکل بھی بہت کم لوگوں کو نظر آئی۔ کیوں کہ وہ عام حالات میں ہمیشہ اپنے مکان کے باہر گلی میں تخت پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ ہر گزرنے والے کو اسے نمستے کرنا پڑتا تھا۔

محلے والوں کا خیال تھا کہ اب شیر سنگھ کے تمام کس بل نکل چکے ہیں اور اب اس میں اتنا تپڑ نہیں رہا کہ پھر سے بدمعاشی شروع کر دے۔ اس لئے اس نے شرم سے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ وہ اس قابل نہیں رہا ہے کہ اپنی شکل دکھا سکے۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ یہ محلّہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے اور کہیں اور سکونت اختیار کر لے گا۔ لیکن ان کا اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔

جس روز سورما اور شیر سنگھ کا آپس میں ٹکراؤ ہوا تھا اس کے ٹھیک چھ روز کے بعد نصف رات گزری تھی اور سارا محلّہ سویا پڑا تھا۔ اور ایک گہرا سناٹا طاری تھا۔ گلیاں سنسان اور ویران پڑی ہوئی تھیں...... شیر سنگھ اپنے دس بارہ آدمیوں کے ساتھ جو چاقوؤں اور چھروں سے مسلح تھے سورما کے مکان پر ٹوٹ پڑے۔ شیر سنگھ نے دشمن کی طرح بدلہ لینے کے لئے شب خون مارا تھا جو ایک طرح سے بزدلی اور کمینگی اور مردانگی کی توہین تھی۔ لیکن جنگ اور انتقام میں ہر بات جائز ہو جاتی ہے۔ کسی نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ شیر سنگھ جو بڑا بدمعاش بنتا ہے ایک شخص سے لڑنے کے لئے ایسی بزدلی دکھائے گا۔

گلی اور رات کے گہرے سناٹے میں شور وغل ہوا

تو محلے کے دوسرے افراد بھی اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ انہوں نے جو منظر دیکھا وہ بڑا دردناک اور نا قابل یقین تھا...... سورما کا باپ گلی کے درمیان خون میں لت پت تڑپ رہا ہے اور سورما بیک وقت اپنے باپ کی حفاظت بھی کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ دشمنوں کی سرکوبی کر رہا تھا۔ اس کا بایاں بازو زخمی نظر آیا تھا۔ لیکن اس کی پھرتی قابل دید تھی۔ تنہا اتنے بدمعاشوں سے ایسی بے جگری سے لڑنا آسان نہ تھا۔ جب تک دوسرے لوگ قریب پہنچتے اور بیچ بچاؤ کراتے سورما...... شیر سنگھ کے سات ساتھیوں کو زمین چٹا چکا تھا۔ وہ تڑپ رہے تھے۔

شیر سنگھ نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جائے وقوعہ سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اتنی دیر میں کچھ لوگ پولیس کو لے کر آ گئے چنانچہ شیر سنگھ نے چھرا پھینک دیا اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس کے باقی ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس نے رستم کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی تو سارا محلہ بول پڑا اور وہ دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ لہٰذا پولیس کو اسے چھوڑنا پڑا۔ محلے والوں نے فوراً ہی ایمبولینس منگوا کر اس کے باپ کو اسپتال لے جا کر داخل کرا دیا۔ اسے فوراً ہی طبی امداد فراہم کی گئی۔

اگر محلے والوں کو بیچ بچاؤ کرانے میں دیر ہو جاتی اور بر وقت پولیس نہ پہنچتی تو اس روز شیر سنگھ کی زندگی کا خاتمہ یقینی تھا اور اس کے دو ایک ساتھی بھی موت سے ہم کنار ہو جاتے۔ کیوں کہ سورما نے اپنے باپ کو لہولہان اور تڑپتے دیکھا تو اس پر خون سوار ہو گیا تھا۔ اس وقت اس کی حالت ایک زخمی شیر کی سی ہو گئی تھی۔ شاید وہ دشمن کے تمام آدمیوں کو جان سے ہی مار کر دم لیتا۔ اس روز محلے والوں نے دیکھا تھا کہ سورما واقعی سورما ہے۔

ایک بار پھر بات تھانہ کچہری تک جا پہنچی۔ شیر سنگھ جوڑ توڑ کا ماہر تھا اور اس نے پولیس کی چھوٹی سے لے کر بڑی بھیڑوں تک کو خرید کر رکھا ہوا تھا اور ناقص عدالتی نظام کے اسرار و رموز سے واقف تھا اور اس پر کتنے ہی مقدمات چل رہے تھے لیکن اس میں کسی ایک میں بھی سزا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ بری ہوتا چلا گیا تھا' لہٰذا اس کیس میں اس نے مال پھینکا اور صاف بچ نکلا لیکن وہ سورما سے ایسا دہشت زدہ ہوا تھا جیسے وہ کوئی عفریت ہو۔ اس نے یہ کیا کہ یہ محلہ چھوڑ کر دوسرے علاقے پہاڑ نگر میں منتقل ہو گیا۔ سورما نے اس کا مکان جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ شیر سنگھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سورما کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کراتا۔ شہر میں ایک اور مافیا شیر سنگھ کی دشمن تھی۔ محلے والوں نے پولیس کو یہ بیان دیا کہ یہ حرکت اس مافیا کی ہے۔ محلے کے لوگ کہنے لگے کہ وہ کتے کی طرح دم دبا کر بھاگ گیا اور اب کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

سورما کے زخم زیادہ گہرے نہیں تھے۔ اس لئے وہ علاج معالجے سے جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ مگر اس کے باپ کو صحت یاب ہونے میں بڑی دیر لگی۔ اسے کوئی بیس روز کے بعد رخصت ملی۔ اسپتال کے اخراجات سورما نے اس رقم سے ادا کئے جو شیر سنگھ کے کمرے سے آگ لگاتے وقت ملی تھی۔ اس کے باپ کو شیر سنگھ نے ہی زخمی کیا تھا اس لئے سورما کے نزدیک اسپتال کے اخراجات کی ذمے داری شیر سنگھ کی تھی۔

دوسری مرتبہ بری طرح ناکام ہونے اور ذلت خواری اٹھانے کے بعد شیر سنگھ دو ماہ تک اس طرح خاموش رہا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ لیکن وہ اس کی گھات میں تھا اور اپنے آدمیوں کو بھی لگا رکھا تھا۔ آخر ایک روز اس کا سامنا سورما سے ہو گیا۔ اس نے سورما کو راستے میں گھیر لیا۔ سورما کو تنہا دیکھ کر وہ اور شیر ہو گیا۔ شیر سنگھ کا خیال تھا کہ اب وہ اچھی طرح سے حساب بے باق کر لے گا اور چھٹی کا دودھ یاد دلا دے گا۔ لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ اسے ابھی تک رستم جیسے سورما کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ اسے اس مرتبہ بھی سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سورما نے

اس کی اور اس کے ساتھیوں کی ایسی درگت بنائی تھی کہ ان کا حشر نشر ہو گیا اور خوب مذاق اڑنے لگا۔ لیکن اس کے بعد شیر سنگھ خاموش نہیں بیٹھا۔ اس کا دماغ درست نہیں ہوا۔ اس نے سورما کے کانٹے کو راستے اور درمیان سے ہٹانے اور نکالنے کے لئے اپنے آدمیوں کے ذریعے اس پر متعدد قاتلانہ حملے کرائے۔ سورما بال بال بچ گیا۔ چوں کہ اسے بھگوان کی آشیرباد تھی اس لئے اس کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ الٹا شیر سنگھ کے بدمعاشوں کو ہی زخمی ہو کر میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ پے در پے حملے بھی سورما کے جسم پر خراش تک نہ ڈال سکے...... اب لوگ شیر سنگھ کو بزدل کے طعنے اس کے منہ پر دینے لگے اور اس کی جگ ہنسائی ہونے لگی۔

ایک روز لوگوں نے ایسی چونکا دینے والی خبر سنی کہ انہیں یقین نہیں آیا۔ شیر سنگھ نے سورما سے دوستی کر لی ہے۔ اس نے سورما کو رستم مان لیا ہے۔ اس نے سورما کے ساتھ ایک مندر میں دیوتا کے سامنے سوگند کھائی کہ وہ آئندہ دونوں دوستوں کی طرح ملیں گے۔ اب ان کی حیثیت دشمنوں جیسی نہیں ہوگی اور یہ کہ وہ کبھی سورما پر حملہ نہیں کرائے گا۔

لیکن یہ دھوکا اور فریب تو نہیں......؟ لیکن ایسی بات نہیں تھی کیوں کہ اس روز کے بعد سے سورما اور شیر سنگھ بازاروں میں کندھوں پر ہاتھ ڈالے گھومتے دیکھے گئے۔ ہوٹل میں کھانا بھی کھانے لگے تھے۔ تفریحی مقامات اور کوئی نئی فلم دیکھنے ایک دوسرے کے بغیر جاتے نہیں تھے۔ ایک دن بھی وہ نہ ملیں تو انہیں چین نہیں آتا۔

☆......☆......☆

سورما کے کردار اور اس کی شخصیت کا ایک پہلو اجاگر کر دینے کے بعد اب میں اس پراسرار واقعہ کی طرف آتا ہوں جو ستائیس اٹھائیس برس گزر جانے کے باوجود آج بھی میرے ذہن میں روز اول کی طرح محفوظ ہے۔ وقت بھی اسے فراموش نہ کرا سکا۔ واقعات کا شاہد ہر جگہ میں خود ہوں۔ اس لئے میری اس بات کا یقین نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

میرے محلے میں یوں تو سورما کو سب ہی جانتے تھے اور اسے رستم ثانی کا خطاب بھی دے چکے تھے۔ لیکن خاص طور پر میرا اور سورما کا تعلق بہت قریب تھا۔ اس لئے کہ میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں۔ بہت ہی اچھی طرح سے...... شیر سنگھ کو زیر کر لینے سے سورما کی دھاک شہر کے تمام چھوٹے بڑے، خطرناک اور پیشہ ور بدمعاشوں پر بیٹھ چکی تھی۔ سورما کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یقینی طور پر غلط راستوں پر چل پڑتا۔ اگر وہ چاہتا تو شہر کے تمام اڈوں سے ہر ہفتے بڑی آسانی سے بھتہ وصول کر کے ٹھاٹ سے مونچھوں پر تاؤ دے سکتا تھا جیسا کہ بڑے بدمعاش کرتے ہیں۔ راتوں رات دولت مند بن جانا اس کے لئے کچھ مشکل نہ ہوتا۔ غلط راستے سے بدمعاش دولت پیدا کر رہے تھے۔ دولت مند بننے کا یہ آسان اور شارٹ کٹ راستہ تھا لیکن چھوٹے بدمعاشوں کے لئے نہیں۔ ان بڑے بدمعاشوں کو چوں کہ کالی بھیڑوں کی سرپرستی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے انہیں دولت کے حصول میں کوئی دشواری اور مشکل پیش نہیں آتی۔ سورما نے بھولے سے بھی اس راستے پر چلنا پسند نہیں کیا۔

لیکن سورما کی شخصیت کا کردار بڑا مضبوط اور بلند واقع ہوا تھا۔ اس میں تکبر، غرور اور رعونت بالکل بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ باعزت زندگی گزار رہا تھا۔ اس کا پیشہ بھی باعزت تھا۔ اس نے خراد کے پیشے کو اپنایا ہوا تھا اور اس پر قناعت کرتا تھا۔ خراد مشین پر کام کرنے میں بڑی محنت اور جی داری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے کبھی عام قسم کے نوجوانوں کی طرح خواب نہیں دیکھے اور نہ ہی اونچی اڑان کا خیال کبھی بھولے سے دل میں لایا تھا۔ محلے کے چھوٹے بڑوں کی عزت اس طرح کرتا تھا جیسے یہ اس کی ذمے داری اور فرض ہو۔ کیا مجال جو اس نے کبھی محلے کی بہو بیٹیوں کی طرف نظر اٹھا

کر بھی دیکھا ہو۔ رات بہ رات پڑوس اور محلے میں کسی کو کوئی بھی ضرورت پیش آ جاتی وہ سیدھا سورما کے دروازے پر پہنچ جاتا اور کنڈی کھٹکھٹاتا اور سورما ماتھے پر کوئی شکن لائے بغیر اس کی دل جوئی اور مدد میں لگ جاتا۔ رستم ایک ایسا شخص تھا جس سے سب محبت کرتے تھے جو لوگوں کے لئے پیدا ہوا تھا اور اس نے انسانیت کی خدمت کو ایک مشن بنالیا تھا۔ وہ شریف النفس اور مضبوط کردار کا مالک تھا۔

اس وقت سورما کی عمر یہی کوئی ستائیس یا اٹھائیس برس کی ہوگی...... بے حد صحت مند اور خوب صورت نوجوان تھا۔ وہ سارے محلے کا محبوب تھا۔ میں محلے کی کئی ایک ایسی لڑکیوں سے واقف تھا۔ جو سورما کو دیکھ کران کے دل دھک سے رہ جاتے تھے اور اسے پانے کے خواب ان کی آنکھوں میں لہراتے تھے۔ جہاں سورما کے کام پر جانے کا وقت ہوتا وہ لڑکیاں دروازوں اور کھڑکیوں پر آ کھڑی ہوتیں اور جب تک سورما گلی کے نکڑ پر پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوجاتا وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہتیں۔ اکثر لڑکیاں اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آوازیں بھی کس دیا کرتی تھیں۔ وہ جیسے بہرا بن جاتا۔ کوئی کوئی لڑکی اس کی راہ میں آتی تو وہ کنی کترا جاتا۔ لیکن سورما نے کبھی کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائی وہ ایسے سے نظریں نیچی کئے خاموشی سے گزر جاتا۔

میں سورما سے زیادہ اس کے باپ سے بے تکلف تھا اور ہماری دوستی کی جڑیں گہری ہوتی جارہی تھیں۔ عورتوں کی آمدورفت ہونے لگی۔ کوئی اچھا کھانا پکتا تو بھیج دیا جاتا۔ اس لئے ایک روز میں نے موقع پا کر سورما کے باپ سے پوچھ لیا۔

''بھائی صاحب......! آپ سورما کی شادی کیوں نہیں کردیتے؟ بہو آ جائے گی تو گھر سنبھال لے گی اور آپ لوگوں کو بھی آرام ہو جائے گا۔ بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے۔ آخر انہیں بھی آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

''میں کئی بار اس مسئلے پر اپنی زبان کھول چکا ہوں......'' سورما کے باپ نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''وہ میرے سامنے سر جھکا کر چپ ہوجاتا ہے...... لیکن بعد میں ماں سے شادی کے سلسلے میں انکار کردیتا ہے۔''

''وہ کیوں......؟'' میں نے متعجب لہجے میں پوچھا۔ ''کیا اس نے تمام زندگی کنوارا رہنے کی قسم کھا رکھی ہے...... یا پھر کوئی لڑکی اسے پسند ہے اور وہ آپ لوگوں کو پسند نہیں ہے۔''

''نہیں...... نہیں...... یہ بات نہیں......'' سورما کے باپ نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا۔ ''دراصل لڑکپن ہے ابھی...... کہتا ہے کہ شادی کرلوں گا تو صحت تباہ ہوجائے گی۔ اس کا ستیاناس ہوجائے گا۔''

سورما کے باپ کی اس بات پر مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ میں ہنسنے لگا تو وہ بھی ہنسنے لگا۔ کچھ عجیب اور بے تکی سی بات تھی...... نہ جانے کس نے یہ خیال اس کے ذہن میں بٹھا دیا تھا کہ شادی کرنے سے صحت متاثر ہوجاتی ہے۔ جس نے بھی کہی وہ کوئی احمق ہی ہوگا۔ ہم دونوں دیر تک سورما کی ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نے غیر محسوس انداز سے کرید کرید کر اور گھوما پھرا کے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آخر سورما شادی کے نام پر کیوں بدکتا ہے؟ لیکن اس کی معقول وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ میں نے پھر کبھی اس موضوع پر اس کے باپ سے کوئی بات نہیں کی نہ چھان بین کی کوشش کی۔ کیوں کہ اس سے کچھ حاصل نہ تھا اور پھر میرے زیادہ پوچھنے پر سورما کا باپ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں سورما کی ذات میں اپنی لڑکی کی وجہ سے دل چسپی لے رہا ہوں۔ لڑکی کا باپ ہونا بھی اس دور میں بڑے ستم کی اور بے حد نازک تھی۔ اس لئے میں بڑا محتاط رہتا تھا۔

سورما اور اس کے والدین کو ہمارے محلے میں آباد ہوئے کوئی دو برس بیت چکے تھے۔ شیر سنگھ اور شہر کے

دیگر بدمعاش شروع شروع میں اسے رستم ثانی اور کام کا آدمی سمجھ کر برابر حاضری دیتے رہے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ سورما اپنا کوئی گروہ بنائے گا اور مافیا بن جائے۔ جوئے کے بڑے بڑے اڈے بنائے گا۔ شراب کی بھٹیاں ہر محلے میں ہوں گی۔ شہر کی حسین اور نوجوان لڑکیوں کو دن دیہاڑے اٹھا کر لایا جا سکے گا۔ عشرت کدے بھی ہوں گے۔ روزانہ ہزاروں کی پیدا ہوگی...... لیکن یہ سب کچھ نہ ہوا۔ ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور وہ ان کی توقعات کے برعکس شریف النفس اور مضبوط کردار کا نوجوان ہی رہا۔ اس نے اپنی دھاک اور طاقت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ شیر سنگھ نے اس سے کئی بار کہا تھا۔ ورغلایا تھا کہ دولت تمہارے ہاتھ کا میل ہے۔ ڈکیتی کی وارداتوں سے اور تاوان کی وصولی سے روزانہ لاکھوں کما سکتے ہیں۔ شہر سے بہت دور کسی مضافات میں ایک عشرت کدہ بنا کر شہر کی حسین سے حسین ترین لڑکیوں اور عورتوں سے سجا کر سہاگ راتیں جیسی راتیں گزار سکتے ہیں۔

سورما نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ......

''اگر وہ اس قماش کا آدمی ہوتا تو وہ یہ کام کرتا اور محنت مزدوری کی روٹی نہیں کھاتا۔ نہ میں یہ کام کبھی بھولے سے بھی کروں گا اور نہ ہی کسی کو کرنے کی اجازت دوں گا۔ مجھے اکسانے کی ضرورت نہیں...... میں بدکار آدمی نہیں ہوں۔ کیا تمہیں اب تک میرے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کیا ہوں اور کیسا شخص ہوں اور اگر اب بھی تم مجھے جان اور پہچان نہ سکے ہو تو مجھے بڑی حیرت ہی نہیں بلکہ دکھ اور افسوس بھی ہے۔'' اس کا یہ جواب سن کر نہ صرف شیر سنگھ بلکہ اس کے دوسرے ساتھی بھی جو رستم زمان' بہادر خان اور نہ جانے کیا کیا خطابات سے نوازتے تھے ایک ایک کر کے دور ہوتے گئے۔ مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس نے غلط راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنی شرافت کو برقرار رکھا۔ ورنہ کون ایسا نوجوان ہے اس عمر میں شباب اور دولت سے دور رہنا چاہے گا جب کہ اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو۔ اس کے روز مرہ کے معمول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے مضبوط کردار نے اس کے باپ کا بھی سر فخر سے بلند رکھا تھا۔

شام کے وقت میں اور سورما کے والد باہر گلی میں بچھے تخت پر بیٹھ کر وقت گزاری کیا کرتے تھے۔ سورما کام سے واپس لوٹتا تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے بڑے ادب سے مجھے سلام کرتا تھا اور میں اسے ہمیشہ دل سے دعائیں دیتا تھا اور بھگوان سے پرارتھنا کرتا۔ لیکن ایک روز سورما واپس لوٹا تو مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ کچھ پریشان تھا۔ اس روز اس کے چہرے پر بشاشت نہیں تھی جو میں دو برس سے برابر دیکھتا آ رہا تھا۔ وہ کچھ بجھا بجھا سا نظر آیا تھا۔ میں نے اسے تھکا ہوا محسوس کیا اور کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ لیکن میں نے جو بات محسوس کی وہی بات سورما کے باپ نے بھی محسوس کی تھی۔ کچھ دیر تک ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر سورما کے باپ نے سورما کو آواز دی۔ وہ چند لمحوں کے بعد باہر آ گیا۔ سورما کے باپ نے اسے بہ غور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے بیٹے......؟ خیریت تو ہے نا......؟ تم آج کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو؟''

''مجھے نہیں معلوم......'' سورما نے بڑے الجھے ہوئے انداز میں بے پرواہی سے جواب دیا۔

اس انداز پر سورما کے باپ کو غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''ابے او...... سیدھی طرح بتاتا کیوں نہیں...... بتا کہ اصل معاملہ کیا ہے......؟ کیا کسی سے دنگا فساد کر کے آیا ہے؟''

جواب میں سورما نے باپ کو گھورا اور پھر کوئی بات کئے بغیر تیزی سے اندر گھس گیا...... سورما کا یہ طرز عمل میرے علاوہ اس کے باپ کے لئے بھی خلاف توقع تھا۔ اس لئے وہ مجھے رکنے کے لئے کہہ کر اندر چلا گیا۔ بیس منٹ کے بعد باہر آیا تو اس کے چہرے پر بھی

جھنجلاہٹ طاری تھی اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''خیریت تو ہے بھائی صاحب......!'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔ ''آپ بھی کچھ پریشان پریشان سے دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں سورما نے آپ سے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی......''

''کیا بتاؤں بھائی......؟'' سورما کا باپ تخت پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''یہ عورتیں واقعی بڑی ناقص العقل ہوتی ہیں۔

''کیا بھابھی نے کچھ کہہ دیا آپ سے......؟''

''ان عورتوں نے اس کے متعلق الٹے سیدھے قصے اور مبالغہ آمیزی کی کہانیاں مشہور کر کے آج کل کے لڑکے کو بزدل بنا دیا ہے۔''

سورما کے باپ نے کہا۔ ''وہم کا علاج سنا ہے کہ مسلمانوں کے حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا اور نہ آج کسی طب میں موجود ہے۔''

''آپ کہتے ہیں تو مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔'' پھر میں نے اس سے دوسرا سوال کیا۔ ''آخر معاملہ کیا ہے؟''

''اجی...... کیا خاک معاملہ ہے......'' سورما کے باپ نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''آج جب سورما کام پر جا رہا تھا تو بڑے چوراہے پر کچھ غلاظت پڑی تھی...... اس وقت تو وہ اسے پھلانگ گیا تھا اور اب بیٹھا زنخوں جیسی بات کر رہا ہے...... کہتا ہے کہ سویرے سے جی الٹ رہا ہے اور برے برے خیال آ رہے ہیں جو اسے ڈسے جا رہے ہیں۔''

''کس قسم کی غلاظت تھی چوراہے پر......؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا اس نے بتایا ہے؟''

''اجی...... غلاظت کیسی...... ؟ کسی نے تازہ گیندے کے پھول اور انڈے لا کر ڈال دیئے تھے وہاں پر......'' سورما کا باپ منہ بنا کر بولا۔ ''مجھے تو یہ حرکت کسی پنڈت یا پجاری کی معلوم ہوتی ہے...... لیکن سورما کی ماں کہتی ہے کہ وہ کوئی جادو ٹونا تھا، ستیاناس...... عورتوں کو تو اس سے آگے کچھ سوجھتا بھی نہیں ہے۔''

''بھگوان کرے ایسا ہی ہو بھائی صاحب......! مگر بہتر ہے کہ آپ سورما کو کسی پنڈت یا محلے کی مسجد کے امام صاحب سے پھونک والیں۔'' میں نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا۔ ''لکشمی کی بیٹی کو اس کی ماں نے مسجد کے پیش امام سے پھنکوایا تھا...... یہ بات آپ نے مجھے بتائی تھی۔ اس کا آسیب اتر گیا تھا۔ آپ بھول تو نہیں گئے؟''

سورما کا باپ چونک گیا۔ اس نے مجھے متعجب خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تو کیا آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ...... پھول اور انڈے جادو ٹونا کے تھے؟''

''مجھے تو کبھی بھی ان باتوں پر یقین نہیں رہا اور نہ اعتقاد...... لیکن اپنے بزرگوں سے یہی سن رکھا ہے کہ چوراہے پر پڑی ہوئی ایسی چیزوں کو کبھی بھی پھلانگنا نہیں چاہئے...... کیونکہ اتارا ہوا جادو اس شخص پر لوٹ آتا ہے جو اسے پھلانگ جائے...... دشمنوں کے ہاں ایسے جادو ٹونے برابر ہوتے رہتے ہیں...... لکشمی کی بیٹی پر جو آسیب تھا اس لڑکے کی ماں نے ایک سفلی والے سے کرایا تھا جسے لکشمی نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔''

''آپ ان بے سروپا باتوں کو رہنے دیں۔'' سورما کے باپ نے تیزی سے میری بات کاٹی۔ ''سننے کو تو میں نے بھی ہزاروں قصے اور کہانیاں سنی ہیں...... ان کا توڑ تعویذ گنڈے...... لیکن یہ سب بیکار باتیں ہیں اور ان کا کوئی ثبوت بھی نہیں۔ یہ سب بکواس ہے۔ آپ کو ان باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔''

میں نے سورما کے باپ کے تیور اور موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بڑی خوب صورتی سے بات ٹال دی اور دوسری باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میرا دل رہ رہ کر سورما کی طرف سے پریشان ہو رہا تھا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں سورما کو اس وقت کسی پنڈت یا عامل کے پاس لے جا کر جھاڑ پھونک کروا دیتا۔

مسجد کے پیش امام بھی جھاڑ پھونک کرتے تھے اور بہت ساری قوم کے لوگ ان کے پاس جاتے تھے۔ جادوٹونے پر انسان کا اعتماد ہونا یا نہ ہونا علیحدہ بات ہے لیکن احتیاط کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔ اس میں فائدہ نہیں تو نقصان بھی نہیں ہے۔

بہر حال میں چاہنے کے باوجود سورما کے سلسلے میں کچھ نہ کرسکا اور کچھ دیر بعد اٹھ کر گھر چلا آیا۔ میں نے گھر جا کر بیوی سے تذکرہ کیا تو اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا کہ...... ''بھگوان نہ کرے جو وہ منحوس پھول اور انڈے کسی جادوٹونے کا اتار ہوں اور بے چارے سورما پر کوئی ناگہانی آفت پڑ جائے...... لیکن بھائی صاحب کو چاہئے کہ کسی پنڈت یا مولوی صاحب سے مشورہ کر لیتے۔ اس میں کوئی حرج یا نقصان نہیں لیکن شاید کوئی فائدہ ہو جاتا۔''

رات کافی دیر تک میں اور بیوی سورما کے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر میں نے دوسری کروٹ لی اور سونے کے ارادے سے آنکھیں بند کرلیں۔ ذہن پر اس وقت صرف سورما تھا۔ کبھی میرے اعصاب پر کوئی شخص ایسا چھایا نہیں تھا۔ میں کچھ دیر بعد دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گیا۔ گہری نیند میں غرق تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ کسی نے میرے بازو کو تھام کر زور زور سے ہلانا شروع کیا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ میری بیوی کو چوں کہ نیند نہیں آ رہی ہے اس لئے وہ مجھے جگا رہی ہے اور ایسا کئی بار ہو چکا تھا اور میں اس بات کا برا نہیں مانتا تھا۔ میں نیند سے ہڑ بڑا کے جاگا تو دیکھا کہ میری بیوی اور بیٹی کمرے میں قریب موجود ہیں۔ ماں بیٹی کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے ہیں اور دونوں متوحش اور پریشان بھی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کیا مصیبت آ پڑی ہے جو مجھے جگادیا؟ اور تم دونوں کیوں خوف زدہ اور پریشان ہو رہی ہو؟''

اس سے پہلے کہ بیوی میری بات کا جواب دیتی...... ایک دل دوز چیخ کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی کسی کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اس چیخ نے مجھے دہلا کر رکھ دیا۔ اگر میں مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔ دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر بستر سے نیچے آیا۔

''یہ کس کی آواز ہے......؟'' میں نے حیرت اور خوف بھرے لہجے میں جلدی سے پوچھا۔ ''جلدی سے بتاؤ کیا گڑبڑ ہے؟''

''سورما کی......'' بیوی نے بہ مشکل اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ''بڑی دیر سے سورما کی چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی ہیں اور سارا محلّہ گلی میں جمع ہے۔''

''سورما......؟'' میں نے بے چین و مضطرب ہو کر کہا۔ ''کیا ہوا سورما کو......؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی بدمعاش نیند کی حالت میں اسے زخمی کر کے بھاگ گیا ہو۔ وہ درد اور تکلیف سے تڑپ رہا ہو؟''

''مجھے کیا خبر کہ وہ غریب کس مصیبت میں مبتلا ہے...... ذرا آپ باہر نکل کر معلوم تو کریں کہ اس پر کیا افتاد نازل ہوئی ہے اور آخر معاملہ کیا ہے۔'' بیوی نے تنک کر کہا۔ ''آپ مجھ سے کیوں سوالات کر رہے ہیں۔ اس کی چیخیں سنی نہیں جا رہی ہیں۔''

میں نے سلیپر پاؤں میں ڈالے اور جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تو دیکھا کہ محلے کے بہت سارے افراد سورما کے گھر کے آگے اکٹھا ہیں۔ میں گھبرایا ہوا ان کی طرف تیزی سے بڑھ گیا۔ باہر بیٹھک میں بھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ سورما کا باپ دونوں ہاتھوں سے سورما کو جکڑے بیٹھا تھا...... سورما تھا کہ پچھاڑیں کھا کھا کر اور تڑپ تڑپ کر خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جن میں سے بڑی خوف ناک وحشت جھانک رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی شیطان جھانک رہا ہو۔ چہرے پر خفگی اور ناگواری کے تاثرات موجود تھے اور اس کا چہرہ سورما کا چہرہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔

میں سورما کو اس کیفیت سے دو چار دیکھ کر دنگ رہ گیا...... وہ سورما جس نے کبھی اپنے باپ سے آنکھیں بھی چار نہیں کی تھیں اس وقت وہ اپنے باپ سے زور آزمائی کر رہا تھا اور دوسرے لوگوں کو آنکھیں پھاڑے یوں گھور رہا تھا جیسے وہ سب کو کچا چبا ڈالنا چاہتا ہو۔ اس نے وہاں کھڑے لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ اسے حیرت سے بھی دیکھے جا رہے تھے۔

اس بوکھلاہٹ میں اس کی کیفیت کی پروانہ کرتے ہوئے میں نے اس کے پاس جا کر نرم آواز میں پوچھا۔

''سورما بیٹا......! کیا بات ہے ذرا مجھے بھی بتاؤ...... کس نے تمہیں پریشان کیا ہے؟''

''تم ...... تم...... تم کون......؟'' اس نے بڑے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تم کس لئے آئے ہو یہاں! دفع ہو جاؤ۔''

سورما نے مجھے غضب ناک نگاہوں سے گھورا تو اس کا چہرہ چقندر کی طرح ہو گیا۔ پھر خود کو باپ کی گرفت سے آزاد کرانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ جب وہ کامیاب نہ ہو سکا تو کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔

''تم ہنومان کی گندی آتما ہو...... جو منش کا روپ دھا کر مجھے ڈرانے آئے ہو...... بھاگ جاؤ یہاں سے...... سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں......؟ کیا تم سب بہرے ہو گئے ہو...... اندھے ہو...... اگر تم لوگ بھاگے نہیں تو میں ہر ایک کو بھسم کر کے رکھ دوں گا...... راہی کا پریم...... میری آتما کی آشا ہے...... تم میری آشا کو نہیں چھین سکتے......''

میں نے سورما کی یکسر بدلی ہوئی آواز سنی تو دل دھڑکنے لگا۔ وہ بڑی روانی کے ساتھ کسی لیکچرر کی طرح بول رہا تھا۔ جس پر کوئی آسیب آ جاتا اور وہ بولتا تو اس کی آواز یکسر بدل جاتی تھی۔ میں نے لکشمی کی بیٹی کی آواز بھی سنی تھی اور ماموں زاد بھائی کی آواز بھی جب ان پر آسیب آیا تھا...... مجھے شام کی باتیں ایک ایک کر کے یاد آ ئیں۔ مجھے یقین آ گیا کہ سورما کی موجودہ حالت چورا ہے کے ان ہی پھولوں اور انڈوں کا نتیجہ ہے جنہیں اس نے صبح پھلانگا تھا...... اب اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ سب کچھ کسی جادو ٹونے کا معاملہ تھا جو اب سورما کے اوپر آ چکا تھا۔

ابھی میں ان باتوں پر غور کر ہی رہا تھا کہ سورما کے باپ کی گلوگیر آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ سورما سے کہہ رہا تھا۔

''سورما......! سورما......! میرے بچے...... یہ تجھے کیا ہو گیا ہے...... تو میری طرف دیکھ میرے بیٹے...... میں تیرا باپ ہوں...... کیا تو اپنے باپ کو بھی نہیں پہچانتا......''

''کون یہ بک بک کر رہا ہے......؟ تو کس کا باپ ہے......؟ میں تیری طرف کیوں دیکھوں......؟'' وہ دہاڑا۔

''میں تیرا باپ ہوں...... تو مجھے ذرا غور سے دیکھ...... تو اپنے باپ کو بھول گیا؟'' وہ گڑگڑایا۔

''تو ...... تو ...... میرا اپنا نہیں...... بلکہ راکشش ہے...... تم سب ہی راکشش ہو...... تم نے راکھی کو مجھ سے دور کر دیا...... چھوڑ دے مجھے اپرادھی...... کیا تو سن نہیں رہا ہے......؟ سنا نہیں۔''

سورما نے خود کو ایک بار پھر آزاد کرانے کی کوشش شروع کر دی تھی...... سورما کے بوڑھے باپ میں اتنی طاقت کہاں تھی جو اسے دیر تک قابو میں رکھ سکے۔ آسیب زدہ شخص پر ایک جنون سا ہوتا ہے اور تب اس میں بلا کی طاقت آ جاتی ہے۔ اس کی یہ جدوجہد دیکھ کر دو چار آدمیوں نے اسے پکڑ لیا...... باقی لوگ حیران و پریشان کھڑے سوچ رہے تھے کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ وہ جتنا سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے اور آپس میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے اتنا ہی الجھتے جا رہے تھے۔

سورما کا باپ رہ رہ کر بھگوان سے اپنے بچے کی بھلائی کی دعائیں مانگ رہا تھا...... اندر سے بھابھی یعنی سورما کی ماں کے رونے کی دلدوز آواز آ رہی تھی جو سمع

خراشی کر رہی تھی...... چند ثانیے تک میں گنگ سا کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا...... دل بہت خراب ہونے لگا تو پھر گھر آ کر میں نے اپنی بیٹی اور بیوی کو سورما کی ماں کی خبر گیری کے لئے روانہ کیا اور خود مکان کو تالا لگا کر دوڑا دوڑا مسجد کی سمت گیا۔ میرے نزدیک سورما کے علاج کے لئے مسجد کے پیش امام سے بہتر اور قابل آدمی کوئی نہیں تھا۔ ان کے نزدیک ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ اس وقت وہ تہجد کی نماز میں مصروف تھے۔ پھر پیش امام صاحب کو معاملے کی نوعیت بتائی۔ وہ چوں کہ بڑے مخلص تھے اس لئے مجھے ان کی منت سماجت نہیں کرنی پڑی وہ میرے ساتھ چل دیئے۔ وہ فوری تعویذ کرنے کے معاملے میں خاصے مشہور تھے اور جن بھوت اتارنے کا کام بھی کرتے تھے۔ لکشمی کی بیٹی کے علاوہ ایک شادی شدہ عورت اور دو جوان لڑکیوں پر آسیب سوار تھا اسے فوراً بھگا دیا تھا جس سے ان کی شہرت اور عزت میں بڑا اضافہ ہوا تھا۔ میں نے انہیں راستے میں مزید تفصیلات سے آگاہ کیا۔ وہ خود سورما کو اس لئے بہت پسند کرتے تھے کہ سورما نے محلے والوں کو شیر سنگھ جیسے خطرناک بدمعاش سے نجات دلائی۔ انہوں نے مجھے دلاسا دیا کہ میں زیادہ پریشان اور فکرمند نہ ہوں۔

پیش امام صاحب کے آتے ہی لوگوں کے چہروں پر زندگی کے تاثرات ابھر آئے اور وہ خوش ہو گئے تھے...... یکے بعد دیگرے وہ ہٹتے اور راستا دیتے گئے۔ پیش امام صاحب اپنا چغہ سنبھالے آگے بڑھتے رہے...... سورما کے باپ کی چیخ و پکار اب بھی فضا میں گونج رہی تھی اور اندر سے اس کی ماں کی آہ و بکا بھی سنائی دے رہی تھی۔

پیش امام صاحب نے اپنی رفتار تیز کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا جہاں سورما دو تین لوگوں کے مضبوط شکنجے میں پھنسا، ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر خود کو آزاد کرانے کی زبردست جدوجہد کر رہا تھا۔ اس جدوجہد نے اسے پسینے میں نہلا دیا تھا۔

کمرے میں موجود افراد نے پیش امام صاحب کو دیکھا تو انہیں آداب و سلام کر کے احتراماً جھک گئے۔ لیکن سورما چیخنا چلانا چھوڑ کر پیش امام کو گھورنے لگا۔ اس کے تیور بے حد خراب اور خطرناک نظر آ رہے تھے۔ آنکھیں اس قدر لال ہو رہی تھیں۔ جیسے دو دہکتے ہوئے انگارے جڑ دیئے گئے ہوں۔ وہ دونوں ہاتھوں کو بار بار بڑی سختی سے بھینچ رہا تھا۔

پیش امام صاحب کچھ دیر تک سورما سے نگاہیں چار کئے کچھ پڑھتے رہے۔ پھر انہوں نے بڑے دبنگ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''کون ہے تو......؟'' پیش امام صاحب کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونجی۔

''وشوا ناتھ......'' سورما نے بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو مولوی جی......! تمہیں کس نے کہا کہ یہاں آنے کی زحمت کرنے کے لئے......؟ تمہیں کون بلا کر لایا ہے یہاں؟''

''تو یہ بتا کہ...... اس غریب اور شریف جوان کو پریشان کیوں کر رہا ہے......؟'' پیش امام صاحب نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دوسرا سوال کیا۔ ''اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟''

''اس نے میری آتما بے کل کی ہے...... اسے میرے آڑے نہیں آنا چاہئے تھا۔'' سورما نے خون خوار لہجے میں جواب دیا۔

''پر تو اسے اب چھوڑ دے...... جا چلا جا...... سمجھا...... میں کیا کہہ رہا ہوں......؟'' اس بار پیش امام صاحب نے کرخت لہجے میں کہا۔ انہوں نے سورما کو مخاطب کیا تھا۔

''اسے چھوڑ دوں......'' وہ بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا اور چند لمحوں تک مسلسل اس طرح سے ہنستا رہا جیسے وہ مذاق اڑا رہا ہو۔ تمسخر کر رہا ہو۔ پھر وہ کہنے لگا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو مولوی جی......؟ کیا میں اس سے بلیدان لئے بغیر

چھوڑ دوں گا......؟ ہرگز نہیں...... مولوی اپنا کام کر...... میرے راستے میں نہ آ...... تو مجھے نہیں جانتا...... مجھے اجودھیا رامے پنڈت نے بھیجا ہے...... میرا نام وشوا ناتھ ہے جا...... جا...... اپنا کام کر......"

سورما کے اس انداز تخاطب اور گفتگو پر پیش امام صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اس نے ان کی توہین کی تھی...... گستاخی کی تھی ان کی شان میں جو نا قابل برداشت تھی۔

"گستاخ......!" پیش امام صاحب گرج کر کہنے لگے۔ "میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو ابھی اور اسی وقت سورما کا پیچھا چھوڑ دے...... نہیں تو میں تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا...... تو جاتا ہے کہ نہیں۔ بول......"

"میاں جی......!" وہ ایک دم سے نرم پڑ کر بڑی عاجزی سے بولا۔ "میں ہاری آ گیا کی پالن کر سکتا ہوں...... پرنتو اس کے لئے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا...... میاں جی......! یہ حکم نہیں بلکہ ایک درخواست ہے۔"

"وہ کیا......؟" پیش امام صاحب نے پوچھا۔ بدستور ان کا لہجہ کرخت تھا۔ وہ نرم نہیں پڑے۔ "جلدی سے بتا۔ بات کیا ہے؟"

"تمہیں مجھے راکھی کے خون سے اشنان دینا ہوگا۔" سورما نے بدلی ہوئی آواز میں بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مودب انداز سے کہا۔ "اس کے پوتر خون سے میری آتما شانت ہو جائے گی...... ایسا کر سکو گے؟"

"یہ راکھی کون ہے......؟" پیش امام صاحب نے قدرے الجھ کے تیوریوں پر بل ڈال کر سپاٹ اور بے حد سرد لہجے میں پوچھا۔

"وہ کون ہے......؟ کہاں رہتی ہے......؟ میں اسے بالکل بھی نہیں جانتا۔"

"راکھی...... میرے من مندر کی رانی ہے...... میری آشا...... میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی میرے سمان میں امر ہو جائے...... اس کا کیول ایک ہی اوپائے ہے...... تم اسے مار کر میری اچھا (خواہش) پوری کر دو...... پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا...... پھر کبھی اسے تنگ اور پریشان نہیں کروں گا۔"

"کیا تم مجھے راکھی کا پتا بتا سکتے ہو......؟" پیش امام صاحب نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں میاں جی......؟ پرنتو تمہیں اپنے دھرم، آتماؤں کی سوگند کھا کر مجھے وچن دینا ہوگا کہ تم میرے ساتھ دھوکا نہیں کرو گے...... اور کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ میری اس بات کو معمولی نہ سمجھنا میاں جی......"

"کیا تو اس کے بغیر سورما کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا......؟" پیش امام صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں...... ہرگز نہیں...... بالکل نہیں......" اس نے تکرار کے انداز میں جواب دیا۔ "ایسی بات تم دل سے نکال دو...... ایسا بھول کر بھی نہیں سوچنا...... کیوں کہ یہ سچے اور انوکھے پریم کا معاملہ ہے۔"

"سیدھی طرح راہ راست پر آ جا......" پیش امام صاحب نے کڑک کر کہا۔ "ورنہ میں تجھے ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ تو ساری زندگی نہیں بھول سکتا...... شرافت سے اپنی حرکتوں سے باز آ جا...... تو اپنے آپ کو آخر سمجھتا کیا ہے؟"

"مولوی جی......! میں کہتا ہوں کہ تم مجھے دھمکیاں نہ دو۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولا۔ "تم جس طرح آئے اسی طرح واپس چلے جاؤ...... کیوں اپنا ایمان خراب کرنا چاہتے ہو...... میں تم سے نرمی سے پیش آ رہا ہوں تو تم پھیلتے جا رہے ہو۔"

اس بار پیش امام صاحب کسی قدر ٹھٹکے اور انہوں نے سورما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نرم لہجے میں کہا۔

"وشوا ناتھ......! تجھے جہاں کے لئے بھیجا گیا ہے وہاں چلا جا...... سورما کو چھوڑ دے۔ اپنا راستہ لے لے...... کیوں کہ ہمیں تجھ سے کوئی بیر نہیں...... میں نہیں چاہتا کہ تجھے کوئی نقصان پہنچاؤں...... کیوں کہ تو اپنی محبت

اور من کا پجاری ہے...... میں محبت کرنے والوں کی بڑی عزت اور قدر کرتا ہوں۔''

''اب میں کہیں نہیں جا سکتا مولوی جی......! کیوں کہ اس نے میرے راستے میں آ کر مجھے بلا لیا ہے۔'' اس نے بڑے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''میں تو ایک سندر ناری کے پاس جا رہا تھا۔''

''سندر ناری کے پاس......؟'' پیش امام کے لہجے میں قدرے تجسس تھا۔ پھر انہوں نے اشتیاق آمیز لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا تو بتا سکتا ہے کہ وہ کون ہے......؟ تیری کیا لگتی ہے؟''

''وہ یہیں رہتی ہے...... بہتر ہے......'' اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بتایا۔ ''کچھ لگتی ہی ہوگی......''

پیش امام صاحب نے قدرے تعجب سے پوچھا۔ ''اس کا نام کیا ہے......؟ کہیں یہ سندر ناری راکھی تو نہیں؟''

''نہیں...... اس کا نام راکھی نہیں ہے...... میں تمہیں اس کا نام کیوں بتاؤں۔'' سورما نے بے پروائی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''تم کون ہوتے ہو اس کا نام پوچھنے والے......''

''بہتر ہے...... تو نہ بتا...... مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کا نام کیا ہے......؟'' پیش امام صاحب کے لہجے میں ابھی بھی تعجب سا تھا۔ ''اچھا یہ بتا کہ...... تجھے کس نے بھیجا ہے؟''

''ایک یوک (نوجوان) نے جو اس سندر ناری کا بیری سمجھا جاتا ہے اور اس کے من میں اپنے پریم کی جوت جگانا چاہتا ہے یا پھر اس سے انتقام لینا چاہتا ہے۔'' سورما نے جواب دیا۔

''اچھا چل...... اس بیری کا نام نہیں بتانا چاہتا تو نہ بتا......'' پیش امام صاحب نے کہا۔ ''اس یوک کا نام کیا ہے یہ تو بتا۔''

''تم اسے بہت اچھی طرح جانتے ہو...... میں اس کا بھی نام نہیں بتاؤں گا...... مولوی جی......! اب زیادہ باتیں نہ پوچھو......'' سورما نے بے زاری سے کہا۔ ''تمہیں اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا...... بہتر ہے تم یہاں سے جاؤ...... میری آتما کو شانت کرنے کے لئے راکھی کا خون لاؤ...... مجھے راکھی کی ضرورت ہے۔''

''وشوا ناتھ......! میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو سیدھے طریقے سے چلا جا۔'' پیش امام صاحب کا لہجہ پہلے سے کہیں سخت تھا۔ ''ورنہ میں تمہیں کہیں کا نہیں رکھوں گا...... میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔''

سورما نے فوراً ہی ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر سرخ دہکتی آنکھوں سے پیش امام صاحب کو گھور رہا تھا۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ سب لوگوں کی نظریں سورما پر جمی ہوئی تھیں کہ اچانک اس نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کیا...... پھر قبل اس کے کہ لوگ اسے دوبارہ جکڑتے وہ ایک جست لگا کر پیش امام تک پہنچ گیا اور انہیں اٹھا کر اتنا زوردار پٹخنی دی کہ بے چارے پیش امام صاحب لوٹ پوٹ ہو کر رہ گئے۔ سورما خطرناک تیور سے پھر ان کی جانب لپکا تھا لیکن اتنی دیر میں چار پانچ آدمی سورما پر ٹوٹ پڑے اور بڑی مشکل سے اسے قابو میں کیا۔ پیش امام صاحب اپنا چغہ جھاڑتے ہوئے اٹھے...... ان کے جاہ و جلال میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کا چہرہ انگاروں کی طرح دہکنے لگا تاہم ان کے چہرے پر ایک سپاٹ پن سا تھا۔

''نابکار......!'' وہ سورما کو غضب ناک نظروں سے گھور کر بولے۔ ''اب دیکھ...... میں تجھے کیسی سزا دیتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر پیش امام صاحب نے آہستہ آہستہ کچھ پڑھنا شروع کیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ پیش امام صاحب کے بارے میں بیش تر لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ وہ بھوت پریت کا جھاڑ کرتے ہیں اور وہ دور دور مشہور ہیں۔ اس آسیب نے ان کے ساتھ جو حرکت کی تھی وہ اسے بخشنے سے رہے تھے۔

میری نظریں کبھی سورما کو تکنے لگیں اور کبھی پیش امام صاحب کے چہرے پر مرکوز ہو جاتیں...... وہ دونوں بھوکے شیروں اور جانی دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ ادھر سورما کے باپ کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ بے چارہ بڑی امید وبیم کی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس کے بشرے پر جو تاثرات تھے اس سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ دم بخود تھا۔ ان کے لئے یہ مناظرہ بڑا عجیب اور حیرت انگیز اور نا قابل یقین سا تھا۔ انہوں نے صرف سن رکھا تھا آج وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

پیش امام صاحب کے ہونٹوں کی حرکت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ کسی وظیفے کا ورد کرنے میں مصروف ہیں۔ سورما کسی چٹان کی طرح اٹل دکھائی دیتا تھا۔ دوسری کیفیت قدرے مختلف تھی...... نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے سورما کو بس میں کرنا پیش امام صاحب کے لئے محال ہوگا۔ بہر حال میں ایک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ پیش امام صاحب نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اچانک ایک زور دار پھونک ماری۔ یہ پھونک انہوں نے سورما پر ماری تھی۔ وہ فرش پر گرتے ہی ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے کرب ناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں لیکن وہ سورما کی اپنی آواز نہ تھی۔

سورما کے باپ نے اپنے بیٹے کو کرب کی اس شدید کیفیت سے دوچار دیکھا تو ضبط نہ کر سکا۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا اور آنکھوں میں وحشت بھر گئی تھی۔ تاہم وہ بڑے ضبط و تحمل سے پریشان کن لہجے میں بولا۔

"میاں جی......! یہ آپ نے کیا کر دیا......؟ اس طرح تو میرا بچہ مر ہی جائے گا...... اس پر دیا کریں۔"

مجمع میں سے ایک شخص نے جو سورما کے باپ کے عقب میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر سرگوشی میں بولا۔

"آپ خاموشی سے دیکھتے رہیں...... پیش امام صاحب کو ٹوکیں اور نہ کچھ کہیں...... سورما کو کچھ نہ ہوگا۔"

لیکن پیش امام صاحب سورما کے باپ کو جواب دینے کے بجائے سورما کو تیز نظروں سے گھورتے رہے۔ جو بدستور فرش پر پڑا لوٹن کبوتر ہو رہا تھا...... کچھ دیر بعد اس نے اپنا سر زمین پر مارنا شروع کیا اور دوسری ہی ٹکر میں خون کی ایک لکیر اس کی پیشانی سے بہہ کر چہرے تک آئی تو اس کے باپ سے رہا نہ گیا۔ ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ لپک کر بیٹے کے پاس آیا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ٹھیک اسی وقت پیش امام صاحب چیخے۔

"چھوڑ دو اس مردود کو...... یہ تم کیا کر رہے ہو......؟ میں اسے قابو میں کر رہا ہوں...... اسے ابھی جہنم رسید کر دوں گا...... تم علیحدہ ہٹ جاؤ۔"

پیش امام صاحب نے وہ جملہ یقیناً سورما کے باپ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ اس وقت بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر باپ ہوش میں کہاں تھا۔ وہ مرے ہوئے لہجے میں بولے۔ "کیا میں اپنے جوان بیٹے کو نظروں کے سامنے مرتا ہوا دیکھوں...... نہیں میاں جی...... یہ مجھ سے نہیں ہوگا...... مجھے اپنے بیٹے کی زندگی چاہئے۔"

اس سے پہلے کہ پیش امام صاحب...... سورما کے باپ سے کچھ کہتے اور سمجھاتے...... سورما نے بدلی ہوئی آواز میں جس کرب کی آمیزش تھی اور بڑا درد بھی بھرا تھا کہا۔

"میاں جی......! میں اس سے تو جا رہا ہوں...... پرنتو اتنا دھیان میں رکھو کہ میں سورما کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم مجھے راکھی کے خون سے اشنان نہیں دو گے...... اگر تم نے میری آتما کو شانت کرنے کا بندوبست نہ کیا تو میری بات سن لو اور گرہ باندھ لو...... میں اسے جان سے مار دوں گا...... سمجھے میاں جی......"

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کے لئے ہی نہیں بلکہ میرے لئے سورما کے باپ اور سورما کے لئے بھی

تعجب خیز اور نا قابل فہم تھا...... سورما نے ایک لمحے کے لئے باپ کے بازوؤں میں جھکولا کھایا اور دوسرے ہی لمحے آنکھیں کھول کر سب کو یوں گھورنے لگا جیسے ان سب کے جمع ہونے کی وجہ جاننے کی کوشش کر رہا ہو...... اب اس کی آنکھوں میں پہلی جیسی دہکتی سرخی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی سابقہ نارمل سی حالت میں آ گیا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک ہکا بکا لوگوں کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''کیا بات ہے پتا جی......! یہ لوگ کیسے اکٹھے ہیں...... اس سے...... اور...... یہ میرے چہرے پر خون کیسا ہے؟''

''تم سوتے میں چارپائی سے گر پڑے تھے۔'' سورما کے باپ سے پہلے پیش امام صاحب جلدی سے بول اٹھے۔ اس لئے کہ اس کا باپ یا ہم میں سے کوئی اسے اصل بات نہ بتا دے۔ وہ اس واقعہ سے سورما کو لاعلم رکھنا چاہتے تھے۔

پھر انہوں نے آگے بڑھ کر سورما کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ پھیرتے رہے۔ پھر انہوں نے اشاروں اشاروں میں سورما کے باپ کو تاکید کر دی تھی کہ سورما کو اصل بات سے آگاہ نہ کیا جائے۔ دوسرے افراد بھی پیش امام صاحب کا اشارہ پا کر خاموشی سے لوٹ گئے تھے۔ میں جب تک پیش امام صاحب موجود رہے بیٹھا رہا۔ پھر انہی کے ساتھ واپس آ گیا۔ اپنے گھر کے سامنے پہنچ کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ان سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے انہیں رخصت کیا۔

''سورما کے باپ نے بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔'' پیش امام صاحب نے رخصت ہونے سے قبل مجھ سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔ ''اگر وہ میرے عمل کے درمیان میں نہ آ جاتا تو میں وشوا ناتھ کے گندے وجود کو آج ہی بھسم کر دیتا...... اب اس کا قبضے میں آنا بہت ہی مشکل ہو گا۔''

''آخر یہ سب کیا ہے میاں جی......!'' میں نے موقع پا کر سوال کیا۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا...... کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے؟''

''چوراہے کا پھول......'' پیش امام صاحب نے جواب دیا۔ ''وہ پھول اور انڈے ضرور کسی جادو کا اتارے تھے جسے سورما پھلانگ گیا۔ وہی اثر اب اس پر ہو گیا جو کسی اور پر تھا...... وہ آسیبی پھول تھا۔''

''پھر اب کیا ہو گا میاں جی......؟'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''مگر وہ سندر ناری کون تھی جس پر جادو کرایا جا رہا تھا...... بقول اس کے...... اور وہ جو ہمارے قریب ہی رہتی ہے؟''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا...... لیکن وہ اس گھر سے ملحق چھ سات گھروں کے درمیان کسی گھر میں رہتی ہے۔ وہ نوجوان لڑکی ہو گی۔''

''پھر اب کیا ہو گا......؟'' میری تشویش دور نہیں ہوئی۔ ''وہ تو جاتے جاتے دھمکی بھی تو دے گیا ہے......؟''

''اوپر والا ہر شخص کا نگہبان ہوتا ہے۔'' پیش امام صاحب نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مجھے اسی الفاظ میں دلاسا دیا۔ پھر وہ مجھ سے مصافحہ کر کے چلے گئے۔

میں اپنے گھر آیا تو میری بیٹی اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ میری بیوی بھی سو چکی تھی۔ محلے اور گلی میں پھر سے سناٹا چھا گیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر بستر میں دبک گئے تھے۔ میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہو گیا۔ لیکن رات میں، میں بڑی دیر تک سو نہیں سکا۔ کیوں کہ طرح طرح کے خیالات اور وسوسوں کے زہریلے پھنکارتے ناگ مجھے ڈس رہے تھے...... دراصل ایک خیال نے میری نیند اڑا دی تھی۔ وہ نوجوان لڑکی کون ہے......؟ جس پر جادو کیا جا رہا تھا؟...... اور جو سورما کے گھر کے قریب رہتی ہے۔ میرے اس قدر پریشان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں بھی ایک نوجوان لڑکی کا باپ تھا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی

نے میری لڑکی پر جادو کرنا چاہا ہو......؟ مگر وہ کون ہو سکتا ہے......؟ کون ہو سکتا ہے......؟ ہمارے گھر کے ارد گرد چھ سات گھروں میں تین سے چار جوان لڑکیاں تھیں......کہیں میری بچی تو نہیں......؟ کیوں کہ ان تمام لڑکیوں میں میری بیٹی بھی بہت حسین تھی...... اوہ بھگوان......! میں دیر تک جاگتا، کروٹیں اس طرح بدلتا رہا جیسے انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو واہمہ سمجھ کر سمجھایا۔ لیکن حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی تھی۔ میں ایک حقیقت پسند شخص تھا۔ خود فریبی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں ایک شخص کا خیال ابھرا۔ بھگوان کرے ایسا نہ ہو۔

صبح میری آنکھ خاصی دیر سے کھلی۔ بازار سے سودا سلف لانے کے بعد میں سورما کی خیریت دریافت کرنے گیا تو وہ بالکل بھلا چنگا نظر آیا تھا۔ مجھ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتا اور باتیں کرتا رہا۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھ کر واپس آیا اور کپڑے تبدیل کر کے اپنے کام پر چلا گیا۔ شام کو واپس آ کر میں نے پھر سورما کو معمول کے مطابق پایا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

میرا خیال تھا کہ سورما کے سر پر آئی بلا ٹل گئی ہو گی......لیکن میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ سورج کے ڈھلتے ہی سورما پھر وشوا ناتھ بن کر اودھم چوکڑی مچانے لگا۔ میں خبر پا کر پھر بھاگا ہوا اس کے گھر گیا تو وہی رات والا سماں دیکھا۔ سورما کا باپ اسے ہاتھوں کے حلقے میں لئے کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ سورما بار بار ایک ہی رٹ لگا رہا تھا۔

''میں راکھی کا پریمی ہوں......میں......راکھی کی آشا اور وہ میری آشا ہے...... مجھے میری آشا دان کر دو......نہیں تو میں سورما کی بھینٹ لئے بنا نہیں جاؤں گا......''

میں نے فوراً ہی ایک شخص حیات صاحب کو پیش امام کی طرف دوڑایا اور خود سورما کی بیٹھک میں موجود رہا جہاں میرے علاوہ دو چار پڑوسی بھی جمع ہو گئے۔

سورما کے باپ کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی نم ناک آنکھیں اپنے جوان بیٹے پر مرکوز تھیں اور آنسوؤں کے قطرے رخساروں سے ڈھلک کر زمین کی پیاس بجھا رہے تھے۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے......سورما کی رٹ برابر جاری تھی۔ کبھی کبھی وہ خوں خوار نظروں سے بیٹھک میں کھڑے ہوئے افراد کو گھورنے اور واہی تباہی بکنے لگتا۔ کچھ دیر تک میں خاموش کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا اور مجھے ایک انجانا سا صدمہ ہو رہا تھا۔

''سورما بیٹا......!'' میں نے ہمت کر کے سورما کو آہستہ اور بڑے پیار سے مخاطب کیا۔ ''میری طرف دیکھو......تم مجھے پہچانتے ہو نا؟''

''کون سورما بیٹا......؟'' سورما نے مجھے اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ ''وشوا ناتھ ہوں سمجھے......راکھی کا پریمی...... یہ سورما کون الو کا پٹھا ہے۔''

''او پاپی......!'' سورما کا باپ جذباتی ہو کر ایک دم سے پھٹ پڑا۔ ''تجھے تیرے بھگوان کا واسطہ...... میرے معصوم بیٹے کی جان بخش دے......یہی ایک میرا بیٹا...... کلیجے اور آتما کی ٹھنڈک ہے......تو اسے ہم سے نہ چھین۔''

''سن بوڑھے......!'' سورما نے اپنی سرخ سرخ نظریں باپ کی طرف گھماتے ہوئے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''اگر تجھے اپنے بچے کا جیون اتنا ہی پیارا ہے تو پھر......ایسا کر میری آتما کی پیاس بجھا دے......راکھی کا جیون ختم کر کے اس کی آتما میرے حوالے کر دے...... کیوں کہ یہی ایک اوپائے ہے۔''

''ذلیل...... ظالم......'' سورما کا باپ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اندھا دھند سورما پر گھونسے برسانا شروع کر دیئے۔ اگر دو چار آدمیوں نے اسے تھام نہ لیا ہوتا اور علیحدہ نہ کیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ

وشواناتھ کو اپنی اولاد کے ساتھ ہی ختم کر دیتا۔ جان لئے بغیر نہ رہتا۔ اس کی سانسیں سینے میں بری طرح پھول رہی تھیں۔

ابھی یہ ہنگامہ جاری تھا کہ پیش امام صاحب تشریف لے آئے۔ سورما کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی پیش امام صاحب کو دیکھا بڑے مودبانہ انداز سے نمسکار کیا۔ پیش امام صاحب نے آنے میں قطعی دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ آئے تو غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ جیسے انہیں وشواناتھ کا آجانا زہر لگا ہو۔

''خوش رہو......''

پیش امام صاحب نے آگے بڑھ کر سورما کی پیٹھ تھپکی...... لیکن میں یہ دیکھ اور محسوس کر رہا تھا کہ پیش امام صاحب سورما کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ کر سخت طیش میں آگئے تھے۔ میرے علاوہ دوسرے افراد بھی ششدر تھے کہ سورما اچانک ہوش میں کیسے اور کیوں کر آ گیا؟

پیش امام صاحب واپس جانے لگے تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ اس خیال سے کہ ان سے سورما کی بدلتی کیفیت کے بارے میں دریافت کروں۔ کیوں کہ یہ عجیب سی بات ہوئی تھی۔ پیش امام صاحب بڑے متفکر اور گم صم سے لگ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں ان سے اس ضمن میں کچھ پوچھتا وہ پریشان کن لہجے میں بولے۔

''مجھے پہلے ہی جس بات کا ڈر، خوف اور خدشہ تھا وہ پورا ہو کر رہا...... کیوں کہ اب پلید کا قابو میں آنا مشکل ہے۔'' انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔ ''اسے قابو کرنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔''

''بہر حال...... کچھ تدبیر تو کرنی ہوگی میاں جی......!'' میں نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے سورما کے باپ کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی...... اس غریب کا دو دن میں بڑا برا حال ہو گیا ہے اور پھر سورما کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''اللہ مالک ہے۔'' انہوں نے مجھے دلاسا دیا۔ انہوں نے پھر ایک گہرا سانس لیا۔ پھر ایک خالی تانگہ روک کر اس میں سوار ہو کر چل دیئے۔

میں واپس آیا تو سورما کا باپ باہر کھڑا ہوا تھا اور اس کا چہرہ زرد زرد سا ہو رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر پریشان پریشان سا لپکا اور دل گرفتہ لہجے میں بولا۔

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے......؟ میں تو دو ہی دن میں ہمت ہار بیٹھا ہوں بھائی!

''بھگوان پر وشواس رکھو...... وہی ہر مشکل دور کرتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دینے کی غرض سے کہا۔ ''وہ یقیناً کوئی بہتری کرے گا۔ ہمیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔ کچھ نہ کچھ سوچنا اور کرنا ہوگا۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... مجھے ایشور پر بڑا بھروسا اور وشواس ہے۔'' سورما کے باپ نے کہا۔ ''یہ راکھی نہ جانے کون ہے جس کی بلا میرے بچے کے سر پر آ گئی ہے...... اس نے ہماری زندگی اجیرن بنا دی۔''

''پیش امام صاحب کا کہنا ہے کہ وہ چند دن میں سب ٹھیک کر دیں گے۔'' میں نے سورما کے باپ کو بہلانے کے لئے جھوٹ سے کام لیا۔ کیوں کہ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میری بات سن کر اس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی تھی۔ وہ خاصی دیر تک گلی میں کھڑا مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس کی ذہنی حالت بڑی ابتر تھی۔ پھر وہ مایوس سا ہو کر چلا گیا۔

مگر ایک کیا کئی ہفتے گزر گئے۔ سورما کی حالت روز بہ روز بگڑتی جا رہی تھی۔ گلی کے سارے لوگ اس کی وجہ سے پریشان تھے۔ خود پیش امام صاحب نے بہترے ہاتھ پاؤں مارے کہ کسی طرح وشواناتھ کو اپنی گرفت میں لے لیں۔ جب اس کی گندی روح جسم میں داخل ہو مگر انہیں ایسا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ وہ دو روز تک سورما کے مکان کے برابر مکان میں چھپے بیٹھے بھی رہے تھے لیکن اس عرصے میں سورما پر ایک بار بھی دورہ نہ پڑا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب اگلی گلی کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ پڑوس میں دائیں جانب جو ایک مسلمان کا گھر تھا اس میں انہوں نے قیام کیا تھا۔ وہ شاطر پلید ان کی بو پا

کر نہیں آتا تھا یا بو پا کر لوٹ گیا تھا۔ تیسرے دن پیش امام صاحب جیسے ہی اس مکان سے اپنے مکان آئے سورما پر دورہ پڑ گیا۔

پیش امام صاحب کے ناکام ہو جانے پر بہت سارے پہنچے ہوئے پنڈتوں، پجاریوں اور عالموں کو بھی بلایا گیا۔ مگر عارضی فائدوں کے سوا کچھ نہ ہو سکا۔ سورما کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ روز بہ روز اور سرکش ہوتا جا رہا تھا۔ وہ غصے کے عالم میں سامنے کھڑے ہوئے کسی بھی شخص کو مارنے پیٹنے لگتا۔ گھر کے برتن توڑ دیتا۔ پڑوسیوں کے گھروں میں دندناتا ہوا گھس جاتا۔ سارا محلّہ اس سے ڈرنے اور بری طرح خوف کھانے لگا۔ جن گھروں کے دروازے کھلے رہتے تھے وہ اب بند رہنے لگے تھے۔

سورما اب ایک عفریت بن گیا تھا اور لوگوں نے سورما کے باپ اور اس کے آسیب زدہ گھر پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دی تھیں۔ سورما جو کبھی محلے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لوگ اب اس کی صورت دیکھ کر کانپ جاتے تھے۔ وہ راکھی ...... راکھی پکارتا رہتا تھا اور محلے کے لوگ اسے دیکھ کر ایسے چھپ جاتے تھے جیسے انہوں نے ایک پاگل کتے کو دیکھ لیا ہو۔ ایک مرتبہ اس نے ایک بہت ہی خوب صورت اور جواں سال شادی شدہ عورت کو دبوچنے کی کوشش کی لیکن وہ اسے دھکا دے کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

میں ایک پڑوسی ہونے کے ناتے سورما کے باپ کے غم میں برابر کا شریک تھا۔ لیکن اسے جیسے تو چپ لگ گئی تھی۔ وہ اپنے نوجوان، بہادر اور مضبوط بیٹے سورما کی طرف سے ناامید سا ہو گیا تھا۔ روز نئے نئے عامل، مولوی اور پنڈٹ کو بلاتا اور وشوا ناتھ کوئی بہت چالاک شاطر اور چالاک اور پلید روح یا نہ جانے کیا بلا تھا جو بڑے بڑے عاملوں اور پنڈتوں کو چکما دے جاتا تھا۔

☆......☆......☆

میں دہلی روانہ ہو گیا کیونکہ کئی لوگوں سے سن رکھا تھا کہ دہلی میں ایک بہت ہی پہنچے ہوئے مہا پرش ہیں جو کہ چٹکی بجاتے ہی بھوت پریت اور دیگر نادیدہ قوتوں کو قابو کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان سے جان چھڑا دیتے ہیں میں فوراً دہلی پہنچا اور حکیم وقار کے سامنے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جب میں خاموش ہوا تو حکیم صاحب بولے۔

''جناب میں جسمانی بیماری کا علاج کرتا ہوں اور میرے دوست حکیم کامل نادیدہ قوتوں کا علاج کرتے ہیں۔''

اتنے میں حکیم کامل اس جگہ آ گئے اور ماجرا سننے کے بعد بولے۔ ''آپ اپنا پتا لکھوا دیں میں وقت مقررہ پر خود پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے پتا لکھوا دیا اور واپس آ گیا۔ بہر حال حکیم کامل (رولوکا) صبح ہی صبح ہمارے گاؤں آ گئے اور میل ملاقات کے بعد سورما سے ہم کلام ہوئے۔

رولوکا نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو اس سے پہلے مولوی، عامل اور پنڈٹ کر چکے تھے۔ وشوا ناتھ نے اس کی ہر بات کا جواب دیا تھا۔ رولوکا اس سے آسان سے سوالات کرتا رہا اور وہ نہایت اطمینان سے جواب دیتا رہا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے ان دونوں میں ایک زمانے سے دوستی قائم ہے۔ جب رولوکا نے اس سے یہ دریافت کیا کہ...... ''کس نے یہ جادو کس پر کرایا تھا؟'' وشوا ناتھ نے بے پروائی سے جواب دیا کہ......

''ایک بہت ہی سندر ناری کے لئے ایک یوک نے کرایا تھا۔ وہ ناری اتنی سندر ہے کہ اس کی سندرتا بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔''

پھر رولوکا بولا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ وہ سندر ناری کون ہے؟''

''وہ یہیں قریب رہتی ہے۔'' وشوا ناتھ نے چند لمحوں کے بعد جواب دیا۔

''یہاں کہاں...... ؟ صاف صاف بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟'' رولوکا نے نرمی سے پوچھا۔

''اس کا نام......'' وشوا ناتھ نے اکڑ کر جواب دیا۔

''میں کیوں بتاؤں؟''

''ارے بتادو ناوشوا ناتھ جی......!'' رولوکا نے بڑی نرمی اور لجاجت سے کہا۔''آخر نام بتانے میں حرج ہی کیا ہے؟''

''نہیں بتا تا......'' وشوا ناتھ ہٹ دھرمی پر اتر آیا۔ ''میری مرضی......تم حکم دینے والے کون......؟''

''تمہیں معلوم ہے میں صرف پوچھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس سے پہلے بھی بہت سے آ چکے ہیں۔'' وشوا ناتھ نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔''اور یہی بات کہہ چکے ہیں اور انہوں نے مجھے دھمکیاں بھی دی تھیں۔''

''تو تم نہیں بتاؤ گے......؟ اب بھی وقت ہے سیدھی طرح بات مان لو اور مجھے بتادو۔'' رولوکا نے بڑی نرمی سے کہا۔''میری نرمی سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔''

مگر وشوا ناتھ رولوکا کو اس طرح نچاتا رہا جس طرح دوسرے لوگوں کو...... رولوکا نے نہ جانے کسی اشتعال کا مظاہرہ کئے بغیر وہ کون سا عمل پڑھا کہ سور ما کا جسم بری طرح کانپنے لگا۔ وہ تڑپنے اور قلابازیاں کھانے لگا۔ اس نے اپنی دل خراش چیخوں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ سور ما کا باپ بڑی مشکل سے اپنے بیٹے کی یہ حالت برداشت کر رہا تھا۔'' رولوکا پر سکون انداز میں کوئی عمل پڑھ رہا تھا۔

''بتاتا ہوں...... بتاتا ہوں......'' ایک دم سے بڑے زور سے سور ما اچھلا۔''اس کا نام شوبھا ہے......اس آدمی کا نام شیر سنگھ......مگر اب عامل جی......! مجھے اب چھوڑ دو......'' سور ما کی آواز میں گھگھیاہٹ تھی۔

شوبھا اور شیر سنگھ کا نام سن کر میں نے اور سور ما کے باپ نے ایک دوسرے کی طرف حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔ گویا شیر سنگھ نے اس نیچ طریقے سے انتقام لیا تھا......شوبھا وہی لڑکی تھی جسے شیر سنگھ کے نرغے سے سورما بچا کر لایا تھا اور جس کے لئے سور ما نے شیر سنگھ کے پورے جتھے سے لڑائی اور دشمنی مول لے لی۔ اب بات پوری سمجھ میں آ چکی تھی۔ شیر سنگھ سے کچھ بن نہ پڑا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ سور ما کی ابتر حالت کے باوجود ہم دونوں کا وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ سور ما کا باپ اپنے لڑکے کو چھوڑ کر میرے قریب آیا اور کہنے لگا۔

''آپ اسے دیکھیں...... میں ابھی آتا ہوں۔''

مجھے معلوم تھا کہ وہ کہاں جانے والا ہے۔ میں نے اسے باز رکھنا اور روکنا چاہا لیکن وہ رکا نہیں۔ آناً فاناً گھر سے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔ ادھر رولوکا وشوا ناتھ کو دھمکیاں دے رہا تھا کہ وہ شریفانہ انداز سے چلا جائے تو بہتر ہے نہیں تو وہ اسے جلا کر راکھ کر دے گا۔ رولوکا نے اسے سخت اذیتیں دیں۔ آخر وشوا ناتھ زیر ہو گیا۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ اب یہاں نہیں آئے گا۔ کچھ دیر بعد سور ما کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ اس کا سارا بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔

میں نے اسے سہارا دے کر چارپائی پر لٹایا۔ پھر چند لمحوں کے بعد میں کامل صاحب سے بولا۔

''حضرت......! یہ بہت چھلے باز بلا ہے...... پھر واپس آ جائے گا۔ آپ اس کی بات پر بالکل بھروسا نہ کریں۔''

''نہیں......نہیں......اب وہ کسی صورت میں واپس نہیں آئے گا۔'' کامل صاحب نے بڑے اعتماد سے کہا......''دیکھتا ہوں کہ وہ کیسے آتا ہے۔ میں نے اسے بڑی سخت اذیت دی ہے۔'' رولوکا بولا۔

سور ما چوں کہ سخت تھکا ہوا تھا اس لئے جلد سو گیا۔ میں نے کامل صاحب کے قیام کا بندوبست پڑوسی حیات صاحب کے ہاں کیا۔ حیات صاحب بڑے آسودہ حال تھے۔ انہوں نے خود سے ان کے کھانے کا انتظام وغیرہ کا اہتمام کیا۔ سور ما کی حالت کی وجہ سے پورے گھر کا نظام درہم برہم تھا۔ میں کام کر رہا تھا۔ مگر سور ما کے باپ کی آمد کا منتظر تھا۔ وہ شام تک نہیں آیا تو میری پریشانی بڑھ گئی۔ میں کامل صاحب اور سور ما کو چھوڑ کر اسے دیکھنے اور تلاش کرنے جا نہیں سکتا تھا۔ شیر

سنگھ کا خیال آتے ہی خون کھول کھول جاتا تھا۔ رات گئے سورما کا باپ اداس اور نڈھال واپس آیا۔ اس کا تھکن سے برا حال تھا اور سارا بدن چور چور تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ میلوں کی مسافت طے کرتا ہوا آیا ہو۔ سخت بھوکا پیاسا ہو۔

میں نے اسے فوراً ہی پانی پلایا...... جب اس کی حالت قدرے سنبھلی تو میں نے اس سے پوچھا۔

''بھائی صاحب......! یہ آپ کہاں گئے تھے......؟ آپ کی یہ کیا حالت ہو رہی ہے......؟''

''شیر سنگھ کے پاس...... مگر وہ ذلیل، کمینہ بدمعاش شہر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میں نے اسے سارے شہر میں، چپہ چپہ میں تلاش کیا ہے۔ اگر وہ مجھے مل جاتا تو میں اس کا خون پی کر ہی واپس آتا۔''

میں نے اسے دلاسا دیا۔ وہ سورما کی طرف مخاطب ہوا اور پوچھا۔ ''اب میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟''

میں نے شروع سے آخر تک تمام روداد...... کامل صاحب کا کمال اور وشوا ناتھ کی واپسی کا احوال سنایا تو اس کا غصہ کسی قدر ٹھنڈا ہوا۔ اس نے سوئے ہوئے سورما کے ماتھے کا بوسہ لیا اور مجھے گلے لپٹا کر رونے لگا تو میں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔

چند دن تک کامل صاحب موجود رہے۔ سورما بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔ سورما کی صحت یابی کی خوشی میں ہم شیر سنگھ کو بھول گئے تھے۔ کامل صاحب نے ہم سے رخصت ہوتے وقت پورا یقین دلایا تھا کہ......اب وشوا ناتھ کی جرأت نہیں کہ وہ سورما کی طرف رخ بھی کرے، ہم نے کامل صاحب کو تمام تر مسرتوں اور عقیدوں کے ساتھ رخصت کیا۔ ان کی وجہ سے ہمارا سورما ہمیں واپس مل گیا تھا۔

مگر کامل صاحب کے جانے کے دو دن بعد وشوا ناتھ پھر سورما کے جسم پر قابض ہو گیا مگر اس بار اس کے تیور بڑے جارحانہ اور باغیانہ تھے۔ وہ چیختا چنگھاڑتا اور توڑ پھوڑ کرتا رہتا تھا۔ محلے والے جو سورما کے گھر آنے جانے لگے تھے اب پھر اس کے سائے سے بھی بچنے اور بھاگنے لگے تھے۔ سورما کی اس حالت نے اس کے باپ کو بہت دل شکستہ کر دیا۔ وہ گھٹنوں میں منہ دیئے روتا رہتا تھا۔ اس گھر سے ایک خاص قسم کی رفاقت کی وجہ سے میری حالت بھی سورما کے باپ سے مختلف نہ تھی۔ کوئی طریقہ اب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کیوں کہ بیرون شہر کے تمام مولوی، عامل اور پنڈت ایک ایک کر کے آزما لئے گئے مگر وشوا ناتھ نے جانے کا نام نہیں لیا تھا۔ بس اس کی ایک ہی رٹ کہ مجھے راکھی چاہیئے۔

اس عذاب میں دن بڑی اذیت اور تکلیف سے گزر رہے تھے۔ دن رات سوہان روح بن گئے تھے۔ سارا چین وسکون غارت ہو کر رہ گیا تھا اور رات کی نیند بھی حرام ہو گئی تھی۔ ایک روز میں صبح کام پر جانے کے لئے گھر سے نکلا تو سورما کے باپ نے مجھے آواز دے کر بلا لیا۔ خلاف توقع اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ تھا۔ کسی گہرے اور خاموش سمندر کی طرح جس کے دامن میں ہزاروں طوفان پوشیدہ ہوتے ہیں۔ چند ثانیوں تک وہ خلا میں یک ٹک گھورتا رہا۔ پھر اس نے مجھے بڑے محبت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''شنکر بھائی......! آپ نے ہمیشہ آڑے وقت میں میرا ہر طرح سے ساتھ دیا ہے جس کے لئے میں مرتے دم تک آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آج میں آپ کے سامنے جھولی پھیلا کر کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں...... بولو کیا بات ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا تاکہ اسے میرے خلوص اور زبان پر کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

سورما کا باپ ایک لمحہ کے لئے پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر دبی زبان میں بولا۔

''میری التجا ہے کہ آپ سورما کو اپنا بیٹا بنا لیں...... اور اپنی بچی مجھے دے دیں۔''

مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی بڑی بات اس قدر

آسانی سے ایسے حالات میں کہہ دے گا۔ چنانچہ میں اس کی درخواست سن کر گڑبڑا سا گیا۔ میں ابھی اسے کوئی معقول بات کہنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے پھر کہا۔

''شنکر بھائی......! میں ہاتھ جوڑتا ہوں کہ یہ میری آخری التجا قبول کرلیں۔ اگر آپ نے مجھے مایوس کیا تو مجھے پھر کبھی سکون نصیب نہیں ہوگا۔''

میں عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دوں۔ میں نے ٹالنے کے خیال سے کہا۔

''آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اس پر ضرور غور کروں گا۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں سورما کے بارے میں سوچنا ہے۔ کیوں کہ بھلا ایسی حالت میں شادی بیاہ کے بارے میں کیسے سوچا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ یہ گڈے گڑیا کی شادی یا کھیل نہیں ہے؟ وہ بری آتما کا شکار ہے۔''

''مجھے یقین تھا کہ آپ یہی کچھ کہیں گے۔'' سورما کے باپ نے تیزی سے کہا۔ ''میں ذہنی طور پر آپ کے اس جواب کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ مگر میں نے اپنے بیٹے کی اس مصیبت کا حل تلاش کرلیا ہے۔ آپ مجھ سے صرف اتنا وعدہ کرلیں کہ اس کے ٹھیک ہوتے ہی آپ اسے اپنی غلامی میں قبول کرلیں گے......؟ بھگوان کی سوگند......آپ وعدہ کریں۔''

میں نے ہر چند کوشش کی کہ سورما کے باپ کو کسی نہ کسی طرح ٹال دوں لیکن وہ جونک کی طرح مجھ سے بری طرح چمٹ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے دبی زبان سے اسے تسلی دینے کے لئے حامی بھرلی۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ آخر اس نے سورما کے سلسلے میں کون سا حل تلاش کرلیا ہے۔ میں نے اس ضمن میں اس سے دریافت کیا تو وہ بڑے یقین کے ساتھ بولا۔

''آپ بھی بھگوان سے پرارتھنا کیجئے کہ سورما کی مصیبت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹل جائے۔ وہ میرا ایک ہی بچہ ہے۔ وہ بڑی دعاؤں کے ساتھ پیدا ہوا ہے اور ہم نے اسے بڑے ارمانوں کے ساتھ پالا پوسا ہے۔ اس کی خاطر تو میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔''

مجھے چوں کہ کام پر جانے کے لئے جلدی ہو رہی تھی اس لئے میں سورما کے باپ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ دن بھر اپنے کام میں مصروف رہا۔ دو ایک بار میں نے اپنے ذہن پر زور دے کر سوچا کہ آخر سورما کی مصیبت کا حل اس کے باپ کے ہاتھ میں کس طرح آ گیا جب کہ دہلی والے کامل صاحب بھی خاموشی سے چلے گئے تھے۔

☆......☆......☆

تیسرے دن اچانک رولوکا شنکر کے پاس آ گیا اور بولا۔ ''شنکر جی آپ میرے ساتھ سورما کے گھر چلیں تا کہ میں آج ہی سورما پر سوار وشوانا تھ کا خاتمہ کردوں۔''

رولوکا شنکر کے ساتھ سورما کے گھر گیا تو رولوکا کو دیکھتے ہی سورما آپے سے باہر ہوگیا اور بولا۔ ''اوئے تو پھر آ گیا، دیکھ تو چلا جا، نہیں تو میں تیرا حشر نشر کردوں گا، میرا نام وشوانا تھ ہے۔''

رولوکا بالکل خاموش تھا۔ سورما کی گھن گرج کی آواز سن کر وہاں پر اور بھی کئی لوگ جمع ہوگئے اور گھر والے تو تھے ہی۔ شنکر نے سورما کے باپ کو تسلی دی اور بالکل مطمئن کردیا کہ سورما چاہے جتنا بھی اچھلے کودے تم خاموش رہنا اور آج ہر حال میں تمہارا بیٹا اس بری آتما وشوانا تھ سے چھٹکارا پالے گا۔''

اچانک سورما نے ایک زوردار فلک شگاف چیخ ماری اور ساتھ ہی تین فٹ اوپر کو اچھلا اور پھر دھڑ سے زمین پر گر پڑا، اس کی چیخیں جیسے آسمان کو پھاڑ رہی تھیں، پھر آواز سنائی دی۔ ''مہا پرش مجھے چھوڑ دے، مجھے اور تکلیف نہ دے، میں اسے چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا، مجھے چھوڑ دے۔''

''تو نے پہلے بھی وعدہ کیا تھا کہ میں چلا جاؤں گا مگر تو دھوکے باز ہے، تو اپنے وعدہ سے پھر گیا، اب تیرا بچنا محال ہے، تو نے بہت تکلیف پہنچا دی، تو اپنی طاقت

دکھا، بول تیرا نام وشوا ناتھ ہے ناں، تو اپنے آپ کو بہت بڑا ابلوان سمجھ رہا تھا، میں نے تجھے موقع دیا، نرم رویہ اپنایا تا کہ تو آرام سے اس کی جان چھوڑ دے مگر تو نے ایک نہ سنی۔'' رولو کا بولا۔

رولو کا شنکر سے مخاطب ہوا۔ ''شنکر جلدی سے ایک بوتل لاؤ۔''

شنکر نے فوراً سے پیشتر ایک بڑی سی بوتل منگا دی۔ بوتل کو لے کر رولو کا نے سورما کے سامنے رکھ دی اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ اس درمیان سورما ناقابل فراموش انداز میں چیختا چلاتا رہا مگر اب اس کی چیخ رولو کا پر کوئی اثر نہیں ڈال رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سورما کچھ زیادہ ہی زور سے چیخا۔ ''مجھے چھوڑ دے، میں جارہا ہوں۔'' مگر اس کی آواز بے سود رہی کیونکہ چشم زن میں سورما کے ناک سے گاڑھا گاڑھا دھواں نکلنا شروع ہوا اور بوتل کی طرف بڑھتے ہوئے بوتل میں داخل ہونے لگا۔ چند لمحے میں دھواں جب سورما کی ناک سے نکلنا بند ہو گیا تو رولو کا نے بوتل کا ڈھکنا مضبوطی سے بند کر دیا۔ سورما بے سدھ ہو کر ایک طرف کو ڈھلک گیا تو رولو کا بولا۔ ''آپ لوگ گھبرائیں نہیں، جب یہ جاگے گا تو بالکل چنگا بھلا ہوگا، اب زندگی بھر کے لئے اس کی جان اس بری آتما سے چھوٹ گئی۔ اب میں چلتا ہوں اور یہ بوتل میں ساتھ لے جارہا ہوں تا کہ اس وشوا ناتھ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دوں۔'' اور پھر رولو کا اس جگہ سے نکل کر فوراً ہی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اس واقعے کو ستائیس برس بیت چکے ہیں، سورما اب چار بچوں کا باپ ہے۔ ایشور نے اسے کھلے ہاتھوں سے نوازا ہے۔ وہ بڑی آسودہ حال زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن آج بھی اگر کہیں اسے کسی چوراہے پر پڑے پھول نظر آ جاتے ہیں تو اس کا زخم تازہ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے سورما آج بھی میری اسی طرح عزت کرتا ہے جیسے پہلے کیا کرتا تھا اور یہ سب اس لئے ہے کہ پہلے میں اس کا پڑوسی تھا۔ اب میں اس کا سسر ہوں۔

کیا اب یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ وہ خوش قسمت شخص میں ہوں جس لڑکی کی عزت و آبرو بچانے کی خاطر ستائیس برس پہلے سورما نے شیر سنگھ سے ٹکر لی تھی۔ شوبھا میری ہی بیٹی تھی۔

حکیم وقار نے رولو کا سے کہا۔ ''نہ جانے اس دنیا میں قدرت کے کتنے راز ہیں اور کتنی مخلوقات ہیں جن پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔'' یہ سن کر رولو کا بولا۔ ''آپ صحیح فرمار ہے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ دنیا بڑی پراسرار جگہ ہے۔ ہزاروں راز اب بھی ایسے ہیں کہ جن پر پردہ پڑا ہوا ہے ہزاروں لوگوں نے ان رازوں سے پردہ اٹھانے کی کوششیں کی ہیں مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ برمودا ٹرائی اینگل کے بارے میں تقریباً سو سال سے سائنس دان تحقیقات کر رہے ہیں مگر آج بھی یہ معمہ ہی ہے اس جگہ تین سمندروں کا پانی آ کر ملتا ہے اور ایک ٹرائی اینگل بناتا ہے اس جگہ کو عام زبان میں برمودا ٹرائی اینگل کہتے ہیں۔ اس علاقے میں اور اس کے آس پاس گزرنے والے بحری جہاز اچانک غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہوائی جہاز بھی اس کے اوپر پرواز کرے تو غائب ہو جاتا ہے اور اس کا پتا نہیں چلتا کہ کہاں گیا۔

دریائے نیل کا سوت کہاں ہے کہاں سے ہزاروں سال سے پانی آ رہا ہے؟

دریائے امیزن کہاں سے شروع ہوا کس کو پتا ہے؟ موجودہ زمانے کی ہر سہولت میسر ہونے کے باوجود یہ راز اب تک راز ہی ہیں۔

اب یہ معلوم ہوا ہے کہ برطانوی نو آبادی ماریش سے تقریباً 25 میل دور سمندر کے عین درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے یہ کرۂ ارض کا واحد جزیرہ ہے جس کا نام آج تک نہیں رکھا گیا اسی لئے دنیا بھر کے جہاز راں ماہی گیر سیاح اور بے شمار مقامی لوگ اسے گمنام یا بے نام جزیرہ کہتے ہیں۔ جزیرے میں ایک

چھوٹی اونٹ کے کوہان کی طرح ابھری ہوئی پہاڑی نظر آتی ہے اس پہاڑی کے تمام جزیرے کو گھنے اور دشوار گزار جنگلوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔

افریقی ساحلوں کی بستیوں میں مشہور ہے کہ یہ جزیرہ آسیب زدہ ہے اور یہاں پر بدروحیں رہتی ہیں ماریشں کے لوگوں میں صدیوں سے یہ روایت بھی چلی آرہی ہے کہ جزیرے پر ایک پراسرار انسان بستا ہے جو موت پر قابو پاچکا ہے جزیرے کے کل حیوان کیا درندے کیا چرندے، پرندے سب اس کے تابع ہیں۔ سمندر کی سرکش اور تندوتیز لہروں پر بھی اس کا حکم چلتا ہے۔ ماریشں کے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پراسرار انسان دراصل حضرت خضر ہیں۔ ان کو حیات ابدی حاصل ہے۔ ہندو سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی دیوتا ہے۔ چینیوں اور افریقی قبیلوں کے افراد کا خیال ہے یہ کوئی جادوگر ہے۔ جس کا اختیار ہر انسان پر ہے وہ جسے چاہے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے اور جو شخص اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے اس کی تمام دلی مرادیں اور آرزوئیں پوری ہوجاتی ہیں۔

موجودہ دور میں انسان کے پاس ہر وسیلہ موجود ہے۔ آسمانی بھی اور زمینی بھی رابطہ قائم رکھنے کے لئے وائرلیس اور ریڈیو کا سسٹم موجود ہے پھر بھی کوئی اس جزیرے کے بارے میں اس کے اندر جاکر تحقیقات نہیں کرتا۔ میرے خیال میں تو حضرت انسان اس سے باز نہیں آیا ہوگا ضرور اس قسم کی کوششیں کی ہوں گی مگر شاید وہ کامیاب نہیں ہوئے مگر کامیاب ہوتے تو ضرور اس کے بارے میں بتایا جاتا۔

اسی لئے میں نے اس دنیا کو پراسرار جگہ کہا ہے۔ یہاں پر صرف پراسرار مقامات ہی نہیں ہیں۔ پراسرار اور حیرت انگیز لوگ بھی ہیں ان کا علم بھی ہے اور وہ اپنے طاغوتی قوتوں کو کام میں لاتے بھی ہیں کچھ اپنے علوم کے ذریعے لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اور کچھ شیطانی چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ شیطانی چکر میں پڑنے والوں کو شیطان اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے اور ایسے لوگوں سے اپنی من مانی کراتا ہے، تمام نیکی اور راہ راست سے ہٹا کر گناہ و برائی کے عین گہرے دلدل میں دھنسا دیتا ہے۔ جو لوگ اپنے آپ یعنی اپنے عمل پر غور نہیں کرتے، وہ لوگ نہ دین کے رہتے ہیں اور نہ ہی دنیا کے۔''

رولوکا کی یہ باتیں سن کر حکیم وقار بولے۔ ''بالکل تمہاری باتیں صحیح ہیں اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں، اب یہ بھی سامنے آرہا ہے کہ وقت کے ساتھ نت نئی خطرناک اور مہلک بیماریاں بھی لوگوں پر حملہ آور ہورہی ہیں اور جہاں تک میرا ذہن کام کررہا ہے کہ ایسی ایسی بیماریاں انسان کو تہہ و بالا کردیں گی کہ انسانی عقل حیران رہ جائے گی۔''

رولوکا مسکرانے لگا اور بولا۔ ''حکیم صاحب آپ کے اندازے درست ہیں، آئندہ نسل کے لیے آنے والا وقت واقعی بہت کٹھن ہوگا انسان جتنی تیزی سے سائنسی ترقی کررہا ہے اسی تیزی سے مسائل بھی بڑھ رہے ہیں، اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو انسان اپنی بقا اور آرام و سکون کے لئے کچھ نہیں کررہا ہے جس کی سب سے بڑی مثال نئے نئے ایٹم کے مہلک ہتھیار ہیں اور ان ہتھیاروں کو انسان ایک نہ ایک دن ضرور استعمال کرے گا اپنے مخالف انسانوں پر آئے دن اس قسم کے بیانات آتے ہیں کہ یہ ہتھیار ہم اپنی حفاظت کے لئے بنا رہے ہیں، بلکہ انہیں یہ بیانات دینا چاہئے کہ یہ مہلک ہتھیار ہم اپنے دشمن اور مخالف ملک پر استعمال کریں گے اور یہ اٹل حقیقت ہے کہ انسان اپنے بنائے ہوئے مہلک ہتھیاروں سے خود اپنی موت و بربادی کا سامان اکٹھا کررہا ہے۔''

حکیم وقار بولے۔ ''بالکل ایسا ہی ہے اور ہاں مجھے یاد آیا کہ کل دو صاحب آئے تھے اور غالباً کسی رنگا جادوگر کے متعلق باتیں کررہے تھے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔''

''دراصل وہ بتا رہے تھے کہ کوئی رنگا جادوگر ہے جو کہ اپنی مفاد پرستی اور خودغرضی میں بہت آگے بڑھ گیا

ہے، جو اس کی بات نہیں مانتا اسے وہ رات کے اندھیرے میں عجیب و غریب طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، وہ یہ تمام کارروائی پس پردہ کرتا ہے اور پھر سب کے سامنے مرنے والوں سے ہمدردی بھی جتاتا ہے۔ میں نے ان سے ان کا پتا لے لیا ہے اور ایک آدھ روز بعد معلوم کرتا ہوں کہ رنگا جادوگر کیا ہے اور اس کی طاقت کہاں تک ہے؟'' رولو کا حکیم صاحب سے بولا۔

''کبھی کبھی انسان کس قدر مطلب پرست، خود غرض اور ظالم بن جاتا ہے کہ وہ کسی پر رحم نہیں کرتا، چاہے انسان کچھ بھی کرے وہی دو روٹی کھاتا ہے اور ایک وقت وہ ظالم جابر انسان سینکڑوں من مٹی کے نیچے دب جاتا ہے، کاش کہ انسان اپنی آخرت کے متعلق بھی سوچ لے تو دنیا میں یہ فساد اور خون خرابہ نہ ہو۔'' حکیم وقار افسردہ لہجے میں بولے۔ ''اور ہاں میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں جلد از جلد اللہ تعالیٰ رنگا جادوگر پر فتح نصیب کرے اور وہ بے چارے جو اس کی وجہ سے پریشان ہیں انہیں چین ملے۔''

☆......☆......☆

جب کوئی نیا پڑوسی ہوتا ہے تو دو باتیں ہوتی ہیں وہ یا تو اتنی دوستی، اتنی قربت بڑھاتا ہے کہ جیسے خاندان کا کوئی فرد ہو...... یا پھر وہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ تعلق رکھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ دعا سلام بھی نہیں ہوتی ہے۔

میرے جو نئے پڑوسی تنویر تھے ان سے صرف دور سے ہی علیک سلیک تھی۔ یہ ایک طرح سے رسمی انداز اس لئے تھا کہ وہ اور میں پڑوسی تھے۔ دراصل میں نے ہی ان سے رسمی سلام دعا شروع کی تھی۔ موسم سرما کا آغاز تھا۔ موسم بڑا سہانا تھا۔ صبح سورج کی کرنیں اس موسم میں سونا لٹا رہی محسوس ہوتی تھیں۔ وہ روزانہ صبح ناشتے سے فراغت پا کر لان میں کرسی ڈالے اور اخبار پڑھتے ہوئے موسم سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہوتا۔ جب میں اپنے گھر سے نکلتا تو اسے اپنی طرف دیکھتا ہوا پاتا۔ میں اخلاقاً چند لمحوں کے لئے رک جاتا۔ رسمی طور پر کسی تازہ سیاسی سنسنی خیز خبر، اسکینڈل یا ڈکیتی کی واردات یا پھر موسم پر تبادلہ خیال ہو جاتا۔ اس نے کئی مرتبہ مجھے ناشتا کرنے اور سہ پہر کے وقت میری واپسی پر چائے کی دعوت دی جو میں نے کسی بہانے سے معذرت کرلی تھی۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ان اطراف میں کچھ عرصہ قبل ہی آ کر یہاں آباد ہوا تھا۔ اس کی شخصیت نہ صرف میرے لئے بلکہ اس علاقے کے تمام لوگوں کے لئے پراسرار خاصیت کی حامل اور ایک معمہ تھی۔ جانے کیا بات تھی کہ میں اس کے ناشتے اور چائے کی دعوت قبول کرتے ہوئے ایک نامعلوم سا خوف محسوس کرتا تھا۔ ایک عجیب سا ڈر لگتا تھا جب کہ میں تو ہم پرست نہ تھا۔ بظاہر اس میں ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن دل کے کسی کونے میں شکوک زہریلے پھنکارتے سانپوں کی طرح ڈستے تھے۔

میرے پڑوس میں جو چھ سات برس سے غیر آباد عظیم الشان حویلی تھی جسے کسی نے دس برسوں میں نہیں خریدا تھا لیکن اس نے خرید لی تھی۔ اس کے رنگ روغن اور مرمت، تزئین و آرائش پر اس نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ وہ حویلی ایک عظیم الشان محل کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ رہائش کے لئے اتنی بڑی حویلی اور خدمت کے لئے معدودے چند نوکر چاکر اس کی دنیا تھی۔ اس کی بیوی تھی اور نہ بچے...... یہ بڑی پراسرار اور تعجب خیز بات تھی کہ وہ تنہا اس حویلی میں زندگی کیوں بسر کر رہا ہے؟ جس کے پاس ایسی عظیم الشان حویلی ہو۔ یقیناً دولت کی کوئی کمی نہ ہو۔ وہ عورت کے بغیر زندگی کیوں کر گزار رہا ہے؟ دولت مند پر ہی منحصر نہیں ایک عام شخص کے لئے بھی زندگی گزارنے، حسین اور جوان عورتوں کی کوئی کمی نہیں۔

ہم سب یہ سوچتے تھے کہ معلوم نہیں یہ کون ہے اور کس لئے یہاں آ کر آباد ہوا ہے؟ وہ کسی بھی بڑے شہر میں کوٹھی اور بنگلہ خرید کر رہ سکتا تھا۔ اس میں بہرحال ایک راز تھا۔ اس راز پر سے پردہ اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اس

بستی کے دونوکر اس کی حویلی میں کام کرتے تھے۔ ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ مالک ان سے کام کے سوا کوئی بات نہیں کرتا ہے۔

میرا کیا اس علاقے کے لوگوں کو بھی اس کے بارے مین کریدنے کا تجسس بیدار ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن میں پرویز کے ساتھ اس کی عظیم الشان حویلی میں داخل ہوا۔ پرویز سلہٹ میں انجینئر تھا اور میری فرم وہاں چائے کے باغات خریدنے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ میری فرم کے ایم ڈی نے چائے کے باغات خریدنے سے قبل یہ مناسب خیال کیا کہ کسی تجربہ کار شخص سے رائے مشورہ کرلیا جائے۔ پرویز کو اس کا بڑا تجربہ تھا۔ لہٰذا میں نے فرم کی رائے کے پیش نظر سودا کرنے سے پہلے پرویز سے رابطہ کیا تھا۔ کیوں کہ پرویز ایک ایسا شخص تھا کہ سونا چاندی، زمینیں اور باغات خریدنے کے بارے میں مستند رائے کا درجہ رکھتا تھی۔ وہ ایک روز باغات کے بارے میں بہت ساری تفصیلات لے کر میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی تفصیلی رپورٹ اپنے دفتر میں پیش کردی تھی۔ کسی نتیجے پر پہنچنے اور حتمی فیصلہ ہونے تک میں نے اسے اپنے ہاں ٹھہرالیا تھا۔ اس لئے بھی کہ اس سے صلاح مشورہ ہوتا رہے۔

ہفتے کی ایک شام جب ہم دونوں کے پاس گفتگو کے لئے کوئی موضوع نہیں رہا تو وقت گزاری مشکل محسوس ہوئی اور ایک بے زاری سی ہونے لگی۔ پھر مجھے ایک دم اپنے ہم سایہ کا خیال آیا کہ کیوں نہ آج کی شام اس کی نذر کی جائے۔ وہ انسان ہے، میرے دل میں ایک خیال یہ بسا ہوا تھا کہ وہ کوئی جن ہے جو انسان کے روپ میں رہ رہا ہے۔ ایک آدمی اتنی بڑی حویلی میں نہیں رہ سکتا تھا۔ آسیب ہی رہ سکتا تھا۔ لیکن نوکروں نے جن سے میرے مراسم تھے انہیں بھی اس بات کا ابتدا میں شک اور خوف تھا کہ ان کا مالک جو اس قدر پراسرار ہے وہ کوئی جن ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کا خوف اور شک دور ہوگیا۔ بس وہ ایک بات کہتے تھے کہ ان کا مالک بہت عجیب وغریب اور پراسرار ہے۔

میرے دل سے بھی شک نکل چکا تھا۔ چوں کہ پرویز بھی ساتھ تھا اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کی دعوت قبول کرلی جائے جو متعدد بار دے چکا تھا۔ میں نے پرویز سے چلنے کے لئے کہا تو وہ فوراً ہی تیار ہوگیا۔ میں اسے تنویر کے بارے میں دو ایک بار بتا چکا تھا۔ پرویز کو بھی تنویر کے بارے میں سن کر بہت تجسس ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ کیوں نہ اس سے ایک بار ملاقات کرلی جائے۔

میں نے پرویز کو آمادہ پا کر اس وقت ساتھ لے لیا اور حویلی کی طرف چل دیا۔ جب میں نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا دروازہ کھلنے میں لمحے بھر کی بھی دیر نہیں ہوئی۔ ایسا لگا کہ شاید اس کے کسی ملازم نے ہمیں صدر دروازے کی طرف آتے دیکھ لیا ہو۔ لیکن جب صدر دروازہ کھلا تو ہمارے سامنے کوئی نہیں تھا۔ تنویر موجود تھا۔ گھنٹی کے جواب میں تنویر کا ازخود فوراً ہی آنا تعجب خیز تھا۔ یہ بات قدرے عجیب اور بے حد پراسراری بھی لگی تھی۔ بغیر اطلاع کے جو ہم پہنچے تو ایک خیال پرویز کا یہ تھا کہ کہیں اسے ہمارا اچانک آنا گوارا نہ ہو۔ لیکن ایسی کوئی بات اس کے چہرے سے محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس نے نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ بڑی گرم جوشی سے اس طرح سے مصافحہ کیا جیسے ہماری عرصہ کے بعد ملاقات ہو رہی ہو۔ پھر وہ ہمیں اندر لے گیا۔

لیکن ایک بات نے مجھے چونکا دیا تھا کہ اس کی رہنمائی میں نشست گاہ کی طرف جاتے ہوئے ایک خادم بھی نظر نہ آیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کی حویلی میں چار ملازم تھے۔ ان میں سے ایک بھی اس عظیم الشان حویلی میں اس وقت موجود کیوں نہیں ہے؟ جانے کیوں میں نے خوف اور بڑی پراسراریت سی محسوس کی لیکن پرویز کی وجہ سے میں نے اپنا حوصلہ برقرار رکھا۔ میرا شک اس یقین میں بدل گیا تھا کہ تنویر یقیناً ایک جن ہے جو انسان کے روپ میں موجود ہے۔

موسم بے حد خوش گوار تھا۔ فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ اس موسم نے شام بڑی سہانی اور دل فریب کردی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں کی راہ سے ڈھلتے سورج کی کرنیں ماحول کو خواب ناک اور فضا کو عجیب رومان پرور بنا رہی تھیں۔ باہر باغ میں جو پھول کھلے ہوئے تھے ان کی بھینی بھینی خوشبو شام جاں معطر کررہی تھی۔ شہر کی مشینی اور گہما گہمی اور دفتر کی مصروفیت کی بارہ گھنٹے عادی زندگی گزارنے کے بعد جب ایسا ماحول کچھ دیر کے لئے ہی سہی میسر آتا ہے تو دل پر ایک عجیب کیفیت اور سحر طاری ہوجاتا ہے۔ دن بھر کی مصروفیت سے جو تھکن ہوتی تھی وہ تھوڑی دیر میں اتر جاتی تھی۔

مجھے اس حویلی کے مالک سے جس نے یہ حویلی تنویر کو فروخت کی تھی۔ اس کی زبانی یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ یہ تمام جاہ و حشم اور سرمایہ داری ماضی میں کان کنی کی مرہون منت ہے۔ یہ مغربی بنگال کی کان سے اس نے کمایا اور پھر وہ بنگلہ دیش چلا آیا۔ یہ زندگی اس نے کہاں اور کیوں کر بسر کی کوئی اس ضمن میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

تنویر...... پرویز سے بہت جلد گھل مل گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ دیرینہ شناسا ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پرویز بھی مغربی بنگال ہی میں پیدا ہوا تھا۔ آسام اور مغربی بنگال کی کانوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کررہے تھے۔ گویا برسوں کانوں کی زندگی سے منسلک رہے ہوں۔ ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ جب کہ میں صفر تھا۔ لیکن ان کی باتوں میں، میں دلچسپی لے اور سن رہا تھا۔ لیکن ایک بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ کہ پرویز بہت محتاط تھا۔ پرویز کی دانش مندی کہیے یا پیشہ ورانہ راز داری کہ اس نے تنویر پر کسی طرح یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ حال ہی میں مغربی بنگال گیا تا اپنی فرم کی جانب سے اور ایک کان کے متعلق ایک ضمنی رپورٹ لے کر آیا ہوا ہے۔

ان باتوں کے دوران ٹھنڈے مشروب کا دور بھی چلتا رہا تھا۔ یہ مشروب خود تنویر نے ہی بنایا تھا۔ یہ آم کا مشروب تھا۔ اس کے پاس اناناس کے جوس بھی تھے۔ جب اس نے مشروب پیا تو میرے دل کو اطمینان ہوا کہ تنویر جن نہیں ہے۔ جنات کیا کھاتے ہیں؟ کیا پیتے ہیں؟ یہ ایک راز ہے جو سنتے ہیں وہ مصدقہ نہیں ہے۔

اس کے بعد یک لخت ایک ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا جس کی توقع نہیں تھی اور نہ ہی اس بات کا دور دور تک کوئی امکان تھا۔ اس نے پرسکون ماحول کا دھارا ہی موڑ دیا تھا۔ فضا بڑی بوجھل سی ہوگئی۔ جو بدمزگی پیدا ہوئی تھی اس کی وجہ درحقیقت ایک چمگادڑ تھی۔ آپ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد شام کے سائے گہرے ہوتے ہی چمگادڑیں اپنے اپنے مسکن سے باہر نکلتی اور ادھر ادھر پرواز کرتے اور اڑتے ہوئے کیڑے مکوڑوں کو شکار کرکے اپنا پیٹ بھرتی ہیں۔ اگر گھروں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں تو اس قدر چپکے سے داخل ہوجاتی ہیں کہ خبر بھی نہیں ہوپاتی ہے۔ ایک کونے سے دوسرے کونے تک اڑتی رہیں گی۔ آپ احمقوں کی طرح اخبار یا کوئی چیز لے کر بظاہر انہیں نظر انداز کرنے کی کوشش کریں لیکن جب تک ان کی مرضی نہ ہوگی۔ وہ باہر نہیں نکلیں گی۔

گو کہ چمگادڑ ایک مکروہ پرندہ ہے انسان کو ان کی موجودگی سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ کم از کم ہندوستان اور بنگال میں یہ چمگادڑیں خون آشام نہیں ہوتی ہیں لیکن جو جنگلات میں ہوتی ہیں وہ اس قدر خوف ناک اور زہریلی ہوتی ہیں کہ ان کے کاٹنے سے انسان اس طرح مرجاتا ہے جیسے سانپ کے کاٹنے سے...... وہ کاٹنے کے بعد انسان کے جسم کا سارا خون پی جاتی ہیں۔ انہیں افریقہ میں جونک چمگادڑ کہا جاتا ہے۔

حالاں کہ یہ خون آشام چمگادڑ نہیں تھی۔ اس علاقے میں جو چمگادڑیں تھیں میں ان کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن اس شام کمرے میں ایک چمگادڑ کو دیکھ کر میرے ہم سایہ اور میزبان کے چہرے پر

خوف ودہشت کی جولہر نمودار ہوئی تھی اور چہرہ جو سفید پڑ تا چلا گیا تھا میں اس کی یہ حالت دیکھ کر قدرے خوف زدہ اور پریشان ہو گیا تھا۔

''اسے باہر نکالو۔'' تنویر دہشت زدہ لہجے میں چیخا۔ ''چمگادڑ کو باہر نکالو۔''

اتنا کہہ کر وہ بڑے صوفے پر گر گیا اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔

''مسٹر تنویر!......'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''چمگادڑ تو ایک بے ضرر پرندہ ہے۔ یہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس میں نقصان پہنچانے والی کوئی بات نہیں۔ میرے گھر میں چمگادڑیں گھس آتی ہیں۔ کبھی مجھے کچھ نہیں کیا۔''

اس پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا خوف کم ہوا اور نہ ہی اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔

پھر میں نے یہ کیا کہ کمرے کی روشنی گل کر دی۔ ایک دو مرتبہ ہمیں اپنے سروں پر چمگادڑوں کے پروں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ دو ایک چمگادڑیں اور بھی آ گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ میں نے دوبارہ کمرے میں روشنی کر دی۔ ابھی تک اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ لہو کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ ''پرویز!...... کیا...... وہ گئیں......؟'' تنویر اس قدر خوف زدہ تھا کہ وہ ان کا نام لیتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔

''جی ہاں......'' پرویز نے اسے جواب دیا۔

''آپ اب پریشان نہ ہوں۔ کمرے میں ہمارے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے......'' پرویز نے اسے پراعتماد لہجے میں یقین دلانے کے بعد کہا۔ ''آپ کے خوف و ہراس کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی شیطان یا بدروح دیکھ لی ہو...... کیا آپ چمگادڑ کو بدروح سمجھتے ہیں؟''

''جی ہاں......'' اس نے گردن ہلائی۔ ''میرے ساتھ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔'' تنویر نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

اسے جیسے اب بھی پرویز کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی کمرے میں ادھر ادھر اس طرح سے دیکھ رہا تھا جیسے کوئی چمگادڑ کہیں چھپی ہوئی نہ بیٹھی ہو...... وہ خود جیسے اچھی طرح سے دیکھ کر اپنی تسلی کرنا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں۔ کوئی اور موقع ہوتا۔ اس کی جگہ میرا کوئی دوست ہوتا تو میں بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑتا۔ لیکن اس وقت کچھ صورت حال ایسی تھی کہ مجھے اپنی ہنسی ضبط کرنی پڑی تھی۔ میری جگہ کوئی بچہ بھی ہوتا تو وہ بھی شاید ہنس پڑتا۔ حیرت کی بات تھی کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر وہ بے ضرر پرندے سے خوف کھا گیا تھا۔

میرے خیال میں اسے کبھی کہیں کسی ایسی چمگادڑ سے واسطہ پڑا ہوگا جو بدروح ہوگی۔ اس لئے بھی وہ یہ سمجھ کر دہشت زدہ ہوا ہوگا کہ کہیں یہ بدروح نہ ہو۔ اب اسے ہر چمگادڑ بدروح ہی لگتی ہوگی۔

''پلیز......! کھڑکیاں بند کر دیں۔'' تنویر کے لہجے میں بڑی لکنت تھی۔ اس نے میری اور پرویز کی طرف دیکھا تھا۔ چوں کہ کوئی ملازم موجود نہ تھا اس لئے یہ خدمت بھی مجھے ہی انجام دینا پڑی۔ میں نے کھڑکیاں بند کیں تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

الماری جو ایک دیوار میں نصب تھی۔ اس نے اس کے دونوں پٹ کھولے۔ اس میں مختلف اقسام کی شراب کی بوتلیں تھیں۔ اس نے پلٹ کر ہماری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اس نے چند ایک شراب کے نام بتاتے ہوئے پوچھا کہ ان میں سے کون سی شراب پینا پسند کریں گے؟ ہم نے نفی میں سر ہلا کر اسے بتایا کہ ہم نے کبھی کوئی شراب نہیں پی۔ اس نے الماری میں سے وہسکی کی بوتل نکالی۔ اس کمرے کے ایک کونے میں میز کے پاس فریج تھا جس میں سے اس نے ٹھنڈا پانی نکال کر مشروب بنا کر پلایا تھا۔ اس نے فریج میں سے سوڈے کی بوتل نکالی۔ اس نے اپنے منتشر حواس پر قابو پانے کے لئے ایک تلخ مشروب تیار کیا اور ایک ہی

سانس میں حلق سے نیچے اتار گیا۔ ایسے سہانے موسم میں اور پھر ایسے لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے کبھی اپنی زندگی میں شراب کو منہ نہیں لگایا ہو شراب کا پینا ایک گناہ سے کم نہ تھا اور پھر دیکھا جائے تو ایک طرح کی بدتہذیبی بھی تھی۔ لیکن میں بھلا اعتراض کرنے والا کون...... وہ ہمارا میزبان تھا۔ ہم سایہ بھی تھا۔ دولت مند بھی تھا۔ دولت مند شراب پیتے ہیں اپنے اعصاب کو تقویت پہنچانے کے لئے...... چند غریب بھی اپنے غم بھلانے کے لئے پیتے ہیں۔

شراب کے اس بڑے پیگ نے اس پر خاصا اچھا اثر کیا تھا۔ چند لمحوں میں ہی اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے۔ اس کی دہشت اور وحشت کم ہوگئی۔ اب وہ بڑا پرسکون دکھائی دینے لگا۔ پھر اس نے ہم دونوں سے معذرت طلب کی کہ اسے اپنا ڈر خوف دور کرنے کے لئے مہذب مہمانوں کی موجودگی میں غیر مہذبانہ حرکت کرنی پڑی جس پر وہ سخت نادم اور معافی کا خواستگار ہے۔

پھر بات چیت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ لیکن شاید یہ اس ماحول کا اثر تھا کہ گفتگو جادو ٹونے اور ایسے مافوق الفطرت موضوع پر چل نکلی۔ بچپن میں دادی، نانی اور خاندان کی بڑی بوڑھی عورتیں پر اسرار، خوف ناک اور جادوئی کہانیاں سناتی تھیں۔ ان میں بڑا لطف آتا تھا۔ تجسس اور اشتیاق سے سنتے اور یہ کہانیاں بہت پسند آتی تھیں۔ لیکن یہ ایسا موضوع ہے کہ آدمی عمر کے کسی بھی حصے میں کیوں نہ ہو دلچسپی سے سنتا ضرور ہے۔ تجسس اور حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

پرویز نے چند ایسی پر اسرار کہانیاں جو آسام، بنگال اور نیپال کے جنگلی قبائل کے متعلق تھیں۔ آسام اور بنگال میں ماضی میں جادوگروں اور جادوگرنیوں کی بستیاں آباد تھیں۔ دنیا میں نہ صرف زلف بنگال کا شہرہ تھا بلکہ یہاں کا جادو بھی مشہور تھا۔ بنگال کے جادوگروں نے مصر، یونان اور افریقہ کے جادوگروں کو کئی مقابلوں میں مات بھی دی تھی۔ بنگال میں بڑے بڑے مایہ ناز جادوگر رہے نہ تھے۔ لیکن آج بھی جادوگر اور جادوگرنیاں موجود تھیں۔ لیکن دور دراز اور پس ماندہ علاقوں میں ان کے مسکن تھے۔ اب جادو ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی جگہ شعبدہ بازی نے لے لی تھی۔

پرویز نے جو پراسرار اور سنسنی خیز اور ڈراؤنی قسم کی کہانیاں سنائی تھیں میں ان سے متاثر نہ ہو سکا۔ ایک بنگالی ہونے کے ناتے مجھے آسام اور بنگال کے قبائلیوں کے متعلق بہت علم تھا۔ پرویز نے جو کہانیاں سنائی تھیں ایسے لوگ بہت متاثر ہوتے جو توہمات سے پر روایتوں پر یقین رکھتے ہیں، پھر دیہاتی قسم کے لوگ...... سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ شہری آبادی کا بچہ بھی نہ تو ان کہانیوں سے متاثر ہو سکتا ہے اور نہ دلچسپی لے گا۔ کیوں کہ سائنس فکشن انہیں پسند ہوتا ہے۔

تنویر کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ نہ تو بنگالی تھا اور نہ ہی آسامی، وہ برطانوی نژاد تھا۔ جب انگریز ہندوستان آئے تو اس کے خاندان کے افراد آکر یہاں بس گئے تھے۔ جب ہندوستان، بنگال اور آسام انگریزوں کے جبر و استبداد سے آزاد ہوا تو بہت سارے خاندان یہاں رہ گئے تھے۔ کسی نہ کسی وجہ، کسی ضرورت اور مجبوری کے تحت یا پھر انہیں یہ سرزمین بھا گئی تھی۔

''کیا آپ جادو ٹونے پر یقین رکھتے ہیں۔ مسٹر عبدالسلام!'' تنویر نے مجھ سے سوال کیا۔ ''جب کہ آپ بنگالی ہیں؟''

''جی نہیں......'' میں نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ ''میرے نزدیک یہ خرافات ہیں۔ لہٰذا میں ان پر یقین نہیں رکھتا۔ بس یہ صرف قصہ کہانیاں اور گھڑی ہوئی دلچسپ کہانیاں اور قصے ہیں...... یقین تو حقیقت پر رکھا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ ساری کہانیاں غیر حقیقی ہیں اس لئے میں انہیں کسی قابل نہیں سمجھتا ہوں۔''

''بس...... یہی آپ کی غلطی ہے۔'' تنویر کہنے لگا۔ ''آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ جادو کا وجود تھا اور آج بھی ہے...... حضرت موسیٰ اور

فرعون...... مصر میں اور دنیا کا کون سا ایسا علاقہ ہے جہاں جادو نہیں تھا اور آج بھی ہے...... اگر میں جادوئی علوم پر اعتقاد نہ رکھتا تو آج یہاں اس شان و شوکت سے آپ کے سامنے نہ ہوتا۔''

''کیا آپ مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہے ہیں؟'' جانے کیوں میرے لہجے میں ترش روی سی آ گئی جس پر افسوس ہوا۔

''شاید......!'' تنویر مسکرا دیا۔ اس نے میرے تلخ لہجے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو اپنے ماضی کے بارے میں بتا تا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی کہانی ہے...... ہاں میری آپ بیتی ہے۔ مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ میں اسے مجبور نہیں کرتا کہ اس کا یقین کرلے...... میں آسام، مغربی بنگال اور نیپال میں تیرہ برس خاک چھانتا رہا۔ جوتے گھستا رہا ہوں۔ تیرہ برس...... یہ ایک لمبا عرصہ ہے۔ آپ اسے تیرہ صدیاں سمجھ لیں۔ غربت و افلاس میری چولی دامن کا ساتھ تھا۔ وہ جیسے میرا مقدر بن گیا تھا...... میرے خاک چھاننے کا مطلب شاید آپ سمجھ نہ سکیں۔ میں تلاش روزگار میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اگر کوئی مزدوری کہیں میسر آ جاتی تو وہ جز وقتی ہوتی۔ اتنا ہوتا کہ دو وقت کھانے کو مل جاتا تھا۔ جب فاقوں کی نوبت آتی تو میں کسی ہوٹل کے عقب میں چلا جاتا۔ جہاں کوڑا کرکٹ ہوتا تھا۔ ہوٹل والے بچا کھچا اور باسی کھانا پھینکتے تھے۔ پھر میں ان میں ٹکڑے تلاش کرتا...... انسان میں جو جینے کی آرزو ہوتی ہے وہ مرنے نہیں دیتی۔ میں اس لئے بھی کھانا تلاش کرتا تھا کہ کم از کم جسم اور روح کا تعلق تو قائم رہے اسے برقرار رکھ سکوں۔

آسام اور مغربی بنگال ہمیشہ سے بڑا زرخیز اور زرعی ملک رہا ہے۔ انگریزوں نے یہاں بڑا راج کیا۔ ہر جگہ غریب کو وہ کسی بھی ملک و قوم سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو اسے ایک ہی لکڑی سے ہانکا جاتا ہے۔ پھر میری زندگی میں ایک نیا دن طلوع ہوا۔ میری کایا پلٹ گئی...... ہوا کیا تھا آج بھی سوچتا ہوں تو ایک خواب سا معلوم ہوتا ہے۔ ان دگرگوں حالات میں جب میں اپنی زندگی اور مستقبل سے مایوس ہو چلا تھا۔ میرا سامنا جادوئی علوم کے جاننے والوں سے ہوا۔ پھر میرا گھر دولت سے بھرتا چلا گیا۔ دولت میرے گھر کی لونڈی بن گئی۔ جب ایک بار سرمایہ میرے ہاتھ لگا تو میں نے سوچا کہ کیا کروں! اس میں اضافہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر میں نے تجارت کے بارے میں سوچا۔ تجارت میں بڑا منافع تھا۔ رقم ڈوبنے یا کسی قسم کے نقصان کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر میں نے اپنے کاروبار کو فروغ دیا۔ کاروبار مجھے بہت راس آیا۔ اس لئے کہ میں اس کے اسرار و رموز سے واقف ہو چکا تھا۔

میں جو باتیں بتا رہا ہوں کوئی بائیس برس پہلے کی ہیں۔ آخر میری کوششوں اور تجارت کی آمدنی سے اتنا زبردست فائدہ ہوا کہ میرے پاس بے پناہ دولت جمع ہوگئی۔ دولت اتنی ہے کہ میں باقاعدہ زندگی بافراغت سے بسر کر سکوں۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے بنگلہ دیش جا کر رہائش اختیار کر لینی چاہئے۔ مجھے شروع سے ہی بنگلہ دیش بہت پسند تھا، میں اس لئے یہاں آ گیا کہ یہاں آسودہ حال زندگی اپنا لوں۔ سو میں نے اپنا لی۔ میں بقیہ زندگی یہیں گزاروں گا۔''

تنویر نے یہ داستان کچھ اس انداز سے بیان کی تھی کہ اس کی تردید کرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس میں بڑی سچائی محسوس ہوئی تھی...... وہ ایک ذی ہوش انسان تھا۔ کوئی خبط الحواس بھی نہ تھا۔ جس کے حواس خمسہ صحیح کام کر رہے تھے...... اس میں ظاہری طور پر کوئی نقص بھی نظر نہ آتا تھا...... یہی وجہ تھی کہ جب وہ چمگادڑ کی موجودگی سے حواس باختہ ہوا تھا تو میں حیران و پریشان رہ گیا تھا۔ میں چمگادڑ سے نہیں بلکہ اسے خوف زدہ دیکھ کر

قدرے خوف زدہ اور پریشان ہوا تھا۔

''مسٹر تنویر......! مجھے افسوس ہے کہ جناب......! میں ان پراسرار علوم پر قطعی یقین نہیں رکھتا۔'' میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''شاید اس لئے کہ مجھے اس صورت حال سے کبھی واسطہ نہیں پڑا...... اگر آپ اپنے نا قابل یقین حالات پر مزید روشنی ڈالیں گے تو آپ کی عنایت ہوگی۔ میرے دل میں تجسس سا ہو رہا ہے۔''

وہ ایک لمحہ میرا چہرہ تکتا رہا۔ پھر کہنے لگا......

''بہت بہتر مسٹر عبدالسلام......! اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو پھر یہی سہی۔ آپ اپنے اور اپنے دوست کے لئے کوئی جوس تیار کرلیں۔ میں بھی اپنی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ذہن کے دریچے ایک ایک کرکے کھولتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میری یادداشت ابھی دھندلی نہیں ہوئی۔''

میں نے دو کے بجائے تین گلاس لیمن جوس کے بنائے۔ ایک پرویز کو دیا۔ دوسرا تنویر کی طرف بڑھا اور تیسرا میں نے خود لے لیا۔ پھر اس نے اپنے مشروب کا ایک گھونٹ لیا اور گلاس کو تھامے رکھا اور بات شروع کی۔

''میں نے ابھی شیطان اور طاغوتی قوتوں کا ذکر کیا تھا...... ممکن ہے کہ یہ طاقتیں انسانی ذہن کی اختراع ہوں...... پھر بھی اس کرۂ ارض پر ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو اپنی خفیہ سفلی طاقتیں بروئے کار لاکر شیطان کو حاضر کرلیتے ہیں...... پتا نہیں کس طرح......؟ لیکن شیطان اس وسیع و عریض کائنات میں ہر وقت موجود رہتا ہے اور کچھ جانداروں میں تو چند ایسی مخصوص صفات موجود ہیں جن کے توسط سے ایک وائرلیس کی طرح وہ شیطان کی موجودگی محسوس کرلیتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ بلی ہی کو لے لیں...... یہ نہایت چالاک اور ہوشیار جانور ہے۔ اس کی جبلت تو دیکھئے کہ یہ کس طرح تاریکیوں میں بھی باریک سے باریک شے دیکھ لیتی ہے اور اس کی نظریں وہ چیزیں تک دیکھ لیتی ہیں جو انسانی آنکھوں سے کوسوں دور ہیں۔ ہم نے اکثر اوقات اسے کمرے میں کسی نادیدہ شے کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ماورائی شے بھی اس کے سامنے موجود ہوتی ہے...... لیکن ہماری آنکھ اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ یہی حال چمگادڑ کا بھی ہے...... یہ شیطانی قوت کی موجودگی کو فوراً ہی پہچان لیتی ہے اور وہیں جا پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جادوئی علوم جاننے والوں کے نزدیک چمگادڑ شیطانی اور طاغوتی طاقت کا مظہر ہے۔ بظاہر یہ جانور حقیر اور بے ضرر ہیں لیکن جب پراسرار اور مخفی طاقتیں ان کے روبرو ظاہر ہوتی ہیں تو یہ جانور نہایت ہی درجے خطرناک بن جاتے ہیں۔ بہرکیف یہ ذکر تو یوں ہی برسبیل تذکرہ آ گیا تھا......

میں نے تیرہ برس تک نہ صرف آسام اور بنگال بلکہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی جوتے چٹخائے اور ایسا کون سا پیشہ تھا جسے میں نے اختیار نہ کیا ہو۔ دراصل ضرورت، مجبوری اور پیٹ کیا کچھ نہیں کرواتا ہے۔ کلکتہ سے دہلی...... دہلی سے ممبئی...... اور مدراس شہر تک، خلاصی، کاشت کار، مزدور، بوٹ پالش، ٹرک کلینر، سیلز مین اور دفتری کلرک، غرض کہ ہر وہ کام کیا جس کی مجھے پیش کش کی گئی...... میں نے سڑکوں پر جھاڑو تک دی اور لوگوں کے برتن اور فرش تک صاف کئے۔

شب و روز کی محنت اور مشقت سے میرا برا حال ہوگیا تھا۔ حالات نے مجھے گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ فاقوں کے باعث میری ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ لیکن یہ محض جینے کا عزم صحیح تھا کہ میں کسی محنت شاقہ کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اسی طرح ٹھوکریں کھاتا ہوا میں بنگلور شہر پہنچ گیا۔ یہ جنت ارضی خطہ میسور صوبے میں واقع ہے۔ جس کی خوب صورتی سوئٹزرلینڈ کے جنت زاروں کو شرماتی ہے۔ آج کل تو اس شہر کی خوب صورتی کا کیا کہنا...... اس کی آبادی لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ انگریزوں نے اس شہر میں چھاؤنی بنائی اس شہر کو خوب ترقی دی۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی بھی کثرت

سے تھی۔ آج اس شہر نے جو ترقی کی وہ ہندوستان میں کسی شہر کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہ شہر انگریزوں کو بہت بھایا تھا۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ ان کی باقیات اس شہر میں ہے۔

اس شہر کے ایک ہوٹل میں میری ملاقات ایک عرب آباد کار شیخ سے ہوئی۔ اس کے پردادا افریقہ سے آ کر یہاں بس گئے تھے۔ نام اس کا شیخ طارق تھا لیکن سبھی اسے شیخ کے نام سے پکارتے تھے۔ اس نے مجھے اپنی کرالی میں کام کی پیش کش کی۔ میں خود ان دنوں کام کی تلاش میں تھا۔ اس شہر کی تعریف سن کر ایک مال بردار ٹرک کے ڈرائیور کی خوشامد کر کے جو بنگلور جا رہا تھا۔ اس شہر میں آیا تھا۔ ٹرک ڈرائیور مسلمان تھا۔ اس لئے اس نے مجھے اس شہر تک پہنچایا تھا۔ میری زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے اس نے مجھے دس روپے دیئے تھے۔ میں اس ہوٹل میں کھانا کھانے آیا تھا۔ چنانچہ میں نے شیخ کی نوکری کو غنیمت جانا اور اس کی پیش کش فوراً ہی قبول کر لی تھی۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ کام کی نوعیت کیا ہے...... اس کا ملازم ناگہانی طور پر موت کا شکار ہو گیا ہے اور اسے اپنی دکان کی دیکھ بھال کے لئے کسی مناسب آدمی کی ضرورت ہے۔

شیخ...... پختہ عمر، سرخ رو اور طوطے کی مانند چونچ جیسی ناک کا حامل تھا۔ لیکن میری چھٹی حس تاڑ گئی تھی کہ یہ شخص اپنے فن میں بہت گہرائی رکھتا ہے۔ بہر حال مجھے تو نوکری سے مطلب تھا...... میں نے اس کی نوکری پر اس لئے آمادگی ظاہر کی تھی کہ وہ مسلمان تھا۔ میں نے بہت سارے ہندوؤں کے ہاں ملازمت کی تھی۔ لیکن میں نے یہ دیکھا۔ محسوس کیا اور میرا تجربہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں۔ سارے ہندو ایسے نہ تھے جو تھے وہ میرے ساتھ ہتک آمیز انداز سے پیش آتے تھے۔ اجرت بھی کم دیتے تھے۔ اجرت دیتے ہوئے ان کی موت آتی تھی۔ خوب رلا رلا کر دیتے تھے۔ لیکن مسلمان مالک کچھ خیال کر لیتے تھے۔ بعض ان میں یہودیوں کی سی فطرت رکھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ نام کے مسلمان تھے۔ مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں رہی تھی وہ کیا اور کیسے ہیں۔

جب میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو وہ بہت خوش ہوا اور مجھے اپنی کرالی میں لے آیا۔ وہ اس لئے خوش ہوا کہ میں ہم مذہب ہوں چوں کہ ان دنوں مسلمانوں کے مالی حالات اچھے نہیں تھے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے زیادہ کام آنا چاہتا تھا۔ اس کی کرالی شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر تھی۔ اس کی پختہ جھونپڑیوں کے آس پاس بہت ساری گھاس پھوس کی جھونپڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے اپنا گودام بھی دکھایا جسے دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا۔ نظروں کو یقین نہ آیا۔

وہاں ٹین کے چند خالی کھڑکھڑاتے ہوئے ڈبے اور مردہ چوہے تھے۔ میں اس کے کاروبار کے سلسلے میں مزید سوال نہ کر سکا۔ کیوں کہ مجھے تو اپنے کام سے کام...... تنخواہ سے مطلب تھا۔ البتہ میرا دل یہ گواہی دے رہا تھا کہ اس کا سابق ملازم غالباً اپنے مالک کے کاروبار کے متعلق بہت کچھ جان چکا تھا۔ اس لئے اسے زبردستی راہی عدم کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک اندیشہ دل میں ابھرا کہ کہیں میرا بھی یہی حشر نہ ہو۔ نجانے اب تک کتنے ملازم اس نے اوپر بھیج دیئے ہوں۔ اب میری باری ہے۔ میرے بعد کسی اور بدنصیب کی باری ہو گی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے یہ سوچ کر اندیشہ کافور ہو گیا کہ اب موصلوں سے کیا ڈرنا جب اوکھلی میں سر دے دیا ہے۔ میں زندگی سے پہلے ہی لاچار و مجبور تھا۔ اب زندگی کا خطرناک پہلو بھی دیکھنے کی تمنا دل میں ابھر آئی تھی...... اور پھر میں یہ بات جانتا تھا کہ موت کا ایک دن معین ہے۔

میرے خیال میں پیٹ سے زیادہ ظالم چیز کوئی نہیں ہے۔ جب میں بے روزگاری کے دلدل میں تھا اور فاقوں کی نوبت آئی تھی ایک زیرزمین کے شخص سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں بھوک اور فاقے سے ایک ہوٹل کے باہر غشی کی سی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس شخص نے

مجھے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ مجھے ہوٹل میں لے گیا۔ اس نے میرے لئے پر تکلف کھانا منگوایا۔ جب میں کھانا کھا چکا اور چائے نوشی کے دوران اس نے میرے حالات کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے گروہ میں شامل ہو جاؤں تو عیش کر سکتا ہوں۔ شراب، ہر عمر کا شباب اور مال ہی مال ملے گا۔ تمہیں ہر کام کی تربیت دی جائے گی۔ جیب تراشی کا فن سکھایا جائے گا۔ اسلحہ کا استعمال بھی...... تمہیں منشیات کے کاروبار میں دس فیصد منافع بھی مل سکتا ہے...... اس نے سو کا ایک نوٹ میری جیب میں ٹھونس دیا اور کہا کہ کل میں اسی وقت اس ہوٹل میں ملوں۔ میں دوسرے دن اسے نفی میں جواب دینے ہوٹل پہنچا۔ مجھے دس منٹ کی دیر ہوگئی تھی۔ ہوٹل کے سامنے بھیڑ جمع تھی اور ایک پولیس وین کھڑی تھی۔ بھیڑ کے درمیان ایک لاش پڑی تھی۔ یہ اسی شخص کی لاش تھی جس نے مجھے کھانا کھلایا۔ سو روپے دیئے۔ اپنے باس کا نام اور اڈے کا پتا بھی بتایا تھا۔ بھیڑ میں مجھے کسی نے بتایا کہ یہ پیشہ ور قاتل تھا۔ اس کے مخالف گروہ نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے نامساعد حالات میں سمجھوتا نہیں کیا۔ کسی بھی گروہ میں شامل نہیں ہوا۔ طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا۔ شیخ سے کیا ڈرتا۔

جس وقت سے میں اپنے نئے آقا کے ساتھ ہوا تھا میں برابر چہرے سے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا وہ اس تذبذب میں ہے کہ مجھ پر اعتماد کرے یا نہ کرے۔ اگر ایسی بات تھی تو اسے چاہئے تھا کہ وہ مجھے ملازمت کی پیشکش نہ کرتا لیکن وہ مشکوک کیوں ہو رہا تھا یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ میں اسے کیسے یقین دلاتا کہ میں بڑے بھروسے کا آدمی ہوں۔

چنانچہ ایک دن جب ہم دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے مجھے اعتماد میں لیتے ہوئے اپنے تمام کاروباری راز ایک ایک کر کے مجھ پر منکشف کر دیئے۔ جس کا مجھے بہت دیر تک یقین نہ آیا کہ وہ بتا دے گا۔ میں نے اسے بڑا پراسرار اور محتاط پایا تھا...... اس کے کاروباری راز کیا تھے...... اسلحہ کی اسمگلنگ اور سپلائی اس کا اصل اور بے حد منافع بخش کاروبار تھا۔ اس کا یہ سلسلہ سیاسی پارٹیوں سے بھی تھا لیکن وہ مافیاؤں کو سپلائی کرتا تھا۔ اس کا یہ سلسلہ بڑے شہروں تک پھیلا ہوا تھا۔ ویسے اس کے بیوپاری تامل ناڈو کے تھے۔ وہ اس سے اسلحہ خرید کر سری لنکا بھیجتے تھے جو تامل ٹائیگرز کو پہنچایا جاتا تھا۔

اس کے دفتری حساب کتاب کا رکھ رکھاؤ تو میرے ذمے تھا۔ تمام کھاتے اور حساب کتاب بوگس اور جعلی تھے۔ اس نے خاص اصطلاحیں رائج کی ہوئی تھیں۔ براؤن شکر کا مطلب تھا دو گولیاں اور سفید کھانڈ کے معنی پانچ کارتوس تھے۔ کارتوس پر اس طرح رنگ چڑھایا جاتا کہ وہ خاص سکے معلوم ہوتے تھے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو شیخ اپنے کاروبار میں زبان کا پکا اور گانٹھ کا سچا تھا...... بلاشبہ وہ اپنے حساب کتاب میں اتنا ماہر تھا کہ آڈٹ کرنے والے بھی کیا ہوں گے۔ میں نے بہت کم ایسے اصولی شخص دیکھے تھے۔ اس کے نزدیک ایک کاروباری کو اصول پسند ہونا چاہئے۔

میں بھی ایک اصول قسم کا ملازم تھا۔ میں اپنے فرائض اس کے منشاء اور امتحان کے مطابق خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا۔ میں نے کبھی غفلت نہیں برتی اور نہ کوتاہی کی۔ اس لئے کہ مجھے پہلی بار سکون قلب کی ملازمت ملی تھی۔ میں اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ ساتھ وہ اسمگل کی ہوئی شراب بھی فروخت کرتا تھا۔ یہ غیر ملکی شراب ہوتی تھی۔ ان دنوں پورے مہاراشٹر صوبے میں شراب پینے اور فروخت کرنے پر سخت پابندی تھی۔ اس پابندی سے اس کے کاروبار کے مزے آ گئے تھے۔ اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔

رفتہ رفتہ مجھ پر یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ شراب اور اسلحہ کی فروخت کے ساتھ ساتھ وہ ساہوکار بھی تھا...... انسانوں کا ساہوکار، ایک بردہ فروش...... اس کی عادت، یہ کاروبار، اسے جادو کے بحر عقیق میں لے

ڈوبی۔ کاش...... وہ یہ کاروبار نہ کرتا...... دولت کی ہوس بہت بری ہوتی ہے۔ جس کے پاس جتنی زیادہ دولت ہوتی ہے اس کی ہوس دولت کے حصول کی اتنی ہی بڑھتی ہے۔

میری آمد سے قبل ہی شیخ کی دوستی اور تعلقات رنگا سوامی سے قائم تھے۔ رنگا کرناٹکی ڈاکٹر تھا جو صرف جادو ٹونے کا علاج کرتے ہیں۔ سفلی علوم کے ماہر ہوتے ہیں۔ طب جدید کے قریب پھٹکتے نہیں ہیں۔ شاطر، قیافہ شناس اور نفسیات کے ماہر جو مریضوں کو اپنا اسیر بنا لیتے ہیں۔ یہ نیم حکیم خطرہ جاں بھی ہوتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں کن خطوط پر کام کرتے ہیں جب کبھی بھی جادوگر ڈاکٹر آتا تو چیتے کی کھالوں اور ہاتھی دانت سے بھرے ہوئے تھیلے بھی ہوتے تھے۔ میسور کا جنگل دنیا کے بہت بڑے جنگلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بنگلور سے گھنٹوں کی مسافت پر تھا۔ ڈاکٹر جادوگر کے لئے ان کا حصول شاید آسان تھا۔ کیا ذریعہ تھا مجھے اس کے بارے میں بالکل بھی علم نہ تھا۔ وہ ہاتھی دانت اور کھالیں نہ لاتا تو پھر کوئی اور چیز ساتھ لے آتا تھا۔

شیخ اس سے ہمیشہ تنہائی میں ملاقات کرتا۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا لیتا تھا۔ حالاں کہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ یہ ملاقات بڑی پراسراری ہوتی تھی۔ کبھی دروازہ قدرے کھلا رہ جاتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ سننے والے کی سمجھ میں کچھ نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے تجسس کے زیر اثر دو ایک مرتبہ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایک لفظ بھی پلے نہ پڑ سکا۔ شاید اس لئے کہ وہ کوئی اور ہی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ دونوں شراب نوشی کے عادی تھے۔ گھنٹوں شراب سے شغل کرتے تھے۔

ڈاکٹر جادوگر رنگا میسور کے جنگل کے قریب مضافات میں رہتا تھا۔ وہاں چھوٹے بڑے ان گنت گاؤں تھے۔ اس کا اپنا ایک قبیلہ تھا اور قریب کی بستیوں پر اس کی حکومت تھی۔ اس کا فرمان چلتا تھا۔ ڈاکٹر جادوگر رنگا کنواری لڑکیوں کو ہمیشہ شیخ کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا۔ وہاں سے ہندوستان کے باہر کی منڈیوں میں انہیں چوری چھپے لے جا کر نیلام اور فروخت کر دیا جاتا تھا۔ دبئی کے علاوہ اور بھی ممالک میں ان کی بڑی مانگ تھی۔ شیخ نے کچھ ایسا بندوبست کیا ہوا تھا کہ لڑکیوں کو راتوں رات اپنے ہاں سے ہٹا دیتا تھا۔ یہ لڑکیاں تین سے پانچ چھ ہوتی تھیں۔ ان کی عمریں پندرہ برس سے زیادہ کی نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن وہ نگینوں کی طرح ہوتی تھیں۔

یہی حشر ان مردوں کی حسین و جمیل اور نوجوان بیویوں کا ہوتا جو کسی مجبوری کے تحت شیخ سے قرض لیتے تھے۔ پھر وقت مقررہ میں اسے رقم ادا نہ کر پاتے...... شیخ زبردستی ہانک کر ان کی بیویوں کو اپنی کرالی میں لے آتا۔ پھر انہیں بے زبان جانوروں کی طرح ہندوستان کی بازار حسن کی یا پھر باہر کی منڈیوں پر بھیج دیا جاتا۔ یہ غلط کام تھا۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ بڑا بارسوخ، بااثر اور طاقت ور تھا۔ پولیس کے حکام کو اس طرح سے خوش کرتا اور رکھتا تھا کہ چھاپہ پڑنے یا اس پر ہاتھ ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ ایک مذموم کاروبار تھا۔ لیکن سب چلتا تھا اور چل رہا تھا۔

مصیبت کا آغاز دراصل اس وقت ہوا تھا جب مجھے اس کے ہاں ملازمت اختیار کئے ہوئے نو دس ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اب ڈاکٹر جادوگر رنگا کے لئے کنواری لڑکیوں کا حصول دشوار ہو گیا تھا۔ کیوں کہ ان کی قلت پیدا ہو چکی تھی۔ اسے اپنی عیش و عشرت سے بھری زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ساری رقم جلد اڑا دیتا تھا۔ وہ شاہ خرچ تھا۔ چوں کہ اس آسائش بھری زندگی کا وہ عادی ہو چکا تھا اس کے بغیر کیسے رہ سکتا تھا اور پھر اس کی عزت میں بھی فرق آ رہا تھا۔

ڈاکٹر جادوگر رنگا نے شیخ سے قرض لینا شروع کیا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں رہا تھا۔ شیخ دوستی کا دیرینہ تعلقات اور کنواری لڑکیوں کی امید پر شیخ نے اسے دل

کھول کر قرض دیا ہوا تھا اور یہ قرض اس حد تک بڑھ گیا کہ ان کا بال بال قرضے میں بندھ گیا اور اس کی واپسی کی امید نظر نہ آئی۔ وہ اس دوران دو تین لڑکیاں لایا تھا لیکن وہ کنواری نہیں تھیں اور نہ ہی محبوب صورت تھیں۔ اس پسند اور معیار کی نہیں تھی جو سوداگر شیخ سے خریدتے تھے۔

آخر ایک روز میری موجودگی میں شیخ نے اس سے کہا۔ "اب میں تمہیں ایک دمڑی بھی قرض نہیں دوں گا۔ تاوقتیکہ تم کوئی لڑکی نہیں لاتے...... کوئی ضروری نہیں تم تین چار یا پانچ چھ لڑکیاں...... صرف ایک لڑکی لاؤ۔ لیکن وہ سینکڑوں میں تو ایک ہو۔"

اب تو ڈاکٹر جادوگر کے لئے ایک لڑکی کا حصول ناممکن دکھائی دیتا تھا...... آخر شیخ نے ڈاکٹر جادوگر رنگا کو قرض دینے سے ہاتھ روک لیا جس کی توقع نہیں تھی۔ شیخ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایک دمڑی دینے سے بھی قاصر ہے۔

ڈاکٹر جادوگر رنگا...... شیخ کے پاس آتا اور مزید رقم کے لئے گڑگڑاتا...... منت سماجت کرتا...... جب شیخ کسی طرح موم نہیں ہوتا تو وہ اپنا لاٹھی نما عصا سنبھالے، دھمکیاں دیتا ہوا رخصت ہو جاتا۔ انتہائی نفرت اور غصے کی حالت میں......

شیخ کے لئے ڈاکٹر جادوگر رنگا کی دھمکیاں کوئی نئی بات نہ تھیں۔ وہ عورتیں جن کے شوہر قرض کے عوض رہن رکھتے تھے۔ قرض نہ دینے کی صورت میں جب انہیں شیخ فروخت کر دیتا تو وہ بھی اسے سخت دھمکیاں دے جاتے۔ لیکن وہ نہ ڈرتا، نہ خوف زدہ ہوتا تھا۔

اس نے ڈاکٹر جادوگر رنگا سے ایک روز صاف صاف یہ کہہ دیا کہ...... "اگر وہ مزید کنواری لڑکیوں کا بندوبست نہیں کر سکتا تو پھر اسے اپنی بیویوں کو بیچنے کا بندوبست کرنا چاہئے۔ اب اس کے سوا کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔"

شیخ میں ایک اچھی بات یہ تھی کہ اس مذموم کاروبار میں ملوث ہونے کے باوجود اس نے کبھی کسی کنواری لڑکی یا عورت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ شاید اس لئے کہ اسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ کوئی اور شخص ہوتا تو ان عورتوں اور لڑکیوں سے فائدہ اٹھانے سے بعض نہیں رہتا۔ اگر وہ ان لڑکیوں اور عورتوں کو کھلونا بناتا تو اس کی بیوی بیلا کو ہوا بھی نہیں لگتی...... اسے دولت کی ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔

اگرچہ ان ملاقاتوں کے دوران میں کبھی بھی موجود نہ رہا۔ لیکن اب میں مقامی زبان قدرے جان چکا تھا۔ وہ کنٹری زبان میں بات کرتے تھے۔ یوں تو عام طور پر لوگ اردو زبان بولتے تھے لیکن جب مقامی بعض اوقات کسی وجہ سے مقامی زبان میں بات کرتے تھے۔ جب وہ چلا چلا کر باتیں کرتے تو میں ان کی تیز و تند اور تلخ باتوں کا مطلب پا جاتا تھا...... اور جب جادوگر غیظ و غضب کی حالت میں اپنا سیاہ عصا ٹیکتا ہوا رخصت ہوتا...... تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ آج پھر وہ خالی ہاتھ واپس جا رہا ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا اور آنکھیں انگارے برسا رہی ہوتی تھیں۔ جب کہ شیخ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک روز جادوگر رنگا تین عورتوں کو ساتھ لے کر آیا۔ میں ان حسین عورتوں کو دیکھ کر جادوگر رنگا پر رشک کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے نہایت حسین عورتوں کو جانے کہاں سے اور کیسے اور کس طرح سے حاصل کیا تھا۔ وہ ان عورتوں کو جو لے کر آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ عورتیں اصل رقم کی ادائیگی کے عوض ہیں۔ لیکن شیخ کی فطرت ایک یہودی سود خور کی سی تھی۔ اس کی ماں یہودن تھی۔ شاید اس لئے وہ یہودی فطرت کا بن گیا تھا۔ عرب میں بہت سارے لوگوں کی بیویاں یہودی تھیں۔ وہ ان کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر شادی کر لیتے تھے۔ یہودی عورتوں کے بے انتہا حسین ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں...... ہاں تو میں یہ بتا رہا تھا کہ شیخ یہودیوں کے قومی پیمانے اور حساب سے قرض واپس لیا کرتا تھا۔ اصل رقم کی واپسی کی کبھی اسے فکر نہیں رہی تھی۔ اس لئے کہ و

جانتا تھا کہ اسے ہر حال میں واپس ملنا ہی ملنا ہے۔ البتہ جتنی زیادہ مدت کے لئے رقم باہر رہتی اس کے لئے بہتر تھا۔ کیوں کہ اس طرح بعض اوقات سود اصل رقم سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا تھا...... اس وقت جادوگر رنگا کے ذمے جس قدر رقم واجب الادا تھی اس کی نسبت سے شیخ کو کم از کم تین عورتیں جادوگر رنگا سے ملنی تھیں۔ تب کہیں جا کر اس کا حساب صاف ہوتا۔

اس شام جب جادوگر رنگا ان تین نہایت حسین و جمیل اور نوجوان عورتوں کو ساتھ لے کر آیا تو معمول کے مطابق وہ خاموش نظر آتا تھا۔ یہ ملاقات صرف بیس منٹ رہی۔ کمرے کی دیوار پتلی تھی۔ میں نے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر ان کی باتیں سنیں۔ چنانچہ جو بات چیت ان کے درمیان ہوئی اس کا لب لباب یہ تھا کہ...... ''یا تو شیخ اپنے قرضے کے عوض ان تینوں عورتوں کو منظور کر لے یا پھر صبح سے قبل موت کے لئے تیار ہو جائے۔''

اگر شیخ نوشتہ تقدیر دیکھ لیتا تو یقیناً ان عورتوں کو منظور کر لیتا۔ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے نہ پڑتے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ شیخ نے ان عورتوں کو قبول کیوں نہیں کیا...... اس کی ایک وجہ شاید یہ تھی کہ قرض بے باق کر کے اسے مزید قرض دیا جائے۔ یہ قرض بلا سودی ہو۔ بلا سود قرض تو شاید وہ اپنے باپ کو بھی نہ دے۔ شیخ نے انکار کر دیا ہوگا۔ جب اس نے شیخ کو موت کی دھمکی دی تو شیخ نے بھی غصے سے کہا کہ...... ''تم جہنم میں جاؤ۔ مجھے کوئی پروا نہیں...... ایسی دھمکیاں میں سنتا رہتا ہوں۔ لیکن میرے قرض کی ایک ایک پائی ادا کر دو۔''

یہی بات تھی جس نے ڈاکٹر جادوگر رنگا کو آپے سے باہر کر دیا تھا اور وہ رخصت ہو گیا۔

کرائی کے باہر جادوگر رنگا کے درجن بھر ساتھی موجود تھے۔ ان سے جادوگر رنگا نے کہا کہ...... ''اب وہ اپنے جادو کے عمل کی تیاری کرے گا۔'' اس نے جس لہجے میں کہا کہ اس میں خشونت بھری تھی اور تحکمانہ اور دھمکی آمیز انداز بھی تھا۔ اس کی بات سنتے ہی اس کے آدمیوں نے اسے سفید اور سیاہ مرغ دیا اور خود اس کے گرد گھیراؤ ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

میں قدرے فاصلے پر کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ میرے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں حیرت، خوف اور دلچسپی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ واقعی کوئی خطرناک کھیل کھیلنے والا ہے۔ شیخ کی موت کی تیاری کر رہا ہے۔ لیکن میں بے بس تھا۔ اسے جادو کے عمل سے روک نہیں سکتا تھا۔ اگر میں اسے اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تو میری بھی شامت آ جاتی۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دس بارہ آدمی بھی ساتھ تھے۔ تنومند اور صحت مند...... انہیں وہ ایک اشارہ کرتا تو میرا تیا پانچہ کر کے رکھ دیتے۔

جادوگر رنگا نے دونوں مرغوں کی گردنیں مروڑ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے نہایت احتیاط سے ان کے دل اور جگر نکال کر ان سے ایک ہار سا پرو دیا۔ پھر اسے اپنے گلے میں پہن لیا۔ پھر اس نے رقص شروع کیا تو اس میں مجنونانہ انداز تھا۔ لحہ بہ لحہ اس میں تیزی اور شدت آنے لگی...... رقص کیا تھا۔ ایک طرح سے شیطان کی آفت تھا۔ گھنٹے بھر تک وہ ایک ہی دائرے میں گھومتا رہا تھا۔ ہر پانچ منٹ کے بعد ہار میں پروئی ہوئی بوٹیوں سے خون نکال کر اپنے حلق میں ٹپکاتا رہا۔ ایسے جیسے کوئی امرت ہو۔ پھر دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا کر شیطان یا دیوتاؤں کو پکارتا...... شاید شیطان کو ہی پکار رہا تھا۔ کیوں کہ دیوتاؤں کو پکارنے کا یہ انداز میں نے ہندو قوم یا کسی اور قوم میں، مذہب میں نہیں دیکھا تھا۔

آج جب کبھی بھی وہ منظر میری نگاہوں میں گھومتا ہے تو میرے دل کی عجیب سی حالت ہو جاتی ہے۔ رواں رواں کانپ جاتا ہے۔ میں باوجود کوشش اور لاکھ جتن کے اسے نہ فراموش کر سکا اور جب وہ نظروں کے سامنے گھومتا ہے تو اسے نہ دیکھنے میں کامیاب ہو سکا ہوں...... تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ نیم مردہ ہو کر گر پڑا۔ بظاہر اس کا جسم ساکت و جامد تھا۔ جیسے زندگی کی روئیدگی سے محروم ہو چکا

ہو۔ اگر اس کے سینے میں سانس نہ چل رہی ہوتی تو میں یہی سمجھتا کہ وہ مر چکا ہے۔ اس کا یہ جادوئی عمل تھا۔ لہٰذا اس کے مرنے اور دنیا سے پاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے پیروؤں نے اس کے اکڑے ہوئے جسم کو اٹھالیا اور اپنی منزل کی جانب انجانے الفاظ ادا کرتے ہوئے چلے گئے۔

صوبہ کرناٹک میں شام ڈھلنے کے بعد رات اچانک اور آناً فاناً نمودار ہوجاتی ہے۔ جب جادوگر رنگا نے اپنا رقص شروع کیا تھا تو کافی دن باقی تھا...... لیکن جوں ہی سورج غروب ہوا دیکھتے ہی دیکھتے ایسی تاریکی چھا گئی جیسے رات کے بارہ بج چکے ہوں۔ جب سورج مغرب کی وادی کی طرف غروب ہونے کے لئے ڈوبتا ہے اس کے ڈوبنے سے پہلے ہی تاریکی چھا جاتی ہے۔ جیسے گہرے بادلوں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ جب وہ لوگ رخصت ہوئے تو آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے یا پھر کہکشاں لہراتی ہوئی جارہی تھی...... دور کہیں انجان منزلوں کی جانب فضا بڑی مکدر ہوگئی تھی۔

مجھے نہیں معلوم کہ جادوگر رنگا کا جادوئی عمل میاں بیوی نے دیکھا یا نہیں......؟ نہ ہی میں نے دریافت کیا۔ میرا خیال تھا کہ ان دونوں نے یقیناً دیکھا تھا۔ اس کا اندازہ یوں ہوا تھا کہ جب شیخ کی بیوی بیلا رات کا کھانا میز پر چن رہی تھی وہ خاموش تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ حالاں کہ وہ مجھ سے رسمی گفتگو کرلیتی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی زردی تھی...... شیخ خاموش اور بظاہر پرسکون تھا۔ لیکن اس کے بشرے سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تشویش میں مبتلا ہے۔ شاید اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ جادوئی عمل کوئی مصیبت کھڑی کرسکتا ہے۔ وہ توہم پرست نہ تھا۔

حسب معمول ہم تینوں نے کھانا کھایا...... بوجھل بوجھل دلوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کی بیوی بہت اچھے کھانے پکاتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ تھا۔ چوں کہ شیخ بھی اچھے کھانوں کا دلدادہ تھا اس لئے وہ ڈشیں تیار کرنے میں خصوصی دلچسپی لیتی تھی۔ لیکن جانے کیوں کوئی بھی کھانا ٹھیک سے نہ کھاسکا۔ شیخ کھانے سے فراغت پاکر اپنا دن بھر کا حساب دیکھنے کے لئے عادت کے مطابق دفتر چلا گیا۔ اس کی بیوی بیلا نے برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں رکھے اور شب خوابی کے لئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے چائے بنا کر پی اور اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

اس وقت نصف شب بیت چکی تھی۔ تقریباً دو بجے کا عمل ہوگا۔ اچانک بیلا نے میرے کمرے میں آکر مجھے جگایا...... اس کی آنکھ اتفاقاً کھل گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اتنی رات گزر جانے کے باوجود اس کا شوہر سونے کے لئے نہیں آیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ رات دس بجے بستر پر سونے کے لئے دراز ہوجاتا تھا۔ چنانچہ وہ سیدھی میرے پاس آئی تھی۔ اس کی تشویش بجا تھی۔ میں یہ سن کر پریشان سا ہوگیا۔ انجانے خیالات مجھے خوف زدہ کرنے لگے۔

ہم دونوں فوراً ہی لپک کر دفتر پہنچے۔ اس کے کمرے میں جو لیمپ روشن تھا اس کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ اپنی آرام دہ کرسی پر نیم دراز حالت میں تھا...... لیکن کس کیفیت میں......؟ اس کی آنکھیں کسی نامعلوم خوف اور دہشت سے زیر اثر حلقوں سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ آرام کرسی کے بازوؤں سے سختی سے بھینچے ہوئے تھے...... اس کا سرخ چہرہ سیاہ رنگت اختیار کرگیا تھا...... اس کی تنی ہوئی گردن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر جانکنی کا عالم بہت ہی گراں گزرا ہوگا...... اس کی حالت بتا رہی تھی کہ...... اس کی روح گھنٹوں قبل قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔

بیلا نے اپنے شوہر کو جو اس حالت میں پایا تو اس پر کوئی بجلی سی آن گری۔ چند لمحوں تک اس پر سکتہ سا طاری رہا تھا وہ ساکت اور جامد سی ہوگئی تھی۔ اسے رلانا ضروری تھا۔ میں نے اس کا بازو ہلایا اور کہا کہ...... ''تمہارا شوہر اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے...... سن رہی

ہو...... تمہارا شوہر زندہ نہیں رہا......'' وہ ایک دم سے چونکی اور اس نے روح فرسا بین شروع کر دیا۔ رات کی فضا میں اس کے بین نے سناٹے کا سینہ چیر دیا۔ ملازم پیشہ اپنی جھونپڑیوں سے اٹھ کر آنے لگے۔ میں بھی اپنا سر کھجاتا ہوا دفتر سے باہر آ گیا۔ ملازم پیشہ مردوں کی بیویاں بیلا کو دلاسا دینے لگیں۔ پھر شیخ کی لاش کو ملازم اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ اس لئے کہ دفتر میں اسے رکھنا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

شیخ کی اس کیفیت سے میرا ذہن پراگندہ ہو گیا۔ اس کی پراسرار موت میرے ذہن پر ہی نہیں اعصاب پر بھی بہت بری طرح چھا گئی تھی۔ اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لرزہ براندام کر دیا تھا...... آخر اس کی ناگہانی موت کا کیا سبب تھا؟

ان دنوں میرے جسم میں نوجوانی کا خون گردش کر رہا تھا...... اور مجھے جادوٹونے پر اعتماد نہ تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے بھی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ بڈھا خرانٹ جادوگر ڈاکٹر رنگا میرے مالک کی موت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس نے جیسا میرے مالک سے کہا تھا کہ ''اب تم موت کے لئے تیار ہو جاؤ......'' اور پھر اس نے دفتر سے باہر نکل کر اپنا جادوئی عمل کیا تھا۔ کیا اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا تھا......؟ کیا واقعی ایسا ممکن ہے......؟ کیا واقعی جادو کسی کی زندگی چھین بھی سکتا ہے......؟ یہ بات میرا دل ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

جب شیخ کی لاش لے جائی گئی تو میں دفتر میں آ گیا تا کہ یہ دیکھوں کہ اس کی موت جادو کی قوت سے ہوئی یا اس کے کسی آدمی نے رات کے وقت جب وہ کھانے سے یہاں حساب کتاب دیکھنے آیا تھا اسے قتل کر کے چلا گیا۔ یہ آدمی شاید جادوگر رنگا کا ہو۔ میں ہر طرح سے اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔ اسے جادوگر کے کسی آدمی نے قتل کیا تھا۔ یہ جادو کا زور نہ تھا۔

میں نے دفتر کا بنظر غائر معائنہ کیا۔ اس طرح جس طرح سراغ رساں یا پولیس کے افسر جائے واردات پر کرتے ہیں۔ میں جاسوسی کہانیاں پڑھ چکا تھا۔ انگریزی کی جاسوسی فلمیں بھی دیکھی ہوئی تھیں...... تمام کھڑکیاں اور دروازے صحیح سلامت تھے اور کوئی ایسا نشان موجود نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص کمرے میں آیا تھا۔ میں شیخ کی لاش لے جانے سے قبل اور لے جاتے وقت بھی کر چکا تھا۔ اس کی لاش نظروں میں اس طرح تھی جیسے اسے آرام کرسی پر دیکھ رہا ہوں...... بہر کیف یہ امر شک وشبے سے بالاتر تھا کہ اس کی موت کسی خوف کے زیر اثر واقع ہوئی تھی...... آخر وہ کون سی شے تھی جسے اپنے سامنے دیکھتے ہی وہ ایک کرب ناک اذیت کے عالم میں چل بسا......؟ وہ دل کا مریض نہ تھا اور نہ ہی کمزور، بزدل اور ڈرپوک تھا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ شیطان اس کے سامنے آیا ہو؟ لیکن شیطان نظر نہ آتا تھا۔ وہ نادیدہ ہوتا تھا۔ صرف محسوس ہو سکتا تھا۔ بہت سوچ بچار کرنے کے باوجود بھی میں یہ اسرار حل نہ کر سکا۔ اس کی اچانک اور ناگہانی موت ایک معمہ بنی رہی۔

میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایک دو ہفتے گزرنے کے بعد مجھے ایسے ہی ماحول اور واقعہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اگلے روز ہم نے شیخ کو سپرد خاک کر دیا۔ عجیب وحشت ناک ماحول تھا۔ اس بستی کی جو عورتیں تھیں وہ نہ صرف سینہ کوبی کر رہی تھیں بلکہ بیلا کے ساتھ بین کرتی جا رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بیلا بستی اور ملازموں کے گھروں کی عورتوں میں بڑی مقبول تھی۔ اسے عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ بھی ان کی مالی مدد کیا کرتا تھا۔ اس کی موت سے وہ اس امداد سے محروم ہو چکی تھیں۔ شیخ سے ان کی محبت اس لئے بھی تھی کہ وہ ان کے بچوں کا خصوصی طور پر خیال رکھتا تھا۔

ادھر بیلا نے ایصال ثواب کی غرض سے اس کے اسٹور سے شربت کی بوتلیں جنازے میں آنے والوں کو مہیا کی جا رہی تھیں۔ بھکاریوں نے جیسے ہلہ بول دیا

تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ شہر کی آدھی آبادی امڈ آئی ہے۔ یہاں اس وقت فون کا نظام نہیں تھا۔ پھر بھی اس کی موت کی خبر اردگرد کی بستیوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ لوگوں نے سائیکلوں پر جا جا کر یہ خبر سنائی تھی۔ کھانے کی دیگیں بھی غربا اور بستی والوں کے لئے چڑھائی گئی تھیں۔ بیلا نے دل کھول کر اس لئے خرچ کیا تھا کہ اس کا شوہر گناہ گار تھا۔ زکوٰۃ اور خیرات اور صدقات سے شاید اس کی مغفرت ہو جائے۔

مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ جادوگر رنگا بھی تدفین میں شریک ہوگا۔ جس وقت اسے لحد میں اتارا جارہا تھا وہ اس وقت آیا۔ اس کا آنا میرے لئے حیران کن تھا۔ میرے جی میں تو آیا کہ اسے بھی شیخ کے ساتھ زندہ لحد میں اتار دوں۔ کیوں کہ وہی اس کی موت کا سبب تھا۔ اس نے اپنے جادو کے زور سے موت کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ لیکن میں اس کا گریبان اس لئے پکڑ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی مورد الزام ٹھہرا سکتا تھا کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور پھر میرے دل نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ فرشتہ اجل جادوگر رنگا ہے۔ اس لئے کوئی جذباتی قدم اٹھانا احمقانہ حرکت تھی۔

میں نے اسے ایک طرف کھڑے دیکھا تھا۔ وہ بت بنا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ پلکیں ساکت تھیں اور آنکھیں منجمد سی...... کسی پتھر کے مجسمے کی طرح...... نہ تو وہ کوئی مسرت محسوس کر رہا تھا اور نہ ہی اس کے بشرے سے کوئی غم اور دکھ ظاہر تھا...... وہ ایک طرف کھڑا تدفین دیکھ رہا تھا۔ ٹکر ٹکر...... جانے کیوں میری آنکھوں نے اس کی نگاہوں کی زبان جیسے پڑھ لی تھی۔ ایسا لگا۔ جیسے وہ کہہ دے رہی ہیں...... ''شیخ!...... آخر تم نے دیکھ لیا نا میری بات نہ مان کر کہ تمہارا انجام موت ہوا۔ اگر تم میرا قرض معاف کر کے اور قرض دے دیتے تو زندہ تو رہتے۔

بہت سوچ بچار کے بعد بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے خلاف کیا اقدام کروں......؟ اس کے خلاف ایک ثبوت ہے بس وہی بے ڈھنگا اور بے ہنگم رقص تھا جسے اس کے ساتھیوں نے اس رقص کو موت کے رقص سے تعبیر کیا اور جو گزشتہ شام عمل میں آیا تھا۔ کوئی بھی ذی ہوش اس رقص کو موت کا سبب قرار دے سکتا تھا۔ اس لئے یہ سوچ کر میں چپ رہا کہ جادوگر رنگا کا رقص شیخ کی موت کا سبب قرار نہیں دے سکتا تھا۔ رنگا کا رقص اور شیخ کی اچانک اور ناگہانی موت اتفاقات کا نتیجہ ہیں۔ یہاں کوئی ایسا نہیں تھا جسے میں اعتماد میں لے کر مشورہ کرتا۔

جب تدفین ہو چکی۔ لوگ قبرستان سے باہر آئے اور ہر ایک نے اپنی راہ لی، میں اکیلا رہ گیا تھا اور کرالی کی طرف جارہا تھا۔ جادوگر رنگا بھی موجود تھا۔ وہ لپک کر میرے پاس آیا تو میں رک گیا۔ اس نے مجھے آواز دے کر روکا تھا۔

''تم اپنے مالک کے ملازموں کو موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتار دیتے۔'' اس نے بے رحم لہجے میں کہا۔

''کیا کہا......؟ انہیں موت کے گھاٹ اتار دوں؟ وہ کس لئے......؟'' میں نے حیرانی سے اس کی شکل دیکھی۔ مجھے ایسا لگا کہ کسی وجہ سے اس کا ذہن معطل ہو گیا ہے۔ ''ان معصوم اور بے قصور لوگوں کا جرم کیا ہے؟''

''اس لئے کہ ان کی روحیں عالم بالا میں جا کر اپنے آقا کی خدمت کرتی رہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ایک گھر میں...... ایک بار...... محض ایک ہی موت کافی ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

میرے اس جواب سے اس نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے اپنا عصا طلب کیا جو گزشتہ روز وہ میرے دفتر میں بھول گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ عصا ہر وقت اس کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ میں دفتر میں آیا۔ عصا فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اگر کوئی اجنبی اس عصا کو پہلی نظر دیکھے تو اسے محسوس ہو کہ چار فٹ کوئی سیاہ فام افلی لہرا رہا ہے۔ میں نے ایک کراہیت کے ساتھ عصا اٹھا کر کوئی لفظ کہے بغیر اس منحوس کے حوالے کر دیا۔ دس

دن تک جادوگر رنگا کی شکل دکھائی نہیں دی۔ اپنی دانست میں اس نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ شیخ کے مرتے ہی سارا معاملہ ختم...... کیسا قرض، کیسا سود......؟ اس سے وصول کرنے والا کوئی رہا نہیں، اب وہ کیوں اور کس لئے جائے، لہٰذا خاموش ہی رہا جائے۔

بوڑھی بیلا ایک حقیقت پسند عورت تھی۔ شاید وہ بھی یہودی تھی یا ہوگی۔ اس نے سوچا کہ مرنے والا تو مرگیا۔ ایک دن تو ہر ایک کو مرنا ہی ہے...... لہٰذا اس نے رونا دھونا موقوف کیا اور اس نے اپنے متوفی شوہر کے کاروبار میں دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ میرے خیال میں اس کے شوہر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے کاروبار کے بارے میں بتادیا ہوگا۔ وہ کبھی کبھی دفتر کچھ دیر کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ نہایت کامیابی اور ہوشیاری سے اپنے کاروبار کو چلا رہی تھی...... وہ اس امر پر رضا مند ہوگئی تھی کہ میں بدستور اس کے منیجر کے فرائض انجام دیتا رہوں۔ اب ہمارے سامنے جادوگر رنگا سے قرضے کی واپسی کا مسئلہ درپیش تھا۔ میں نے بیلا پر یہ خیال ظاہر کیا کہ...... ''جادوگر رنگا نہ صرف کمینہ خصلت اور ذلیل ترین شخص ہے اور بلکہ بہت ہی خوف ناک اور شیطان صفت ہے...... لہٰذا ہمیں اس سے چنداں تعرض نہ کرنا چاہئے بلکہ قرضے کے عوض وہ جو بھی چیزیں دے لے لینی چاہئے...... بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی کافی ہے۔''

میری یہ بات اور مشورہ سنتے ہی نئی مالکہ ایک دم سے چراغ پا ہوگئی۔ اس نے آنکھیں نکالتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''تمہارا اس سے مطلب......؟ اس نے میرے شوہر سے قرض لیا تھا۔ میرے شوہر نے اسے بھیک نہیں دی تھی...... میں دیکھتی ہوں وہ قرض کیسے واپس نہیں کرتا۔ میں اسے بخشوں گی نہیں...... ایک ایک دمڑی وصول کرکے رہوں گی...... آخر اس خبیث نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے...... میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔''

''آپ جو مناسب اور بہتر سمجھیں......'' میں نے کہا۔ ''میں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ میں بھی اسے معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ آج ہی اس بڈھے کو پیغام بھیجو کہ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ آئے تو تم اس سے اصل رقم مع سود وصول کرنے کی کوشش کرو۔''

میں تو اپنی مالکہ کا تنخواہ دار ملازم تھا۔ اس کی بات کیسے ٹال سکتا تھا اور عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔ اسے سمجھانا فضول تھا۔ لہٰذا میں بلا چوں و چرا اس کے احکام کی تعمیل کی جو میرا فرض تھا۔ میں نے اگلے روز ایک ملازم کے ہاتھ پرچہ بھیج کر ساتھ بلا بھیجا۔ مجھے اس کے آنے کی ایک فیصد امید بھی نہ تھی۔ لیکن اگلے روز وہ اپنی منحوس صورت لے کر آ پہنچا۔

وہ کبھی اکیلا نہیں آتا تھا۔ اس کے ہم راہ اس کے ساتھی بھی آئے تھے۔ لیکن حسب معمول وہ کرالی سے باہر ہی رہے۔ میں نے شیخ کے دفتر میں جادوگر رنگا کو بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ یہ خبیث جتنا جلد ہوسکے میری نظروں کے سامنے سے دفع ہوجائے۔ بہتر ہے مجھے لمحے کے لئے بھی اس کی صورت دیکھنا گوارا نہیں تھا۔ میں اس وقت اپنے متوفی مالک کی کرسی پر دراز تھا۔ جس پر وہ جاں بحق ہوا تھا۔ میں فوراً ہی اپنے مطلب پر آ گیا۔

وہ چند لمحوں تک میرے سامنے کوئی لفظ ادا کئے بغیر خاموشی سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ ایک خشک اخروٹ کی شکل اختیار کرگیا تھا۔ پھر اس نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پوپلے منہ سے کہا۔

''میں تمہاری بہادری اور جرأت کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے......''

اس کی زبان سے تعریفی الفاظ سن کر میں خوش نہیں ہوا۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ یہ کس خصلت کا ہے اور کس قدر کمینہ اور شقی القلب بھی ہے۔ اس کی کسی بھی بات کا اعتبار نہیں۔ میں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا

تھا۔ ایک انجانا سا خطرہ سر پر منڈلاتا محسوس ہوا۔ کیوں میرے دل کے کسی کونے میں ایک وہم سا پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ شیطان مردود میرا بھی وہی حشر نہ کر دے جو میرے مالک کا ہو چکا ہے۔ یہ چاپلوسی اور مکاری سے کام لے رہا ہے۔ مار آستین ہے لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

چنانچہ میں نے فوراً ہی اس کے تعریفی الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں اس سے کہا۔

''ڈاکٹر رنگا..... تمہیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ بزنس کی بات کرو..... میری تعریف کرنے کے لئے نہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا مالک کس دردانگیز حشر سے دوچار ہوا.....؟'' اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

''ہاں معلوم ہے.....'' میں نے تیز لہجے میں کہا مجھے اس کے لب و لہجے نے تاؤ دلا دیا تھا۔ ''تم دھونس اور دھمکی سے..... دہشت زدہ کرنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے..... میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کام کی بات کرو۔''

''لگتا ہے کہ..... تم یہ چاہتے ہو کہ اس دنیا سے تمہارا جی بھر گیا ہے۔ شاید تم بھی یہ چاہتے ہو کہ تمہاری روح بھی اس کی خدمت کے لئے عالم بالا روانہ کر دی جائے.....''

اس کم بخت کی دھمکی میں کچھ ایسا خوف پنہاں تھا کہ میرا رواں رواں کانپ اٹھا اور رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اس کے چہرے پر کسی پیشہ ور قاتل کی سی درندگی ابھر آئی تھی۔ اس کی کینہ توز آنکھوں میں ایک عجیب سی شیطانیت رقصاں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ شیطان مردود انسانی روپ میں میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔

''مجھے ہر صورت..... اور ہر قیمت پر میرے مالک کا قرض مع سود واپس چاہئے .....'' میں نے صاف صاف لفظوں میں اور بے خوفی سے کہا۔ ''اس کی ادائیگی کرنسی کی صورت میں..... ہاتھی دانتوں اور کھالوں کی کوئی ضرورت نہیں ..... تم عالم بالا میں جا کر میرے مالک اور اپنے دیرینہ کاروباری دوست سے ملنے کی خواہش رکھتے ہو تو مجھے اور میری مالکن کو قرض اور سارا سود بے باق کر کے بصد شوق چلے جاؤ..... اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب مجھ پر تمہاری ایک دمڑی بھی نہیں ہے۔''

''تم رنگا سے ایسے لب و لہجے میں اور تمسخر کی باتیں کر رہے ہو؟ میری تضحیک کر رہے ہو..... تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟''

وہ نفرت اور غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ آنکھوں میں سفاکی نمودار ہو گئی تھی۔

''میں تو تم سے صرف بزنس کی بات کر رہا تھا..... لیکن تم نے بات ہی ایسی کہہ دی مجھے مجبوراً یہ جواب دینا پڑا۔'' میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے جیسا تم کہو گے ویسا ہی سنو گے..... میں صرف ایک ملازم ہوں۔ میری مالکن کا جو حکم ہو گا اسے بجا لانا میرا فرض ہے۔''

''تم مجھ سے بزنس کی بات کر رہے ہو.....؟ مجھ سے قرض اور سود وصول کرو گے.....؟ آئینے میں تم نے اپنی شکل دیکھی ہے؟'' وہ بری طرح غرایا۔ ''اب قرض اور سود اور بزنس کو بھول جاؤ۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میرے پاس وہ مخفی طاقتیں موجود ہیں جو تمہیں اور تمہارے مالکہ کو چشم زدن میں ہلاک کر سکتی ہیں.....''

اس نے جو قرض لیا تھا وہ میرا یا میرے باپ کا نہیں تھا جو میں اسے معاف کر دیتا۔ چنانچہ میں نے اسے وہی جواب دیا جو اسے شیخ دے چکا تھا۔ میں نے اسے اپنے مالک کی بندوق دکھاتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''تم اپنی مخفی طاقتوں کا تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لو..... یہ بندوق دیکھ رہے ہو.....؟ اگر تم نے میرے ساتھ کسی قسم کا دھوکا یا فراڈ کیا تو اس کی پہلی گولی تمہارے سینے کے آر پار ہو جائے گی..... دوسری گولی تمہاری

کھوپڑی اڑا دے گی۔ پھر تم ایک سر بریدہ لاش ہو جاؤ گے...... یہ جدید ترین بندوق ہے۔''

اس ملعون نے میری دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی بندوق سے وہ خوف زدہ اور پریشان ہوا۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے بندوق کو اس طرح سے دیکھا۔ جیسے وہ کوئی کھلونا ہو......

''تم مجھے کھلونے سے ڈرا رہے ہو......؟ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟ میں جادوگر رنگا ہوں جس کے نام سے ہر کوئی کانپتا ہے۔''

اس سے پہلے میں کچھ کہتا وہ ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس نے کرالی سے باہر آ کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ اسے پھر دو مرغ دیئے گئے...... ایک سیاہ اور دوسرا سفید...... پھر ایک رقص موت اسی وحشیانہ انداز سے دہرایا گیا جس کا نظارہ میں مالک کی موت سے قبل کر چکا تھا۔ جب وہ پاپی بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا تو اس کے ساتھی اسے اٹھا کر پڑاؤ کی جانب تیزی سے لے کر چلے گئے۔

ادھر سورج پوری طرح ڈوبا بھی نہیں تھا کہ اندھیرا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد چار سو رات کا گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ مگر میرے دل و دماغ پر ایک عجیب سا اضطراب چھایا ہوا تھا۔ ایک بے چینی تھی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک عجیب سی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ میرے مرحوم مالک کا مردہ چہرہ مجھے تاریکی میں اپنی روح کی گہرائیوں تک جھانکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا...... ایک خیال یہ بھی آیا کہ کہیں جادوگر رنگا نے اپنی کسی مخفی قوت سے میرے مالک کی روح کو تو نہیں بلایا ہے۔ کیوں کہ اس کی دھندلی شبیہہ مجھے دکھائی دی تھی۔ اب بھی موجود سی محسوس ہو رہی تھی۔

میں حسب معمول رات کا کھانا کھانے بیلا کے گھر گیا۔ وہ میرے بغیر دوپہر اور رات کا کھانا نہیں کھاتی تھی۔ میں نے بیلا کو جادوگر رنگا سے ملاقات کا احوال سنا دیا تھا۔ وہ بھی پریشان سی ہو گئی تھی کہ وہ کم بخت، کمینہ اور شیطان میرے ساتھ جانے کیا کرے۔ گو کہ میں اندر ہی اندر خوف و ہراس میں مبتلا تھا لیکن میں نے اسے دلاسا دیا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ میرا بال تک بیکا نہ ہو گا۔

میں نے رات کا کھانا بیلا کے ہمراہ کھایا۔ ایک بوجھل اور سوگوار ماحول میں بھوک کسی کو نہ تھی۔ چوں کہ کھانا ضروری تھا اور بیلا کا ساتھ دینا تھا اس لئے چند لقمے زہر مار کئے۔ اس لئے بھی کہ جسم اور روح کا رشتہ استوار رہے۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد بیلا چپ چاپ اپنی خواب کی طرح بڑھ گئی اور میں اپنے متوفی مالک کے دفتر آ گیا۔ مجھے یوں گمان ہوتا تھا کہ اگر میری آنکھ لگ گئی تو میری جان کی بھی خیر نہیں...... میرا مالک بھی نیند کی غفلت کی وجہ سے مارا گیا تھا۔

چنانچہ رات بھر میں نے جاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا...... مجھے ایک شبہ تھا کہ جادوگر کے کسی حواری نے میرے مالک کو زہر خورانی سے ہلاک کیا تھا۔ یہ ایک ایسا امکان تھا کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں بے حد محتاط ہو گیا تھا۔

میں اس ہرنی کی طرح چوکنا تھا جو شکاری کی آہٹ پر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں بار بار کمرے کے کونے کھدروں کا مشاہدہ کرتا رہا لیکن وہاں کسی آدمی کے چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلی کا بچہ چھپ جائے تو دکھائی دے جائے۔ میں نے کھڑکیوں کے پٹ اور دروازے کو محتاط طریقے سے بند کر دیا...... اور پھر کرسیوں کی روک دو دروازوں کے ساتھ لگا دی۔ اس کمرے میں کل تین دروازے تھے۔ یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر کوئی شخص کمرے میں آنا چاہے تو ان سے ٹکرائے بغیر اندر داخل نہ ہو سکے۔ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ اس بات کا امکان تھا کہ میری آنکھ لگ سکتی تھی۔ یوں بھی آج میں دوپہر میں سویا بھی نہیں تھا۔ اگر میری آنکھ لگ بھی جائے تو یہ آہٹ

مجھے بخوبی ہوشیار کرسکتی تھی۔ میں کچی نیند سوتا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر بھی آنکھ کھل جاتی تھی۔

میں نے اچھی طرح سے اطمینان کرنے کے بعد روشنی بھی گل کردی تاکہ باہر سے مجھے کوئی دشمن نیزے یا تیر کا نشانہ نہ بنا سکے۔ دیہاتی لوگ آج بھی نیزے اور تیر کمان رکھتے تھے کیوں کہ کبھی کبھار کوئی خون خوار درندہ بھولے بھٹکے آنکلتا تھا۔ تیر یا نیزے سے بندوق کے مقابلے میں آسانی اور خاموشی سے نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔ میں اس وقت ہر پہلو پر سوچ اور غور کررہا تھا۔

ان تمام حفاظتی اقدامات سے عہدہ برآ ہونے کے بعد میں آرام کرسی پر سر ٹکا کر نیم دراز ہوگیا۔ اس شب میرے اعصاب پر کیا گزری۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعے میں کرب ناک اذیت کا اظہار کرسکوں جو اس رات مجھ پر گزری تھی۔

گہری تاریکی میں خیالی پیکر اس طرح بھوتوں کا روپ دھار کر چشم انسان کے روبرو ناچتے ہیں...... اس کا صرف وہی شخص اندازہ کرسکتا ہے جسے ایسے پرہول اور وحشت ناک ماحول سے واسطہ پڑا ہو...... باہر کہیں اگر پتا بھی کھڑکتا ہوا جھاڑیوں سے سرسراتا ہوا گزرتا تو مجھے یوں لگتا جیسے دشمن اپنی نقل و حرکت میں ہے۔ کئی بار جی میں آیا کہ ان خیالی انسانوں پر پستول سے فائر کردوں۔ پستول بھی موجود تھا۔ وہ میز کی دراز میں رکھا تھا۔ لیکن میں دل کڑا کرکے بیٹھا رہا۔ کیوں کہ ان پر فائر کرنے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ جادوگر رنگا مجھے ہراساں اور پریشان خوف زدہ کرنے کے لئے ان خیالی انسانوں کا کھیل کھیل رہا تھا جو حقیقی انسانوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ اب مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ جادوگر رنگا واقعی زبردست مخفی طاقتوں کا ملک ہے۔ کالا جادو بھی شاید جانتا ہے۔

گیارہ بجے کے لگ بھگ رات کی گہری تاریکی میں چاند طلوع ہوتا ہوا نظر آیا...... اور پھر آہستہ آہستہ چاندنی کی پرسکون دیوی نے عالم گیتی پر اپنی سیمیں چادر پھیلانا شروع کی......

قارئین آپ سوچ رہے ہوں گے کہ چاندنی کے ساتھ میرے نشتر اعصاب کو قدرے آرام پہنچا ہوگا...... ؟ نہیں جناب......! بعض اوقات انسان جو سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا...... جو بہتر سمجھتے ہیں وہ نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ سندر بن کے اور میسور کے جنگلات کی سیاحت بھی کی ہے۔ میں نے پڑھا ہے کہ افریقہ کے ہزاروں میل پھیلے ہوئے پرخطر جنگلات میں چاندنی......شہروں کی چاندنی سے مختلف ہوتی ہے۔ جو مختلف روایات کی حامل ہوتی ہے۔ یہ بستی اور علاقہ بنگلور شہر کے شمال میں دو ایک میل دور تھا۔ لیکن یہ بھی ایک طرح سے جنگل ہی تھا۔ ہندوستان، بنگال اور آسام بھی افریقہ سے مختلف نہیں...... چاندنی کے نمودار ہوتے ہی بدروحیں...... چڑیلیں...... اور جن بھوت عالم ارواح سے اتر کر انسانوں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ خصوصاً وہ چمگادڑیں جو خون آشام ہوتی ہیں چاندنی ہی میں اپنے انسانی شکار کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ وہاں بھی خون آشام چڑیلوں کا وجود تھا۔ یہ بات مجھے میرا متوفی مالک بتا چکا تھا۔ اس لئے اس نے مجھے تاکید کی ہوئی تھی کہ میں چاندنی راتوں میں باہر نہ نکلا کروں۔ کیوں کہ بلائیں انسان کی بدترین دشمن ہوتی ہیں۔

جیسے جیسے چاند آسمان پر بڑھتا جارہا تھا میرے خوف میں اضافہ بھی ہوتا جارہا تھا...... کمرے کی کھڑکیوں کی آہنی سلاخوں کا سایہ فرش پر بھی پڑ رہا تھا۔ میں نے سائے میں سلاخوں کو گننا شروع کیا۔ ایک بار...... دو بار...... تین بار...... میں انہیں کئی بار گنا ...... شاید کوئی مقناطیسی طاقت مجھ پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی میں نے اپنے بدن کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اگلے لمحے کھڑے ہوکر کمرے میں ایک چکر لگایا۔ پھر اپنی آرام دہ کرسی پر براجمان ہوگیا۔ پھر ہوشیار ہوکر دائیں بائیں دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں کسی مقناطیسی

طاقت کے زیر اثر نہیں رہا ہوں۔

میری نظریں کمرے کا طواف کرتی ہوئی میز کے قریب آ کر رک گئیں...... میں اس لمحے بری طرح چونک پڑا تھا...... کیوں کہ میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا کہ اس میز کے نیچے کچھ گڑ بڑ ہے۔ میرے تمام حواس اب پوری طرح سرگرم عمل تھے...... یہ کیا اور کیسی گڑ بڑ تھی۔ مجھے اس کا اندازہ تو نہ ہو سکا...... البتہ میں اتنا ضرور جان گیا تھا کہ ایک شے جو کچھ دیر قبل وہاں موجود تھی اب...... گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو چکی تھی۔

مزید چند لمحے گزرنے کے بعد جب مجھے اس شے کا خیال آیا تو میری ہتھیلیوں پر پسینہ آ گیا اور میری پیشانی بھی عرق آلود ہو گئی۔ جادوگر رنگا اپنا افعی نما عصا آج پھر دفتر ہی میں چھوڑ گیا تھا۔ جس وقت میں دفتر کی تلاشی لے رہا تھا تو یہ عصا فرش پر پڑا ہوا تھا...... میں نے اسے اٹھا کر میز کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا کہ اندھیرے میں ٹھوکر نہ لگے...... گزشتہ تین گھنٹوں کے دوران جب میں آرام کرسی پر نیم دراز کن انکھیوں سے دفتر کے کونوں کا جائزہ لے رہا تھا تو وہ عصا بھی میری نظروں میں آ تا رہا تھا......

اب جو میں نے وہاں دیکھا تو یہ عصا وہاں سے غائب تھا۔

یہ عصا اپنے مقام سے فرش پر گرا بھی نہیں تھا۔ کیوں اس کے گرنے کی آہٹ ضرور سنائی دیتی۔ یعنی اس وقت ایک نہایت خوف ناک اور اذیت ناک خیال میرے شعور میں ابھرا...... وہ افعی نما عصا...... کیا وہ واقعی عصا ہی تھا......؟

میرے سارے بدن پر دہشت کی لہر بجلی کی رو کی طرح اترتی جا رہی تھی۔ میں نے خود پر بمشکل تمام قابو پایا۔ منتشر حواس کو یکجا کیا۔ پھر میں نے متلاشی نظروں سے ادھر دیکھا۔ اگلے لمحے وہ شے نظر آ گئی۔ وہ شے چاندنی میں فرش پر پڑی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی...... اس کے آٹھ دس بل بھی صاف ظاہر تھے جیسا کہ میں عموماً روز روشن میں دیکھا کرتا تھا...... ممکن ہے یہ شے فرش پر ہی رہ گئی ہو اور مجھے صرف مغالطہ ہوا ہو کہ میں نے اسے میز کے سہارے کھڑا کیا تھا۔

لیکن...... لیکن...... میں بھونچکا سا رہ گیا...... اس طرح میں خود کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ خود فریبی کا شکار ہو گیا تھا۔ اب تو کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہا۔ کیوں کہ وہ شے آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا...... اوپر کی سانس اوپر...... نیچے کی نیچے رہ گئی۔ اس دم سر جو چکرایا تو میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ میرے حواس معطل ہو گئے تھے۔ میں اس شے پر نظریں جمائے رہا۔ مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا...... کیوں کہ وہ شے اب سیدھی ہو رہی تھی۔

کھڑکیوں کی آہنی سلاخوں کے سائے بھی اب لہرانے شروع ہو گئے تھے۔ میری نگاہ کسی سراب کا شکار ہو گئی تھی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اور نہ تھا۔ جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ سانپ اپنا پھن اوپر اٹھا چکا تھا۔

موت کے خوف کے پسینے سے میرا چہرہ تر ہو گیا تھا...... کم از کم اس حقیقت کا انکشاف تو مجھ پر ہو گیا تھا کہ میرے مالک کی موت کا باعث کیا تھا......؟ اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ کیوں پڑ گیا تھا......؟

جادوگر رنگا کا عصا...... حقیقتاً چھڑی نہیں بلکہ افریقہ کا ایک خطرناک ترین سانپ تھا جو میسور کے جنگلات میں بھی پایا جاتا تھا۔

بہت عرصہ پہلے یعنی کوئی چالیس برس قبل جب ہندوستان پر برطانوی سامراج مسلط تھا تب ایک یورپی سیاح افریقہ سے خطرناک سانپوں کی جوڑی لے کر میسور آیا تھا۔ ایک روز دونوں سانپ قید سے آزاد ہوئے اور اس یورپی سیاح کو ڈس کر جنگلات کی طرف نکل گئے۔ پھر ان کی نسل میسور کے جنگلات میں پرورش

پانے لگی۔

جادوگر رنگا نے اس نسل کے سانپ کو جادو کے زور سے نہ صرف اپنا مطیع بلکہ عصا بھی بنالیا۔ وہ اپنے دشمنوں کو اس سے ڈسواتا تھا۔ یہ راز صرف اس کی ذات تک محدود تھا۔ اس نے اپنے کسی بھی آدمی کو اعتماد میں نہیں لیا ہوا تھا......

اس وقت میرا واسطہ اس زہریلے سانپ سے تھا جو فرشتہ اجل بنا مجھے گھورے جارہا تھا۔

میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی انجانا خوف محسوس کرتے ہوئے پستول میز کی دراز سے نکال لیا تھا اور اس وقت میرے ہاتھ میں تھا لیکن ایک سانپ کے مقابلے میں اسے استعمال کرنا ایک طرح حماقت ہی تھا۔ میں ریوالور...... پستول اور بندوقوں کا استعمال جانتا تھا لیکن ایک ماہر نشانہ باز نہیں تھا۔ اس امر کا ایک فیصد بھی امکان نہ تھا کہ پستول کی گولی سانپ کی گردن کا نشانہ لے سکے۔ البتہ ایک شاٹ گن سانپ کو اڑانے کے لئے موزوں ترین ہتھیار ہوسکتا تھا۔ میرے مالک نے کبھی دفتر میں شاٹ گن نہیں رکھی۔ جہاں اپنی بے وقوفی سے میں نے خود کو مقید کرلیا تھا......!

موذی سانپ اپنی دم تک کھڑا ہو کر دو شاخہ زبان بار بار باہر نکال رہا تھا...... اور اس کی سسکاریاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ رنگا کے ایک عظیم ساحر ہونے کا ثبوت میرے سامنے موجود تھا...... اپنی غیر معمولی ساحرانہ قوتوں کے ذریعے اپنے عصا کو ایک زہریلے سانپ کی شکل میں زندہ کردیا تھا جو اب میری جان لینے کے درپے تھا۔

میں بے بس اور لاچاری کے عالم میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا رہا...... میرا مالک بے چارہ اس عالم میں لقمۂ اجل ہوا ہوگا۔ یہ دنیا کس قدر ہیچ اور بے وفا ہے...... مجھے رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا...... موت مجھ پر سایہ فگن ہوتی جارہی تھی۔ میرا ذہن قطعی ماؤف ہوچکا تھا۔

یہ محض اتفاق ہی تھا جو میری جان بچانے کا ذریعہ ہوا۔

جب وہ زہریلا دشمن مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے جست لگانے والا تھا تو میں بلا تاخیر اپنی جگہ سے اٹھا اور میز سے ایک کتاب اٹھا کر سانپ کی جانب زور سے پھینکی...... سانپ میری جانب آنے کے بجائے بجلی کی سی سرعت سے کتاب پر حملہ آور ہوا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے ایک بھاری لکڑی کا ڈبہ جس میں سوراخ تھا سانپ کی طرف اچھال دی۔ موذی کا سرا اس ٹوکری میں اس طرح پھنسا کہ وہ غیظ و غضب کے ساتھ بل کھانے کے باوجود اس میں سے اپنا سر نکال نہ سکا۔ اس کی سسکاریاں ٹوکری کے اندر گونج رہی تھیں۔ پھر میں نے یہ عجلت الماری سے حساب کتاب کے ضخیم رجسٹر اٹھا اٹھا کر سانپ کی دم پر رکھ دیئے...... جہاں تک اس کی جدوجہد کا تعلق تھا اب وہ ختم ہوگئی تھی۔ میں نے پستول کا گھوڑا چڑھالیا اور اس پر فائر کرنے کا ارادہ کیا۔ یہی وہ وقت تھا جب کالا جادو ان واقعات میں دخل انداز ہوتا ہے۔

شب گزشتہ زندگی کی کتاب کے اوراق کی مانند میرے سامنے سے گزر رہی تھی...... اس کے علاوہ میں نے اس عالم میں اور بھی بہت کچھ دیکھا...... کیا دیکھتا ہوں کہ ڈھاکا کے ایک نہایت آراستہ و پیراستہ دفتر میں میں عمدہ ترین لباس میں ملبوس بیٹھا ہوا ہوں...... پھر میں نے یہ حویلی بھی دیکھی جس میں ہم لوگ اس وقت موجود ہیں...... حالاں کہ اس سے پہلے زندگی بھر مجھے اس کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا تھا...... میں نے اور بھی بہت سے خوش آئند اور رنگین مناظر دیکھے۔

جادوگر رنگا مجھ سے کہہ رہا تھا...... ''اگر تم نے میری جان بخشی کی تو تمہاری آئندہ زندگی میں یہ سب کچھ تمہارا ہوگا جو تم نے ابھی ابھی چشم تصور میں دیکھا ہے...... پھر رنگا کی جھونپڑی کا منظر جو میرے تصور میں تھا وہ میری آنکھوں سے ہٹتا چلا گیا۔ چاندنی پھر ایک بار میرے سامنے موجود تھی...... اور موذی سانپ

بدستور زندگی کے لئے مچل رہا تھا۔ میرا بدن سرتاپا عرق آلود ہو رہا تھا۔ میں نے پستول کو جیب میں ڈال لیا اور دروازے کا قفل کھولا اور پھر باہر نکل کر پھر مقفل کیا اور اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ نیند تو مجھے کیا خاک آتی۔ شب بھر کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر پھوٹنے تک کچھ غنودگی طاری رہی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ گزشتہ شب کے واقعات میرے ذہن میں تازہ تھے...... مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

ایک شاٹ گن جو میرے کمرے میں موجود تھی جو میرے مالک نے اس وجہ سے دی ہوئی تھی کہ بعض اوقات شب کے اندھیرے میں ڈاکو آ جاتے تھے۔ میں نے وہ شاٹ گن نکالی اور اسے بھری اور دفتر کے دروازے پر پہنچا۔ دھڑکتے دل سے دروازہ کھولا۔ ایک نامعلوم خوف و دہشت سے میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس لئے بھی رنگا کالے جادو کا ماہر تھا۔ وہ سینکڑوں میل دور بیٹھ کر بھی اپنے دشمن کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس کی جان لے سکتا تھا۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ میرے جسم میں جان اور سکت ہی نہیں رہی۔

میں نے دیکھا کہ سانپ اپنی جگہ موجود تھا۔ لیکن کس حالت میں......؟ اس کے بل ختم ہو چکے تھے...... اس میں حرکت قطعی موجود نہ تھی۔ ایک سیدھا سادا عصا فرش پر پڑا تھا جس کا سر بدستور ڈبے سے دبا ہوا تھا...... میں نے پستول کی نالی سے چھوا۔ لیکن اس میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ وہ محض لکڑی کا ایک بے ضرر سا عصا تھا جس میں رمق بھر زندگی نہ تھی...... لیکن میں یہ خوب سمجھتا تھا کہ روح اس سے عارضی طور پر جدا ہوئی ہے۔ اس لئے میں نے اسے فرش پر ہی پڑا رہنے دیا۔

جادوگر رنگا اپنے مقررہ وقت پر آیا۔ اس بار اس کے چہرے سے شکست کے آثار ظاہر تھے۔ وہ جنگ ہار چکا تھا۔ اس کی کمر بھی کچھ زیادہ ہی جھکی ہوئی تھی...... اس نے اپنے قرض کے متعلق مختصر سی بات چیت کی کہ ''کیا ہم اس کا کچھ قرض معاف کر سکتے ہیں۔'' حالاں کہ وہ اپنی تمام نوجوان اور حسین بیویاں فروخت کر کے قرض چکا سکتا تھا۔ لیکن اس صورت میں اس کے خاندان میں برادری میں اس کی کچھ عزت باقی نہ رہتی...... میں نے اسے بتایا کہ ''یہ میرا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کا فیصلہ بیلا ہی کر سکتی ہے۔ کیوں کہ شوہر کی موت کے بعد وہی تمام کی مالک ہے۔ وارث ہے۔ یہ سن کر وہ حیران سا رہ گیا۔ کیوں کہ یہاں عورتوں کو کبھی وارث قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ مجھے اپنے مالک کا وارث سمجھے ہوئے تھا۔ جب اسے میری مجبوری کا علم ہوا تو وہ خاموشی سے لوٹ گیا۔ اس نے کوئی بحث اور کسی قسم کی کوئی تکرار نہیں کی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ لاحاصل ہوگا۔ وہ ہیبت ناک عصا اس نے خود ہی کوئی لفظ کہے بغیر فرش سے اٹھالیا۔

اگلے ہفتے کچھ ضروری سامان کی خریداری کے لئے شہر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب میں واپس آیا تو بیلا مر چکی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ...... میرے شہر جانے کے بعد رنگا پھر آیا تھا...... اس کی بیلا سے سخت تلخ کلامی ہوئی تھی۔ چنانچہ جادوگر رنگا نے رخصت ہونے سے قبل موت کا وحشیانہ رقص کیا تھا اور اگلی صبح بیلا اپنے بستر پر مردہ پائی گئی۔ اس کا چہرہ بھی سیاہ پڑ چکا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ...... کیا وہ اپنا عصا چھوڑ گیا تھا۔ توقع کے مطابق جواب ملا کہ جادوگر رنگا جو شام کے وقت اپنا عصا بھول گیا تھا وہ خود ہی ایک دم سویرے آ کر لے گیا۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکا۔ اس کے جانے کے بعد بیلا کی موت کا علم ہوا تھا۔

اندرونی طور پر میں ماہی بے آب تھا کیونکہ میں رنگا جادوگر کی اصلیت اور طاقت کا چشم دیدہ مشاہدہ کر چکا تھا کس کو اپنی جان پیاری نہیں ہوتی بیلا کی وجہ سے میں بھی رنگا کی راہ میں رکاوٹ بنا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات سو فیصد بیٹھ چکی تھی کہ اب رنگا کسی بھی حال میں مجھے نہیں چھوڑے گا، ہر وقت میری نظریں باہر گیٹ پر لگی رہتی تھیں کہ رنگا اب آیا کہ تب آیا۔

''میں آخر کب تک رنگا سے بچوں گا۔'' یہ سوچ مجھے بے حال کر چکی تھی۔ اس روز میں اکیلا لان میں بیٹھا اپنی قسمت کو کوس رہا تھا کہ میں نے مالک کے چکر میں رنگا سے کیوں ہنگامہ کر بیٹھا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں اور میں سوچ کی عمیق گہرائی میں پڑا تھا کہ ''السلام علیکم'' کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے دہلی والے حکیم کامل (رولوکا) کھڑے تھے، انہیں دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ میں نے بے شمار لوگوں سے ان کی تعریف سنی تھی کہ نادیدہ قوتوں کے زیر اثر مصیبت زدوں کی بلا امتیاز مدد کرتے ہیں اور اس مصیبت سے لوگوں کی جان چھڑا دیتے ہیں۔''

حکیم صاحب کو دیکھ کر میں بہت خوش تھا۔ میں نے انہیں پاس پڑی کرسی پر بٹھا دیا اور اپنی حالت کا ذکر کرنے لگا جسے سن کر وہ مسکرائے اور بولے۔ ''گھبرائیں نہیں، میں آ گیا اور کوشش کروں گا کہ رنگا سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔''

ہم دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک باہری گیٹ سے رنگا نمودار ہوا اور ہمارے قریب آ گیا۔ اب آہستہ آہستہ اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تھا۔

حکیم کامل (رولوکا) بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ رنگا آتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''تو نے مجھے بہت ہلکان کر دیا اور میں اس کا بدلہ تجھ سے ضرور لوں گا، تیری موت میرے ہاتھوں یقینی ہے، اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو اپنے حالات کا تو خود ذمہ دار ہے۔ آج کی رات تیری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں تجھے یہی بتانے آیا تھا اب میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر رنگا جھٹ سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنا عصا اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

رنگا نے پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ اچانک اس کا عصا ایک اژدھے میں بدل گیا اور ایک زور کی پھنکار ماری، جسے سن کر میں تو دہل گیا تھا، اس اژدھے کی لمبائی اور موٹائی ناقابل بیان ہے، پھر آناً فاناً اس اژدھے نے رنگا کا سر اپنے منہ میں جکڑ لیا۔

بڑی تیزی سے رنگا اژدھے کے منہ میں اندر کی طرف بڑھنے لگا یعنی اژدھا رنگا کو سالم نگل رہا تھا کہ اسی اثناء میں ایک اور اچنبھا ہوا۔ دھوئیں کا ایک زبردست مرغولہ اٹھا، اژدھے اور رنگا کو اپنی لپیٹ میں لے کر اوپر کو فضا میں بلند ہونا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی وسعتوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں سکتے کے عالم میں یہ سب یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ میری آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں کہ پھر میں اچانک ہوش کی دنیا میں آ گیا کیونکہ میرے قریب بیٹھے حکیم کامل (رولوکا) نے ٹہوکا دیا تھا۔ ان کی آواز سنائی دی۔

''محترم آپ کا دشمن اور ظالم و جابر رنگا ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو چکا ہے، میرا اشارہ پاتے ہی اس کی اپنی کالی طاقتوں نے اس کا حشر نشر کر دیا، ہر ظالم کا ایک نہ ایک دن انجام بہت برا اور بھیانک ہوتا ہے وہ اپنی طاقت کے زوم میں کہیں کا نہیں رہتا اور اس کی ہلاکت اذیت ناک طریقے سے ہوتی ہے، مجھے اب اجازت دیں اور آئندہ اپنے پیدا کرنے والے دونوں جہاں کے مالک کا شکر ادا کرنا بھولئے گا نہیں ہر انسان کو اپنے کرتوت اور لالچ کا انجام بھگتنا پڑتا ہے، اگر آپ نے بھی برائی کی ہے تو اس کو بھگتنا پڑے گا، اپنے گناہوں سے توبہ کر لیجیے گا، بہر حال آپ اپنا خیال رکھئے گا۔''

یہ باتیں کر کے حکیم کامل (رولوکا) باہری گیٹ سے نکلتے چلے گئے کہ پھر اچانک میں ان کے پیچھے لپکا کہ میں ان کی کچھ خاطر تواضع کروں مگر میں نے گیٹ سے باہر نکل کر دیکھا تو وہ نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔''

میرے مالک کو بینکوں پر اعتماد نہ تھا۔ وہ اپنا اثاثہ سونا، چاندی اور نقدی کی صورت میں رکھتا تھا۔ معمولی سی تلاش کے بعد مجھے میرے مالک کا وہ تہہ خانہ مل گیا جہاں اس کی زندگی بھر کا سرمایہ سونے اور جواہرات کی صورت میں موجود تھا۔ اس کے تمام کاروباری معاملات

طے کرنے کے بعد میں نے وہ جائیداد بھی فروخت کر دی اور پھر شہر آ کر کانوں کے ٹھیکے لینے شروع کئے۔ جس سے مجھے لاکھوں کا فائدہ ہوا۔ پھر میں نے اپنی تمام جائیدادیں بنگلہ دیش منتقل کر لیں۔ کیوں کہ میں ہندوستان کے محکمہ انکم ٹیکس کی نظروں میں آ گیا تھا۔ چنانچہ یہ محض کالے جادو کے طفیل ہے کہ میں اپنی آخری عمر فراغت سے بسر کر رہا ہوں......"

جوں ہی تنویر نے اپنی آپ بیتی ختم کی اور میں نے رخصت ہونے کے لئے پرویز کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بار تھیں۔ اس نے دانت پیستے ہوئے تنویر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ناہنجار...... پاپی...... تیرا نام تنویر نہیں راجہ ہے...... میں شیخ طارق کا لڑکا ہوں۔ جب تو میری ماں کو لوٹ کر بھاگا تب میں ایک بچہ تھا اور میں اپنی خالہ کے ہاں رہتا تھا...... مجھے میرے ملازموں نے تمام حقیقت بتلا دی تھی۔"

اس سے پہلے کہ مجھے معاملے کی نزاکت کا علم ہوتا پرویز کے ہاتھ میں ایک آٹومیٹک پستول تھا اس نے تنویر پر پے در پے فائر کر کے تمام گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں اور جسم چھلنی کر دیا۔ جب وہ فرش پر لڑھک گیا تو اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"آج میرا انتقام پورا ہوا...... اس بدبخت نے ایک منصوبے کے تحت جادوگر رنگا کو رشوت دے کر میری ماں کو موت سے ہم کنار کیا تھا...... میں برسوں سے اس کی تلاش میں خوار ہو رہا تھا......"

حکیم وقار اور رولوکا ایک بہت ضروری اور اہم مریض کو دیکھنے چلے گئے تھے۔ وہ مریض دلی سے کچھ دور ایک راجہ کا رشتہ دار تھا۔ راجہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر انہیں اپنے کارندوں کے ذریعے بلوا سکتا تھا مگر راجہ نے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ بہت عاجزی اور التجا کر کے حکیم وقار کو بلایا تھا، حکیم وقار کے ساتھ رولوکا بھی ساتھ چلا گیا۔ حکیم وقار دلی میں اپنے مطب کے لیے بہت اہم تھے لیکن راجہ کی اہمیت اور التجا کو مدنظر رکھتے ہوئے چلے گئے۔ راجہ کی مرضی تھی کہ رولوکا اور حکیم وقار چند دن مزید اپنا قیام کریں مگر حکیم وقار نے معذرت کر کے تیسرے دن واپس رولوکا کے ساتھ اپنے مطب میں آ گئے۔

مطب میں آتے ہی مطب کا ایک اہم کارندے نے ایک ڈائری دی۔ جسے ایک شخص ایک دن اور ایک رات انتظار کر کے جاتے ہوئے دے گیا تھا۔ ڈائری میں اس کی زندگی کے مکمل حالات و واقعات درج تھے۔ چند صفحات پڑھنے کے بعد حکیم وقار نے وہ ڈائری رولوکا کو دے دی کیونکہ ڈائری میں درج حالات واقعات رولوکا کے لیے تھے۔ ڈائری کے علاوہ ایک الگ سے کاغذ تھا۔ جس پر لکھا تھا۔

حکیم صاحب میں ایک دن اور ایک رات انتظار کے بعد بحالت مجبوری جا رہا ہوں، کاش کہ میرے بس میں ہوتا تو میں آپ سے بغیر ملے نہیں جاتا مگر افسوس صد افسوس کہ کبھی کبھی انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ میں آپ کی شہرت اور کئی عملی واقعات کے پیش نظر حاضر ہوا تھا، مجھے امید ہے کہ آپ میری مدد فرمائیں گے، میں بے انتہا بلوان شکتی کا مالک ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ ہونے کے برابر ہوں، میں خود اپنی نظروں میں حقیر بن گیا ہوں، پل پل لمحہ لمحہ کا سکون مجھ سے دور ہو گیا ہے، میں تصور نہیں کر سکتا کہ میں کس قدر نادیدہ قوتوں کا مالک ہو کر بھی......اور یہ نادیدہ قوتیں میری حکم عدولی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتیں، بہر حال مکمل حالات ڈائری میں درج ہیں۔ مدد کا طلب گار، شیر علی یا شیر سنگھ......

ڈائری کی تحریر:

ایک صدی پہلے بنارس کے ایک مسلمان گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شیر علی رکھا گیا اس کے باپ کا نام نادر علی تھا۔

نادر علی اپنے وقت کا بہترین کاریگر تھا۔ اس کا پیشہ مورتیاں بنانا اور ان کو سجانا تھا۔

بڑے بڑے مندروں میں اس کا روز کا آنا جانا

تھا۔ نادر علی بڑا کٹر مسلمان تھا۔

دن بھر ہندوؤں میں اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا ہندوؤں کی ساری رسمیں اور ان کے عبادت کے کرنے کے ڈھنگ وہ جانتا تھا مگر ہندو دھرم سے وہ ذرا سا بھی متاثر نہیں تھا۔

شہر بنارس کے درمیان سے دریا گزرتا ہے دونوں کے کناروں پر مندر بنے ہوئے ہیں۔

مندر اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کو مندروں کا شہر کہا جاتا ہے۔ ہزاروں سادھو اپنے پھولے ہوئے پیٹ لیے چھتریوں کے نیچے لیٹے نظر آتے ہیں۔

عورت مرد ایک ساتھ دریائے گنگا میں اشنان کرتے ہیں۔ نادر علی کا مکان بلندی پر تھا دریا اس کے گھر سے ایک میل دور تھا پورے محلے میں دو تین گھر مسلمانوں کے تھے باقی سب ہندو برہمن آباد تھے۔ یہ دو تین گھروں میں گوشت کبھی نہیں پکتا تھا۔ برہمن گوشت کھانے والوں کے سخت خلاف ہیں۔ ہندوؤں میں ہزاروں فرقے ہیں برہمن بھی کئی قسم کے ہیں ایک برہمن گوشت بڑے شوق سے کھاتا مگر دوسرا اس سے شدید نفرت کرتا ہے میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں اس زمانے میں گوشت کھانے والے برہمن بہت کم تھے۔

نادر علی کی سسرال جون پور میں تھی جون پور میں وہ جب بھی آتا تھا خوب دل بھر کر گوشت کھاتا تھا۔

شیر علی کی پیدائش جون پور میں ہوئی مگر پیدائش کے بعد وہ بنارس آ گیا۔ بنارس میں ماحول ہندوؤں کا تھا کانوں میں ہر وقت گھنٹیوں کی آوازیں آتی رہتی تھیں اور ناقوس کی بے سری آواز تھی۔ ہر طرف سادھو ترشول اٹھائے پھرتے نظر آتے تھے۔ ترشول سادھوؤں اور جوگیوں کے پاس ضرور ہوتا ہے ترشول کا لفظ سول سے مل کر بنا ہے تری سنسکرت میں تین کو کہتے ہیں سول کانٹے کو کہتے ہیں ترشول ایک مضبوط سلاخ ہوتی ہے جس کے اوپر تین چھریاں بنی ہوتی ہیں سادھو پیدل سفر کرتے ہیں جنگل بیابانوں سے ان کا گزر ہوتا ہے یہ لوگ جنگل کے جانوروں سے اس کے ذریعے دفاع کرتے ہیں۔ ان کا ایک ہتھیار تیز دھار فولادی چکر بھی ہوتا ہے اس چکر کو گھما کر دشمن پر پھینکتے ہیں اور دشمن کی گردن کٹ کر گر پڑتی ہے۔

شیر علی بنارس کے دھارمک ماحول میں پرورش پانے لگا۔

نادر علی نے اپنی معلومات کے مطابق اور ماں نے اسلام کو جس قدر پڑھا اس کے مطابق شیر علی کو تعلیم دے دی، ذرا بڑا ہوا تو باپ کے ساتھ کام پر جانے لگا۔ مندروں میں دن بھر رہنا کمسن ذہن ہر وقت دیوی دیوتاؤں کے تذکرے ان کی بہادری کے ناقابل یقین واقعات وہ سنتا رہتا۔ شام کو وہ ان کے بارے میں سوالات کرتا۔

''ماں یہ شیو شنکر کون ہیں......؟''

ماں اس کے روز روز کے سوالات سے تنگ ہو کر بولی۔

''ہندوؤں کے بھگوان ہیں...... تجھے کیا ان سے......''

''امی شیو شنکر نے پاربتی کے بنائے ہوئے پتلے کی غصہ میں گردن کاٹ دی تھی۔ اور پھر پاربتی دیوی کو خوش کرنے کو ایک ہاتھی کے بچے کی گردن کاٹ کر پھر پتلے کو زندہ کر دیا تھا اور اس کا نام گنیش رکھ دیا تھا۔'' شیر علی نے اپنی معلومات سے ماں کو آگاہ کیا۔

''ارے بیٹا! تو کن چکروں میں پڑا ہے یہ سب بے کار کی کہانیاں ہیں۔ انسان کے جسم پر اتنی موٹی گردن کس طرح رہ سکتی ہے تو کیوں ان باتوں پر غور کرتا ہے، ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا خدا ایک ہے جو ہر جگہ ہے، مگر نظر نہیں آتا، محسوس ہوتا ہے، تو اپنے خدا کو یاد رکھ اس کو محسوس کر وہ ہر جگہ پر ہے۔''

شیر علی اٹھارہ سال کا ہوا تو اس کی ملاقات ایک بہت بڑے گیانی سے ہوئی وہ اپنے ہندو دوستوں کے ساتھ ان کے پاس گیا وہ ایک مندر کے باغ میں بیٹھے تھے ان کی بڑی بڑی جٹائیں تھیں۔

ان کی داڑھی اتنی بڑی تھی کہ پیٹ تک آ رہی تھی۔

ماتھے پر تین لکیریں پڑی تھیں چہرہ بہت چوڑا تھا اور سر پر ایک بال نہیں تھا۔ ان کی آواز بہت بھاری اور رعب دار تھی وہ کہہ رہے تھے۔

''جو کچھ منش ہزاروں سال سے دیکھتا چلا آ رہا ہے وہ بات ہمارے پرکھوں کے ذریعے ہم تک آئی ہے وہ ہرگز غلط نہیں ہیں وہ بالکل اصل ہیں۔ برتنوں پر ایسے نشانات پائے جاتے ہیں کہ جیسے وہ ہزاروں سال پانی کے اندر رہے ہوں اسی طرح ہزاروں سال پہلے مصر کے کاہنوں کے سینے میں جو علم دفن تھا وہ علم نباتات تھا ہندوستان کے جوگیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ پھول پتیوں اور زمین پر بکھری پڑی بیلوں میں بے پناہ طاقت کا انہوں نے پتہ چلالی تھی۔ جوگیوں کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں اس کے عجائبات فی الحقیقت اتنی ہے کہ پھول پتیوں کی طاقت اور ان میں چھپے راز۔ زمین پر بکھری بے کار بے حقیقت اور ادنیٰ قسم کی نباتات کے اثرات کا ان کو علم تھا۔ دنیا میں اگر کچھ حاصل کرنا ہے تو اس کے بدلے کچھ نہ کچھ دینا ہی ہوتا ہے۔

ایک طرف سکون ہے اطمینان ہے عزت بھی ہے مسرت بھی ہے اور بھرپور ازدواجی زندگی بھی ہے۔

دوسری طرف تنہائی ہے تاریکی ہے ترکِ نفس ہے دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے دوری ہے۔

پرنتوں علم' طاقت اور دنیا کے راز جاننے کے لیے کشٹ اٹھانا پڑتا ہے اور جو اس کشٹ کو اٹھاتے ہیں وہ صدیوں اس دنیا پر راج بھی کرتے ہیں۔

دنیا دار منش ساری زندگی دولت شہرت طاقت اور محبت کے ارمان کرتا ہے مگر کتنے ہیں جن کو یہ سب ملتا ہے اور جن کو ملتا ہے وہ کتنے دن اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں سب کو چھوڑ کر جانا پڑتا ہے تو اے نادان! جو چیز ہمیشہ نہیں رہنے والی اس سے پریم بڑھانا کون سی عقل مندی ہے۔

ہمارے پرکھوں نے کچھ علم ایسے چھوڑے ہیں کہ انسان امر ہو سکتا ہے۔ دنیاوی دولت حاصل کرنے کو وہ جتنی محنت کرتا ہے اگر اتنی محنت ان علوم کے لیے کرے تو وہ صدیوں دنیا پر راج کر سکتا ہے۔ مگر مورکھ انسان چندروز خوشی کی خاطر ہمیشہ کی خوشی کو ٹھکراتا ہے۔ آج کا انسان گھاٹے کا سودا کر رہا ہے میں ہر سال آتا ہوں مگر مجھے ایک بھی ایسا جوان نہیں ملا جو میرے ساتھ جانے پر راضی ہوا ہو۔

کیونکہ میری زندگی بڑی کٹھن ہے اور آج کا انسان آرام طلب ہے۔ اس کو شکتی نہیں چاہیے۔ چندروزہ دولت چاہیے۔''

گیانی جی نے بہت دیر تک باتیں کیں پھر لوگ چلے گئے۔ مگر شیر علی رکا رہا۔

سب کے جانے کے بعد گیانی نے شیر علی سے پوچھا۔ ''بالک تیری کیا اچھا ہے کیوں رکا ہوا ہے......؟''

''سوامی جی میں نے آپ کی باتیں اپنے دل کے اندر اتار لی ہیں۔ میری طرف کچھ نظر کریں۔'' شیر علی بولا۔

''تیرا نام کیا ہے بالک......؟'' گیانی نے پوچھا۔

''میرا نام شیر علی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تیرے دل کی آرزو پوری نہیں ہوگی تیرا اور میرا راستہ الگ الگ ہے۔'' گیانی بولا۔

''ایسی کیا بات ہے گرو جی۔'' شیر علی بولا۔

''سب سے بڑی رکاوٹ تیرا نام ہے اس کے بعد تیرا دھرم ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی چمتکار نہیں ہے کہ میں تجھے خود سے کچھ دے سکوں۔'' گیانی نے کہا۔

''پھر مجھے کیا کرنا ہوگا گرو جی......'' شیر علی بولا۔

''تو مجھے گرو نہ کہہ اس لیے کہ گرو وہ ہوتا ہے جو کچھ دیتا ہے میں نے تجھے کچھ نہیں دیا ہے۔'' گیانی نے کہا۔

''مگر میں آپ سے کچھ لینا چاہتا ہوں اس لیے گرو مان رہا ہوں۔'' شیر علی نے کہا۔

''تو پھر تجھ کو پہلے شیر علی کی جگہ شیر سنگھ بننا ہوگا پھر کچھ ملے گا۔'' گیانی نے کہا۔

''مجھے منظور ہے۔'' شیر علی نے کہا۔

''اس کے بعد تو کبھی مسجد نہیں جائے گا۔'' گیانی

بولے۔

شیر علی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''نہیں جاؤں گا۔''

''پراسرار قوتیں حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مدتوں تک مطالعہ اور عمل کے بعد اور بھی درجے ہیں جو اس کو پاس کرنے ہیں۔ جب اپنے تجربے و عمل سے اس میں کچھ فراست پیدا ہوتی ہے اس کے بعد اس کا اصل سبق شروع ہوتا ہے۔ میرے تین سبق ہیں ہر منزل میں کئی کئی سال لگتے ہیں۔

پہلا سبق شجر ہے، دوسرا حجر ہے یعنی پتھر اور آخری حیوان ہے۔

شیر سنگھ میں تیرے اندر کچھ دیکھ رہا ہوں ایک مدت کے بعد مجھے تو ہی ایک ایسا نظر آیا ہے جو ان تینوں منزلوں کو طے کر سکتا ہے۔

میرے پاس کوئی مبہم اور دھندلا فلسفہ نہیں ہے میرے پاس ایک طاقتور فن ہے جس کو لوگ جہالت سے جادو کہتے ہیں میں اپنے فن کو انسانوں پر آزماتا ہوں اور اپنے فن کے نتائج اور اثرات کو چشم خود دیکھ بھی لیتا ہوں۔

قربانی دنیا میں بہت قدیم رسم ہے جادوگر قربانی کرتے ہیں ضرورت پر انسانی قربانی بھی کرتے ہیں۔ مگر میرے پاس ایسی بات نہیں ہے میرا علم کسی قربانی کا طلب گار نہیں ہے۔ یہ صرف ارتکاز اور لگن چاہتا ہے۔ اس کے بول بہت آسان اور دل کے اندر پڑھنے والے ہیں۔''

شیر علی کا دماغ غیر معمولی پراسرار طاقتوں کو حاصل کرنے کے خبط میں کسی حد تک ماؤف ہو چکا تھا۔ اور ہر قسم کے معقول اور فطری خیالات کی اہلیت و صلاحیت کھو چکا تھا۔ ماحول اور ہندو دوستوں کی صحبت نے اس پر بہت اثر ڈالا تھا۔

وہ بولا۔ ''گرو آپ تو انتریامی ہیں دلوں کا حال بھی جانتے ہوں گے کیا میں کامیاب ہو سکتا ہوں کیا آپ کا علم میرے اندر آ سکتا ہے۔''

''میں نے پہلے کہا ہے کہ تیرے اندر مجھے وہ نظر آ رہا ہے جو اس شکتی کے لیے ضروری ہے۔ میں جو جانتا ہوں ایمانداری سے تجھے دے دوں گا پرنتو اس کا رکھنا اور سنبھالنا تیرا کام ہوگا اگر رکھ سکا تو صدیوں چلے گا نہ رکھ سکا تو سب وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گا۔''

''گرو میں آپ کے حکم پر چلوں گا۔'' شیر علی نے گردن جھکا کر ادب سے کہا۔

''مجھے پتہ ہے تیرے اندر تڑپ ہے تو ضرور اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔ مگر پوری بات بتانا میرا فرض ہے کسی فن کی تعلیم دینے اور لینے میں دونوں فریق کا مخلص اور ایماندار ہونا ضروری ہے۔ اگر گرو میں خلوص کی کمی ہے تو فن میں بھی کمی ہو جائے گی تجھے بتانا ضروری ہے کہ یہ فن اور شکتی وہ نہیں ہے جو عام طور پر جادوگروں کے پاس ہوتی ہے اس شکتی کا کوئی بیر نہیں ہوتا۔ اس شکتی کا بیر وہ خود ہوتا ہے جو اس کو کرتا ہے منش اپنی شکتی کو باہر لاتا ہے۔ بھگوان نے انسان کو اتنی زیادہ طاقت دی ہے کہ وہ سب کچھ کسی کی مدد کے بغیر کر سکتا ہے...... اگر اس کو اپنی شکتی کو استعمال کرنے کا ڈھنگ آ جائے۔

پراسرار طاقتوں کو اپنا غلام بنانے والے خود ان طاقتوں کے غلام ہوتے ہیں وہ ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے ہر مقام پر ان کو بھینٹ کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ اس کا انتظام نہ کر سکیں تو خود وہ بھینٹ بن جاتے ہیں دور سے بڑی سندر نظر آنے والے بڑی گھنائیوں میں ہوتے ہیں دوسرے ان کو خود سے بڑا اور بہتر خیال ضرور کرتے ہیں مگر وہ خود گرداب میں ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر دور میں جادوگر رہے ہیں مجھے دنیا کے تمام مذاہب کے بارے میں معلوم نہیں لیکن جہاں تک معلومات کا تعلق ہے ہر مذہب نے جادو کی حقیقت کو مانا ہے۔

مگر میرا فن کچھ الگ ہی چیز ہے اس کو حاصل کرنے کے تقاضے بھی کچھ اور ہیں یہ فن قبرستانوں میں نہیں ملتا، نہ یہ کسی مرگھٹ میں لمبے لمبے جاپ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس فن کے حاصل کرنے والے کو

کوئی تنگ نہیں کرتا کوئی بھینٹ طلب نہیں کرتا۔ مگر اس کا مطلب تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ تو بہت آسان کام ہے منش خود جب اپنے آپ کو بھینٹ کرنے کو کہتا ہے تو سمجھ لے کہ کام کتنا مشکل ہو جاتا ہے مگر آسان بات یہ ہے کہ انسان خود کو اس کڑی آزمائش میں خود ڈالتا ہے اور برداشت کرتا ہے وہ اگر چاہے تو بھاگ جائے اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا کوئی مجبور نہیں کر رہا ہوتا مگر وہ جما رہتا ہے اور ارتکاز کی منزل طے کرتا ہے یہ کام چند روزہ نہیں ہے بلکہ سالوں کی مدت درکار ہوتی ہے۔

انتہائی روحانی تکمیل حاصل کرنے کی قوت اور صلاحیت بھگوان نے ہر شخص کو دی ہے۔ میں نہیں کہتا بلکہ یہ نظریہ بہت قدیم ہے کوئی اس کی ابتدا کا زمانہ معلوم نہیں کر سکتا۔

دنیا کے تمام مذاہب میں اس کو مانا گیا ہے۔ اسلام میں انسان کے دل کو کعبہ اور خدا کا گھر کہا گیا ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ کے یہ الفاظ ہیں کہ خدا کی سلطنت ہمارے اندر ہے اس طرح دنیا کے ہر مذہب میں مختلف زمانوں میں معجزے اور کرامات دکھائے ہیں۔ وہ ان کی روحانی تکمیل کا نتیجہ تھیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی لوگ گزرے ہیں جو اپنے اندر ایسی ہی قوتیں رکھتے تھے وہ بھی عجیب و غریب کمالات دکھا سکتے تھے۔ تم ان کو کیا کہو گے میں نے آج جو کچھ کہا وہ تیرے سبق کا ابتدائی حصہ ہے انسان اگر ذہنی طور پر کسی کام پر راضی نہ ہو تو وہ کام پورا نہیں کر سکتا ابھی تم ذہن کو میری طرف لگاؤ اور میری باتوں پر غور کرو تم پر کسی کا دباؤ نہیں ہے میں تم کو اپنی طرف لانے کی کوشش نہیں کروں گا تم آزاد ہو تمہارا ذہن اور دل اگر میری باتیں قبول کرتا ہے تو میں تمہیں اپنا چیلا ضرور بناؤں گا۔ دوسری صورت میں تم میرے پاس پلٹ کر ہرگز نہ آنا۔"

شیر علی واپس آ گیا مگر اس کے ذہن میں گرو کی باتیں گردش کرتی رہیں۔

"یہ کون سا فن ہے کہ کوئی بھینٹ نہیں مانگتا اور اس کو حاصل کرنے والے پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا اس کا کوئی بیر نہیں ہوتا یہ کیسی شکتی ہے؟" وہ رات بھر کبھی سویا کبھی جاگا مگر اس کے کانوں میں گرو کی آواز آتی رہی۔

وہ دوسرے دن پھر گرو کے سامنے تھا۔

گیانی نے اس کو مسکرا کر دیکھا اور بولے۔ "تیری جوالا میں دیکھ رہا ہوں۔"

شیر علی خاموش رہا تو وہ پھر بولے۔ "اپنے ماتا پتا کے بارے میں بتا کیا وہ تجھ کو میرے ساتھ جانے دیں گے......"

"میں ان کو راضی کروں گا اگر راضی نہ ہوئے تو بھی میں ساتھ جاؤں گا۔ میرا من کہتا ہے میں اپنے من کے کہنے پر چلوں گا۔" شیر علی نے کہا۔

"میں جہاں رہتا ہوں وہاں پر اس دنیا کا منش نہیں رہ سکتا برف کا ڈھیلا بن جائے گا ہمالیہ پہاڑ پر صرف برف ہوتی ہے اس کے غاروں میں سردی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ آدمی خود برف بن جاتا ہے اس سردی کو برداشت کرنے کے لیے پہلے شریر کو تیار کرنا پڑتا ہے کچھ خاص قسم کی جڑی بوٹیوں کو کھانا ہوتا ہے اور وہ بھی تیرے سبق کا ایک حصہ ہوگا اگر منش کا شریر تندرست ہوگا تو دماغ بھی پوری طرح کام کرے گا اس لیے ضروری ہے کہ تو خود کو اس برفانی ماحول میں رہنے کے قابل بنائے گا اور جب میں دیکھوں گا کہ تو وہاں پر رہنے کے قابل ہو گیا ہے تو پھر تیرا اصل سبق شروع ہوگا اور وہ تجھے اکیلے کرنا ہوگا تیری مدد میں ضرور کروں گا راستہ بتاؤں گا مگر منزل پر جانا تو تجھے ہی ہوگا۔ کل سے تو میرے پاس سویرے آئے گا اور شام تک رہے گا۔"

شیر علی روز مندر میں آنے لگا۔ وہ صبح آتا اور رات تک مندر میں رہتا اس کی ماں کو فکر ہو گئی لڑکا روز صبح سے شام تک غائب رہتا ہے کہ کچھ پتہ تو کرو کیا کرتا ہے۔

"ارے نیک بخت جائے گا کہاں کسی نہ کسی مندر میں رہتا ہوگا اس کے سارے دوست ہی ہندو ہیں۔" نادر علی نے جواب دیا۔

''مگر ہم تو ہندو نہیں ہیں۔'' بیوی نے جواب دیا۔

''مگر کیا کریں ہماری روزی بھی ان مندروں میں ہے میں خود سارا دن مندروں میں کام کرتا ہوں تو کیا میں ہندو ہو گیا ہوں وہ بھی میرا بیٹا ہے اس پر بھی کچھ اثر نہیں ہوگا۔'' نادر علی بولا۔

''تم پختہ عمر کے آدمی ہو اپنا اچھا برا سمجھ سکتے ہو کچھ اپنے دین کے بارے میں جانتے ہو کچھ تمہارے بزرگوں نے تمہارے کان میں ڈالا ہے مگر شیر علی بچہ ہے اس کی تو دینی تعلیم بھی پوری نہیں ہے اس کو کوئی بھی بہکا سکتا ہے اپنی مرضی پر چلا سکتا ہے۔'' بیوی نے کہا۔

''ہاں یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے۔'' نادر علی بولے۔

''تم اس کا سارے دن گھر سے باہر رہنے پر پابندی لگاؤ ذرا سختی کرو کہ وہ گھر میں رہے۔ سارا دن مندروں میں نہ جانے کیا کیا کھاتا ہوگا نہ حرام کا پتہ نہ حلال کا پتہ۔'' بیوی بولی۔

''اب کہاں ہے وہ......؟'' نادر علی نے پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ وہ تو سویرے ہی نکل جاتا ہے جیسے کسی ڈیوٹی پر جا رہا ہو۔'' بیوی نے جواب دیا۔

''اچھا شام کو اس سے بات کروں گا۔'' نادر علی بولے۔

''بات ذرا نرمی اور محبت سے کرنا ایک تو تم ذرا ذرا سی بات پر گرمی کھا جاتے ہو لڑ کا ہے۔'' بیوی بولی۔

''تمہاری محبت اس کو بگاڑ رہی ہے تمہاری وجہ سے میں، میں خاموش رہتا ہوں اب کہتی ہو نرمی سے بات کروں محبت سے بات کروں تو پھر تم میں اور مجھ میں فرق کیا رہ گیا میں بات اپنی طرح کروں گا اگر تم کو اچھا نہیں لگتا تو تم خود یہ کام کرو میں نہیں کرتا۔'' نادر علی بولا۔

''بس ہو گئے شروع میرا مطلب یہ تھا کہ اولاد پر زیادہ سختی بھی ٹھیک نہیں ہوتی بغاوت کے جراثیم پیدا کرتی ہے اور اگر یہ جراثیم ایک بار پیدا ہو جائیں تو پھر ختم نہیں ہوتے۔'' بیوی نے کہا۔

''اولاد کے دل میں باپ کی عزت اور رتبہ ماں پیدا کرتی ہے جو عورت اپنے شوہر کی عزت کرتی ہے اس کی اولاد بھی باپ کی عزت کرتی ہے عزت کی بنیاد عورت رکھتی ہے۔'' نادر علی نے کہا۔

''میں نے تمہاری عزت کب نہیں کی ہے میرے میکے کی سہیلیاں مجھ سے کہتی ہیں تیرا آدمی تو آدھا ہندو ہے مورتیاں بنا کر سجاتا ہے اور ان کی کمائی کھاتا ہے مگر میں نے تم سے کبھی یہ بات نہیں کہی میرے سر پر قدرت نے جو تاج رکھا ہے میں اس پر خوش ہوں تم کیا کرتے ہو کس طرح گھر کا خرچ چلاتے ہو میں نے اعتراض نہیں کیا تو یہ کیا ہے، کیا یہ تمہاری عزت نہیں ہے۔'' بیوی بولی۔

''ہاں تم نے کبھی اعتراض نہیں کیا میں مانتا ہوں تم برا نہ ماننا میں نے تو بر سبیل تذکرہ کہہ دیا تھا میرا مطلب تمہارا دل دکھانا ہرگز نہیں تھا رہی تمہاری اولاد سے محبت تو یہ بھی ایک قدرتی امر ہے ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔'' نادر علی نے بات بنائی۔

شیر علی رات کو گھر واپس آیا تو ماں باپ اس کے انتظار میں تھے۔ ماں نے کھانا کھلایا اور پھر وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور بولی۔ ''بیٹا تم روزانہ صبح گھر سے جاتے ہو اور رات کو آتے ہو کیا کوئی کام کرتے ہو......؟''

''ہاں کام ہی کرتا ہوں۔'' شیر علی نے کہا۔

''کیا کام کرتے ہو مجھے تو بتاؤ......؟'' ماں نے پوچھا۔

ابھی میں کام سیکھ رہا ہوں اپنے گرو سے......'' شیر علی بولا۔

بیٹا تم دن بھر مندروں میں رہتے ہو مگر تم یہ ہرگز نہ بھولنا کہ تمہارا تعلق کس مذہب سے ہے، تمہارا مذہب افضل ترین مذہب ہے، یوں تو ہر مذہب والا اپنے مذہب کو اچھا اور افضل خیال کرتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس پر قائم ہی کیوں رہتا۔ سب اپنے اپنے مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں ہر کوئی اپنے مذہب میں اوروں کو

شامل کرنے کی جستجو کرتا ہے بڑا رتبہ دے کر دولت دے کر اور نئی طاقت دے کر اپنی طرف راغب کرتا ہے مگر تم یہ جان لو کہ ہمارے مذہب میں ایک ادنیٰ سا انسان دوسرے مذاہب کی بڑی بڑی قوتوں سے زیادہ ایمانی قوت رکھتا ہے دوسرے مذاہب کی سب سے زیادہ قوت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے ہماری قوت شروع ہوتی ہے اور اس وقت اس کی انتہا نہیں ہوتی دوسرے لوگ اپنا رتبہ بلند کرنے کو ہم کو اپنے میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔'' ماں نے کہا۔

''میں جو قوت حاصل کرنے جا رہا ہوں ماں وہ دنیا کی ایک انوکھی طاقت ہے اس کے جاننے والے دنیا میں چند لوگ ہی ہیں۔'' شیر علی نے جواب دیا۔

''تم جو کرنا چاہو کرو، میں یا تمہارا باپ تم کو نہیں روکیں گے کبھی کبھی انسان عقل سے دھوکا کھاتا ہے عقل انسان کو سیدھی راہ بھی دکھاتی ہے اور اس کو بھٹکا بھی دیتی ہے مطلب ہوا کہ عقل دوست بھی ہے اور دشمن بھی، راہ نما انسانی عقل کو درست سمت میں موڑ دیتا ہے تو وہ اسی طرف چلتا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی سمت غلط ہو جائے تو غلط راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ اگر انسان نے عقل سے خدا کو پہچانا ہے تو اسی عقل کے بل پر خدا سے انکار بھی کیا ہے۔ انسان مادہ پرست ہوتا ہے وہ شروع سے مادے کی ہیئت جاننے کی کوشش میں مصروف ہے مگر کتنی عجیب بات ہے کہ سامنے کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مادہ کی ہیئت جاننے کی کوشش تو کر رہا ہے مگر یہ نہیں سوچتا کہ اس مادے کا موجد کون ہے اس کا خالق اس کا موجد جو بھی ہے وہ اللہ ہے وہ کائنات بنانے والا ہے۔'' ماں نے کہا۔

''اماں میں نے ایک سبق پڑھنا شروع کیا ہے وہ میں نے کسی کے کہنے پر یا کسی کے اکسانے پر شروع نہیں کیا وہ میں نے اپنے شوق سے شروع کیا ہے۔ اس کی وضاحت میں ابھی کچھ نہیں کر سکتا۔ آگے چل کر ہو سکتا ہے مجھے دور جانا پڑے، میں نے گرو کو کہہ دیا ہے کہ میں جاؤں گا، میرا شوق ہے میں ضرور پورا کروں گا، تم یا ابا میرے شوق کے درمیان رکاوٹ نہ ڈالنا مگر جب آؤں گا تو تمہارے ہی پاس آؤں گا میں نے جو راستہ پکڑا ہے وہ ٹھیک سمجھ کر ہی پکڑا ہے۔'' شیر علی نے جواب دیا۔

''میں تیرے ابا کو بتا دوں گی اور اپنے سینے پر بھی پتھر رکھ لوں گی مگر تو ایسا کچھ نہ کرنا کہ مجھے مرنے کے بعد خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے ویسے تو میری طرف سے آزاد ہے۔''

☆......☆......☆

''جہاں پر عقل کی حدیں ختم ہوتی ہیں میرا علم اور فن وہاں سے شروع ہوتا ہے۔

انسان کے اندر ایک کائنات بھگوان نے رکھی ہے۔ مگر انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کو دیکھ لو کہ وہ صرف دو تین فیصد اس کو استعمال کرتا ہے اور پوری زندگی گزار دیتا ہے اس دو تین فیصد سے وہ کتنے کام کرتا ہے۔ اگر پورا دماغ استعمال کرے تو پھر وہ کیا نہیں کر سکتا۔

اس دنیا میں ہزاروں عجوبے تم دیکھ سکتے ہو یہ سب انسانی عقل کے ہیں۔

ہزاروں ہنر لوگوں کے پاس ہیں اور تھے، کچھ وہ اپنے ساتھ لے گئے، وہ کنجوس تھے انہوں نے اپنا علم و ہنر کسی کے سپرد نہیں کیا۔ میں بھی ایسا ہی تھا مگر وقت نے مجھے سمجھایا کہ میں غلطی پر ہوں۔ اور میں پہاڑوں سے اتر کر تمہارے جیسے کی تلاش میں آنے لگا مگر آج کے مادہ پرست اور کمزور ذہن کے مالک لوگوں میں مجھے کوئی نہیں ملا۔ تم میں قدرتی طور پر وہ صلاحیت میں نے پائی ہے اور میرا من کرتا ہے کہ تم کو میں اپنا فن سونپ دوں اس لیے میں تمہاری بنیاد اتنی پختہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم کسی طرح آگے کی گھٹناؤں سے گھبرا نہ جاؤ۔ میں ہر وقت ہر مقام پر تمہاری پشت پر ہوں گا مگر یہ ایک عجیب فن ہے کوئی بیرونی مدد کام نہیں آتی تم کو تلاش کرنا ہے اور تلاش بھی اپنی ذات

کی کرنا ہے دنیا کا سب سے زیادہ مشکل کام خود کو تلاش کرنا ہی ہے جب منش خود کو تلاش کر لیتا ہے تو پھر دنیا کا کوئی کام اس کے لئے مشکل نہیں ہوتا دنیا کے جادو سحر اس کی نظر میں بونے ہو جاتے ہیں وہ جس طرف جس مقصد سے نظر کرتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

میں نے دُنیا کو تیاگ دیا ہے دنیا کی دولت میری نظر میں کنکر پتھر سے بدتر ہے اور وقت آئے گا کہ تو بھی اس منزل پر ہو گا اس کے بعد بھی ایک منزل ہے مگر میں وہاں پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔ اگر تیرے ستارے ایسے ہی رہے تو پھر تو ضرور اس منزل پر آجائے گا۔

تیرے ماتا پتا نے تجھے کیا کہا ہے۔۔۔" گرو نے پوچھا۔

"ماتا نے پوچھا تھا میں نے کہہ دیا کہ میں ایک فن کی تلاش میں گرو کے پاس جاتا ہوں ہو سکتا ہو کہ میں دور چلا جاؤں، ماتا نے اعتراض کیا ہے۔" شیر علی نے جواب دیا۔

"شیر سنگھ انسان کو اندر اور باہر سے ایک جیسا ہونا ضروری ہے۔ تو اگر اندر سے مسلمان اور باہر سے ہندو ہے تو کام نہیں چلے گا ایک کنارہ پکڑنا ہو گا۔ حالانکہ میری تعلیم میں دھرم رکاوٹ نہیں ہے مگر میرا دھرم ہندو ہے اس لئے دھرم کو بھی ہم وزن کرنا ہو گا میں کسی قسم کی کمی چھوڑنا نہیں چاہتا تم کو اندر سے بھی شیر سنگھ بننا ہو گا۔" گرو نے کہا۔

"آپ نے حکم کر دیا اور میں بن گیا۔" شیر سنگھ نے کہا۔

"تو پھر یاد رکھنا کہ تم اب گھر نہیں جاؤ گے اور بنارس ہم کو چھوڑنا ہو گا کیونکہ تمہارا گھر یہاں پر ہے۔ تمہارے ماتا پتا یہاں پر ہیں کسی بھی وقت وہ تم سے ملنے یا لینے آسکتے ہیں تمہارے من میں اگر ذرا بھی فرق آیا تو پھر سے وہی سبق پڑھنا ہو گا جو تم ختم کر چکے ہو گے اس لئے ضروری ہے کہ تم دور دور رہو جہاں تم کو اور مجھے کوئی نہ جانتا ہو۔" گرو نے کہا۔

وقت کی گردش ہزاروں سال سے ایک ہی طرح ہے۔ اندھیرے اور اجالے کا کھیل روز ہوتا ہے۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات یہ ایک میکانکی عمل ہے میری نظر کے سامنے دور تک پھیلا ہوا ریگستان تھا اور آسمان پر تارے نظر آرہے تھے چاندنی رات تھی اور چاند کی خواب آور روشنی تا حد نظر تک ریت کا سمندر تھا۔

گرو کے آخری الفاظ میں نے سنے تھے اور میری نیند نے مجھے دبوچ لیا تھا۔ میں کسی صحرا میں تھا۔ صحرا کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے اس حسن کے قدر دان دنیا میں کم ہیں۔ لوگ انسانی جنگلوں میں رہنا چاہتے ہیں مگر مجھے یہاں پر کوئی کمی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی خوف کسی قسم کا ڈر میرے اندر نہ تھا نہ یہ فکر تھی کہ میں کہاں ہوں، ہاں یہ ضرور جانتا تھا کہ کیوں ہوں؟ میرے لئے جو ضروری تھا گرو نے وہ کیا ہوا تھا۔

مجھے آنے والے وقت کی فکر بھی نہیں تھی زندگی قائم رکھنے کو غذا اور پانی ضروری ہے مجھے اس کی بھی فکر نہیں تھی میں اندر سے مسرور تھا میری سوچ کا انداز بدل رہا تھا اب میری سوچ محدود نہیں تھی میں خود کو مسدود محسوس نہیں کر رہا تھا اس کی کیا وجہ تھی میری خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

چاندنی نے صحرا کو دور تک روشن کر رکھا تھا دور سے کوئی آرہا تھا وہ گرو تھے۔

انہوں نے آتے ہی مسکرا کر پوچھا۔ "کیسا لگ رہا ہے۔۔۔؟"

"اچھا لگ رہا ہے" میں نے جواب دیا۔

"کچھ فرق یہاں پر تجھے آکر لگا ہے۔" گرو نے پوچھا۔

"ہاں میرا دماغ دور دور تک دیکھ رہا ہے اند کوئی سوال نہیں ہے جیسے یہ سب مجھے پتہ تھا ایسا ہی ہوتا تھا میری سوچ کے خلاف کچھ نہیں ہوا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ صحرا دنیا کا سب سے بڑا صحرا ہے اور یہ مقام جہاں تو ہے یہاں پر شاید انسان آج تک آیا ہی نہیں یہاں جو سکون ہے وہ کسی میدانی علاقے میں نہیں ہے یہ پہلی

منزل ہے اس اجاڑ اور بے آب کے صحرا میں تجھے درخت اگانے ہیں پھول کھلانے ہیں۔"

"درخت اور پودے تو پانی سے پیدا ہوتے ہیں یہاں پر تو دور دور پانی کا نام ونشان نہیں ہے پھر درخت اور پھول کیوں کر پیدا ہوں گے؟" میں نے کہا۔

"پانی سے درخت اور پودے تو سب اگاتے ہیں سب تیرے جیسے نہیں ہیں بڑے لوگوں کی بڑی بات ہوتی ہے تیرے اگائے درختوں کو پانی کی ضرورت نہیں ہے تو جب چاہے گا پھول کھلیں گے یہی تو تیرا فن ہوگا تیرا پہلا سبق شجر ہے اس فن سے تو یہ کام انجام دے گا۔ تیری محنت اور لگن بتائے گی کہ تو کون ہے کب یہ کام انجام دے سکے گا؟" پھر گرو نے ایک پڑیا نکالی اس میں چند دانے پڑے ہوئے تھے۔

ایک دانہ اٹھا کر وہ بولے۔ "یہ ایک بیج ہے بہت بڑے درخت کا، یہ چھوٹا سا بیج ہے اس درخت کو برگد کہتے ہیں۔ اس کو اگر یہاں پر اگایا جائے تو یہ درخت نہیں بن سکتا مگر تو اس کو درخت بنا سکتا ہے میں تجھے بتاتا ہوں اس کا طریقہ کار کیا ہے تو تیار ہے۔" گرو نے پوچھا۔

"ہاں میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ابھی تم اس کو بھول جاؤ اور صرف یہ یاد رکھو کہ تم کچھ کرتے جا رہے ہو اور وہی کرنے تم آئے ہو پالتی مار لو اور زمین پر نظر گاڑ لو اور دل میں صرف کام کے بارے میں سوچو دنیا کی کوئی بات ہرگز دل میں نہ لاؤ میں تمہارے پاس ہوں مگر تم مجھے بھی بھول جاؤ صرف اس پر دھیان لگاؤ کہ تم ایک کام کرنے آئے ہو وہ تم کو کرنا ہے۔ دن ہو جائے دھوپ آ جائے آندھی آئے طوفان آ جائے تم کسی طرف دھیان نہیں دو گے یہ کیفیت چند گھنٹے بھی ہو سکتی ہے اور کئی سال بھی رہ سکتی ہے جب تمہارا تن من سب اس طرف ہو جائے گا تو میں تم کو جگا دوں گا۔" اور گرو واپس چلے گئے۔

میں پالتی مار کر بیٹھ گیا اور دھیان میں لگ گیا۔ مجھے نہیں پتہ کہ دن کب نکلا اور پھر شام کب ہوئی اور پھر رات کب ہوئی۔ رات کو گرو نے مجھے آواز دی میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا گرو کے ہاتھ میں کوئی برتن تھا وہ بولے۔

"شریر کی مشینری چلانے کو ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے یہ تیرا ایندھن ہے یہ کھا لے اور پھر دھیان کرنا۔" اور گرو واپس چل دیئے۔ میں نے برتن سے گرو کی لائی سوغات کھانا شروع کر دی پتہ نہیں وہ کیا تھا کبھی دودھ کا مزا آتا تھا کبھی گوشت سبزی لگتا تھا نمک ذرا بھی نہیں تھا مگر کھانے میں برا نہیں لگتا تھا میں نے پورا برتن خالی کر کے رکھ دیا اس کے کھاتے ہی میرے بدن میں توانائی سی آنے لگی بھوک اور پیاس دونوں ختم ہو گئیں اور میں پھر اپنے خیالات میں غرق ہو گیا۔ مجھے نہیں پتا کہ میں کتنے دن اسی حالت میں رہا۔ مجھے پھر گرو کی آواز نے ہوشیار کیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور گرو کو دیکھا گرو کے ہاتھ میں کاغذ میں لپٹا ہوا ایک پاکٹ تھا۔ اس پاکٹ میں کیا تھا پتہ نہیں۔ گرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی چہرے پر اطمینان بھی نظر آتا تھا۔

"تیرے دھیان کی منزل گزر گئی، تو اس منزل میں سپھل ہو گیا۔ تیری یہ پہلی منزل تھی اس میں ہی اندازہ کرنا ہوتا ہے کہ منش کے اندر کتنی شکتی ہے تیرے اندر بہت برداشت ہے تو دوسری منزل بھی پار کر جائے گا یہ منزل پہلی سے زیادہ سخت ہے اس میں تیری یکسوئی اور توجہ کی زیادہ ضرورت ہے ذرا سا بھی اپنے کو کسی طرف نہ جانے دینا یاد رکھ یہاں پر زندگی اور موت کا کھیل ہے۔ یوں تو تیری زندگی اب موت سے قریب ہو کر کئی بار گزرے گی مگر یاد رکھنا کہ زندگی اگر موت کے قریب سے گزر جاتی ہے تو زندگی کا حسن اور بڑھ جاتا ہے زندگی میں اور زیادہ دلکشی آ جاتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے اندر اعتماد کا دریا ابل رہا ہے تو ضرور اس منزل کو عبور کر جائے گا یہ آخری نہیں ہے اس کے بعد بھی بہت کچھ ہے اور علم کا خزانہ تیرے سامنے کھلا ہوا ہے۔

اب میں تجھے کچھ بول بتا تا ہوں تو ارتکاز کے سمندر میں ڈوب کر اور نظریں ان آم کی گٹھلیوں پر جما کر ان بولوں کو متواتر بولتا رہے گا۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے ذرا سی چوک بڑے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے تجھے بھٹکانے کوئی نہیں آئے گا تیرے ارد گرد سینکڑوں میل تک انسان کا وجود نہیں ہے انسانوں کے علاوہ بھی کچھ عناصر ایسے ہیں جو تیرے ارتکاز کو توڑنا چاہیں گے اس لئے ہر کوئی اپنی حکومت چاہتا ہے تیری بڑائی ان کو کب پسند آئے گی ان کے لئے میں تیرے قریب ہوں۔ اس منتر کے پڑھنے کو تیرے لئے یہ خاص قسم کی تیری خوراک ہے اس کو کھا جا اور اب میں جاتا ہوں۔'' گرو نے یہ کہا اور واپس چلے گئے۔

میں نے گرو کی حلوہ نما چیز کھالی اس کا ذائقہ بہت الگ تھا۔ اس کے بدن میں جاتے ہی مجھے حرارت کا احساس ہونے لگا اس کی گرم گرم لہریں میرے دماغ کی طرف آنے لگیں کچھ دیر یہ کیفیت رہی پھر میں پرسکون ہو گیا۔ میرا جسم توانائی ضرور محسوس کر رہا تھا مجھ پر موسم کا کچھ اثر نہیں تھا میں ایک کھلی چٹان پر بیٹھا تھا یہ چٹان زمین سے زیادہ بلند نہیں تھی دور دور کسی ہریالی کا نام نشان نہیں تھا۔ میرے سامنے ریت کا سمندر تھا آسمان پر پرندے تک نظر نہیں آتے تھے مجھے تنہائی کا ذرا احساس نہیں تھا بلکہ یہ تنہائی مجھے اچھی لگ رہی تھی حالانکہ مجھ پر اب تک ساری حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی میں جو کر رہا ہوں اس کے بدلے مجھے کیا ملنے والا تھا گرو نے کچھ نہیں بتایا تھا اور اس نے بھی نہیں پوچھا تھا اس کی ضرورت بھی کیا تھی میں نے تو خود کو گرو کے حوالے کر دیا تھا زندگی اسی کا نام ہے کہ انسان کسی کا ہو جائے یا کسی کو اپنا کر لے جب انسان کسی کا ہوتا ہے تو پھر وہ سود زیاں کا حساب کتاب رکھتا ہے اور اگر حساب رکھتا ہے تو پھر وہ پوری طرح کسی کا نہیں ہوا پھر اس کو میں ریاکاری کہوں گا مگر میں ریاکار نہیں تھا میں نے کچھ نہیں پوچھا۔

میں نے ایک گٹھلی نکالی یہ آم کی گٹھلی تھی اس کو زمین پر رکھ دیا اور اس پر نظریں گاڑ دیں۔ اور ارتکاز کے سمندر میں ڈوب گیا۔ گرو کے بتائے چند شبد میری زبان پر جاری ہو گئے۔

مجھے نہیں پتہ کہ میرے ارد گرد کتنے موسم بدلے کتنی بارش ہوئی اور کتنے صحرائی طوفان میرے اوپر سے گزر گئے میرے سامنے ایک آم کی سوکھی گٹھلی رکھی تھی میرا رابطہ اس گٹھلی سے تھا میری زبان پر وہ بول تھے جو گرو نے بتائے تھے گٹھلی نے اب تک کچھ نہیں کہا تھا میں ہی اس کو مخاطب کرنے میں لگا تھا مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں کتنا بڑا کام کرنے جا رہا ہوں یہ کام مجھے ہر حالت میں انجام دینا تھا۔

یہ گٹھلی جواب دے گی میں اس سے جواب مانگتا رہوں گا۔ یہ میرے ارادے کی قوت کا امتحان تھا۔ میں گرو کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا میرا ارتکاز قائم رہا۔ میرے جسم اور دماغ میں ذرا سی کمزوری نہ ہوئی انسان کی قوت برداشت کسی نہ کسی مقام پر آ کر جواب دے جاتی ہے اور وہ نڈھال ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر میں اب تک تر و تازہ تھا میں خود میں ذرا کمزوری محسوس نہیں کرتا تھا میرا گرو پرخلوص تھا اس نے میرے لئے سب انتظام کر دیا تھا میرا ورد جاری وقت کے گزرنے کا احساس مجھے ذرا نہ تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے ریگستانوں میں چند گھنٹوں میں ریت کے پہاڑ کھڑے ہو جاتے ہیں اور پہاڑ اڑ کر اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔ ریگستان کا مزاج کبھی ایک طرح نہیں رہتا۔ یہاں پر ہر وقت تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے مگر میں اس تبدیلی سے مبرا تھا تیز دھوپ اور آندھی کی تیز ہواؤں نے مجھے اپنی جگہ سے ذرا نہیں ہلایا وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ گٹھلی کی رنگت میں، میں نے تبدیلی محسوس کر لی۔ پہلے مٹیالے رنگ کی گٹھلی آہستہ آہستہ سفید ہو رہی تھی اور اس کا حجم بھی بڑھ رہا تھا مگر یہ عمل بہت آہستہ آہستہ ہو رہا ہے قطعی طور پر غیر محسوس انداز میں میری نظریں چونکہ اس پر مسلسل تھیں اور میرے

انتظار کی شدت تھی اس لئے میں اس کے بدلتے انداز کو محسوس کر رہا تھا۔ اب گٹھلی پوری سفید تھی اور ایک طرف سے اس کے پرت الگ ہو رہے تھے۔

میرے انداز گردان میں اور زیادہ والہانہ پن خود بخود آ گیا میں نہ جانے کب سے پلک جھپکائے بغیر اس کو دیکھ رہا تھا دل میں انبساطی کیفیت پیدا ہو گئی۔

گٹھلی کا ایک طرف سے پوری طرح منہ کھل گیا۔

میرے ارادے کی قوت ریڈیو سیٹ کی طرح کام کر رہی تھی سوئی برابر گردش میں تھی میرا دماغی ریڈیو آم کی گٹھلی کی فراکیونسی کی تلاش میں تھا۔

میری گردان میں تیزی آ گئی تھی مگر مجھے اب تک کسی غیر مرئی اور غیبی آواز یا اشارے کا ذرا احساس نہیں ہوا تھا مگر گٹھلی کی ہیئت اور رنگ برابر بدل رہے تھے۔ اب آدھی گٹھلی کالی نظر آتی تھی اور آدھی کے دونوں پٹ کھل گئے تھے اندر سے ایک باریک سی کونپل باہر آ رہی تھی۔

پھر اچانک مجھے کسی بہت باریک سیٹی نما آواز کا اندازہ ہوا۔ میرے دل میں خوشی کی ایک لہر سی اٹھ گئی اور نہ جانے کتنا وقت گزرا کہ کونپل باہر آ گئی اور باریک آواز بھی ذرا تیز ہو گئی۔

میرے ارتکاز اور گردانی میں بھی تیزی آ گئی اور کونپل کے رنگ کو بھی پہچان لیا وہ بالکل ہرا تھا۔ میں اب خود کو اپنی منزل کے قریب محسوس کر رہا تھا۔ ہری کونپل میں سے ایک باریک پتہ نکل رہا تھا۔ میرے کانوں میں برابر ایک آواز آ رہی تھی اب وہ آواز ذرا بھاری اور صاف تھی پھر وہ پتہ پورا کھل گیا اور اس کی ڈنڈی لمبی ہو گئی میں نے اپنا کام جاری رکھا شاید یہی اس کی غذا تھا مجھے اس کو برابر غذا دینی تھی اس کو پودا بنا کر درخت بنانا تھا گرو نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا مگر میرے دل نے یہ خود بخود جان لیا تھا اور پوری طرح محسوس کر لیا تھا۔ اب کونپل کی ڈنڈی پوری طرح باہر آ گئی تھی اور گٹھلی کالی ہو کر الگ ہو گئی تھی اور کونپل نے زمین پکڑ لی تھی اور اس کے پتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

پودا سیدھا کھڑا تھا اور اس کی لمبائی ایک فٹ سے زیادہ ہو گئی تھی مگر میری یہ منزل نہ تھی ابھی اس کو مالی کی ضرورت تھی اور میں اس کا مالی تھا بچہ انسان کا ہو یا جانور کا، جب پیدا ہوتا ہے تو بہت کمزور ہوتا ہے اس کو اس کی ماں پرورش کرتی ہے اگر وہ اس کی پرورش نہ کرے دیکھ بھال نہ کرے حوادث زمانہ سے نہ بچائے تو وہ بچہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح پودے جب زمین سے باہر سر نکالتے ہیں تو ان کے ہزاروں دشمن تاک میں ہوتے ہیں مالی ان کی رکھوالی کرتا ہے ان کو ان کی غذا فراہم کرتا ہے اور وہ پودے تناور درخت بن جاتے ہیں۔

میں نے اس ریگستان میں ایک آم کا درخت لگایا ہے اس درخت کو پرورش کرنا بھی میرا کام ہے۔ اس درخت کی پرورش کا طریقہ کار اور غذا مجھے پتہ ہے میں اس میں کمی کروں گا تو یہ بچہ ہے کمزور ہے مر جائے گا میرے اندر پھر سے نئی توانائی آ جاتی ہے اور میں اپنی گردان کو تیز کر دیتا ہوں اور میری نگاہوں کا مرکز تیزی سے بڑھتا رہتا ہے اس کی آواز میرا دماغی ریڈیو کیچ کرتا رہتا ہے اور وہ ننھا سا پودا کئی گز بڑا ہو جاتا ہے بہت سارے پتے اس پر آ جاتے ہیں اور ہوا سے ہلتے ہیں تو ایک آواز پیدا کرتے ہیں اب میری نظر اس کی جڑ اور تنے پر رہتی ہے درخت برابر بڑھ رہا ہے کتنا زمانہ گزرا مجھے ذرا اندازہ نہیں میری خود کی غذا وہ گردان بن چکی ہے میرے جسم میں ذرا سی تھکن یا کمزوری نہیں ہے بلکہ درخت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میری طاقت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے میں بہت مسرور ہوں جیسے کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے یہ تخلیق کی خوشی ہے شاید یا زندگی دینے کی پتہ نہیں کوئی ڈاکٹر حکیم کسی لب گور مریض کا علاج کرتا ہے اور اس کو شفایاب کر دیتا ہے تو اس کو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ ایک معمار ایک انوکھی عمارت تعمیر کرتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں وہ اپنی بنائی عمارت کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہے۔

یہی حال اس عورت کا ہے جو تخلیقی عمل کے دشوار مرحلوں سے گزر کر کسی بچے کو جنم دیتی اور اس کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ دنیا میں ہزاروں طرح سے انسان کو خوشی ملتی ہے۔ مگر میرا خیال دنیا کی ساری خوشیوں سے زیادہ بڑی خوشی تخلیقی خوشی ہوتی ہے۔ یہ بیرونی نہیں انسان کی اندرونی خوشی ہے۔ میرے اندر بھی یہی خوشی تھی۔

اب درخت کا تنا بہت بھاری ہو گیا تھا۔ اس کا سایہ دور دور تک جا رہا تھا اور میں خود بھی اس کے سائے میں تھا۔

وقت کی گردش کا مجھے حساب نہیں تھا۔ درخت کے ہوتے ہی اس پر پرندے بھی نہ جانے کہاں سے آ گئے تھے۔ میرا ریڈیو درخت کی آواز پکڑ رہا تھا اب آوازیں مبہم نہیں تھیں۔

درخت نے صاف لفظوں میں میرا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر کہا تھا۔ ''تو نے مجھے نیند سے جگایا اور پرورش کر دیا اس سے تیرا کیا مطلب تھا تو نے کیوں میرے لئے اتنی تکلیف اٹھائی بول؟''

مجھے گرو نے کچھ نہیں بتایا تھا کہ اس سوال کا کیا جواب دینا ہے مگر پھر بھی میری زبان پر جواب آ گیا۔ میں نے کہا۔ ''تو درخت ہے انسان نہیں بن سکتا، میں انسان ہوں تو مجھے درخت بننے کا گر بتائے گا میں وقت ضرورت درخت بن سکوں تو بتائے گا مجھے تجھ سے صرف یہ پتہ کرنا ہے۔''

''بہت مشکل اور بہت رقت طلب کام ہے۔ تو اس خیال کو دل سے نکال دے۔'' درخت بولا۔ ''میں نے تیری خدمت صرف اس لئے کی ہے کہ تو مجھے میرے کام سے انکاری ہو جائے۔'' میں نے کہا۔

''میں انکار نہیں کر رہا ہوں انسانی عمر اتنی نہیں ہے کہ وہ یہ علم حاصل کر سکے۔'' درخت بولا۔

''تو نے میرے بارے میں اندازے غلط لگائے ہیں انسان چند روز کھانا نہ ملے تو مر جاتا ہے پانی نہ ملے تو ختم ہو جاتا ہے مگر میں زندہ ہوں کتنا زمانہ گزر گیا مجھے پتہ نہیں مجھے بھوک پیاس نہیں لگتی میں کمزور نہیں ہوتا میرے اندر کچھ ایسی توانائی ہے کہ اس پر وقت کی گردش اثر نہیں کرتی میں سوتا نہیں۔ تو نے مجھ میں انسانوں والی کون سی بات پائی ہے۔ میرے عظیم گرو نے میرے اندر وہ توانائی بھر دی ہے کہ میں نہ بوڑھا ہوں گا نہ مجھے انسانی ضروریات پریشان کریں گی میں وقت کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا جاؤں گا۔ اس صحرا میں پھول کھلاؤں گا تیرے ساتھی اور اگاؤں گا اور تو اپنی شاخوں پر پھلوں کا بوجھ اٹھائے گا میرا یقین اور میرا گرو میرے ساتھ ہے میں نے تجھ سے جو طلب کیا ہے تو وہ کام کر۔'' میں نے درخت کو جواب دیا۔

''ہاں تو دھن کا پکا ہے تیرا گرو اور یقین دونوں بڑے مضبوط ہیں مگر میں ابھی اس منزل پر نہیں ہوں کہ تجھے یہ راز بتا سکوں اگر میں یہ کہوں کہ مجھے یہ راز پتہ ہی نہیں تو بھی غلط نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر تخلیق کے کچھ اصول قاعدے ہوتے ہیں میں وہ نہیں جانتا جو میرے بڑے جانتے ہیں تم کو میرے بڑوں سے رابطہ کرنا ہوگا اگر تم ان سے رابطہ کر سکے تو تم خود درخت بننے کی صلاحیت حاصل کر سکو گے۔'' درخت نے کہا۔

''میں ان سے کہاں رابطہ کر سکتا ہوں۔'' میں نے پوچھا۔

''تم نے جس درخت کی گٹھلی کو درخت بنایا ہے تم اس درخت کے پاس جاؤ اور اس سے رابطہ کرو۔'' درخت نے جواب دیا۔

''اور وہ درخت کہاں پر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ درخت جنوب کے شہر بنگلور کے بہت اندرونی علاقے میں ہے اس گاؤں کا نام بھوانی پور ہے وہاں پر ایک بہت بڑا آموں کا باغ ہے بہت قدیم قدیم درخت وہاں پر ہیں ان میں ہی میرا باپ بھی ہے، تم میرے باپ سے رابطہ کرو گے تو وہ ہرگز تم کو کچھ نہیں بتائے گا پھر تم اس کو میرا حوالہ دو گے۔ کہ وہ ایک صحرا میں اکیلا کھڑا ہے تو وہ تم سے کہے گا کہ تم اس کو اس کے

بیٹے سے ملواؤ تم میں اگر اتنی شکتی ہے کہ تم مجھے بھوانی پور زندہ لے جاسکو تو وہ مان جائے گا ہر درخت اپنی اولاد کو پہچان لیتا ہے پھر وہ تمہاری بات مان لے گا اور تم اس سے جو سوال کرو گے وہ اس کا جواب تم کو دے گا۔"
درخت بولا۔
تم نے میرے ہر سوال کا جواب دے دیا اور طریقہ کار بھی بتا دیا تم انکار بھی کر سکتے تھے ٹال بھی سکتے تھے یا غلط راستہ بھی دکھا سکتے تھے تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟"
میں نے پوچھا۔
پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہم نے جھوٹ کو دیکھا ہی نہیں دوسری وجہ یہ کہ تم نے میری پرورش کی ہے اس مقام پر جہاں میلوں میری غذا نہیں ہے تم نے مجھے دی ہے اور اب تک تم یہ کام کرر ہے ہو تم یہ کام کس طرح کرر ہے ہو مجھے پتہ نہیں مگر میں تمہارا احسان مند تو ہوں تم بھوانی پور جاؤ گے تو میں یہاں پر اکیلا بھوک اور تنہائی سے شاید مر جاؤں گا جانے سے پہلے میرا انتظام ضرور کر کے جانا۔"
درخت نے کہا۔
"میں ابھی نہیں جاؤں گا اس مقام پر مجھے گرو کی ضرورت ہے میرا گرو مجھے بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"
میں نے کہا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ گرو کی آواز نے مجھے چونکا دیا اور میرا ارتکاز ٹوٹ گیا۔
"مبارک ہو......" گرو نے کہا۔ "تو نے ایک منزل سر کر لی اب تیرے لیے دوسری اتنی کٹھن نہیں ہوگی تجھ میں رابطہ کرنے کی قوت پیدا ہو گئی ہے اب تو ہر درخت سے رابطہ کر سکتا ہے ان سے بات کر سکتا ہے تیرے رابطہ کو کوئی اور ذرا سا محسوس نہیں کرے گا میں بھی تیرے اور اس کے درمیان نہیں آ سکتا ہاں اگر میں رابطہ کروں تو دوسری بات ہے پھر تم ہم دونوں کے درمیان نہیں آ سکتے یہ اس منتر کا اصول ہے۔ تو نے جو منتر اب تک کروڑوں بار اپنی زبان سے ادا کیا ہے وہی رابطہ کا منتر ہے تو اگر اب وہ منتر نہ بھی پڑھے تو بھی کسی درخت سے بات کر سکتا ہے کیونکہ تیری اس کے پڑھنے کی مدت پوری ہو چکی ہے اب تو اس منتر کا محتاج نہیں منتر تیرے حکم کا محتاج ہے رہی تیرے اس بیٹے کی زندگی کا معاملہ تو یہ بھی اتنا مشکل نہیں ہے تو جب اور جس مقام پر اس کو طلب کرے گا یہ تیرے پاس آ جائے گا اور جب تک یہ اکیلا ہوگا اس کو غذا ملتی رہے گی تو نے اس کو پال کر جوان کر دیا ایک مالی جو کر سکتا ہے اس نے کر دیا اس کے بعد بھگوان کا کام شروع ہو گیا ہے وہ اس کو غذا فراہم کرے گا تو اس کی طرف سے بے فکر ہو جا جس نے اس دنیا کو بنایا ہے وہ بے رحم نہیں ہے۔ وہ سب کی فکر کرتا ہے۔
بھوانی پور تیرے لیے دور نہیں آنکھیں بند کر اور بھوانی پور کا تصور ذہن کے پردے پر لا اور تو بھوانی پور میں ہوگا تیرا علم اب وقت اور فاصلے کی قید سے اوپر ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں تو جب بھی یاد کرے گا میں آ جاؤں گا کیونکہ ابھی تیرا علم ادھورا ہے تیرے پاس بہت کچھ آ گیا ہے مگر پھر بھی تو ابھی پہلی منزل پر ہے بھوانی پور میں تجھے ابھی اور کچھ کرنا ہے۔"
بھوانی پور کے لوگ اس باغ کو پرانا باغ ہی کہا کرتے تھے یہاں آموں کے بہت پرانے پرانے درخت تھے مجھے اس باغ کو تلاش کرنے میں ذرا پریشانی نہیں ہوئی۔
میں اس کے اندر چلا گیا میرے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی ڈاڑھی بے حساب بڑھی ہوئی تھی سر پر بالوں کا جنگل تھا اور جسم پر بھی بال بہت تھے باغ کے مالی نے بری حالت دیکھ کر مجھے اندر جانے سے نہیں روکا سر جھکا کر بولا......"سادھو مہاراج میں آپ کی کیا خدمت کروں۔"
میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی گردن خود بخود جھک گئی میں نے کہا۔ "تم کچھ نہ کرو اور مجھ سے دور رہو اور کسی کو میرے قریب نہ آنے دو یہی تمہاری خدمت ہے۔" مالی چلا گیا۔
باغ میں ایک سے ایک قدیم درخت تھا میں ایک بہت بوڑھے درخت کے پاس چلا گیا اور بیٹھ کر

ارتکاز میں چلا گیا اور اس بوڑھے درخت کو مخاطب کر کے دل میں کہا۔

''میں کسی ضروری کام سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ انسان ہوں زندگی کا تمہارا یہ پہلا تجربہ ہوگا کہ کوئی انسان تم سے بات کر رہا ہے اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو۔'' میرے بار بار اصرار کرنے پر میرے ذہن پر جواب آیا۔ ''تم کو اس کی ضرورت کیوں پڑ گئی میرے ڈیڑھ سو سالہ زندگی میں پہلا اتفاق ہے کہ انسان نے اپنی بات مجھ تک پہنچائی ہے تم کون ہو اور کس طرح میرے پاس پہنچے، ضرور تم کو کسی نے یہاں کا راستہ بتایا ہوگا۔'' درخت بولا۔

''ہاں مجھے کسی نے یہ راستہ بتایا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ ضرور اس باغ سے ناطہ رکھتا ہوگا۔'' بوڑھا درخت بولا۔

''وہ تمہاری اولاد ہے میں نے اس کو ریگستان میں جنم دے کر پرورش کیا ہے اس نے تمہارا پتہ دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ میری اولاد ہے تو تم نے اس کو ریگستان میں کیوں پرورش کیا دوسری جگہ نہیں تھی۔'' درخت بولا۔

''مگر میرا عمل اور منتر اس کو ریگستان میں ہی پرورش کر سکتا تھا اب وہ وہاں پر اکیلا کھڑا ہے۔ تم اگر کہو گے تو وہ یہاں آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم عجیب باتیں کرتے ہو وہ انسان نہیں ہے کہ ہر جگہ پیروں پر چل کر چلا جائے۔'' درخت بولا۔

''ریگستان کی نہایت خشک آب و ہوا میں بے پانی اور کھاد کے میں نے اس کو کھڑا کر دیا۔ تو اس کو یہاں پر بھی لا سکتا ہوں۔ تم صرف درخت ہو میں صرف انسان نہیں ہوں اگر تم میرا کہا مانو تو میں تم کو اس سے ملوا سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اے انسان تم کیا چاہتے ہو......؟'' بوڑھا درخت بولا۔

''میں انسان ہوں تم درخت ہو تم بے علم ہو انسان نہیں بن سکتے مگر میں درخت بن سکتا ہوں تم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''تم درخت بن کر کیا کرو گے انسان تو بڑی چیز ہے تم کمتر کیوں بننا چاہتے ہو۔'' درخت بولا۔

''میں وقت ضرورت درخت بننا چاہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''انسان کو درخت بننے کی ضرورت کیوں کر پیش آ سکتی ہے؟'' درخت بولا۔

''آ سکتی ہے تم اس فکر میں نہ پڑو۔'' میں نے کہا۔

''تل کی اوٹ پہاڑ تم نے سنا ہے۔'' درخت بولا۔

''سنا تو ہے مگر دیکھا نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے پاس ایسا علم ہے کہ تم میری اولاد کو سینکڑوں میل سے میرے پاس زندہ لا سکتے ہو صحرا میں اس کی جڑیں زمین کے اندر پہنچا سکتے ہو اس کو غذا دے سکتے ہو اور مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو تم ضرور کوئی بہت مہان شکتی انسان ہو تم صرف تصور کرو گے تو تم درخت بن جاؤ گے تم کو کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی میں عمر بھر کی شکتی تم کو دیتا ہوں میرا وقت بھی قریب ہے میرا پھل بھی بہت کم ہو گیا ہے تم میرا یہ کام کرو کہ میری جگہ میری اولاد کو کھڑا کر دو اس طرح وہ میری جگہ آ جائے گا اور میری بوڑھی لکڑیاں کسی کا چولہا گرم کر دیں گی۔''

میں نے گرو کا تصور باندھا تو وہ آ گئے بوڑھا درخت جڑ سے اکھڑ کر دور جا گرا اور اس کی جگہ پر ریگستان والا تر و تازہ درخت آ گیا اس پر ریگستانی پرندے بھی یہ محسوس نہ کر سکے کہ وہ ہزاروں میل دور ایک باغ میں آ گئے ہیں اور میں باغ سے باہر آ گیا۔

''اب تیرے پاس شجر کی پوری قوت ہے تو جب چاہے گا درخت بن جائے گا اور جب چاہے گا درخت سے انسان بن جائے گا یہ قوت پورے دیش میں تیرے پاس ہے مگر ایک بات کا خیال رکھنا اس قوت کا استعمال دیکھ بھال کر کرنا، مانا کہ یہ بہت بڑی شکتی ہے تجھے

اندازہ نہیں مگر مجھے پتہ ہے تو نے اس کو بیس سال کی محنت کے بعد پایا ہے۔ مگر دنیا میں ایک شکتی نہیں ہے اور بھی کچھ ہیں جو اس سے بھی بڑی شکتی کے مالک ہوں گے تم خود کو صرف آخر ہرگز نہ سمجھنا یہ پہلی منزل ہے، تجھے میں اس منزل کو سر کرنے کو تیار کیا تھا اس کے بعد دوسری منزل آنے والی ہے مگر ابھی تیرے پاس پانچ سال کا وقفہ ہے تو میری نظر میں رہے گا یہ دورانیہ بھی تیرا امتحان ہوگا کیونکہ شکتی اچھی بھی ہے اور بری بھی، میں تجھے دیکھوں گا اگر تو دوسری شکتی کے قابل ہوا تو میں خود بخود تیرے پاس آجاؤں گا۔''

انسان ہر وقت اور ہر لمحے سولی پر ہوتا ہے کسی وقت بھی کچھ ہوسکتا ہے۔''

☆......☆......☆

بیس سال کے بعد شیر علی بنارس آیا تھا۔ اس کے گھر میں ایک ہندو پنڈت رہتا تھا اس نے دور سے اپنے باپ دادا کے مکان کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے ایک بوڑھے کو دیکھا اور پہچان لیا وہ چوبے جی تھے اس کے پاس کے دوستوں میں سے تھے مگر اس نے ان سے بھی بات نہیں کی اور آگے بڑھ گیا کچھ نئے گھاٹ بن گئے تھے کچھ مندروں کی مرمت ہوگئی تھی سارے لوگ نئے نئے نظر آرہے تھے مگر بنارس کا ماحول وہی تھا۔ اس شہر کا ماحول سینکڑوں سال سے ایسا ہی ہے اس کا اپنا حلیہ ایسا تھا کہ اگر اس کے ماں باپ زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی اس کو نہ پہچان سکتے وہ چڑھائیاں چڑھتا گیا مگر اس کو کوئی ایسا نظر نہیں آیا جو اس کو پہچان پاتا یا وہ خود کسی سے بات کرسکتا۔ وہ ایک حجام کی دکان میں چلا گیا حجام نے کہا۔

''سادھو جی کیا خدمت کروں......؟''

میں بولا۔ ''میرے بال صاف کردے ڈارھی چھوٹی کردے اور میں نہاؤں گا بھی......''

''سادھو مہاراج آپ ناراض نہ ہونا ذرا سا وقت لگے گا میں استرے پر دھار کرلوں تو پھر آپ کا کام کروں میرا استرا خراب ہوگیا ہے بار بار دھار لگانی پڑ رہی ہے۔''

''تو کام تو کر دھار کی ضرورت تجھے نہیں پڑے گی۔'' میں نے کہا۔

''سادھو جی ضرورت تو خوب پڑے گی دھار بنا بال نہیں کٹیں گے۔'' حجام نے کہا۔

''میں نے کہہ دیا ہے تو کام کر......'' میں نے کہا۔

حجام نے حیرت سے مجھے میلے گندے سادھو کو دیکھا اور بولا۔ ''جو حکم سرکار کا آیئے بیٹھ جایئے۔''

میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

حجام نے میرے سر پر پانی ڈالا کچھ دیر سر کی مالش کرتا رہا اور پھر استرا اٹھا کر ہتھیلی پر رگڑا اور میرے سر پر پھیرنے لگا۔ استرا ایسا چل رہا تھا جیسے بالکل نیا خریدا ہو۔ حجام نے حیرت سے استرے کو دیکھا اور کام کرتا رہا سر کے بال ختم کرنے کے بعد اس نے داڑھی بھی چھوٹی کردی اس کی دھار بڑھتی ہی رہی استرا اور تیز ہوتا گیا اور میرا چہرہ نظر آنے لگا۔ سب کام ختم کرکے حجام بولا۔

''آپ حکم کرو تو مہاراج میں آپ کو نہلا دوں۔''

''اور کچھ بھی لے گا۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج آپ کی آشیرباد کا محتاج ہوں میرا کام تو خدمت کرنا ہے یہی پرکھوں نے بتایا ہے۔ آپ جیسوں کی خدمت کرنے کا روز روز کہاں موقع ملتا ہے یہ تو میرے نصیب ہیں کہ میں آپ کی خدمت کچھ کروں۔'' حجام نے ادب سے کہا۔

''اچھا تیری تمنا ہے تو پوری کرلے......'' اور میں نہانے کے چبوترے پر بیٹھ گئے۔

حجام دوڑ کر کنویں پر گیا اور دو بڑی بڑی بالٹی پانی بھر لایا اور ایک خوشبودار صابن اس نے پیٹی سے نکالا پیڑھی لے کر میرے پاس بیٹھ گیا لوٹا بھر کر اس نے میرے سر پر پانی ڈالا اور پھر سارے بدن پر صابن ملنے لگا۔ آدھا گھنٹہ وہ میرے جسم کا پرانا جمع میل اتارتا رہا اور پوری صابن کی ٹکیہ اس نے خرچ کردی اور پھر صاف تولیہ لے کر میرے جسم کو خشک کرکے بولا۔ ''میرے پاس مہاراج نئی دھوتی

نہیں پرانی دھلی رکھی ہے وہ لے آؤں کہو تو......"
میں بولا۔"جیسی ہے لے آ......آج ہم نے خود کو تیرے حوالے کر دیا ہے۔"
حجام دوڑ کر گھر کے اندر گیا اور سفید دھوتی لے آیا۔
میں نے دھوتی پہن لی اور چبوترے سے اتر آیا اور بولا۔
"تو نے میرا بہت کام کیا ہے تیرا کوئی کام ہے تو بتا ہم کر دیں گے حساب برابر ہو جائے گا دینے کو رقم تو ہمارے پاس نہیں ہے۔"
"مہاراج میں نے رقم لینے کو آپ کا کام نہیں کیا ہے زندگی میں ایک آدھ دفعہ ہی کسی کو کوئی دھرم ماتما کا ٹکراتا ہے میرے نصیب ہیں کہ آپ میرے پاس خود آگئے۔"
"دنیا میں پورا کون ہے سب ادھورے ہیں سب میں کچھ نہ کچھ کمی ہے کسی میں کچھ کسی میں کچھ خود کو کون پورا کہہ سکتا ہے ہلدی کی گانٹھ لے کر چوہا پنساری نہیں بن جاتا۔ اسی طرح انسان کو اگر کچھ ملے تو بھگوان کا شکر ادا کرنا چاہیے اس پر اترانا یا غرور نہیں کرنا چاہیے۔
میں کتنے دن کے بعد بنارس آیا ہوں اور کتنے دن کے بعد نہایا ہوں اس کا اندازہ تو نے میرے شریر پر لگے میل سے کر لیا ہوگا۔ شریر کے اوپر کا میل تو صابن صاف کر دیتا ہے مگر آتما پر لگے میل کو کون صاف کرے گا۔" میں نے کہا۔
"آپ بتائیں مہاراج۔" حجام بولا۔
"منش جب جنم لیتا ہے اس سنسار میں آتا ہے اس وقت اس کی آتما بڑی صاف ستھری معصوم ہوتی ہے جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے وہ دنیاداری میں پھنس جاتا ہے اور اپنی نادانیوں سے اپنی آتما کو دنیا کی آلائشوں سے آلودہ کرتا رہتا ہے آتما پر اسی طرح میل مٹی چڑھ جاتا ہے جس طرح میرے بدن پر چڑھ گیا تھا پھر وہ گناہوں کے دلدل میں اس قدر زیادہ پھنس جاتا ہے کہ وہ کوشش بھی کر لے تو دلدل سے نہیں نکل پاتا مگر سب ہی ایسے نہیں ہیں اگر سب ایسے ہوتے تو یہ دنیا نرکھ میں بدل جاتی۔
ہر شخص نہ جوگی بن سکتا ہے نہ سنیاسی گھر گرہستی بھی ضروری ہے مگر موہ بری چیز ہے انسان کو اسی موہ نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے (موہ یعنی لالچ)
دھرتی بہت وسیع ہے مگر اس پر رہنے والا انسان اس کی قدر نہیں کرتا ذرا آنکھ کھول کر نہیں دیکھتا اس کو صرف اپنے سامنے ہی نظر آتا ہے۔" میں نے کہا۔
"آج کتنا اچھا دن ہے میرے سو بھاگ کہ مجھے آپ ملے......" حجام نے کہا۔
"دن سب برابر ہیں تم جس دن کو اچھا کہہ رہے ہو کوئی ایسا بھی ہوگا جو اسی دن کو بہت برا کہہ رہا ہوگا یہ سب کرنی کے پھل ہیں ان کو ہم ہی کاشت کرتے ہیں اور ہم ہی کو کاٹنا ہوتا ہے۔
انسان جو کرتا ہے اس کا کہیں تو حساب رکھا جاتا ہے جو زندگی دیتا ہے عقل دیتا ہے اس نے کچھ بندش لگائی ہوگی تم جس کی ملازمت کرتے ہو اس کے بدلے وہ تم کو روٹی دیتا ملازم پر لازم ہے کہ وہ مالک کو خوش رکھے ہمارے مالک ہم سے خوش ہے اگر نہیں تو پھر ہم اس کی نمک حرامی کر رہے ہیں اور وہ برابر ہم کو روٹی دے رہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہماری جان چھوٹ گئی ہے۔ بوند بوند پانی کا حساب ہوگا ایک ایک نوالہ گنا جا رہا ہے ہر چیز کا رجسٹر موجود ہے ہر حرکت ریکارڈ پر ہے۔
تو نے میری خدمت خوب کی میں خوش ہوا۔ اگر بنارس میں رہا تو پھر آؤں گا۔ تیرا استرا بہت تیز ہے اور تیرا ہاتھ بھی رواں ہے یہ ایسا ہی رہے گا۔ اچھا اب ہم چلتے ہیں۔" میں حجام کی دکان سے نکل کر ایک طرف چل پڑا۔
دروازے سے دور ایک دھوتی پوش آدمی کھڑا تھا۔
میں نے اس سے پوچھا۔
"اس مکان میں ایک نادر علی رہتے تھے تم ان کو جانتے ہو۔"
دھوتی پوش پنڈت نے میری طرف دیکھا اور کہا۔
"میں نے یہ مکان ایک عورت سے خریدا تھا میرا خیال ہے۔ وہ عورت مالک مکان کی بیوی تھی اور مسلمان تھی ہو سکتا ہے مالک مکان کا نام نادر علی ہو تم کو کیا کام پڑ گیا

سادھومہاراج۔"

"کام تو منش سے منش کو پڑتا ہی ہے جیسے تم سے ایک کام پڑ گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"بتاؤ کر سکا تو کر دوں گا۔" پنڈت بولا۔

"بنا پر یچے کے ہم لوگ باتیں کر رہے ہیں میں شیر سنگھ ہوں۔ پہلے بھی بنارس میں رہتا تھا پھر چلا گیا اور بیس سال کے بعد پھر آیا ہوں بیس سالوں میں بنارس ویسا ہی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں پنڈت پرکاش ہوں ذات کا پنڈت ہوں مگر کام کا پنڈت نہیں میں اپنا چھوٹا سا کاروبار کرتا ہوں۔"

"میں ہنس پڑا اور بولا۔" بنارس کا پنڈت اور گزر بسر کاروبار سے کرتا ہے۔ یہ بات میرے گلے کے اندر نہیں جاتی۔" پنڈت نے اس کا مذاق سمجھ لیا وہ بھی ہنس پڑا اور بولا۔

"ہے تو حیرت کی بات میرے پرکھوں نے کبھی کچھ نہیں کیا دان دکھشنا پر گزارہ رہا بنارس شہر میں بھجن کرنے والوں کی بڑی مانگ ہے۔ دوسرے شہروں سے آ کر لوگ کماتے ہیں مگر میرا من یہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا مگر جنموں کی کمزوری میرے اندر بھی تھی محنت طلب کام میرے بس کا نہ تھا اس لیے کاروبار کرنے لگا اور بھگوان کی کرپا ہے کہ اپنے پریوار کا خرچ پورا کر لیتا ہوں اس لیے زیادہ کی مجھے ضرورت بھی کیا ہے زیادہ بڑا پریوار نہیں ہے میرا......" پنڈت پرکاش نے جواب دیا۔

"اچھے وچار ہیں تمہارے تم اگر زیادہ کی تلاش کرتے، وہ مل جاتا تو اس سے اور زیادہ کی طرف جاتے اور یہ سلسلہ پھر رکتا نہیں ایک دفعہ اور زیادہ کی طرف جانے والا بھاگتا ہی رہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ اس طرف کس کو ملنے آئے تھے۔" پرکاش نے پوچھا۔

ہاں ملنے ہی آیا تھا......" میں نے جواب دیا۔

"کس سے ملنا تھا مجھے بتائیں شاید میں آپ کی مدد کر سکوں......" پرکاش بولا۔

"مجھے جس سے ملنا تھا اس سے ملاقات ہو گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ کون تھا جس سے آپ کو ملنا تھا۔" پرکاش بولا۔

"پنڈت پرکاش ان کا نام ہے اور وہ کاروبار کرتے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا کہا آپ مجھ سے ملاقات کرنے آئے تھے۔" پرکاش حیرت سے بولا۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے تمہارے لیے یہ باعث حیرت ہے مگر میرے لیے نہیں یہ زندگی کا قافلہ ہے اس میں کوئی کسی کو نہیں جانتا مگر سب ایک ساتھ سفر کر رہے ہیں آج میں تمہارے ساتھ ہوں تم میرے قریب ہو میرے ہم سفر ہو کل تم کسی اور کے ہم سفر ہو گے میں بھی کسی اور کے ساتھ چل رہا ہوں گا سب اجنبی ہیں اور سب ساتھی ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ نہ تم اپنے ہم سفر چننے پر قادر ہو نہ میں، ہماری اپنی مرضی کے ہم سفر ہمیں نہیں ملتے اور اگر ملتے بھی ہیں تو اس کی مدت بہت کم ہوتی ہے جیسے آپ سر راہ ملے ہو اور کچھ دیر میں ہم ایک دوسرے سے جدا ہونے والے ہیں۔ ہمارے ملنے میں نہ تمہاری رضا شامل تھی نہ میری مگر ملے مجھے تم اچھے لگے میں نے تم سے کچھ کہا تم نے مجھ سے کچھ کہا ہمارا ساتھ چند منٹوں کا رہا مگر تم کو میں یاد ضرور رکھوں گا اسی طرح تم نے مجھے اچھا پایا ہے تو تم بھی یاد رکھو چاہے یہ بات کچھ دیر کی ہو یا زندگی بھر کی یاد تو ہے کچھ تو عمر بھر ساتھ رہتے ہیں مگر پھر بھی یاد کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔"

پنڈت پرکاش نے میری باتیں بڑی توجہ سے سنی تھیں تمام باتوں کے رمز پر اس نے غور بھی کیا تھا مگر کچھ تھوڑی ہی وہ سمجھ سکا بولا......" شریمان میں اگر آپ کی کچھ خدمت کرنا چاہوں تو آپ اس کی اجازت دیں گے......"

"تم ایک صاف دل کے آدمی ہو تم نے میری بہت خدمت کر دی اور کیا کرو گے۔" میں نے کہا۔

ایک وقت کا بھوجن کم از کم میرے پریوار کے ساتھ کر لیتے تو میری عزت بڑھ جاتی۔''
کسی منش کی بڑائی عزت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا اگر بھگوان کسی کی عزت بڑھاتا ہے تو انسان کا رتبہ بڑھتا ہے انسان عزت بڑھاتا ہے تو غرور بڑھتا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا انتر ہے۔ رہا بھوجن کا معاملہ تو میں رسوئی کے سامنے والے دالان میں کھانا کھاؤں گا۔ اس دالان میں ایک کنڈا لگا ہے اس کنڈے میں ہاتھ سے کھینچنے والا پنکھا لگا ہوگا اگر نہ ہو تو باندھ لو میرے آنند کا یہی سامان ہے کھانے میں تم نے جو پکوایا ہے وہی کھاؤں گا میرے لیے الگ سے کچھ نہ بنانا میں تمہارا مہمان نہیں ہوں میں اس مکان کا مہمان ہوں۔'' میں نے کہا۔
''جو حکم ہوگا ویسا ہی کروں گا میں یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ ہاتھ سے کھینچنے والے پنکھے کا کنڈا آپ نے کس طرح دیکھ لیا یا آپ کا اس مکان سے کیا رشتہ ہے کہ آپ اس کے مہمان ہیں یہ رمز میری سمجھ سے بالا تر تو ہیں مگر میں اندازے تو لگا سکتا ہوں۔'' پنڈت پرکاش نے کہا۔
''میں نے تم کو چکر میں ڈال دیا شاید اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔''
اس مکان کے مالک نادر علی میرے باپ تھے میرا نام شیر علی تھا مگر اب شیر سنگھ ہے۔
میں اسی مکان میں پیدا ہوا اور ہوش سنبھالا تیرہ چودہ سال کی عمر میں میں یہاں سے ماں باپ کو چھوڑ کر اپنے گرو کے ساتھ چلا گیا اور اب بیس سال کے بعد دوبارہ بنارس آیا ہوں اس مکان کے مکینوں سے تو ملاقات نہ کر سکا مگر یہ مکان تو مجھے جانتا ہے اس سے تو ملاقات کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔
''مگر یہ تو ایک بے جان چیز ہے اس سے ملاقات کیا معنی۔'' پرکاش بولا۔
''یہ تمہاری سمجھ کی بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے جس کو ہم دیکھتے ہیں جس کو ہم چھوتے ہیں اس کی ایک آتما ہوتی ہے جس کو ہم چھوتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں وہ آتما کا جسم ہوتا ہے۔ انسان کی ایک آتما ہوتی ہے اور اس آتما کا جسم ہمارا بدن ہوتا ہے۔ جسم پیدا ہوتا ہے بڑا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے بوڑھا ہوتا ہے اور پھر اپنی طبعی مدت پوری کر کے فنا ہو جاتا ہے مگر آتما نہ جوان ہوتی ہے نہ بوڑھی ہوتی وہ ہمیشہ ایک سی رہتی ہے۔ ہم جس کو جاندار کہتے ہیں وہ سانس لینے والے ہیں مگر ہر جاندار کا سانس لینا ضروری نہیں ہے۔ یہ تو بتانے والے کا کمال ہے کہ اس نے سانس لینے والوں سے زیادہ سانس نہ لینے والے بنائے ہیں۔ مگر ہم ان کو بے جان اور بے کار کہہ کر ان کی اہمیت کو کم کرتے ہیں اس کارخانہ قدرت میں کوئی چیز نہ بیکار ہے نہ اہمیت نہ دینے والی ہے۔'' میں نے کہا۔
''آج مجھے کچھ نئی اور حیرت انگیز باتوں کا پتہ چلا ہے۔'' پرکاش بولا۔
''تم برہمن ہو میں جانتا ہوں برہمن ذات پات کے معاملے میں بڑا جذباتی ہوتا ہے میں مسلمان تھا نام شیر علی تھا اب گرو کے کہنے سے شیر سنگھ ہوں تم مجھے برداشت کر لو گے تمہارے برتن بھرشٹ تو نہیں ہو جائیں گے۔ تمہارا پریوار تم سے خفا تو نہیں ہو جائے گا۔'' میں نے پوچھا۔
''تم اگر شیر سنگھ نہ ہوتے اور شیر علی کی حیثیت سے آتے تو بھی ان حالات میں، میں عزت ہی کرتا۔ مگر اب تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا جواز ہی نہیں رہا۔'' پنڈت پرکاش نے کہا۔
''میرا کام تم کو الٹ پھیر سب بتانا تھا تم بعد میں کچھ کہو اس خوف سے میں نے تم کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔
''آؤ اندر آ جاؤ......'' پرکاش نے کہا تو دروازہ پار کر کے ہم دالان میں آ گئے وہی گھر تھا ذرا سی تبدیلی نہیں تھی اس مکان کے چپے چپے سے میں واقف تھا میرے سامنے میرا بچپن کھڑا تھا میری نظروں کے سامنے پہلے میرا باپ آ گیا اس کے چہرے پر شفقت بھرا غصہ تھا ایک سوال تھا۔
وہ خاموش تھا اس کے بعد میری ماں کا چہرہ میرے سامنے تھا ماں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کے چہرے

پر ہزاروں سوال تھے میں کس کس کا جواب دیتا اس لیے خاموش تھا۔ ہزاروں یادوں کی بھیڑ تھی جو قطار در قطار میری طرف بڑھ رہی تھی اس بھیڑ کی ہر یاد مجھ سے شکوہ کر رہی تھی سوال کر رہی تھی مگر وہ خاموش تھا سوالات بہت تھے اور جوابات کم تھے۔

پنڈت پرکاش میرے چہرے کے تاثرات سے میرے اندرونی موسم کا اندازہ کر رہا تھا۔

میں جب اس مکان کو اس کے مکینوں کو بے بتائے چھوڑ کر گیا تھا اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں ان کے ساتھ کیا ظلم کر کے جا رہا ہوں۔ میں نے زندگی کا یہ پہلا ظلم کسی پر کیا ہے۔ مجھے اب تک اس کا احساس نہیں تھا مگر اس مکان نے مجھے احساس دلا دیا ماتا پتا کی آتماؤں نے شاید محبت کے وجہ سے مجھے احساس نہیں دلایا مگر یہ مکان شکوہ کر رہا ہے اس کی زبان نہیں ہے مگر میرا احساس تو زندہ ہے وہ اس کی زبان کے ہر اشارے کو میرے دماغ میں الفاظ کے سانچے میں ڈال کر میرے سامنے لا رہا ہے۔

مگر میرے دوست تیری زندگی کا مقصد تیرے زیر سایہ رہنے والوں کو سایہ فراہم کرنا آرام پہنچانا ہے تو میری زندگی کا بھی ایک مقصد ہے کسی کی زندگی بے مقصد نہیں ہوتی میرا مقصد یہاں رہ کر پورا نہیں ہو سکتا تھا اس لیے مجھے جانا پڑا اور اب بھی مقصد پورا نہیں ہوا جب کسی کا بھی مقصد پورا ہو جاتا ہے تو زندگی تھک جاتی ہے اور تھک کر سو جاتی ہے اور دنیا کہتی ہے فلاں شخص مر گیا۔

مگر میرا مقصد ابھی ادھورا ہے میرا کام صدیوں پر پھیلا ہوا ہے میرا مقصد بڑا طویل وقت مانگتا ہے تم بھی دعا کرنا کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں دیواروں سے باتیں کر رہا تھا اور پنڈت پرکاش حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے پنڈت کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھا تو مسکرا کر بولا۔

''تم سوچ رہے ہو کس دیوانے کو پکڑ لایا ہوں دیواروں سے باتیں کرتا ہے۔''

''نہیں مہاراج میں نے ایسا تو نہیں سوچا۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''مجھے پتہ ہے تم نے ایسا نہیں سوچا ہے ہر بات کو ہر آدمی نہیں سمجھ پاتا، اسی نہ سمجھی میں اس کی بھلائی بھی ہے آگہی بہت سی ذمہ داریاں بھی ساتھ لاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے ٹھیک کہا مہاراج انسان زیادہ جانتا ہے تو اس پر زیادہ بوجھ ہوتا ہے۔'' پنڈت پرکاش نے کہا۔

''تم بتا سکتے ہو کہ تم نے جس عورت سے یہ مکان خریدا تھا وہ عورت کہاں گئی۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں میں نے ان سے سوال کیا تھا۔'' پنڈت نے جواب دیا۔

''پھر تم کو کیا جواب ملا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''انہوں نے کہا تھا میں تو قنوج کی رہنے والی ہوں شادی کے بعد یہاں آ گئی تھی اب واپس قنوج ہی جاؤں گی جو بیاہ کر لایا تھا وہ تو اکیلا چھوڑ گیا، اللہ نے ایک بیٹا دیا تھا وہ میرے سینے کا داغ بن گیا، باپ اسی غم میں مر گیا، میں بھی کسی دن یہ داغ لیے قبر میں چلی جاؤں گی۔''

''مہاراج آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔'' پرکاش نے پوچھا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تم کیا کہنے والے ہو مگر تم پھر بھی کہو ادھوری بات دل میں خلش پیدا کرتی ہے آدمی گومگوں میں مبتلا رہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماتا پتا کو نراش کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' پنڈت نے صاف بات کر دی۔

''اس کا مجھے تمہارے پاس آنے سے پہلے ذرا احساس نہیں تھا مگر اب کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو قریب کی ہوتی ہیں مگر نظر نہیں آتیں آدمی آنکھ رکھ کر بھی دیکھ نہیں پاتا کان رکھ کر بھی سن نہیں پاتا اس کے احساسات اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اس لیے کہ ہونی کو کون روک سکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

مجھے پتہ تھا قنوج میں میرے ماموں رہتے تھے میں بہت چھوٹا تھا اس وقت آئے بھی تھے مگر میرے

ذہن میں ان کی کوئی صورت نہیں تھی دوسرے ان کا پورا نام بھی مجھے نہیں معلوم تھا اماں ان کو مجو میاں کہا کرتی تھیں پتہ نہیں مجید سے کم ہو کر مجو میاں تھے یا کچھ اور نام تھا۔ ان کا پتہ بھی میرے پاس نہیں تھا مگر میں قنوج ان کو تلاش کرنے جا رہا تھا۔ بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے والی بات تھی۔

قنوج آنے سے پہلے ہی وہاں سے آنے والی ہوائیں بتا دیتی ہیں کہ قنوج آ رہا ہے اس شہر کے اطراف پھولوں کی کاشت کی جاتی ہے اور پورے شہر میں عطر بنایا جاتا ہے پورا شہر خوشبوؤں میں نہایا ہوا رہتا ہے یہاں کے لوگوں کی باتوں میں بھی خوشبو آتی ہے۔

میرے پاس کچھ سامان نہیں تھا میرے جسم پر صرف ایک دھوتی تھی دھوتی میں کوئی جیب نہیں ہوتی اس لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا قنوج میں ملی جلی آبادی ہے مگر ہر قوم کے لوگ ایک ہی کام کرتے ہیں مجھے کئی مندر نظر آئے میں ایک مندر میں چلا گیا۔ مندر زیادہ بڑا نہیں تھا یہ پاربتی دیوی کا مندر تھا پاربتی دیوی کی بڑی خوبصورت مورتی رکھی تھی مگر میں اس طرف نہیں گیا۔

میں پجاری کے مکان کی طرف چل دیا مگر چند قدم ہی چلا تھا کہ مجھے کسی نے آواز دی۔

''ادھر کہاں جا رہے ہو مہاراج...... ادھر آ جاؤ۔''

میں نے پلٹ کر آواز دینے والے کو دیکھا تو وہ پھر بولا......

''پجاری جی کے آرام کا وقت ہے آپ سے تو شاید کچھ نہ کہیں مگر میری تو شامت آ جائے گی، میں آپ کی خدمت کرنے کو موجود ہوں آپ حکم کریں۔'' وہ بولا۔

''میں پلٹ کر اس کے قریب چلا گیا دن کا وقت تھا خدمت گار میرے سامنے کھڑا تھا میں نے کہا۔

''میں مسافر ہوں دو چار دن رکوں گا بندوبست کر دو۔''

''سادھو جی یہ تو بہت مشکل کام ہے یہاں پر تو ٹھہرنے کا بندوبست نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ تو کرنا ہو گا جا پجاری کو کہہ کہ وہ انتظام کرے گا۔'' میں نے کہا۔

''سادھو جی میں مفت میں مارا جاؤں گا اس وقت تو کسی کی نہیں سنیں گے......'' خادم بولا۔

''تو ایک بار جا، نہیں مانیں گے تو میں کچھ انتظام کر لوں گا۔'' میں نے کہا۔

خدمت گار نے برا سا منہ بنایا اور پجاری کے مکان کی طرف چلا۔ میں وہیں کھڑا رہا۔

خدمت گار نے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا مگر کافی انتظار کے بعد بھی اس کو جواب نہیں ملا اور وہ پلٹ کر واپس آ گیا اور بولا۔ ''میں نہ کہتا تھا جواب نہیں دیں گے۔''

''اچھا تو پھر جا......'' میں نے کہا۔

''اب میرا جانا خطرناک ہو گا سادھو مہاراج۔'' خدمت گار بولا۔

''کیوں خطرناک ہو گا......؟'' میں نے پوچھا۔

''ان کے بیر صرف ایک دفعہ معاف کرتے ہیں اب کے تو وہ مجھے اٹھا کر گنگا میں پھینک آئیں گے۔ مجھے تو پوری طرح تیرنا بھی نہیں آتا۔'' خدمت گار بولا۔

''تو جا اگر کسی بیر نے تجھے کچھ کہا تو کہنا میں شجر کے حکم سے آیا ہوں وہ کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں سادھو مہاراج میں نہیں جاؤں گا۔ پجاری جی کی شکتی کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔'' خدمت گار بولا۔

''تو نہیں جائے گا تو پھر مجھے ہی پجاری کو اٹھانا ہو گا۔'' میں نے زمین پر پیر مارا اور کہا۔ ''تو جا دیکھ تیرے سر پر کون کھڑا ہے؟'' ایک منٹ نہیں گزرا تھا کہ دروازہ کھل گیا اور پجاری دوڑتا ہوا میری طرف آنے لگا۔ اور ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''حکم کرو...... مہاراج۔''

''اتنی سختی ٹھیک نہیں ہے اپنے عیش آرام کی خاطر کسی اور کا بھی کچھ خیال کر لیا کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری نیند ہوا ہو جائے۔'' میں نے کہا۔

''مجھے معاف کردو مہاراج بہت بڑی بھول ہوگئی اب کبھی ایسا نہیں ہوگا۔'' پجاری بولا۔

''اگر ہوگا تو تیرے دو چار جنتر منتر بھی ہوا ہوجائیں گے اب جا اور میرے رہنے کا پربند کر۔'' میں نے کہا۔ پجاری تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔

مجھے اپنی شکتی کا کچھ کچھ اندازہ ہوگیا تھا مگر اب بھی میں پوری طرح آگاہ نہیں تھا۔

میں نے گرو کو یاد کیا اور گرو میرے سامنے آ کھڑے ہوئے اور بولے۔

''تیری شکتی اس نوعیت کی ہے کہ تیرا کوئی بیر نہیں ہے مگر کسی بھی جادو کے بیر کو یہ ہمت نہیں ہے کہ تیرے خلاف کچھ کرے تو کسی بوڑھے برگد کا خیال دل میں لائے گا تو وہ درخت تیرے سامنے آ جائے گا اور تو جہاں کہے گا وہ اپنی داڑھیاں زمین پر گاڑ دے گا۔

تجھ پر کسی بیر کا اثر نہیں ہوگا۔ تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تیرا بھی کام یہ ہے کہ تو بھی کسی کا کچھ نہ بگاڑے تیری شکتی حیرت انگیز ہے دنیا والوں کے لئے انوکھی اور نرالی پورے بھارت میں اس شکتی کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں مگر اس کے ماہر نہیں ہیں تو واحد آدمی ہے جو اس انوکھی شکتی کو تھوڑا سا جانتا ہے ابھی تیرے اور بھی سبق ہیں اس کے بعد تو کہہ سکے گا کہ تو اکیلا اس شکتی کا مالک ہے۔ میرا اشارا اس میں مت کرنا کیونکہ میں اس دنیا میں رہتا ہی نہیں ہوں۔

خوشی کے سرچشمہ کو تلاش کرنا پڑتا ہے علم اور طاقت سے خوشی نہیں ملتی۔ تجھے تلاش کرنا ہے۔ تیرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے پھر تجھے کہیں جانا ہے، تو اس کی تیاری کر۔'' اور گرو چلے گئے۔ پجاری خاموش کھڑا تھا اس کے سامنے میں اکیلا کھڑا تھا گرو کو وہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ مگر اس نے اندازہ ضرور کرلیا تھا کہ میں کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اس نے جھک کر میرے پیروں کو ہاتھ لگایا اور بولا۔

''مہاراج میں نے پربند کردیا ہے آپ جب تک چاہو رہو، میں خدمت کروں گا۔''

میں خاموشی سے اس کے ساتھ ایک کمرے میں آ گیا اور اشارے سے اس کو جانے کو کہہ دیا۔ پجاری اور خدمت گار خاموشی سے چلے گئے۔

قنوج شہر میں مجومیاں کو تلاش کرتا تھا۔ پتہ نہیں زندہ بھی ہیں کہ نہیں اگر مل گئے تو ماں کا پتہ چل سکتا ہے۔ میں نے قنوج کے مسلم محلوں میں مجومیاں کا پتہ کرنا شروع کردیا مگر سارے سارے دن کی محنت بیکار گئی دو ایک ملے بھی تو ان کی کوئی بہن ہی نہیں تھی۔ بنارس میں ان کا کوئی نہیں تھا۔ پھر میں اپنی شکتی کی طرف آیا میں نے پھولوں کے کھیت سے سوال کردیا مگر جواب نہیں ملا۔

پھر املی کے بوڑھے پیر سے سوال کردیا تو اس نے کہا۔ ''میں زمین میں سو سال سے ایک مقام پر گڑا ہوں۔ میری نظر بھی کمزور ہوچکی ہے تم انسان ہو انسان ایک مقام پر نہیں رہتا علم و عمل کی دنیا میں کیا چیز انسان کی عقل سے باہر ہے اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ تم مجھ سے بات کررہے ہو یہ انہونی بات ہے مگر تم نے ایسا کرلیا ہے تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا میں تمہاری مدد ضرور کروں گا چاہے مجھے اس کی خاطر اپنی جڑیں زمین سے نکالنی پڑیں میرے لئے کتنے فخر کی بات ہے کہ میں نے تم سے بات کی ہے۔'' املی نے کہا۔

''نہیں تم کچھ نہیں کرو گے میں خود اپنا کام کرلوں گا تم اپنے مقام پر کھڑے رہو بس۔'' میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

ایک ماہ گزر گیا میں متواتر اپنی کوشش میں لگا ہوا تھا مگر ماں کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ دستگیر عطر ہاؤس کے مالک سے ملاقات ہوگئی میں تو ہر ایک سے سوال کرتا تھا۔ دستگیر صاحب بوڑھے آدمی تھے اور پرانے قنوج کے باشندے تھے پورے قنوج میں ان کے جاننے والے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہول سیل کا کام کرتے تھے مقامی لوگوں سے خرید کر پورے دیش میں ان کا مال جایا کرتا تھا۔

''ہوں تم نے مجومیاں کا پوچھا ہے ہوا تو کرتے تھے ایک مگر ان کا تو انتقال ہوچکا ہے۔'' وہ بولے۔

''ان کی ایک بہن تھی وہ بنارس میں بیاہی گئی تھی

مجھے اس کی تلاش ہے۔'' میں نے کہا۔
''آپ ایسا کرو کل دن میں صبح کے وقت آجاؤ میں تمہارے ساتھ چلوں گا مجو میاں کا مکان تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر یہ پتہ ہے کہ وہ گوکل پورہ میں رہتے تھے بہت عرصہ گزر گیا ہے۔ پتہ نہیں ہے کہ وہ وہاں پر ہی ہیں کہ نہیں میرا مطلب ان کے گھر والوں سے ہے ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔''
میں دوسرے دن صبح ہی ان کے گھر چلا گیا اور ہم دونوں گوکل پورہ تانگے میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔
پتہ کرنے پر پتہ چلا کہ مجو میاں کے انتقال کے بعد ان کی بہن بھی چلی گئی ہیں ان کو اپنے بیٹے کی تلاش تھی جو کہ بہت کم عمر میں ان کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔
میں خاموشی سے واپس آ گیا اور اسی دن میں نے قنوج چھوڑ دیا اب میرے لئے یہاں پر رہنا بے معنی تھا۔ اب میرا کام اور بڑھ گیا تھا پہلے قنوج میں تلاش کرنا تھا اب پورے ہندوستان میں ماں کو تلاش کرنا تھا۔
اب میرا رخ امروہہ شہر کی طرف تھا یہ شہر تعلیم یافتہ شہر کہلاتا ہے۔ اودھ کے کی تہذیب یہاں پر بہت نمایاں ہے۔ مسلمانوں میں زیادہ تر شیعہ آبادی ہے۔ مگر ہندو پھر بھی زیادہ ہیں۔ میرے لئے ٹھکانا مندر ہی تھا۔ میں ایک مندر میں چلا گیا۔ یہاں کا پجاری گوری شنکر تھا۔ بہت موٹا اور بدزبان آدمی تھا بولا۔
''کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈ لو یہاں پر ہر روز تم جیسے سادھو آتے ہیں اگر ان سب کو ہم رکھتے رہے تو یہ مندر نہیں رہے گا چڑیا گھر بن جائے گا۔''
''تم جس دیوی کے پجاری ہو اس کو تم نے بھوانی کے روپ میں دیکھا ہے مگر یاد رکھو کہ اس کے اور روپ بھی ہیں تم درگا کو جانتے ہو کالی کی بے رحمی تم نے دیکھی ہے میں ایک پرندہ ہی ہوں جو کسی ڈال پر زیادہ دیر نہیں رکتا۔ میرا قیام چند روزہ ہوگا۔'' میں نے کہا۔
''مگر میرے پاس جگہ نہیں ہے میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا تم کہیں اور چلے جاؤ۔'' گوری شنکر نے صاف جواب دے دیا۔
''ٹھیک ہے چلے جاتے ہیں۔'' میں نے کہا اور ایک پرانے برگد کے پیڑ سے کہا۔
''تم ذرا سا آگے چلو۔ پجاری کے گھر کے اندر تمہاری جڑیں اور داڑھیاں جانا چاہئے۔''
میں نے گوری شنکر کو کہا۔''اب تم مجھے تلاش کرو گے۔'' اور میں مندر سے باہر آ گیا۔ دوسرے دن میں پھر مندر کے سامنے تھا راتوں رات برگد کا درخت اپنی جگہ چھوڑ کر پجاری کے گھر کے اندر تھا اور اس کے رہنے کو جگہ نہ تھی۔ سب حیران تھے کہ یہ درخت وہاں کیسے آ گیا۔ یہ بات اتنی جلدی شہر میں پھیلی کہ دور دور سے لوگ اس درخت کو دیکھنے آنے لگے۔ پجاری دوڑا دوڑا میرے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔''معاف کردو گرو دیو میں نہیں جان سکا تھا۔''
''اسی لئے کہتے ہیں سب کو ایک لکڑی سے نہیں ہانکا جاتا تیری بدزبانی تیرا ستیاناس مار دے گی۔ تو خود کو بہت شکتی مان سمجھتا ہے تو پھر برگد کو گھر سے نکال دے جا پہلے یہ فیصلہ کر کہ تو کتنا بڑا شکتی مان ہے تیری شکتی کا چمتکار ذرا میں بھی تو دیکھوں۔'' میں نے کہا۔
''گرو میں شرمندہ ہوں میں کیا اور میری شکتی کیا مجھے معاف کردو۔'' وہ بولا۔
''میں تجھ سے کچھ نہیں کہہ رہا تیرے خلاف کچھ کرنے کا بھی نہیں سوچ رہا مگر تیرے من میں جو ہے وہ ضرور کرنا جب تو وہ کرلے گا تو تجھے تیرا وزن پتہ چلے گا منش بڑا بے اعتباری ہوتا ہے تیری شکتی کی بلندی میں دیکھنا چاہتا ہوں تیری چاپلوسی مجھے متاثر نہیں کررہی اس لئے کہ تیرے من میں کھوٹ ہے وہ کھوٹ اس وقت نکلے گا جب تیرے کارتوس ختم ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔
گوری شنکر نے سرخ آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے چلا گیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ مجھے دھوکا دے رہا تھا۔ اس کا من صاف نہیں اس کے چہرے پر جو نظر آتا تھا وہ اندر نہیں تھا۔ اس کی باتوں میں چاپلوسی

ضرور تھی مگر بناوٹ کا عنصر میں محسوس کر رہا تھا۔ میں ایک دھرم شالہ میں چلا گیا۔ اس کا نگراں ایک بوڑھا تھا اس دھرم شالہ کو چلانے والا تو کوئی اور تھا اور بوڑھا گردھاری اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس نے مجھے کمرہ دے دیا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا مجھے کسی نے جھنجوڑ کر اٹھا دیا۔ میرے سرہانے ایک بہت طویل آدمی کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ایک گرز تھا میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو وہ بولا۔

''میں پنچم کا دوسرا بھائی ہوں تو نے سنا ہے میرا نام۔ میں جس کو یہ گرز مارتا ہوں وہ پاتال میں اتر جاتا ہے۔'' وہ اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا۔

''تو پھر تو نے مارا کیوں نہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں پنچم ہوں بتا کر وار کرتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''تیری یہ غلطی تجھے نقصان پہنچا سکتی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر دروازے سے باہر آ گیا۔ باہر کھلا میدان تھا میں نے خود کو کھجور کا درخت تصور کیا اور میں بہت اونچا کھجور کا درخت بن گیا پنچم گھبرا گیا وہ مجھے تلاش کرنے لگا مگر میں اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ میرے سامنے مجھے تلاش کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گیا اور واپس چلا گیا۔

دوسری رات میں اس کے آنے سے پہلے درخت کا روپ اختیار کر کے سو چکا تھا۔ گوری شنکر کا علم اس کو بتا تا تھا کہ میں اسی دھرم شالہ میں ہوں مگر اس کے بیر مجھے تلاش نہیں کر سکے۔

پورے چھ دن میری تلاش جاری رہی میں نے گوری شنکر کے خلاف کچھ نہ کیا۔ میں کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ساتویں دن صبح ہی گوری شنکر آ گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں ہار گیا گرو میرے سارے کارتوس بے کار گئے۔ تم کون ہو اس دھرم شالہ میں ہوتے ہو اور کسی کو نہیں ملتے۔ ذرا بتاؤ تو میں شکست مان کر پوچھ رہا ہوں۔'' گوری شنکر بولا۔

''تو اپنی شعبدے بازی سے سب پر حاوی ہو کر یہ سمجھ رہا تھا کہ تیرے پاس بڑی شکتی ہے تو ہر کسی کو زیر کر سکتا ہے ارے نادان اس زمین پر ایسی ایسی حیرت انگیز چیزیں موجود ہیں جن کے بارے میں تو نے کبھی سنا ہی نہیں ہوگا میں تو بہت معمولی آدمی ہوں ابھی کسی لائق خود کو نہیں سمجھتا میرے پاس ابھی کچھ نہیں ہے تو خود کو بڑا سمجھتا ہے مگر تو بونا ہے تیرا قد چند انچ ہے ذرا سی شکتی والا تیرا بھرکس نکال سکتا ہے اور تیری اکڑ کتنی ہے تو منش کو منش نہیں مانتا چلا جا میں نے تیرے خلاف کچھ نہیں کیا ہے اور کروں گا بھی نہیں کیونکہ میرا یہ کام نہیں ہے مگر یاد رکھنا بدزبانی انسان کے دل کو مجروح کرتی ہے تو اب یہ نہ کرنا۔'' اور گوری شنکر چلا گیا۔

میں ذاتی مدد اپنے علم سے لے سکتا تھا مگر میں نے کوئی سوال نہیں کیا اور ایک عام آدمی کی طرح ماں کو تلاش کرتا رہا مجھ پر گرو نے کوئی پابندی نہیں لگائی تھی مگر میں خود کو آزما رہا تھا۔ میں حقیقتوں کو تسلیم کر رہا تھا جو لوگ حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ دھوکا کھاتے ہیں میں گرو کی ہر بات مانتا تھا۔

میں کسی اور دنیا کا ضرور تھا مگر اس وقت تو انسانوں کی دنیا میں تھا اس دنیا کے اصولوں اور ضروریات سے خود کو الگ نہیں کر سکتا تھا میرے اندر انسانی صفات موجود تھیں میں ان صفات سے روگردانی نہیں کر سکتا میں انہی انسانی صفات کی مدد سے ماں کو تلاش کرنا چاہتا تھا مجھ سے کون سوال کرتا کہ تم نے اپنی شکتی کو اپنی مدد کو کیوں نہیں پکارا۔

میں شہر شہر پھرتا رہا۔ مگر ہر جگہ ناکام ہوا۔ مگر میری کیفیت جنونی نہیں ہوئی اگر میں عام آدمی ہوتا تو ضرور مجھ پر دیوانگی طاری ہو جاتی، دیوانگی میں احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا۔

چار سال گزر گئے اور میں کاشی کی پوتر سرزمین پر آ گیا اور میری ملاقات پنڈت کاشی ناتھ سے ہو گئی۔ پنڈت کاشی ناتھ بڑی ودیا کے مالک تھے ایک مندر میں رہتے تھے اور ہر کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ میرے پاس وہ خود چل کر آ گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ انہوں نے

دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر لگائے اور بولے۔
''آج زندگی سپھل ہوگئی میری کتنی بڑی تمنا تھی کہ کوئی ایسا دھرم ماتما ملے جو نہ زندگی کا لوبھی ہو نہ دھن دولت کا تمنائی ہو میں تیرے ماتھے پر کچھ ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جو ہزاروں کیا لاکھوں میں نہیں ہوتی میری ودیا بس اتنی ہی ہے وہ کیا چیز ہے کون سی شکتی ہے مجھے پتہ نہیں ہے مگر ہے انوکھی بات کیا تم اس انوکھی شکتی کے بارے میں کچھ بتاؤ گے۔''

میں نے ان کی پریم میں ڈوبی پوری بات سنی اور کہا۔

''آپ کی بڑائی ہے کہ آپ مجھے عزت دے رہے ہیں میں تو اب تک ادھورا انسان ہوں۔ ابھی میرے پاس ادھورا علم ہے میں جب تک اس کو پورا کرلوں اس کا راز کسی پر کھول نہیں سکتا۔ آپ برا نہ ماننا یہ میری مجبوری ہے اور آپ کی ضرورت میری مجبوری کا آپ خیال کرنا زندگی رہی اور آپ سے ملاقات ہوئی اور میری مجبوری ختم ہوگئی تو آپ کو ضرور بتاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں کچھ دیا جاتا ہے تو کچھ لیا بھی جاتا ہے۔ تم سے بھی ضرور کچھ ایسا ہی سودا ہوا ہوگا۔ میں تم کو مجبور نہیں کروں گا۔ پراسرار دنیا کے بھی کچھ اصول اور قاعدے ہوتے ہیں ان پر چلنا ہوتا ہے ان کی پابندی کرنا پڑتی ہے جو لوگ یہ نہیں کرتے وہ سدا ادھورے رہتے ہیں۔ میں تیری ریکھائیں دیکھ رہا ہوں تو کسی حالت میں ادھورا نہیں رہنا چاہتا۔'' کاشی ناتھ بولے۔

کاشی ناتھ کا لہجہ بہت پیارا تھا ان کے بات کرنے کا انداز ایسا تھا کہ ان کی بات سیدھی دل کے اندر جاتی سی لگتی تھی میرا خیال ہے انسان پرخلوص ہو اس کے اندر چھل کپٹ نہ ہوں تو زبان مین یہ بات پیدا ہو جاتی ہے میرے لئے یہ بھی ایک انوکھا تجربہ تھا۔

''بھگوان نے انسان کے اندر کچھ رکھا ہے۔ مگر اس کو اندر سے باہر لانا اور استعمال کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے جو اس اندر کی شکتی کو باہر لے آتا ہے اس کے لئے کائنات ایک کھلی کتاب کی مانند ہو جاتی ہے۔ انسانی عقل اور دانش جہاں پر ختم ہوتی ہے وہیں سے ایک پراسرار دنیا شروع ہوتی ہے چونکہ یہ انسانی عقل سے دور کی بات ہوتی ہے اس لئے انسان مکمل طور پر اس کو سمجھ نہیں پاتا۔'' کاشی ناتھ نے کہا۔

''آپ نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا ہے۔'' میں نے کہا۔

منش کو ضروری ہے کہ توازن رکھے بھگوان کی بنائی دنیا ہے۔ تم اور میں کتنا بھی ترقی کر جائیں مگر ہیں تو نوکر ہی۔ مالک اور نوکر کا فاصلہ رکھنا ضروری ہے مالک بننے کی کوشش نہ کریں۔'' کاشی ناتھ بولے۔

''آپ کا اپدیش بہت قیمتی ہے آپ نے مجھ پر بڑی کرپا کی کہ مجھے ایک راہ بتائی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تجھ سے بات کر کے مجھے خوشی ملی ہے یہ معاملہ خلوص کا ہے کہنے والا اور سننے والا دونوں میں خلوص ہو تو بات اندر جاتی ہے اگر خلوص کسی ایک میں نہ ہو تو بات کیسی بھی ہو وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے اور بے کار جاتی ہے کسی سے کچھ کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ تم بات اس کے اندر پہنچانا چاہتے ہو کہ نہیں اگر اندر پہنچانا چاہتے ہو تو خود اپنے اندر خلوص پیدا کرو خود اپنے اندر عدالت لگاؤ اور فیصلہ کرو۔'' کاشی ناتھ بولے۔

''واہ پنڈت جی کیا خوب صورت بات آپ نے کی ہے۔'' میں نے کہا۔

ہر بول خوب صورت ہوتا ہے اگر ادا کرنے والے کی نیت میں کھوٹ نہ ہو۔'' پنڈت بولے۔

''مگر کبھی کبھی حالات لگام کھینچ کر انسان کو طیش دلاتے ہیں اور بات انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے اور وہ کر گزرتا ہے جو کہ نہیں کرنا تھا۔'' میں نے کہا۔

''یہی سخت گھڑی ہوتی ہے یہی کسوٹی ہوتی ہے شانتی اور برداشت دونوں کا امتحان ہے یہ منش اپنی خوشی سے تو آگ میں چھلانگ نہیں لگاتا وقت اور حالات ہی اس کے اندر تحریک پیدا کرتے ہیں اور انسان تمام مصلحتیں دور اندیشیاں اور سود زیاں بھول جاتا ہے مگر یہ بات ایک

عام انسان کی ہے جن کو بھگوان کچھ دیتا ہے ان کو شانتی اور برداشت کی دولت بھی دیتا ہے۔ یہاں پر بھول چوک کی گنجائش نہیں ہوتی۔'' پنڈت نے کہا۔

پنڈت کاشی ناتھ نے گرہ میں باندھ لینے والی باتیں کیں اور پھر چلے گئے۔

زندگی کے سفر میں مسافروں سے تو ملاقات ہوتی ہے کچھ مسافر کے بھیس میں لٹیرے بھی ہوتے ہیں کچھ پنڈت کاشی ناتھ کی طرح اپنا خزانہ ضرورت مندوں پر لٹاتے رہتے ہیں یہ علم دانش اور تجربے کا خزانہ کم نہیں ہوتا جتنا اس کو خرچ کرو بڑھتا ہی رہتا ہے لٹیرا دوسروں کو لوٹتا رہتا ہے مگر کبھی خوش حال نہیں ہوتا۔

میں نے بچپن میں ایک بات سنی تھی آپ کو بھی سناتا ہوں۔

ایک خاندانی چور کا لڑکا جب جوان ہو گیا تو اس نے بیٹے کی تربیت شروع کر دی۔ روزانہ وہ بیٹے کو اپنے ساتھ لے جانے لگا کافی دن گزر گئے وہ ایک محلے میں پہنچے، باپ نے بیٹے کو ایک مکان دکھایا اس مکان میں بڑی روشنی تھی، کمروں میں اور باہر خوب روشنی تھی مکان دیکھ کر ہی مکینوں کی خوشحالی کا اندازہ ہوتا تھا باپ نے کہا بیٹا میں اس مکان کے چپے چپے سے واقف ہوں دروازے کہاں ہیں زینہ کہاں ہے کھڑیاں کتنی اونچی ہیں اور برے وقت میں فرار ہونے کا کون سا راستہ ہے۔ بیٹے نے بات کاٹ کر پوچھا۔ ''تم کو کیسے پتہ ہے؟''

باپ بولا۔ ''میں نے اس مکان میں گیارہ بار چوری کی ہے مجھے کبھی ناکامی نہیں ہوئی۔'' بیٹے نے حیرت سے کہا۔ ''تم نے گیارہ دفعہ اس کا مال دولت لوٹا ہے مگر یہ آج بھی خوش حال ہے۔ اس کے گھر میں خوشحالی نظر آتی ہے یہ لٹ کر بھی ویسا ہی ہے تم نے گیارہ بار اس کو لوٹا ہے مگر تمہارے گھر میں اندھیرا ہے یہ گیارہ بار لٹ کر بھی ہم سے بہتر ہے پھر ہم لوٹنے والے بن کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا میں چوری ہرگز نہیں کروں گا۔'' یہ کہانی پنڈت کی بات کی تصدیق کرتی ہے۔

میں اور آگے بڑھ گیا۔ مگر میرا دوڑنا بھاگنا سب بے کار تھا میں بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کر رہا تھا اور میری کیفیت جنونی نہیں تھی۔

لکھنو بڑا حسین شہر ہے نوابی دور ختم ہوئے زمانہ گزر گیا مگر ان کی تہذیب اور زبان آج بھی موجود ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم لکھنو آ گئے ہیں قلی اور تانگے والے اتنی صاف اور شائستہ اردو میں بات کرتے ہیں جیسے شاعری کر رہے ہوں یہاں پر آج بھی مشاعرے ہوتے ہیں اور سننے والوں میں امیر غریب سب ہوتے ہیں ایسا ادبی ماحول پورے بھارت میں اور کہیں نہیں ہے۔ یہاں کا معمولی سے معمولی آدمی بھی شاعری کرتا ہے اور سمجھتا ہے آبادی مسلمانوں کی زیادہ ہے اور دوسرے شہروں سے آنے والوں کے لئے سرائے بنی ہوئی ہیں۔ میں نے یہاں پر مندر تلاش نہیں کیا اور ایک ہندو سرائے میں ڈیرہ ڈال دیا اس سرائے کا مالک سوہن لال ایک ہندو تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میں صرف تیرے بستر پر سوؤں گا بھوجن نہیں کروں گا میں سیلانی آدمی ہوں۔''

سوہن لال بولا۔ ''مہاراج آپ جیسے تو کبھی کبھی آتے ہیں۔ آپ جب تک من کرے رہو اور بھوجن بھی ضرور کرو میرے سو بھاگ ہیں کہ آپ میرے پاس رہیں۔''

''نہیں میں کھاتا نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں کھانا بھی اس ضرورت میں شامل ہے میں ہرگز آپ کو بھوکا نہیں رکھ سکتا۔'' سوہن لال بولا۔

''چل تیری خوشی اس میں ہے تو ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

سوہن لال نے مجھے ایک کمرہ دے دیا وہ کمرہ دوسرے کمروں سے بڑا تھا اور صاف ستھرا بستر بھی تھا۔

''آپ کس وقت بھوجن کرتے ہو۔ مہاراج۔'' سوہن لال نے پوچھا۔

''رات گیارہ اور بارہ کے درمیان۔'' میں نے کہا۔
سوہن لال نے گردن ہلائی اور چلا گیا۔
میں زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور سبق یاد کرنے لگا یہ میرا روز کا معمول تھا سو میں اپنا سبق ضرور یاد کرتا تھا یہ گرو کی کہاوت تھی کہ بیٹا کبھی پچھلا سبق نہ بھولنا کیونکہ بنیاد تو وہی ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ میرے سامنے ایک عورت کھڑی تھی یا پتہ نہیں عورت نما لڑکی تھی شکل سے بڑی گھاگ اور جہاندیدہ نظر آ رہی تھی اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور ان میں چمک بھی بہت تھی اس کا قد مردوں والا تھا یعنی وہ بڑی بلند بالا عورت یا لڑکی تھی۔ اس نے گردن اور دونوں کاندھے جھکا کر کہا۔
''بھوجن لائی ہوں آپ نے حکم دیا تھا اس لئے۔'' وہ بولی۔
اس کی آواز بھی بڑی انوکھی تھی سیٹی نما نیز میں نے اشارے سے اس کو کھانا رکھ دینے کا کہا۔ وہ کھانا رکھ کر پھر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنے بکھرے بال ہاتھ سے شانوں پر ڈال لئے اور سیدھی کھڑی رہی۔ میں نے اس کو کہا۔ ''تم جاؤ میں کھالوں گا۔''
مگر وہ کھڑی رہی ایک ستون کی طرح اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی میں نے اس کو جانے کا اشارہ کیا۔ تو وہ بولی۔ ''کبھی کبھی تو کسی مہاپرش کے درشن ہوتے ہیں میں آپ کو دیکھ ہی تو رہی ہوں۔''
مجھے ذرا حیرت ہوئی پھر بولا۔ ''تم کو غلط فہمی ہو رہی ہے میں تو ایک بہت معمولی آدمی ہوں میں مہاپرش نہیں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔
''کچھ بنتے ہیں ہوتے نہیں کچھ ہوتے ہیں بنتے نہیں میں یہ تو کم از کم جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔
''تمہارا کیا نام ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''میرا نام مالنی ہے۔ میں سوہن لال کی بیٹی ہوں۔''
''مالنی آنکھیں تو سب کے پاس ہیں اپنی ضرورت کی ہر چیز ان کو نظر آتی ہے۔ مگر پھر بھی کچھ مقامات پر آدمی اندھا ہوتا ہے بینائی رکھ کر بھی نابینا ہو جاتا ہے۔ یہ خاص قسم کی بینائی ہوتی ہے۔ جو چند ہی کے پاس ہوتی ہے تم میں مجھے لگتا ہے خاص بینائی ہے تم کو مجھ میں کیا خاص بات نظر آ گئی ہے کہ مجھے تم نے مہاپرش بنا ڈالا۔'' میں نے کہا۔
''مہاراج منش کا تن اجلا ہو اور اندر میل مٹی نہ ہو تو منش کو کچھ تو انعام ملتا ہی ہے میں تو داسی ہوں حکم کی غلام کبھی خدمت کا موقع ملتا ہے شاید اسی کے کارن میرا جیون سپھل ہو جائے۔'' وہ بولی۔
تم نے جو دیکھا ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا مگر ابھی میری منزل بہت دور ہے میں خود کو ادھورا تصور کرتا ہوں جو خود ادھورا ہو کسی اور کو کیا دے سکتا ہے اس لئے مجھ سے کچھ امید نہ رکھنا تم ابھی جوان ہو اپنی پیڑی بدل لو گھر گرہستی میں بھی بڑی راحت ہے۔'' میں نے کہا۔
''میرے باپو نے بھی مجھے کہا تھا مگر میرا من اس طرف نہیں گیا۔ میں نے بڑی گھنٹائیاں بھوگی ہیں۔ مگر میں گھبرائی نہیں اب تو میری عمر بھی گونا کرنے کی نہیں رہی۔ میرے اندر کی عورت مر گئی ہے شریر صرف عورت کا ہے مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا اس لئے کہ مرد بڑا لوبھی ہوتا ہے وہ صرف اوپر اوپر دیکھتا ہے اندر اس کو نظر نہیں آتا میں کئی بار ایسی منزلوں سے گزر چکی ہوں کوئی مرد آج تک مجھ پر حاوی نہیں ہو سکا میں نے کسی کو اپنے اوپر حاوی ہونے کی اجازت نہیں دی۔''
ناری کا سکھ اور آنند اس کے گھر میں ہوتا ہے گھر گرہستی عورت کا خواب ہوتی ہے تم نے اپنے لئے کون سی نئی راہ نکال لی ہے۔'' میں نے کہا۔
''گرو دیو میں مہاپرشوں کی سیوا کو اپنا جیون سمجھتی ہوں۔ میرے پتا نے مجھے بڑا مجبور کیا مگر میرا من گھر گرہستی کی طرف نہیں گیا پتہ نہیں میرے اندر میری آتما کیوں ناریوں سے الگ ہے۔'' مالنی نے کہا۔
''میں اس منزل پر نہیں ہوں کہ تم مجھے گرو کہو ابھی

میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا اس لئے تم مجھے گرو نہ کہو۔ اگر تمہارا من گھر گرہستی کی طرف نہیں تو پھر کسی مہا پرش کو تلاش کر کے اس کی سیوا کرو وہ تمہارا من شانت کر دے گا میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہی تو کر رہی ہوں جہاں سن پاتی ہوں دوڑ کر جاتی ہوں۔ مگر اب تک تو صرف دھوکے ملے ہیں۔ مہا پرشوں کے بھیس میں بہروپئے ملے ہیں کوئی ایسا نہیں ملا جو میرے من کو شانت کر دے میرے اندر کی پیاس کو بجھا دے مجھے ایک راہ پر لگا دے۔'' وہ بولی۔

اس دفعہ بھی تم دھوکا کھا گئی ہو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے آپ مجھے سوئیکار نہ کریں یہ آپ کی مجبوری ہوگی مگر میرا من کہتا ہے میں نے دھوکا نہیں کھایا ہے۔'' مالنی نے کہا۔

''من کی ہر بات پر اعتبار نہ کیا کرو، کبھی کبھی دماغ کے فیصلے بھی مان لیا کرو۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کی بات پر ضرور دھیان دوں گی۔'' وہ بولی۔

''میں پھر لکھنو ضرور آؤں گا تم میرے آنے تک صرف یہ کرنا کہ اپنے ذہن سے ماضی کی گرد صاف کر دینا تم نے جو کچھ اب تک پایا ہے اس کو ایک طرف گٹھری باندھ کر رکھ دینا۔ کوئی علم باہر سے نہیں آتا انسان کے اندر سب کچھ ہے سارے علوم انسانی ذہن میں چھپے ہوئے ہیں یہ علوم دسترس میں بھی آ جاتے ہیں مگر اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے انسانی جسم کا بہترین حصہ دماغ ہوتا ہے سب کچھ اس کے اندر ہے جب یہ بیدار ہو جاتا ہے تو ایسے ایسے حیرت انگیز کام انجام دیتا ہے کہ دنیا عش عش کر اٹھتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کا انتظار کروں گی چاہے وہ انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو۔'' مالنی کا انتظار، وہ گرو بنانا چاہتی تھی۔ مالنی نے جواب دیا۔

''تمہاری طلب اگر صادق ہوگی تو ضرور تکمیل کے مراحل تک پہنچے گی۔ میں کوئی وقت مقرر نہیں کر سکتا۔ یہ صدیوں کا کھیل ہے میں نہیں جانتا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ ہر انسان کے لئے یہ اچھا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ آگے کیا ہونے والا ہے اگر وہ جان جائے تو بہت الجھن اور پریشانیوں میں گھر جائے۔ انسان کھلونا ہے کھلونے کی اپنی مرضی نہیں ہوتی۔'' میں نے کہا۔

آپ کی باتیں اوروں سے الگ ہیں آپ نے کسی شکتی کا ذکر نہیں کیا اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا کسی کو اچھا برا نہیں کہا میرے لئے یہ نئی بات ہے۔'' مالنی بولی۔

''مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں ہے۔ میری مہلت ختم ہونے کو ہے اور میں کام کچھ نہیں کر سکا ہوں۔ اب تم جاؤ میری باتیں پسند نہ آئیں تو بے شک عمل نہ کرنا۔'' میں نے کہا۔

مالنی چلی گئی میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے اندر تڑپ بھی جستجو بھی اور علم بھی تھا۔ مگر اب بھی اپنے علم پر اس کو قرار نہیں تھا وہ اور علم کی تلاش میں تھی مہا پرشوں کی خدمت کرتی تھی اور کچھ نہ کچھ اس کو مل جاتا تھا جعلی مہا پرشوں کو کھانا ڈالتی تھی اور ان سے دور ہو جاتی تھی وہ کیا چاہتی ہے اس کی منزل کیا ہے اس کا اندازہ مجھے نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں پھر سبق یاد کرنے لگا۔

لکھنو میں میرے لئے اب کچھ نہ تھا۔ مجھے اب آگے جانا تھا اور میں روانہ ہوا۔ کس گاڑی میں سوار ہوا پتہ نہیں ایک دن اور رات کے سفر کے بعد سویرے گاڑی رکی تو میں اتر پڑا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کون سا شہر ہے میں اسٹیشن سے باہر آ گیا۔

میں نے ایک تانگے والے سے پوچھا۔ ''بھائی یہ کون سا شہر ہے؟'' تانگے والے نے حیرت سے دیکھا میرے حلئے پر غور کیا اور پھر بولا۔ ''ارے پن تم جائیں گا کدھر۔''

''اس جگہ کا نام تو بتا دے پھر بتاؤں گا کہ کہاں جانا ہے؟''

''یہ احمد آباد ہے تم ادھر کدھر سے ٹپک پڑا ہے۔'' تانگہ والا بولا۔

''میں اور تم دونوں آسمان سے ٹپکے ہیں تو یہ بتا ادھر کوئی دھرم شالہ ہے۔''

''ہے کیوں نہیں۔'' وہ بولا۔

''تو مجھے ادھر لے چل۔'' میں نے کہا۔

بھاڑا کون دینگا تم تو سادھو سنت ہے تم کو ہم کیا بولیں گا دھرم شالہ والا کھوٹی کریں گا ہم تم کو راستہ بتاتا ہوں زیادہ دور نہیں ہے ہمارا دھندے کا ٹیم تم کھوٹی مت کرو۔ سیدھا روڈ چلے جاؤ ایک بہت بڑا بلڈنگ آئے گا اس کے سامنے میدان ہے چھوکرا لوگ ادھر گیند بلا کھیلتا ہے ادھر پوچھ لینا تم کو پتہ چل جائے گا۔'' اور تانگے والا چلا گیا۔

میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا اور میں دھرم شالہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

''کہاں سے آئے ہو سادھو مہاراج۔'' دھرم شالہ کے منیجر نے پوچھا۔

''بہت جگہوں سے آئے ہیں کس جگہ کا نام بتائیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ ٹھیک بولا۔'' منیجر نے کہا۔

''جب تک ضرورت رہے گی رہیں گے پھر آگے چلے جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''رہنے کا واندہ نہیں ہے پن ادھر سب لوگ کھانے کا بندوبست خود کرتا ہے ہم اس لئے بتادیا کہ بعد میں لفڑا نہ ہووے۔ ہم لوگ لفڑے باز سے بہت ڈرتا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں کھانا تم سے نہیں مانگوں گا۔'' میں نے کہا۔

''برو برآپ ٹھیک بولا پر منش کو روٹی کا ضرورت تو ضرور پڑتا ہے اس کے واسطے ہم ایک ہوٹل والے کو بول دیا ہے وہ کھانے کا ٹیم پر آتا ہے تم اس کو روکڑا دے کر کھانا منگوا سکتا ہے کیا مہاراج بات ایسا ہے کہ ہم لوگ کے پاس دان دکھشنا اتنا نہیں آتا کہ سب کا کھانا ہم پورا کر سکے تھوڑا بہت ہوتا ہے وہ ہم لوگ کے واسطے بھی کم پڑتا ہے۔'' منیجر نے اپنی مجبوری بتائی۔

''ارے بھائی میں نے کہا ہے کہ میں تم سے کھانا نہیں مانگوں گا۔'' میں نے کہا۔

اس نے ایک کونے کا کمرہ مجھے دے دیا اس میں ایک پرانی چارپائی پڑی تھی اور بستر بھی میلا تھا مفت کی رہائش اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔

میں احمد آباد کی سڑکوں پر نکل آیا اور ایک اور ایک سرے سے چلنا شروع کر دیا۔ ایک بہت بڑی مسجد نظر آئی تو میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اندر سے لوگ نکل رہے تھے میں نے ایک باریش آدمی کو روک کر پوچھا۔

''بھائی میں مسافر ہوں اور کسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں وہ ایک بوڑھی عورت ہے جو کہ قنوج کی رہنے والی تھی اور شادی ہو کر بنارس چلی گئی تھی پھر اس کا شوہر مر گیا اور ایک بیٹا گم ہو گیا اس کا ایک ہی بیٹا تھا وہ بنارس چھوڑ کر چلی گئی آپ کسی ایسی عورت کے بارے میں جانتے ہو۔''

''عورت مسلمان تھی؟'' باریش شخص نے پوچھا۔

''ہاں مسلمان تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم سادھو سنت ہو تم کو اس مسلمان عورت کی کیوں تلاش ہے؟'' باریش شخص نے سوال کر دیا۔

''آپ اس گہرائی میں نہ جائیں اگر کچھ جانتے ہیں تو بتا دیں۔'' میں نے کہا۔

''تم اس کو زندگی بھر تلاش نہیں کر پاؤ گے اس لئے کہ تم جس راستہ پر سفر کر رہے ہو وہ اس عورت کا راستہ نہیں ہے میری بات سن کر حیران مت ہونا کچھ نظر آتے ہیں اور کچھ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں تم اس عورت کی تلاش مت کرو وہ تم کو نہیں ملے گی۔'' اور وہ باریش شخص تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

مجھے اس کی کسی بات پر حیرت نہیں تھی میں خود حیرتوں اور انہونی دنیا کا رہائشی تھا میں کیا حیرت کرتا مگر ذرا سا تعجب اس بات کا تھا کہ لمحوں میں فیصلہ سنا کر وہ چلا گیا۔ اتنی جلدی اتنا بڑا کام میں واپس دھرم شالہ آ گیا اور

دروازہ بند کر کے اپنے دھیان میں لگ گیا۔ رات ہوگئی اور گزر بھی گئی، میں اپنے مقام پر بیٹھا رہا۔ سارا دن گزر گیا۔ پھر رات آ گئی۔ دروازہ زور زور سے بجانے پر میرے دھیان میں خلل پڑ گیا اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ دھرم شالہ کا منیجر اندر آ گیا اور حیرت سے بولا۔

''سادھو مہاراج دو دن اور ایک رات گزر گئی۔ میں نے کئی چکر آپ کے پاس لگائے آپ کو ایک ہی حالت میں بیٹھے پایا مجھے فکر ہوگئی میں بال بچے دار آدمی ہوں مجھ پر دیا کریں، بنا کچھ کھائے آپ زندہ کس طرح رہیں گے جب سے آئے ہیں آپ نے کچھ نہیں کھایا پیا بھگوان کے واسطے مجھے تو جوکھم میں نہ ڈالیں۔'' منیجر گڑ گڑا کر بولا۔

''تم ڈر گئے ہو شاید مگر ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے میں ایک سال بھی نہ کھاؤں تو میری صحت پر اثر نہیں پڑتا میری عادت ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی اور سنسار میں کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی اس لئے میں آپ کو روز کھانا کھلاؤں گا اور اس کا روکڑا بھی نہیں لوں گا۔'' منیجر بولا۔

''میں اپنی غذا کھاتا ہوں تم تکلیف نہ کرو میں نے تو کھانے کا مطالبہ تم سے نہیں کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آدمی کھائے نہیں تو اس کے جسم کی مشین کام کرنا بند کر دے گی اور اگر تم کو کچھ ہوگیا تو میری گردن پھنس جائے گی۔ اس لئے میں کچھ نقصان کر کے بھی آپ کو بچاؤں گا بھوکا نہیں مرنے دوں گا۔'' منیجر بولا۔

''تم یہ گارنٹی دے سکتے ہو کہ میں نہیں مروں گا۔'' میں نے کہا۔

''ارے سادھو مہاراج آپ تو بڑے دھیان گیان والے ہو پھر کیسی بچوں والی بات کر رہے ہو ایسی گارنٹی آج تک کوئی دے سکا ہے۔'' منیجر بولا۔

''موت کسی وقت اور کسی مقام پر آ سکتی ہے۔ پھر چنتا کی ضرورت کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر موت بھی بہانا بنا کر آتی ہے۔ میں بھوک کو بہانا نہیں بننے دینا چاہتا۔'' منیجر بولا۔

''تو بہت ڈرپوک آدمی ہے تیری فکر بھی دور کر دیتا ہوں بھیج دے کھانا کھا لوں گا اور کچھ.....'' میں نے بات ختم کر دی۔

منیجر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں ایک ٹرے میں پوریاں ساگ اور ایک گلاس دودھ لے آیا۔ میں نے اس کے سامنے کھانا کھا لیا اور دودھ بھی پی لیا وہ چلا گیا۔

احمد آباد میں مجھے بارلیش آدمی نے کورا جواب دے دیا تھا۔ اب میرا یہاں رکنا بے کار ہی تھا۔ لہٰذا اب میرا سفر آگے کی طرف تھا۔ میں گاڑی میں سوار ہوگیا اور سو گیا پتہ نہیں کتنی دیر سویا، پوری گاڑی خالی ہوگئی تھی، میرے چہرے پر جب پانی پڑا تو میں اٹھ گیا۔ گاڑی خالی تھی اور ایک یارڈ میں کھڑی تھی اور اس کو دھویا جا رہا تھا۔ میں اٹھ کر دروازے پر کھڑا ہوگیا تو ایک آدمی پانی کا پائپ لئے میرے پاس آ گیا اور بولا۔ ''ارے سادھو جی تم گاڑی کے اندر تھا کیا۔''

''میں نے ہاں میں گردن ہلا دی تو وہ پھر بولا۔

''تمہارا کیسا نیند تھا کہ پوری رات ادھر گاڑی کھڑا تھا تم سویا پڑا تھا۔''

''نیند تو نیند ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا ابی تم جاؤ ہم کو دھلائی کرنا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ بتاؤ یہ کونسی جگہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''واہ مسافر واہ تم کدھر کے واسطے نکلا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں تو گاڑی میں بے ارادہ بیٹھ گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اور تم بے ارادہ بے ٹکٹ بمبئی میں آ گیا ہے۔ ابی ہمارا جان چھوڑ دو کام کرنے دو۔'' وہ بولا۔

میں خاموشی سے اتر کر لائنوں کے درمیان چلتا ہوا پلیٹ فارم پر آ گیا۔

لوگوں کے پاس کوئی بھاری سامان نہیں تھا یہ سب ڈیوٹی والے تھے اپنے اپنے کاموں پر لوکل ٹرینوں سے جا رہے تھے۔ میں بھی گاڑی پر سوار ہوگیا اور اگلے اسٹیشن

پر اتر گیا، اسٹیشن سے باہر آیا اور ایک طرف کو چلنے لگا۔ یہاں پر زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔

بھنڈی بازار کے ایک ہوٹل کے سامنے مجھے ایک آدمی کھڑا نظر آ گیا۔ میں اس کو دیکھ کر گزر جاتا مگر اس نے مجھے آواز دے کر روک لیا۔

''ارے تم کدھر آ گیا۔ تم تو ادھر ہوتا تھا۔''

''اور تم بھی ادھر کیسے آ گیا تم بھی ادھر ہوتا تھا۔'' میں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ پھر بولا۔ ''معاف کرنا سادھو مہاراج میں بولتا ہوں میں تم کو جھوم ری تلیہ میں دیکھا تھا۔''

''تم یہ بتاؤ تمہارے کہنے سے تلیہ جھومنے لگی تھی کہ اس نے کہنا نہیں مانا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ارے بابا میں جگہ کا نام بولا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں تم کو کہوں کہ تم اس پول پر چڑھ جاؤ تو تم کیا کرو گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کا حکم ہے تو چڑھ جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ''چڑھ جاؤ جلدی کرو۔'' وہ پول کے پاس گیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ پول بجلی کا تھا، پول کے چوٹی پر تاروں کا ایک جال تھا، وہ اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔

اور قریب تھا کہ تاروں سے الجھ جائے میں نے زور سے کہا۔ ''اب اتر آ''

وہ پھسلتا ہوا پول سے نیچے اتر گیا اور میرے پاس کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کو حیرت سے لوگ دیکھ رہے تھے، کچھ لوگوں کی نظریں میری طرف بھی تھیں۔

میرے آگے قدم بڑھاتے ہی جیسے وہ ہوش میں آ گیا اور میرے سامنے آ کر میرے پیر پکڑ لیے۔

میں کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''تجھے کیا ہوا جانے دے۔''

''مہاراج بہت برا آدمی ہوں، آپ سے ملاقات تو میری مکتی ہے آپ کو کیسے جانے دوں۔''

''تو پھر میرا کام کرے گا تو......'' میں نے پوچھا۔

''میں سیوا کروں گا، آپ کے چرن دھو دھو کر پیوں گا۔'' وہ بولا۔

''میرے چرن بہت گندے ہیں تو نہیں پی سکے گا۔'' میں نے کہا۔

''میرے اندر جو گندگی بھری ہے اس سے زیادہ گندے نہیں ہوں گے۔'' وہ بولا۔

''تیرا احساس جاگ گیا ہے تو آج سے صفائی پر لگ جا انسان خود گندگی چڑھاتا ہے خود اتارتا ہے۔''

''مہاراج ایک بات بولوں......'' اس نے کہا۔

''بول......! جو تیرے دل میں ہے بول دے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے زندگی میں شاید ہی کبھی محنت کی روٹی کھائی ہو، میں اِدھر بمبئی میں نئے آنے والوں کے ساتھ نیا نیا ڈرامہ کرتا اور ان کو ٹھگ لیتا۔ میں بہت گندا آدمی ہوں ابھی تم بولا کہ اپن اپنا میل اتار لے اس کے واسطے تو صابن کا ضرورت ہے کپڑے کے میل اتارنے کو بازار میں صابن ملتا ہے من کے اندر کے میل اتارنے کو کہیں صابن نہیں ملتا آج اپن کو پتہ چلا کہ اندر کتنا گندگی ہے کچھ اپن کے واسطے کرو گرو جی۔'' وہ بولا۔

''تیرا کیا نام ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا نام شنکر ہے مگر اِدھر سب مجھ کو بھونپو بولتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''تیرا نام بھونپو اس لیے ہو گا کہ تو زیادہ بولتا ہو گا، تجھے کسی نے نہیں بتایا کہ جو زیادہ بولتے ہیں وہی زیادہ باتیں غلط کرتے ہیں، فضول خرچی کسی چیز کی ہو اچھی نہیں ہوتی۔'' میں نے کہا۔

''آپ نے کہہ دیا اور میں خاموش ہو گیا، اب فالتو نہیں بولوں گا۔'' بھونپو نے کہا۔

''اگر تو کام کرے تو تجھے کوئی روکتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں گرو، روکے گا کون میرا من خود کچھ کرنے کو نہیں کرتا۔'' بھونپو بولا۔

''کام زندگی کی علامت ہے جو کچھ نہیں کرتے وہ

مردہ ہیں، تو زندہ رہنا چاہتا ہے کہ مردہ ہونا چاہتا ہے۔“ میں نے سوال کیا۔

”گرو ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی میں مرنا نہیں چاہتا۔“ بھونپو بولا۔

”تو پھر تجھے اپنا من مارنا ہوگا اور اس کو مردہ کرنا ہوگا جو تجھ کو کام کرنے سے روکتا ہے۔ تجھے کوئی بھی دھندا کرنا ہوگا، کسی کے سائے میں آنا ہوگا، میں پرچھائیں ہوں، نہ تو میرا ساتھ دے سکتا ہے نہ میں تجھے ابھی تک کچھ دے سکتا ہوں، میں کون ہوں تجھے ملا تھا کہ نہیں بھول جا، تو نے ایک خوب صورت خواب دیکھا تھا، تیرا صابن یہی ہے انسان اپنا میل خود دھوتا ہے دنیا میں ایسا کوئی دھوبی نہیں جو کسی کے من کے اندر کے میل کو صاف کر سکے میرے پیچھے مت آنا تیرے لیے میرے پاس جو تھا تجھے مل گیا تیرا کام ہے اس کو رکھنا۔“ میں نے قدم آگے بڑھا دیئے کچھ لوگ بھونپو کے قریب کھڑے تھے انہوں نے بھی میری باتیں سنی تھیں، میں بڑی تیز رفتاری سے ان سے دور ہوتا گیا۔

بمبئی شہر کا یہ مزاج ہے کہ کوئی کسی کی پرواہ نہیں کرتا ہر شخص اپنے دھندے میں لگا رہتا ہے، ہزاروں لوگ فٹ پاتھوں پر سوتے ہیں ان کا کوئی مکان نہیں کوئی ٹھکانا نہیں دن میں کام کرتے ہیں اور رات کو فٹ پاتھ ان کا گھر ہوتا ہے انسانوں کے اس جنگل میں انسان بہت کم ہیں، لوگوں سے چپہ چپہ بھرا ہوا ہے، پورے ہندوستان سے لوگ یہاں آتے ہیں ہر بھاشا یہاں سنائی دیتی ہے۔ دولت کی یہاں پر ریل پیل ہے مگر محبت بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی دور دور تک نظر نہیں آتی۔

میں ایک مندر کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ بڑا عالی شان مندر تھا، مندر کے چاروں طرف بڑی بڑی دکانیں تھیں، مندر کا گیٹ بہت بڑا تھا، گیٹ پر بہت بڑی کالی دیوی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ میں اس کے اندر چلا گیا۔

مندر میں لوگ آ جا رہے تھے، بڑی مورتی کے سامنے ڈنڈوت کر رہے تھے، چڑھاوے چڑھا رہے تھے، یہاں پر کئی پجاری کام کر رہے تھے۔ میں نے ایک سے پوچھا کہ بڑا پجاری یا اس مندر کا بڑا آدمی کون ہے؟ اس نے مجھے ایک طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہاں اس طرف چلے جاؤ۔ میں اس عمارت کی طرف چلتا گیا، دروازے پر ایک ننگے سر اور ننگے بدن ایک آدمی بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔

”کیا بات ہے سادھو، تم اِدھر کیوں آ گئے پوجا تو اُدھر ہوتی ہے۔“

”میں پوجا کرنے نہیں، کسی سے ملنے آیا ہوں۔“ میں نے کہا۔

یہاں پر صرف بڑے پجاری ہردے ناتھ، رہتے ہیں وہ ابھی کسی سے مل رہے ہیں ابھی تم سے نہیں ملیں گے، جاؤ پھر کبھی آ جانا۔“ اس نے کہا۔

میں واپس مڑ کر باغ کی طرف چلا گیا، ایک بڑا باغ تھا، اس میں بڑے بڑے درختوں کے علاوہ پھولوں کی کیاریاں بھی بہت تھیں، میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور خود کو درخت تصور کیا اور ایک بہت گھنے آم کے درخت میں تبدیل ہو گیا۔ میرے سامنے پجاری کا مکان تھا اس کے دروازے پر ننگا اور گنجا اس کا چوکیدار موجود تھا۔ شام سے پہلے بڑے پجاری کا دروازہ کھلا تو ایک بہت لمبا چوڑا بدن سے ننگا آدمی دروازے سے باہر آیا، اس کے ساتھ ایک عورت تھی عورت سرخ سفید تھی اس کا قد بھی لمبا تھا، بدن پر نیلے رنگ کی ساڑھی تھی، وہ دونوں باغ میں آ گئے۔ میرے سائے میں بڑی نرم اور صاف گھاس اگی ہوئی تھی، وہ میرے تنے کے پاس بیٹھ گئے، تو عورت بولی۔

”مہاراج میں نے آپ کی خواہش پوری کر دی، اب آپ بھی میرے لیے کچھ کرو۔“

پجاری نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

”دیوی جی! کار خریدنے کو کار کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے اور سائیکل خریدنے کو سائیکل کی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے ہر چیز کا ایک دام نہیں ہوتا، تم نے ابھی پوری قیمت ادا کب کی ہے کہ پورا کام ہو جائے۔“ پجاری بولا۔

”آپ کام پورا کریں، میں نے قیمت ادا کرنے

سے کب انکار کیا ہے۔'' عورت بولی۔
''تیری پوری فلم بن جائے گی، فنانسر رقم ادا کر دے گا اتنا کام تو ہم نے کر دیا ہے اب رہا کہ وہ چلے گی یا نہیں، ہم نہیں بتائیں گے، تم نے تو کوئی کام ایک قیمت میں بتا دیے ہیں۔'' پجاری بولا۔
''پجاری جی سب کام کرنے ہیں میری فلم سلور جوبلی کرے اور میرے ساتھ والے میرا مقابلہ نہ کر سکیں، میری یہ تمنا ہے، میں بڑی آس لے کر آئی ہو، آپ کی خدمت جب آپ بولیں گے کروں گی، منع نہیں کروں گی کام ہونے کے بعد بھی آپ کی خدمت کرتی رہوں گی میرا وعدہ ہے۔''
''تمہاری نگری کے لوگ اپنے بگڑے وقت پر آتے ہیں۔تمہارا پتی تم کو روک نہیں لے گا۔'' پجاری بولا۔
''نہیں وہ خود مجھے تمہارے پاس چھوڑ کر گیا ہے، اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔'' عورت نے کہا۔
''دیوی جی! ابھی میں وعدہ نہیں کرتا، میں اپنی دیوی کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا اگر تم آتی رہیں تو ضرور میں یہ کام کر سکوں گا۔'' پجاری نے کہا۔
''اب میں بے فکر ہو کر جاؤں۔'' عورت نے کہا۔
''اتنی زیادہ بے فکر ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' پجاری بولا۔
''اس کا تو مطلب ہوا کہ آپ نے میرا کام نہیں کیا ہے۔کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔'' عورت بولی۔
''دنیا میں ہر کام پورا نہیں ہوتا کہیں نا کہیں کسر تو رہ جاتی ہے اور تم پلک جھپک کر اپنی فلم کامیاب کرانا چاہتی ہو تو بتاؤ ایسا ہونا کتنا مشکل ہے۔فلم کامیاب کرانا ہے تو تم کو خود محنت کرنا ہوگی صرف میرے آشیر باد سے ہزاروں لوگ سینما تک نہیں آئیں گے میں سب کے دماغ کو کنٹرول نہیں کر سکتا میں صرف یہ گارنٹی لے سکتا ہوں کہ فنانسر قسط ادا کرے گا اور فلم بن جائے گی تم اچھا بناؤ گی تو چلے گی بھی، میں کامیاب کرانے کی گارنٹی نہیں لے سکتا۔'' ہردے ناتھ نے جواب دیا۔

''گرو جی! میری ایک مارکیٹ . ویلیو ہے، لوگ میرے ناچ کے دیوانے ہیں۔ میں نے اب تک دوسروں کے لیے کام کیا ہے، میری ذاتی یہ پہلی فلم ہے یہ میری عزت کی بات بھی ہے میں پوری جان لڑا دوں گی میں نے ہر فارمولا اس میں استعمال کیا ہے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے فنکاروں کی اور کروڑوں کے بجٹ کی فلمیں بری طرح پٹ جاتی ہیں اور غیر ہم اداکاروں کی کم خرچ پر بنائی گئی فلمیں سپر ہٹ ہو جاتی ہیں۔ میں نے اس فلم پر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے آپ کا آشیر باد بھی اور شامل ہو جائے تو پھر میں بے فکر ہو جاؤں گی، میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے آپ کی لونڈی بن جاؤں گی، جب آپ یاد کرو گے آ جاؤں گی مگر میرا یہ کام آپ کو کرنا ہوگا۔'' عورت نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔
موٹا پجاری چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔
''تو نہیں مانے گی بڑی ضدی ہے، چل تیرا کام کردوں گا تو اپنا کام پورا کرنا کسی قسم کی کمی ہرگز نہ کرنا۔اور ہاں آتی رہنا تو نے ہم کو خوش کیا تو، تو بھی خوش ہو جائے گی۔''
یہ سن کر عورت کے چہرے پر رونق آئی اور پجاری سے لپٹ گئی، پھر بولی۔
''دیوی تم پر مہربان رہے، تم نے مجھے خوش کر دیا، اب آ گیا دو، میں جاؤں۔''
پجاری نے جواب دیا۔'' جا اور کل رات ضرور آنا میں تیرا انتظار کروں گا۔''
''میں سر کے بل آؤں گی۔'' اس کے بعد وہ دونوں دروازے کی طرف چل دیے اور مجھ سے دور چلے گئے۔
رات ہو گئی میں اس حالت میں سو گیا۔سویرے پھر مندر میں ہلچل شروع ہو گئی۔اس باغ میں کئی مالی تھے ایک آدمی میرے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دوسرے کو بھی اپنے قریب بلایا اور حیرت سے بولا۔'' ارے گردھاری، یہ آم کا پیڑ یہاں کب تھا؟ آم تو پورے باغ میں نہ تھا، یہ اتنا بڑا پیڑ راتوں رات کیسے اگ آیا؟''

''گردھاری کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے چمکنے لگیں اور بولا۔ ''یہ تو چمتکار ہو گیا سوہن لال۔''

سوہن لال پھر بولا۔ ''یہ دیوی کی کرپا ہے، میں نے اتنی جلدی جیون میں اتنا بڑا پیڑ اگتا کبھی نہیں دیکھا۔ تو ایسا کر کہ بڑے پجاری کو بتادے، یہ تو ان کو بتانے کی بات ہے۔'' گردھاری نے کہا۔

''آ پھر دونوں چلتے ہیں۔'' وہ دونوں بڑے پجاری کے مکان کی طرف چلے گئے، میں جانتا تھا، پجاری یہ سن کر ان کے ساتھ ضرور آئے گا اس لیے میں نے چولہ بدلا اور انسانی روپ میں بڑے مندر کی طرف چل پڑا اور دور کھڑا ہو گیا، وہ تینوں بہت تیزی سے اس مقام کی طرف چلے جہاں پر آم کا تناور درخت انہوں نے دیکھا تھا۔ میں وہیں پر ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

وہ وہاں پر زیادہ دیر نہیں رکے گردھاری اور سوہن لال کے چہرے اترے ہوئے تھے اور پجاری ان پر ناراض ہو رہا تھا۔ میں ان کے قریب چلا گیا اور بولا۔

''کس بات پر اتنے ناراض ہو پجاری جی۔''

''ارے بتاؤ بلاوجہ مجھے بلا لائے کہ باغ میں آم کا درخت کھڑا ہے، ارے اس باغ میں کبھی آم کا بوٹا لگایا ہی نہیں گیا۔'' پجاری بولا۔

''تم نہیں لگاؤ گے تو کیا آم ہوگا نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''میں کہہ جو رہا ہوں بیس سال سے یہاں پر ہوں، دیوی کے چرنوں میں آج تک آم نہیں لگا اور تم کون ہو سادھو کہ مجھ سے سوال جواب کر رہے ہو......؟'' پجاری بولا۔

''اس باغ میں کسی درخت پر پابندی ہے کہ نہ اگے۔'' میں نے کہا۔

''میں تم کو جواب دینے کا پابند ہوں، ارے تو ہے کون بولے چلا جا رہا ہے اناب شناب اور ایک یہ دونوں ہیں کہ چلے آم کا پیڑ دکھانے دکھایا نہیں وہ پیڑ، ارے دن میں تم دونوں خواب دیکھ رہے ہو۔''

''تم ہردے ناتھ ہو اس بڑے مندر کے بڑے پجاری تمہارے پاس بڑے بڑے لوگ اپنی بگڑی بنانے کو آتے ہیں، مگر یاد کرو کل شام تم کس درخت کے سائے میں فلم ایکٹریس کے ساتھ بیٹھے تھے کہو تو یہ بھی بتادوں کہ تم نے کیا کہا اور اس نے تم سے کیا کہا' تم کیا جانتے ہو کہ تمہاری آنکھیں قریب کی چیز نہیں دیکھتیں تم دور کی باتیں کرتے، تمہاری یادداشت اتنی کم زور ہے کہ تم نے اس درخت کے سائے میں کچھ وقت گزارا اور تم کو پتہ نہیں کہ تم کہاں ہو، پجاری تم خود کو اس قابل سمجھتے ہو کہ اس مندر کے بڑے بنے رہو۔'' میں نے کہا۔

پجاری کی بے عزتی اس کے معمولی ملازمین کے سامنے ہو رہی تھی اس کا چہرہ بگڑ رہا تھا۔

انسان کتنے حوصلے کا ہو اس کی بے عزتی کا احساس اس کو ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور اس کے اعصاب تن جاتے ہیں اگر طاقتور ہوتا ہے تو بے عزتی کرنے والے پر پل پڑتا ہے اور اگر کمزور ہوتا ہے تو اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

پجاری سانڈ کی طرح تھا اس نے نفرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور غصہ بھری کھرکھراتی آواز میں بولا۔

''تجھے میرے بارے میں پتہ نہیں ہے تو جو سادھو بنا پھر رہا ہے ساری اکڑ پھوں ایک منٹ میں ناک کے راستے نکال دوں گا میں نے زندگی میں کسی کو معاف نہیں کیا ہے، معاف میں تجھے بھی نہیں کروں گا۔ مگر اس وقت میں اس آم کے پیڑ کو دیکھوں گا وہ کون ہے جو مجھے جل دے گیا۔''

''تو معاف نہیں کرتا اور میں معافی نہیں مانگتا تو اگر ضدی ہے تو میں بھی ہٹ کا پکا ہوں۔ تو میرے رہنے کا بندوبست مندر میں کر دے میں یہیں پر رہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو اس مندر کی چار دیواری کے اندر نہیں رہے گا۔'' پجاری بولا۔

''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو آم کے پیڑ کا پتہ چلا

سکا کہ نہیں۔'' میں نے کہا۔
''مجھ سے چھپ کر وہ کہاں جائے گا......؟'' وہ بولا۔
''اور میں جانتا ہوں کہ تو کچھ پتہ نہیں کر پائے گا اس لیے مجھے رکھنا نہیں چاہتا کہ تجھے تیرے ہار کا، میں احساس نہ دلاؤں مگر ہار تیرے مقدر میں ہے۔'' میں نے کہا۔
''تجھے دیکھنا ہے میری ہار۔'' پجاری نے پوچھا۔
''تو اندھا ہے، تجھے نظر نہیں آیا مگر میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔
''تو پھر تو یہاں رہ اور دیکھ میری شکتی میں پورے بمبئی میں اکیلا ہوں میرا کوئی مقابل نہیں ہے اور تو جو سادھو بنا پھرتا ہے تیری قلعی بھی اتار کر تیری اصلیت سب کے سامنے لاؤں گا۔ تو نے غلط آدمی پر ہاتھ ڈالا ہے میں ہردے ناتھ ہوں سن لیا۔'' وہ گرج کر بولا۔
''سن لیا ہردے ناتھ تو نے ایک بات سنی ہوگی جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔
میرا ہردے ناتھ کو طیش میں لانے کا ایک مقصد تھا۔ گرو کا کہنا تھا کہ خالی برتن بہت آواز کرتا ہے بھرا برتن آواز نہیں کرتا۔
ہردے ناتھ کے غصے اور چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے اندر کتنا مال ہے۔ میرے اندازے کے مطابق برتن خالی تھا اور خالی برتن تو شور کرتا ہی ہے۔
اس مندر کے نیچے بھی ایک منزل تھی اس کا راستہ کالی کے قدموں کے نیچے تھا۔
میں ایک دن رات میں کالی کی مورتی کے پاس چلا گیا تو مجھے اس راستے کا پتہ چل گیا۔
اس تہہ خانے نما منزل کو اس طرح بنایا گیا تھا کہ اندر آنے والا اندر آنے کے بعد چکرا جائے واپس آنے کا صرف وہی ایک راستہ تھا ایک بار اگر وہ راستہ بھول جائے تو آدمی اس تہہ خانے سے باہر نہیں آ سکتا اندر بجلی کے بلب لگے تھے پنکھے بھی تھے بلکہ عیاشی کے پورے انتظامات تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر زیادہ حیرت نہیں ہوئی میں بنارس کا رہنے والا تھا میں نے وہاں پر سینکڑوں مندر دیکھے تھے یہ تہہ خانہ میرے لیے نئی چیز نہیں تھا اور عیاشی کے اس اڈے کو یہاں ہونا بھی میرے لیے نئی چیز نہیں تھا کالی کی پوجا کے اہم اشلوک پانچ ہوتے ہیں ان میں مچھلی شراب جنسی ملاپ ضروری اشلوک ہوتے ہیں پروہتوں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ان اشیاء کی بھینٹ چڑھائیں۔
موسیقی اور ناچ بھی ضروری ہوتا ہے اس دوران پروہت مدھیا اور میتھونا کے اشلوک پڑھتے رہتے ہیں اور دیوی کو خوش کرتے ہیں۔ آخری رسم قربانی کی ہوتی ہے، بعض اہم موقعوں پر یہ قربانی انسانی بھی ہوتی ہے انسان قربانی دیتا ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے یہ بہت قدیم جادوگری کی رسم ہے۔ ہر زمانے میں اس کا رواج رہا ہے جادوگر ہر زمانے میں اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کو قربانی دیتے آئے ہیں جانور کی قربانیوں کے ساتھ ساتھ انسانی قربانی بڑی اور آخری قربانی ہوتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے بیشتر مذاہب میں بھی حیوانی قربانی کو مستحق قرار دیا گیا ہے۔ مگر کسی بھی مذہب نے انسانی قربانی کے بارے میں حکم نہیں دیا ہے، ایسا واہیات اور ظالمانہ حکم صرف شیطان کے مسلک میں ہوتا ہے۔
میرا علم اور طریقہ کار کسی مذہب سے متصادم نہیں تھا وہ ایک الگ چیز تھا کسی کو دکھ نہیں دیتا اور کسی کو پریشان نہیں کرتا سارے دکھ اور پریشانیاں عامل کے لیے تھیں وہی سب کچھ برداشت کرتا ہے مگر اس کا دفاعی قلعہ بہت مضبوط ہو جاتا ہے اس پر کسی طرح کا جادو اثر نہیں کرتا کوئی بیر اس کے قریب نہیں آتا۔ انسان فولادی چٹان بن جاتا ہے اور اگر وہ اس علم کو استعمال کرتا ہے تو پہاڑوں کو ریت میں بدل سکتا ہے، جنگل کے گھنے پیڑوں کو زمین سے اکھاڑ کر ہوا میں معلق کر سکتا ہے۔ میں نے اب تک صرف ایک درجہ پاس کیا تھا مگر مجھے یہ جادوگر جو خود کو بہت اونچا اور کاریگر سمجھتے تھے بونے لگتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اندر تبدیلی آ رہی تھی۔ میں بدل رہا تھا مگر یہ اتنا غیر محسوس طریقہ پر ہو رہا تھا کہ میرے سوا کسی کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

پروہت بے چین تھا اس کو کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا جہاں پر اس کے علم کی انتہا ہوتی تھی وہاں سے میرا علم شروع ہوتا تھا اس کے کئی بیر میرے اردگرد منڈلاتے تھے مگر میں اپنی جگہ پر تھا۔ میں نے ان کو کچھ نہیں کہا تھا۔

ہردے ناتھ پورے ایک ماہ کوشش کرتا رہا۔ اس دوران اس کی پیاری فلم ایکٹریس اس کے پاس آ کر اس کی پوری خدمت کرتی رہی اور وہ بھی اس پر عنایتوں کی بارش کرتا رہا پھر اس کی فلم پورے دیش میں ریلیز کر دی گئی اور اتنی بری طرح فیل ہوئی کہ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔

وہ دوڑتی ہوئی ہیروئن کی بجائے ایک عام عورت کے روپ میں پجاری کے پاس آ گئی اور بولی۔

''میں ڈوب گئی مہاراج! تم نے میری مدد نہیں کی، میری زندگی بھر کی کمائی اور عزت برباد ہو گئی، تمہاری شکتی اور میری قربانی سب بے کار گئی۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے پجاری جی یہ بات تم پر شوبھا نہیں دیتی۔ میں نے تم پر مان کیا تھا بھروسا کیا تھا تمہاری خدمت کی تھی تم نے اس کا بدلہ ایسا بھیانک دیا ذرا تم اپنی اس حرکت پر غور تو کرو۔

پجاری گردن جھکائے اس کی بات سنتا رہا پھر بولا۔'' اس کی آواز میں وہ پہلے والی گھن گرج نہیں تھی وہ ایک ہارا ہوا جواری تھا اس کا ہر داؤ پٹ چکا تھا اس کے نصیب میں تین چھکے نہیں تھے۔

''میں ہار گیا دیوی جی! میری شکتی نے مجھے ڈبو دیا۔ دیوی ناراض ہو گئی میرا اب اس سنسار میں کچھ نہیں ہے میں تم سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں پہلے جو کبھی نہیں ہوا اب ہو گیا۔ میں ہر کام ٹھوک بجا کر اور آگے پیچھے دیکھ کر کرتا رہا ہوں مگر میں مار کھا گیا تمہاری دولت برباد ہو گئی اور میری عزت اور وقار سب برباد ہو گئی، میں اب خود کو ایک بے کار شے سمجھ رہا ہوں تم اگر چاہو تو اپنے نقصان کے بدلے مجھے جوتے مارو مجھ پر تھوکو میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا میں ناکارہ آدمی ہوں پجاری گردن جھکا کر بیٹھا تھا عورت اس کے قریب کھڑی تھی میں دروازے کے اندر چلا گیا دونوں نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا مگر دونوں کی زبان سے کچھ نہیں نکلا۔

میں نے اندر آ کر عورت سے کہا۔'' بیٹھ جاؤ۔'' وہ پجاری کے قریب بیٹھ گئی میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ انسان بڑا آسان پسند ہوتا ہے وہ محنت اور کوشش کو چھوڑ کر شارٹ کٹ مارنا چاہتا ہے۔

وہ نہیں سوچتا کہ اس شارٹ کٹ سے وہ کتنوں کے حق پر ڈاکہ مار رہا ہے، تم نے اپنی پوری دولت ایک فلم بنانے پر لگا دی مگر تم نے اس کے حقیقی تقاضے پورے نہیں کیے اور ان کو پورا کرنے کے لیے شارٹ کٹ مارا اور اس پجاری کی خدمت کرنے لگیں اور تمہارا دھڑن تختہ ہو گیا۔ اس میں پجاری کا دوش نہیں ہے اس نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں تمہارا ہر کام کر دوں گا اس کا دوش یہ ہے کہ اس نے تمہارے بدن کو استعمال کیا اور اپنی شکتی اور پہنچ کی مدتم سے چھپائی، اور تم پجاری اب تک نہیں سمجھ سکے کہ پراسرار دنیا میں کتنی بھی دور چلے جاؤ راستہ ختم نہیں ہوتا ہزاروں راستے ہیں ہزاروں لوگ ہیں سب اپنی اپنی راہوں پر سفر کر رہے ہیں کچھ آدھے راستے پر پڑے ہیں وہ اتنے سفر کو ہی آخری سمجھ رہے ہیں مگر یہ ان کی بھول ہے۔

''پجاری تم نے آدھا سفر کیا ہے اور لوٹ کر اس مندر کو اپنا مسکن بنا لیا ہے، کم عقل آسان اور شارٹ کٹ مارنے والوں کے لیے تم بہت کچھ ہو مگر تم نے دیکھ لیا کہ تم کتنے پانی میں ہو۔'' میں نے کہا۔

پروہت اور وہ عورت باتیں غور سے سن رہے تھے میری بات ختم ہی ہوئی تھی کہ دونوں میرے قدموں میں جھک گئے میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اور گرج کر بولا۔

''کھڑے ہو جاؤ، میں اس قابل نہیں کہ تم میرے قدموں میں جھکو میں تم دونوں کو تمہارے اندازے اور شکتی د ونوں کا احساس دلانا چاہتا تھا تمہارے سامنے سارے راستے کھلے ہیں۔

تم ایک شادی شدہ عورت ہو، تم کو کیا کرنا ہے تم جانتی ہو اور یہ پجاری بھی اپنی حیثیت اور کام جانتا ہے مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے میرا کام ختم ہوا۔

میں نے دروازے کی طرف منہ پھیرا اور مندر کے مین دروازے سے باہر آ گیا۔ بمبئی کی سڑکوں پر ٹریفک کا وہی اژدہام تھا سب بھاگ رہے تھے ایک دوسرے سے آگے جانے کے لیے مگر میں بڑی ست روی سے قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ میرے سامنے ایک بہت بڑا پارک تھا میں ایک بہت بڑے گیٹ کے پاس تھا یہ شاید گیٹ آف انڈیا تھا لوگ اس کے چاروں طرف تھے اس میں کیا دیکھنے کی چیز تھی مجھے پتہ نہیں اور مجھے اس میں کوئی دل چسپی بھی نہیں تھی میں ایک کنارے پر پڑی ایک لکڑی کی بینچ پر بیٹھ گیا اور غور سے اس اونچے گیٹ کو دیکھنے لگا۔ مجھے نہیں پتہ کہ میں کتنی دیر اسی حالت میں رہا۔ جب آنکھ دوسری طرف ہوئی تو پتہ چلا کہ میرے اردگرد لوگ کھڑے ہیں خاموش سنگی بتوں کی مانند کوئی کچھ نہیں کہتا سب خاموش ہیں۔ میں نے کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کیا مگر جب کوئی نہ بولا تو میں نے کہا۔

''تم لوگ کیوں کھڑے ہو، کیوں اپنا وقت خراب کرتے ہو۔''

ان میں سے ایک آدمی آگے بڑھا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''سادھو مہاراج آپ کی سیوا کرنا چاہتے ہیں اس لیے کھڑے ہیں۔''

''میری سیوا کیوں ضروری ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت دن کے بعد ایسا دھرماتما دیکھا ہے۔ اس لیے سب کھڑے ہیں۔''

''تم کو کس نے کہہ دیا کہ میں کوئی دھرماتما ہوں۔'' میں نے پوچھا۔

کہے گا کون پورے چھ دن کے بعد آپ نے ایک جگہ سے نظر ہٹائی ہے اور زبان کھولی ہے یہ بات کیا کم ہے۔''

''تم لوگ غلط سمجھ رہے ہو میں سو رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

''آپ جو کچھ ہیں یہ تو سب جانتے ہیں آپ کے نزدیک جانے والے ڈر کے مارے دور بھاگ گئے آپ کرپا کرو اور ہمیں سیوا کرنے کا موقع دو۔'' وہ آدمی بولا۔

''میں سفر میں ہوں چلو کہاں لے جاؤ گے۔'' میں نے کہا۔

ایک بہت موٹا آدمی آگے بڑھا اور بولا۔ ''میرا نام جیون تیواڑی ہے آپ میرے ساتھ چلیں۔''

میں بے ارادہ کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''چلو کہاں چلنا ہے......؟''

اس نے ایک طرف اشارہ کیا تو لوگ ہٹ گئے اور ایک سفید رنگ کی چمچماتی کار میرے سامنے آ کھڑی ہوئی موٹے نے دروازہ کھولا اور بولا۔ ''آؤ مہاتما جی۔''

میں گاڑی کے اندر بیٹھ گیا میرے بعد وہ بھی آگے بیٹھ گیا وہی پہلے والا آدمی آگے بڑھا اور موٹے سے بولا۔ ''تیواڑی جی ہم درشن کو آئیں گے۔''

تیواڑی نے جواب دیا۔ ''آنا ضرور آنا منع کس نے کیا ہے۔''

موٹر کار روانہ ہوئی اور موڑ مڑتی ایک بہت بڑی کوٹھی کے اندر پہنچ کر رک گئی۔

تیواڑی جلدی سے نوکروں کی طرح اترا اس کی پھرتی اس کے موٹاپے کو دیکھ کر حیرت میں ڈالتی تھی۔

وہ اتر کر بولا۔ ''آؤ مہاراج یہی میرا غریب خانہ ہے۔''

میں نے نیچے اتر کر اس کے غریب خانے پر نظر ڈالی دو ہزار گز پر تو صرف اس کا باغ تھا اور اس کے بعد نہ معلوم کتنے ہزار گز پر یہ کوٹھی تھی اس پر سفید رنگ کیا ہوا تھا۔ گیٹ پر چوکیدار کھڑا تھا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آدمی کو اتنا ناشکرا نہیں ہونا چاہیے تم اس کو غریب خانہ کہہ رہے ہو میں نے اس شہر کی

سڑکوں پر دو گز زمین پر آٹھ آٹھ آدمیوں کو سوتا دیکھا ہے تم نے اس محل کو غریب خانہ کہہ کر رہنے والے کی توہین کر دی ہے میں اس کے اندر نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

جیون تیواڑی کا چہرہ اتر گیا وہ میرے قدموں میں بیٹھ گیا اور بولا۔

''غلطی ہو گئی مہاراج......! مجھے معاف کر دو اب کبھی نہیں کہوں گا۔''

''تم ایک کتا پالتے ہو اس کو کھلاتے ہو گھر میں رکھتے ہو وہ جانور ہے مگر وہ تمہارا غلام ہو جاتا ہے تم پر جان نثار کر دیتا ہے انسان کو کتے سے بہتر ہونا ضروری ہے اور جو بہتر نہیں وہ انسان نہیں ہوتا تم پہلے انسان بنو پھر انسانوں کی خدمت کرنا میں جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا

اس نے میرے پیر پکڑ لیے۔ ''میں شرمندہ ہوں میں کتے سے بڑھ کر بننے پر تیار ہوں آپ نراش نہ کریں۔'' وہ بولا۔

''یاد رکھنا صرف ایک بار آدمی کو انسان بننے کا موقع ملتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں سمجھ گیا اب کبھی غلطی نہیں کروں گا۔'' تیواڑی نے کہا۔

''اچھا چل اندر مگر ایک بات یاد رکھنا ہمارا رکنا کسی پابندی کو قبول نہیں کرتا کسی وقت بھی ہماری روانگی ہو سکتی ہے ہواؤں پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''خوب، سمجھ گیا مہاراج......'' تیواڑی بولا۔

ایک بہت بڑے کمرے میں وہ مجھے لے آیا زمین پر بہت نرم قالین پڑا تھا دیواریں گلابی رنگ کی تھیں اور ایک بہت بڑا پلنگ ایک کنارے پڑا تھا اس پر اسپرنگ دار بہت موٹا گدا پڑا تھا۔ میں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور کہا۔ ''ارے بے وقوف یہاں تو میں بڑی تکلیف میں رہوں گا۔''

وہ ترنت بولا۔ ''کیوں مہاراج......؟''

''ارے پاگل میں ننگی زمین پر رہتا ہوں یہ زمین کا حق ہے تو کسی کے حق پر کیوں ڈاکہ مارتا ہے میرا اور زمین کا بہت پرانا ناطہ ہے تو میرا ناطہ زمین سے توڑنا چاہتا ہے یہ سب نکال میں زمین کا آدمی زمین میری ماتا ہے زمین کا اگایا ہوا کھانے والا زمین سے دور کس طرح رہ سکتا ہوں۔''

تیواڑی کچھ سمجھا کچھ نہیں مگر پھر بھی بولا۔ ''ابھی لو مہاراج اور خود ہی قالین اٹھانے میں لگ گیا اس کے ساتھ اور بھی لگ گئے اور زمین پر فرش نظر آنے لگا میں زمین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''میرے بھوجن کا پربند نہ کرنا میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ اب تم سب جاؤ اور دروازہ بند کر دو بتی بند کر دو۔''

''مہاراج بھوجن کر لیتے تو میری منو کامنا پوری ہو جاتی۔'' تیواڑی نے کہا۔

''جب کرنا ہوگا بتاؤں گا ابھی ضرورت نہیں ہے سب جاؤ سب کا وقت اب ختم ہوا۔'' میں نے کہا، لیکن تیواڑی بہ دستور کھڑا تھا، اسے دیکھا دیکھی دوسرے بھی کھڑے رہے۔

یہ دیکھ کر میں بولا۔ ''ارے بتی اب تو جلنا بند ہو جا۔'' ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ اچانک کمرے کی بتی بجھ گئی۔

ایک منٹ میں کمرہ خالی ہو گیا میں فرش پر آسن جما کر بیٹھ گیا اور گرو کا دھیان کیا۔

گرو میرے سامنے تھے بولے۔ ''یہاں پر بھی تیری آشا پوری نہیں ہوگی۔''

''کوشش تو کر سکتا ہوں گرو۔'' میں نے پوچھا۔

''انسان کے پاس کوشش بہت بڑا ہتھیار ہے اس کو استعمال کرنے والے گھاٹے میں نہیں رہتے، میں تجھ کو کوشش سے نہیں روک سکتا۔'' گرو نے کہا۔

''مجھے یہ تو پتہ چل جائے کہ میری ماں دنیا میں ہے کہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''منش کو سب کچھ پتہ نہیں ہوتا اور پتہ نہ ہونا ہی منش کے لیے فائدہ مند ہے۔ اگر سب کچھ پتہ ہو جائے گا تو منش کوشش اور جستجو سے ہاتھ اٹھا لے گا تیری لگن برقرار

رہنی چاہیے اس لگن کی بدولت تیرے کام بنیں گے دنیا اتنی بری جگہ نہیں ہے انسان جتنی بھی زندگی اس سنسار میں گزارتا ہے اور آخر میں اس کو پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ملتا وہ سوچتا ہے اس نے زندگی کے ساتھ انصاف نہیں کیا جو کرنا تھا وہ نہیں کیا اس نے اپنی عمر کے پورے مزے نہیں لوٹے۔کوئی سوچتا ہے اس نے بھگوان کی مہربانیوں کا حق ادا نہیں کیا مطلب یہ کہ آخر میں اس کو صرف پچھتاوے ہی ملتے ہیں۔'' گرو نے کہا۔

''ان سے کس طرح آدمی بچ سکتا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے مگر ابھی تیری منزل دور ہے تجھے خود بخود پتہ چل جائے گا کہ تو اس پچھتاوے سے کس طرح بچ سکتا ہے، میں کیا بتاؤں؟ زندگی خود ایک بہت بڑا سبق ہے۔'' گرو نے جواب دیا۔

''میرے لیے کیا حکم ہے......؟'' میں نے گرو سے پوچھا۔

''تیرے دوسرے سبق کا وقت قریب آ رہا ہے تو جہاں بھی ہو میں خود تیرے پاس آ جاؤں گا۔کوئی کام وقت سے پہلے اور بعد میں نہیں ہوتا ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے، تیرے ستارے جب جب تیرے موافق ہوں گے میں آ جاؤں گا، یہ تیری چنتا نہیں میری ہے۔'' گرو نے کہا۔

''گرو میں نے اب تک تمہارے پاس سے آنے کے بعد جو وقت گزارہ ہے وہ ٹھیک ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تیری محنت اپنی جگہ ٹھیک ہے یہ تیری مجھ سے محبت اور بھروسے کی علامت ہے میں تجھ سے خوش ہوں ذرا سا اور اندر رہ ابھی باہر آنے کی جلدی نہ کر بہت سے ہے تیرے پاس۔'' گرو نے جواب دیا۔

اور گرو چلے گئے میرا حوصلہ بڑھ گیا میرا بھروسہ اور اعتماد اور بڑھ گیا میرے سر پر کوئی ہے اس کی خوشی الگ تھی میں اور زیادہ مضبوطی سے آگے قدم بڑھا سکتا تھا۔انسان میں اعتماد کی دولت ہو تو وہ بڑے بڑے کام بڑی آسانی سے کر لیتا ہے اور میرے پاس سب کچھ تھا۔

دروازہ کھلا تھا، میں نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا تو جیون تیواڑی دوڑ کر اندر آ گیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا میں نے اس کو دیکھا اور کہا۔''فکر کیوں کرتا ہے تیرا جہاز کنارے آ جائے گا، جا تو کرم کلہ لے آ، ہمارے بھوجن کا وقت ہو گیا ہے۔''

''کیسا پکوا کر لاؤں مہاراج۔'' وہ بولا۔اس کے چہرے پر خوشی کے آثار صاف نظر آتے تھے۔

''لے آ پکانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ گردن جھکا کر بولا۔''میں نے آپ کے بھوجن کو دوسرا اپر بند کیا تھا۔''

''تو بڑا نادان ہے، شیر کو گھاس کون کھلا سکتا ہے اور بکری کو گوشت کیسے کھلائے گا۔ارے نادان سب کے لیے بھگوان نے الگ الگ چیز رکھی ہے اس کو وہی کھانا ہے تو نے ذرا غور کیا میری بات پر میری خوراک جو ہے وہی تو کھاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے مہاراج میں ابھی لے کر آتا ہوں۔''

کچھ ہی دیر میں وہ تازے اور بڑے بڑے کرم کلہ (بند گوبی) لے آیا میں نے اس سے کہا۔''تو نے کبھی اس سبزی کو کھول کر دیکھا ہے۔''

''نہیں مہاراج میں نے کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ بولا۔

''میں دکھاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔اور ایک کرم کلہ اٹھا کر اس کے اوپر کا پتہ الگ کر دیا اور کھا لیا۔کھانے کے بعد میں نے کہا۔''یہ پرت در پرت اترتے رہیں گے۔انسان بھی پرتوں کا بنا ہے انسان کے بھی بہت پرت ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ کرم کلہ کے پرت سب ایک جیسے ہوتے ہیں جتنے اندر جاؤ گے پرت ملائم اور خوبصورت نکلیں گے مگر انسان کے پرتوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا کب کوئی سخت اور بھیانک پرت نکل آئے اوپر سے نرم اور اچھا نظر آنے والا انسان اندر سے کیسا ہے کون بتا سکتا ہے۔مگر ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آتا ہے کہ اس کے پرت اتر جاتے ہیں اور اس کا اصلی روپ دنیا کے سامنے آ جاتا ہے اس لیے کہتے ہیں انسان کو اندر اور باہر میں فرق

نہیں رکھنا چاہیے پرت تو رہیں گے مگر ہر پرت کرم کلے کی طرح ہونا چاہیے جتنا اندر جاؤ اتنا اچھا نرم اور خوب صورت۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج یہ باتیں میرے لیے نئی ہیں میں ضرور آپ کی بات پر عمل کروں گا۔'' جیون تیواڑی بولا۔

''میرے جانے کا سمے جب آئے گا میں چلا جاؤں گا، میں بھی پابند ہوں سب کی طرح کوئی مادر پدر آزاد نہیں ہے جو مادر پدر آزاد ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔'' میں نے کہا۔

جیون تیواڑی گردن جھکائے خاموش تھا میں نے کہا۔''اب تو جا میرے بھوجن کا وقت ہے۔''

وہ چلا گیا اور میں کرم کلہ کھانے لگا۔ میرا دل کسی چیز کو کھانے کو نہیں کرتا تھا کرم کلہ کا خیال مجھے خود بخود آ گیا تھا اور جب میں نے اس کو کھایا تو اچھا بھی لگا تھا۔

میں کھانے کے بعد پھر آسن جما کر بیٹھ گیا اور گرو کے بتائے سبق یاد کرنے لگا۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کتنا وقت گزر گیا میں اسی آسن پر بیٹھا رہا۔ میرے ارد گرد کیا ہوا کون آیا کون گیا مجھے نہیں پتہ میں نے جب آنکھ کھولی تو کچھ لوگ میرے سامنے تھے۔ ماتھے پر تین لکیریں ڈالے ہوئے پنڈت اور اسی قسم کے دھرم کے ٹھیکیدار تھے وہ سب شہر کے نامی گرامی اور دھرم کے سیوک تھے میری شہرت آہستہ آہستہ بڑھ کر پوری بمبئی میں پھیل گئی تھی جیون تیواڑی نے بہت کوشش کی کہ لوگ مجھ تک نہ آئیں مگر وہ ان بڑے لوگوں کو نہیں روک سکا تھا۔

''تم سب کون ہو اور کیوں میرے پاس دھرنا دے کر بیٹھے ہو......؟'' میں نے پوچھا۔

ایک گنجا جس کے سر پر ایک موٹی سی چوٹی نظر آ رہی تھی اس کے ماتھے پر تین لکیریں پڑی تھیں بدن سے وہ ننگا تھا مگر بدن بڑا فربہ اور گوشت سے بھرا ہوا تھا وہی ان سب کا بڑا تھا آگے بڑھا اور میرے سامنے ڈنڈوت کرنے کے بعد بولا۔''مہاراج سیوک کو گنگا رام کہتے ہیں درشن کو آیا ہوں۔''

''درشن کر لیے تھے تو چلے جاتے دھرنا کیوں دے دیا۔'' میں نے کہا۔

''مہاراج...... ایسا مہا پرش زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے خالی دیکھ کر من کو شانتی نہیں ملی اسی کارن رکنا پڑا۔'' وہ بولا۔

''دیکھو تم نے دیکھ لیا اب جاؤ میرا وقت خراب نہ کرو۔'' میں نے کہا۔

''دھرم کے سیوک ہیں آپ بھی اور میں بھی، دھرم کے فائدے کے لئے کچھ شبد اگر کہہ دیں تو اچھا ہو۔'' وہ بولا۔

''دھرم کے سیوک ہو، تم نے اپنے اندر جھانک کر دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اتنی شکتی ہم میں نہیں ہے مہاراج۔'' وہ بولا۔

''تو پھر پیدا کرو تمہارے اندر تو حساب کتاب کی مشین لگی ہے۔ اس کو حرکت دو سب بتائے گی۔''

کسی حرف کے اوپر انگلی نہ اٹھاؤ سب سے آسان کام ہے یہ اپنی آسانی کو دوسروں پر نظر نہ کرو خود اپنے پر نظر کرو دوسروں پر نظریں جمائے رکھو گے تو خود اپنی کم زوری نہیں پکڑ سکو گے تم ٹھیک ہو گے تو دھرم کے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے یہی میرا اپدیش ہے سب نے سن لیا اب جاؤ اگر اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تو پھر مجھے سب کی کتھا الگ الگ سنانی ہو گی تم میں اتنی ہمت نہیں کہ اپنی کتھا میری زبان سے برداشت کر سکو...... جاؤ۔''

وہ سب خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے، گنگا رام بھی چلا گیا ان کے جانے کے بعد جیون تیواڑی میرے پاس آ گیا اور بولا......''میں آٹھ دن سے ان کو بھگا رہا تھا مگر ایک نہیں ٹلا تھا اب سب خاموشی سے چلے گئے۔''

''جیون آدمی بڑا ضدی ہے مگر بڑا کم زور بھی ہے اس کی کم زوری اگر کسی کو پتہ ہو تو بہادر بھی بھاگ جاتا ہے یہی ان کا حال تھا یہ سنسار کے وہ لوگ تھے جن کی سب عزت کرتے ہیں ان کے اندر کا حال کسی کو پتہ نہیں ہوتا جس کو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اندر کا حال جانتا ہے اس سے ڈرتے ہیں اس لیے میں کہتا ہوں انسان اندر باہر ایک

جیسا ہونا چاہیے۔ دوغلہ پن ہر جگہ نہیں چلتا، اب تم جاؤ، اب یہ لوگ نہیں آئیں گے۔'' میں نے کہا۔

اور پھر ایک رات گرو میرے سامنے تھے بولے۔

''تیاری کر لی۔''

''ہاں گرو میں تو کب سے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

گرو نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ ''چل......'' میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور میں سفر پر روانہ ہو گیا۔

میری جب آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں ٹیکری پر لیٹا تھا میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے جس کو ٹیکری کہا ہے وہ بھی ایک پہاڑ ہی تھا ٹیکری اس لیے کہا کہ میرے سامنے دائیں بائیں اتنے بلند پہاڑ تھے کہ یہ ٹیکری ہی لگتا تھا یہ سارے پہاڑ سرخ پتھر کے تھے ان کی دیواریں گرمی اور دھوپ سے کالی پڑ رہی تھیں کسی پہاڑ پر سبزہ نہیں تھا یہ ایک پیالہ نما وادی تھی اس کے چاروں طرف پہاڑوں کی دیواریں تھیں اس وادی کے درمیان میں یہ ٹیکری تھی اور اس پر تھا کسی طرف سے آنے کا راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ پہاڑوں کی اونچائی اتنی تھیں کہ ان کو پار کرنے کا خیال بھی دل میں کوئی نہیں لا سکتا تھا۔ مگر میرے دل میں ذرا بھی خوف نہیں تھا میرے اندر اعتماد کے دریا ٹھاٹیں مار رہے تھے میرے اندر خوشی تھی کہ میں دوسری منزل بجر پار کرنے جا رہا تھا مجھے کسی قسم کی فکر دامن گیر نہیں تھی بلکہ مجھے جلدی تھی کہ میں جلد از جلد بجر کی منزل سر کر سکوں۔

سورج کا رخ بدل رہا تھا، پہاڑوں کے دیوار کے سائے ٹیکری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آسمان پر بہت اوپر کوئی کوئی پرندہ نظر آ رہا تھا غالباً یہ ان کا واپسی کا سفر تھا۔

یہ کس ملک کے پہاڑ تھے میں کہاں تھا مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔

شام سے پہلے گرو آ گئے ان کے ہاتھ میں ایک مٹی کی ہنڈیا تھی، اسے انہوں نے زمین پر رکھ دی اور میرے سامنے بیٹھ گئے اور بولے۔ ''مبارک ہو تم دوسری منزل کی طرف جا رہے ہو۔ پہلی منزل پر جب تھے اس وقت تم کم عمر اور تجربہ کار نہیں تھے اس کے باوجود تم نے وہ منزل سر کر لی تھی۔ اب تمہارے پاس تجربہ بھی ہے اور عمر کی پختگی بھی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ منزل کٹھن بھی ہے۔ اس منزل کے تین پڑاؤ ہوتے ہیں، پہلے پڑاؤ پر تم جب پہنچو گے تو تم میں صرف اتنی صلاحیت ہوگی کہ تم خود کو صرف کنکر پتھر میں تبدیل کر سکو اور صرف ان سے کلام کر سکو دوسری منزل میں تم خود کو بڑے سے بڑا پہاڑ بنا سکتے ہو، آخری منزل میں تم پہاڑوں سے رابطہ کر سکو گے ان کو حکم دے سکو گے۔ پہلی سے زیادہ مشکل دوسری ہے اور آخری اور مشکل ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں تم پوری طرح تیار ہو اس برتن میں تیری غذا ہے یہ تجھے پیاس اور بھوک دونوں سے نجات دلائے گی۔ اب میں پہلے پڑاؤ کا منتر بتاتا ہوں۔ تیرے نزدیک کوئی نہیں آئے گا۔ کوئی تجھے نہیں روکے گا تیری غذا آتی رہے گی جب ضرورت ہو کھانا اس پڑاؤ کی مدت کچھ پتہ نہیں تیری لگن پر ہے پانچ سال سے دس سال بھی ہو سکتی ہے۔ تیری کامیابی کی نشانی یہ ہے کہ یہ پتھر روڑے جو زمین پر پڑے ہیں تیرے قریب آنے لگیں گے تیرے اشارے پر دور بھی چلے جائیں گے۔'' پھر گرو نے بہت آسان سے کچھ شبد مجھے یاد کرائے اور پوری رات میرے پاس رہ کر سنتے رہے صبح بولے۔ ''اب تجھے خوب یاد ہو گیا اب تیرا کام شروع میں جاتا ہوں۔''

میں آسن جما کر بیٹھ گیا اور مجھے وقت کا اندازہ ختم ہو گیا۔ اچانک نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد مجھے بھوک کا احساس ہوا اور میں نے ہنڈیا کو کھولا اور کھانے لگا اس کھانے کا ذائقہ ہی نرالا تھا میں نے سیر ہو کر پوری ہنڈیا کھالی میرا پیٹ بھرا تو میں پھر اپنی جگہ آ گیا اور آسن جما لیا۔ میرے ارتکاز میں کسی نے دخل نہ ڈالا میری پھر بھوک جاگی اور میں ہنڈیا کے پاس آ گیا میں نے خود پر نظر ڈالی میرے سارے جسم پر ریچھ کی طرح بال تھے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے مگر جسم توانا تھا میں نے ہنڈیا کھولی اس کے اندر کھانا موجود تھا میں نے کھا لیا اور اپنی جگہ پر آ گیا۔ ارتکاز کے دوران

مجھے نہ جانے کتنی دفعہ ہنڈیا کے پاس آنا پڑا مجھے ہر دفعہ ہنڈیا میں کھانا ملا۔ میری صحت اور دماغی قوت میں ذرا کمی نہیں ہوئی تنہائی کا احساس میرے نزدیک نہیں آیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کتنا وقت یہاں پر گزار چکا ہوں مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔

گرو سے اب تک رابطہ نہیں ہوا تھا گرو نے رابطہ کرنے کو کہا بھی نہیں تھا مگر میری ضرورت پوری ہو رہی تھی اس کا مطلب تھا گرو مجھ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میرے لیے یہی بہت بڑی ڈھارس تھی۔ سپاہی کمانڈر کے اشارے پر لڑتا ہے۔ کمانڈر مر جائے تو سپاہی کم زور پڑ جاتا ہے اور جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کا خیال اس کے دل میں آنے لگتا ہے۔ میرا کمانڈر میرے سر پر تھا، میں نڈر تھا میرے اطراف کیا ہو رہا تھا پہاڑوں پر کتنے موسم آئے کتنی بارش ہوئی کتنی گرمی پڑی دھوپ جسم کو کتنا جلا گئی، سردی نے کتنے نشانات چھوڑے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔

میری نظر تو ان پتھروں پر تھی جو زمین پر پڑے تھے جن کی کوئی اوقات نہیں تھی شہروں میں ہوتے تو لوگ ان کو پیروں میں روندتے ہوتے۔ یہاں دور دور انسانی وجود نہیں تھا وہ بڑے سکون سے اپنے بڑوں کے زیر سایہ پڑے تھے، ان کو کوئی نہیں چھیڑ رہا تھا۔

وہ کسی کے پیروں میں نہیں آ رہے تھے۔ میرا پورا دھیان ان کی طرف تھا اور زبان پر وہ شبد تھے جو گرو نے یاد کرائے تھے یہ کس زبان کے شبد تھے اس کے کیا معنی تھے مجھے کچھ پتہ نہیں اور مجھے پتہ کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

دور دور پڑے پتھر ایسا لگ رہا تھا کہ غیر محسوس انداز میں میری طرف آ رہے ہیں۔ میں جہاں پر بیٹھا تھا وہاں پر کوئی پتھر نہیں تھا مگر اب بہت نظر آ رہے تھے ان کو کوئی اٹھا کر نہیں لا رہا تھا وہاں پر کوئی مزدور اٹھانے کو نہیں تھا مگر پھر بھی پتھر کے ٹکڑے جو وزن میں ایک سیر سے من تک کے تھے میرے گرد پڑے تھے ان کو کون لایا تھا میں منزل کی طرف بڑھ رہا تھا پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ساری وادی کے پہاڑوں سے ٹوٹے ہوئے پتھر میری چاروں طرف ڈھیر ہو گئے میں نے ان پر نظر ڈالی اور زور سے کہا اب تم اپنی اپنی جگہ پر واپس جاؤ اس دنیا کی جو ریت ہے اس کو میں نہیں توڑوں گا میں نے دیکھ لیا تم واقعی میرے وفادار ہو میں اپنی جگہ بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

کسی قسم کی آواز میں نے نہیں سنی کسی نے بھی میرے ارتکاز کو خراب نہیں کیا جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ہر پتھر اپنی پرانی جگہ پر موجود تھا میرے سنجیدہ چہرے پر خوشی اور انبساط کی مسکراہٹ آ گئی گرو میرے سامنے موجود تھے ان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی بولے۔

''مبارک ہو تمہارا ارتکاز حیرت انگیز ہے تم دنیا سے نرالے انسان ہو اس فن میں صرف یہ ہی مشکل ہوتا ہے کہ ارتکاز کتنا بھی لمبا ہو جائے آدمی تنگ نہ آئے۔ تم نے دیکھا تم اکیلے رہے کسی نے تم کو اس منتر کے ورد کو روکنے کی کوشش نہیں کی اس لیے اس منتر کا کوئی بیر نہیں ہے جو خود کو غلامی سے بچانے کو تم کو منتر پڑھنے سے روکے گا یہ منتر صرف انسانی قوت برداشت یقین کو پختہ کرتا ہے اور انسان کی یقین کی طاقت یہ کرشمہ دکھاتی ہے کہ زمین پر پڑے بے جان پتھر اس کے تابع دار بن جاتے ہیں اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ اب تم پہلا پڑاؤ پار کر چکے اس کے ذریعہ تم خود کو ان ہی پتھروں میں تبدیل کر سکتے ہو اور ان پتھروں کو اپنے حکم پر چلا سکتے ہو تم نے جو دو منتر اب تک یاد کیے ہیں ان کو یاد رکھنا اور رات دن کے کسی وقت اس کو ضرور یاد کرنا اگر بھول جائے گا تو تیرا نقصان ہوگا اب تو تین دن ان پتھروں کے ساتھ کھیل کود اندازہ کر خود کی طاقت کا ان کو حکم دے ان جیسا بن کر ان کے ساتھ رہ اس سے تجھے مکمل اندازہ ہو جائے گا کہ تو کتنے پانی میں کھڑا ہے۔''

گرو چلے گئے میں اکیلا تھا، زمین پر پتھر میرے ساتھی تھے میرے ہم جولی تھے میں ان سے باتیں کرتا رہا کبھی ان جیسا بن کر ان کے قریب پڑا رہا کبھی ان کو ایک

دیوار کی شکل میں کھڑا کر دیتا کبھی زمین پر بکھر جانے کا حکم دیتا وہ میرے حکم کے غلام تھے پتہ نہیں ان میں احساسات تھے کہ نہیں وہ میرا کہا مان رہے تھے رات ہوئی تو میں بے فکر ہو کر سو گیا نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد میں سویا تھا یا پتہ نہیں میں منتر کا جاپ کے دوران سوتا بھی تھا مجھے جاپ کے دوران اعضاء پتھر کے ہوتے تھے ان کو کسی قسم کا آرام درکار نہیں ہوتا تھا میرے جسم کی مشین الگ ہی نوعیت کی ہو جاتی تھی اس مشین کو نہ ایندھن کی ضرورت پڑتی تھی نہ تازہ دم ہونے کی آرام کی ضرورت تھی میری غذا میرے جسم کی ہر ضرورت پوری کرتی تھی کون سی غذا تھی، اس کے بارے میں صرف گرو جانتے تھے۔

ابھی گرو سے پوچھنا بے کار تھا میں جانتا تھا مجھے اس کے بارے میں ضرور بتائیں گے۔ مگر ابھی اس کے بتانے کا وقت نہیں آیا تھا۔

تین دن اور تین راتیں گزر گئیں میں نے خود کو ہر طرح آزما لیا۔ میں وہی بن گیا تھا جو گرو نے کہا تھا میرا اعتماد ایک ڈگری اور بڑھ گیا میری توانائی کی سطح اور بلند ہو گئی گرو کا وقار اور بڑھ گیا۔

گرو رات کو آ گئے میں جانتا تھا وہ آج ضرور آئیں گے ان کے بتائے وقت کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ ''تو نے آزمائش کر لی۔'' وہ بولے۔

''جی گرو......! میں وہی ہوں جیسا آپ بنانا چاہتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

''انسان جب سفر میں ہوتا ہے تو اس کو صرف ایک فکر ہوتی ہے کہ سفر کب ختم ہوگا۔ انسان سفر کو خوش گوار بھی بنا سکتا ہے اور ناگوار بھی اگر خوشگوار بنا کر سفر کرتا ہے تو تھکن سے بچتا ہے ہر پڑاؤ پر وہ تازہ دم ہوتا ہے اگر سفر کو ناگوار بنا کر سفر کرتا ہے تو ہر پڑاؤ پر اس کی تھکن بڑھ جاتی ہے۔ تجھ میں تھکن کے آثار دور دور نہیں ہیں یہ تیرے کامیاب سفر کی علامت ہے اب تیرا بڑا اہم پڑاؤ آنے والا ہے تو نہیں جانتا کہ تو نے پہلے پڑاؤ پر کتنا وقت صرف کیا میں بتاتا ہوں تو نے دس سال میں یہ پڑاؤ طے کیا ہے۔

دوسرے پڑاؤ میں اتنا وقت بھی لگ سکتا ہے اور اس سے کچھ زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر تیرے لیے چنتا کی ضرورت نہیں ہے تو ایک منجھا ہوا مسافر ہے تجھے منزلیں طے کرنے کی عادت ہو گئی ہے میں تو صرف تجھے راستہ بتا رہا ہوں سارے کام تو خود ہی کر رہا ہے۔'' گرو نے کہا۔

گرو کی باتوں سے میرا حوصلہ دو چند ہو گیا۔ گرو نے پھر کہا۔

''یہ بڑے بڑے کروڑوں ٹن وزنی پہاڑ بے جان نہیں ہیں یہ بڑھتے ہیں کم ہوتے ہیں ان کی اولادیں ہوتی ہیں ان کے جینے کا بھی ایک نظام ہے اس نظام میں تم دنیا کے پہلے آدمی ہو گے جو داخل ہو گے مگر ان کے نظام میں بھی تبدیلی کرنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا شیر کو پالنے والے شیر سے ہمیشہ ہوشیار رہتے ہیں کیونکہ شیر کی جبلت اور خونخواری ان کی نظر میں ہوتی ہے ہر جانور اپنی پیدائشی فطرت اور جبلت سے مجبور ہوتا ہے اس میں احساسات بہت کم ہوتے ہیں انسان کے احساسات کسی میں نہیں ہوتے۔ انسان کے احساسات اس کی عقل کے تابع ہوتے ہیں ان میں ہر وقت تبدیلی کا عمل ہوتا رہتا ہے مگر انسانی عقل کسی اور میں نہیں ہوتی وہ عدد ہوتا ہے انسان عقل کے معاملے میں لامحدود ہے اس نے تم نظام قدرت میں مداخلت کے مجرم ہرگز نہ بننا تم اپنے علم کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتے ہو تم کو صرف اتنی اجازت ہے میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ رہی ہیں گرو نے پوچھا میں نے کہا۔ میں آپ کی ہر بات اپنے اندر اتار رہا ہوں۔''

''اس میں تیرا ہی فائدہ ہے، انسان طاقت کے نشے کو برداشت نہیں کر پایا الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگتا ہے اور اس کا ڈھلان شروع ہو جاتا ہے میں نہیں چاہتا کہ تم کبھی ڈھلان پر آؤ، جس چڑھائی پر تم اس وقت ہو اس کے آخری سرے تک تم کو جانا ہے ذرا سی غفلت اور لاپرواہی تمہارا رخ ڈھلان کی طرف موڑ سکتی ہے۔

آج میں تم کو دوسرے پڑاؤ کا منتر بتا رہا ہوں اس منتر کا بھی کوئی بیر نہیں ہے اس لیے تم خود ہی اس کے بھی

بیر ہو تمہارے درمیان اور ان آسمان سے باتیں کرتے پہاڑوں کے درمیان کوئی نہیں ہے تم ان پر نظر رکھ کر صرف ان کا خیال دل میں قائم کر کے اس منتر کو پڑھو گے۔

اس منتر کی بھی مدت مقرر نہیں ہے جب اس کی مدت پوری ہو گی تو تم کو خود بخود پتہ چل جائے گا زمین کے سینے پر یہ بھاری پہاڑ بلاوجہ نہیں ہیں ان کو اس جگہ کسی ضرورت کے تحت ہی رکھا گیا ہے زمین پر جس چیز کی ضرورت جہاں پر ہے اس کو وہیں رکھا گیا ہے ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اس راز کو سمجھ سکیں کہ کون سی ضرورت کے تحت ان کو رکھا گیا ہے۔ سب راز انسان نہیں سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے تجھ کو جتنا کہا جا رہا ہے تو اس قدر ہی سمجھ بہت مقامات پر انسان کی عقل بھی محدود کر دی گئی ہے۔

گرو نے کچھ آسمان سے کچھ کلمات مجھے بتائے اور رات بھر میرے ساتھ رہ کر ان کو یاد کرایا اور سنتے رہے صبح تک میں ان کو زبانی یاد کر چکا تھا۔

صبح گرو چلے گئے اور میں آسن جما کر بیٹھ گیا اور نظریں پہاڑ کی چوٹیوں پر رکھی اور اعتماد سے گرو کا بتایا منتر پڑھنے لگا۔ پھر میں وقت کے احساس سے بے گانا ہو گیا مجھے پتہ نہیں کہ موسم کب بدلے برف کب پڑی بارش کب ہوئی۔ ہر احساس سے میں مبرا ہو گیا کبھی کبھی مجھے لگتا جیسے پہاڑوں کی چوٹیاں میرے نزدیک آ رہی ہیں اور پھر دور ہو رہی ہیں کبھی میں خود کو ان کے قریب جاتا محسوس کرتا یہ دوری نزدیکی کا کھیل کتنے عرصہ ہوتا رہا مجھے اس کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ سرخ پتھر کے پہاڑ مجھے کبھی سفید نظر آتے کبھی کالے ہو جاتے کبھی ان پر سبزہ نظر آتا کبھی ایک گھانس کا تنکا بھی نظر نہ آتا کیا انوکھا کھیل تھا ایک ہی چیز اپنا چہرہ بدل رہی تھی مگر میرا یقین مجھے کہہ رہا تھا کہ میں درست سمت میں جا رہا ہوں۔ کتنی دفعہ میں کھانے کی ہانڈی کی طرف گیا مجھے یاد نہیں۔ کتنی رتیں بدلیں مجھے پتہ نہیں میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں دنیا کے کس مقام پر ہوں جہاں آدمی تو آدمی کوئی جانور بھی نہیں ہے یہ کیسے پہاڑ ہیں دنیا میں کیسے کیسے مقامات ہیں جہاں انسانی قدم اب تک نہیں پہنچے میں شاید کسی ایسے ہی مقام پر ہوں گرو نے ضرور کوئی ایسا مقام تلاش کر لیا ہے جو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔

میرا ورد جاری رہا پہاڑ میرے ساتھ آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتے رہے اور پھر میں نے اچانک محسوس کیا کہ میں سب سے اونچی چوٹی پر بیٹھا ہوں۔ پہلے والی ٹیکری بہت نیچے تھی۔ اس چوٹی پر بھی میرا کام جاری رہا۔

کئی دفعہ چوٹی مجھے ہلتی محسوس ہوئی کئی دفعہ مجھے لگا جیسے میں کسی اڑن کھٹولے پر بیٹھا ہوا اڑا جا رہا ہوں میرا ارتکاز نے پھر بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا میری زبان منتر پڑھتی رہی اور پھر میں اپنے اصلی مقام یعنی ٹیکری پر آ گیا اب مجھے یقین ہونے لگا کہ شاید میں کامیاب ہو گیا ہوں مگر پھر بھی اپنا کام جاری رکھا۔ میں کامیابی سے یقین کی منزل پر آ گیا اور میرے سامنے استاد کا مسکراتا خوشی سے دمکتا چہرہ آ گیا۔

''تو بہت ہوشیار ہو گیا ہے ایک سو ایک فیصد یقین کرتا ہے۔ تو نے پانچ سال اپنی مرضی سے زیادہ لگائے تو پانچ سال پہلے ہی کامیابی پا چکا تھا اب اس پہاڑ کا ہر ذرہ تیرے حکم پر حرکت کرے گا تو گرو نے سب سے اونچے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔'' میری زندگی کا خواب پورا ہو رہا ہے ایک سورج ڈوب رہا ہے مگر دوسرا سورج نکل رہا ہے میں نے جو فن کمایا تھا اس کا تو پھل ہے اب تو ان پہاڑوں سے ہم کلام ہونے کی تیاری کر، میں تجھے جانتا ہوں تجھے اندر تک دیکھ سکتا ہوں مگر کیا کروں میرے پاس وقت کم ہے اور تیرے پاس وقت بہت ہے مگر میں تجھے مکمل دیکھنا چاہتا ہوں اس لیے تیرے پڑاؤ کا سبق کچھ پہلے شروع کر رہا ہوں مگر تو فکر نہ کر میں تیرے اندر کی ہر کمی کو تیری غذا سے پورا کر دوں گا۔''

تیرے چاروں طرف جو پہاڑ اور ویرانی بظاہر نظر آ رہی ہے یہ سب تجھے دیکھ رہے ہیں محو حیرت ہیں یہ انسانی طاقت اور یقین کے غلام ہیں یہ سب بے چین ہیں سب تجھے اپنا آقا تسلیم کر چکے ہیں تیرے اشارے کے منتظر ہیں

مگر تیرے پاس تیرے علم کے آزمائش کا ابھی وقت نہیں ہے ابھی تجھے اپنا آخری پڑاؤ پار کرنا ہے تو تیار ہے۔'' گرو نے پوچھا۔

''جی گرو......! پوری طرح تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

گرو نے پھر کچھ کلمات مجھے یاد کرائے اور میں ان کا ورد کرنے لگا گرو سنتے رہے اور تین راتیں گزر گئیں پھر گرو بولے۔ ''اب میرا کام یہاں نہیں تمہارے اور ان فلک بوس پہاڑوں کے درمیان کسی کو نہیں رہنا چاہیے یہ راز ہے جو صرف تمہارے اور ان کے درمیان رہے گا۔'' اور گرو چلے گئے۔

میں منتر پڑھتا رہا موسم آتے رہے جاتے رہے مجھ پر کسی موسم کا اثر نہیں تھا میں اپنا کام کرتا رہا میرے دماغ کے تاریک گوشے بتدریج روشن ہو رہے تھے۔ پہاڑوں کے اندر تک میری نظریں جا رہی تھیں۔ پردے چاک ہو رہے تھے تاریکی دور ہٹ رہی تھی اور روشنی ہوتی جا رہی تھی ذہن کی دیواروں میں شگاف ہو رہے تھے ان شگافوں سے کچھ آنکھیں مجھے تک رہی تھیں ان آنکھوں میں حیرت ہے تجسس ہے ایک انوکھی کہانی ان کے سامنے آ رہی تھی ایک انہونی ہو رہی تھی پتھر سے ہم کلامی کا شرف کسی خاکی آدمی کو ملنے والا تھا چاند بڑھتا رہا گھٹتا بہاریں آئیں اور بے آواز گزر گئیں وہ آنکھیں میرے اور قریب آ گئیں۔

اب ان آنکھوں میں مجھے نفرت اور غصہ نظر نہیں آ رہا ان آنکھوں کا رویہ دوستانہ لگتا تھا وہ کبھی دور اور کبھی بہت قریب آ جاتی تھیں اب میرے کانوں میں کچھ آوازیں بھی آ رہی تھیں ایسی آوازیں میں نے زندگی میں کبھی نہیں سنی تھیں یہ کون سا ساز تھا جس کی آواز نہ ڈھول لگتی تھی نہ سنکھ سے ملتی نہ اس کو مبد کہا جا سکتا تھا پھر ان آوازوں کے ساتھ کچھ اور آوازیں آنے لگیں بڑی بھاری جیسے کوئی بادل گرج رہا ہو بہت باریک جیسے کوئی منار کے سب سے باریک تار کو حرکت دے رہا ہو یہ آوازیں کتنے عرصہ آتی رہیں مجھے اندازہ نہیں میں ان آوازوں کو سن رہا تھا مگر یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ یہ آوازیں مجھے مخاطب کر رہی ہیں۔

اور پھر اچانک میرے احساسات جاگ گئے مجھے ان آوازوں میں کچھ نظر آنے لگے۔ کسی نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ ''تو کون ہے تو نے کیوں ہمیں پکارا ہے تجھے ہماری ضرورت کیوں پیش آ گئی......؟''

میں نے دل میں جواب دیا۔ ''میرے دوستو! میں اس زمین کا وہ ہوں جس کے سامنے زمین کی ہر طاقت سر جھکاتی ہے تم ہزاروں سال سے ہو تم کو کسی نے مخاطب نہیں کیا ہے تم زمین کے اوپر کھڑے ہو تم کو کسی نے اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا کسی نے تم کو حکم نہیں دیا کسی کے کہنے پر تم نے حرکت نہیں کی مگر تم دیکھ لو کہ میں تم سے ہم کلام ہوں تم کو میں نے فتح کر لیا ہے، تم میرے کہنے پر چلنے کو تیار ہو ہمارا تمہارا سفر دوستی کا ہے میں نے فتح کر لیا ہے مگر پھر بھی ہم تم دوست ہیں میں تم سا بن سکتا ہوں اور تم میرے حکم پر اپنا مقام بدل سکتے ہو میں جانتا ہوں کہ تمہاری وہی جگہ اصلی اور ضروری ہے جہاں پر تم ہو مگر کچھ وقت کے لیے میرا ساتھ دینا ہوگا اگر ضروری ہوا تو......'' میں نے اپنا حکم سنا دیا۔

بادلوں کے گرجنے سے زیادہ تیز آوازیں آئیں اور پھر میں نے سنا یہ آواز سب سے تیز تھی۔

مگر لرز رہی تھی جیسے کوئی سخت سردی میں بول رہا ہو۔

''میں اس علاقے کا سب سے بڑا سب سے عظیم اونچا پہاڑ ہوں۔ مجھے دیکھ کر انسان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے مجھے سر کرنے والے میری گہرائیوں اور اونچائیوں میں دفن ہو جاتے ہیں میں دنیا کی خطرناک سر زمین پر واقع ہوں میری دوسری طرف جو ہیں وہ دوسری طرف نہیں آتے اور نہ ہی اوپر آتے ہیں آج صدیوں کے بعد تو نے مجھے جگا دیا ہے تو کون ہے مجھے بتا......؟''

آواز بند ہوگئی گڑگڑاہٹ آہستہ ہوتی رہی۔

''میں انسان ہوں میں تجھ سے برتر ہوں میں نے

تجھے جگایا ہے اس لیے جگایا ہے کہ جب مجھے تیری ضرورت ہوگی میں تجھے بلاؤں گا تجھے آنا ہوگا۔ تیری رعایا کو میرا ساتھ دینا ہوگا بول منظور ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''مجھے فطرت نے زمین میں پابند کر دیا ہے میرا اس مقام پر قیام ضروری ہے۔ تم نے اگر مجھے ہلانے کی کوشش کی تو یہ میرے پیدا کرنے کے حکم کے خلاف ہوگا اور اس سے نظام قدرت کے کام میں مداخلت ہوگی۔'' بھاری آواز میرے کان میں آئی۔

''میں جانتا ہوں میں تجھے کوئی حکم ایسا نہیں دوں گا تو صرف میرا حکم ماننے کا وعدہ کر۔'' میں نے کہا۔

''تو نے یقین کے بھاری وزن کے نیچے مجھے دبا رکھا ہے میں انکار تو کر ہی نہیں سکتا مگر ایسا کام نہ بتانا جس سے تو فطرت کے قانون کو توڑنے کا مجرم بن جائے اگر تو نے ایسا کیا تو نہ تو رہے گا نہ میں رہوں گا۔'' آواز آئی۔

''مجھے زیادہ سبق نہ پڑھا میں تیرا غلام نہیں ہوں مگر تیری معقول بات ضرور مانوں گا یہ میری عادت ہے مگر سبق صرف میں گرو سے پڑھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''شاباش تو دنیا کا عظیم آدمی ہے۔ تو نے وہ کر دکھایا جو کوئی نہیں کر سکا۔ ان پتھر کے پہاڑوں سے ہم کلامی بہت بڑی بات ہے تیرے اندر یقین کی جتنی دولت ہے شاید کسی اور میں نہیں میں تجھے مبارک باد کہتا ہوں۔'' گرو میرے سامنے کھڑے تھے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں ہوں گرو یہ صرف آپ کی عنایت ہے آپ نے مجھ پر نظر نہ کی ہوتی تو میں کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تو نے بہت مشکل کام کو بہت آسانی سے کیا اور زیادہ وقت بھی نہیں لیا۔ تو میرے بارے میں کیا جانتا ہے کچھ نہیں جانتا میں نے اس منزل تک آنے میں ساڑھے تین سو سال لگائے تھے بڑے گرو نے مجھے ایک دم اتنا نہیں چلایا تھا میں نے جن کے لیے یہ علم وفن سیکھا تھا ان کو وقت نے کھا لیا تیرے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ میرے گرو کے ساتھ بھی یہی ہوا میں مکمل ہوا تو گرو کی ضرورت نہ رہی تو تیار ہوگا مکمل ہوگیا تو میری ضرورت نہیں رہے گی اِس دھرتی پر صرف ایک کی ضرورت ہے تو نے اب تک جو کھایا ہے وہ ہزاروں سال کے لیے کافی ہے مگر ساتھ ساتھ تیرے رویے پر بھی ہے کہ تجھے کب تک رکھا جائے گا۔

تیری دو منزلیں پوری ہوگئیں آخری منزل ابھی دور ہے وہ ہے حیوان مگر ابھی تیرے پاس وقت ہے تو دنیا میں جا سکتا ہے جب تیرا وقت سفر کا آئے گا میں طلب کر لوں گا۔''

میں ٹیکری پر کھڑا ہوگیا اور واپسی کا ارادہ کیا۔ میرے سامنے صاف راستہ تھا ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے ایک سڑک بنا دی ہو یہ سڑک پہلے تو نہیں تھی ٹیکری پہلے میری کب غلام تھی اب پہاڑوں کو میری عزت کرنی تھی میں اس سڑک پر زمین کی طرف چلا میرے چاروں طرف ٹھنڈی ہوائیں تھیں۔

سورج پوری طرح روشن تھا پہاڑ کے سرخ پتھر دھوپ کی تمازت سے کالے ہو رہے تھے۔ یہاں پر ضرور سخت گرمی ہوتی ہوگی میں نے سوچا مگر مجھے جو ہوا لگ رہی تھی وہ گرم نہیں تھی زمین پر پڑے پتھر میرے راہ میں نہیں تھے ان پتھروں کے ذرات بھی مجھے نہیں لگ رہے تھے۔

میں ٹیکری سے اتر آیا اور کھڑے ہو کر بولا۔

''اچھا دوستو! میں جا رہا ہوں مجھے یاد رکھنا۔'' اس کے بعد میں نے گرو کو یاد کیا۔

گرو نے کہا۔ ''تیرے دل میں پہلا خیال یہ آیا ہوگا کہ تو کہاں پر ہے......؟''

''یہ جگہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور ہے ان پہاڑوں کے اوپر اور ان کے نزدیک کوئی انسان نہیں آیا ان پہاڑوں کے چاروں طرف دنیا کا خطرناک ترین جنگل واقع ہے اور اس قدر خطرناک جگہ ہے کہ کوئی اِدھر آنے کا تصور بھی نہیں کرتا یہ افریقہ کا اندرونی علاقہ ہے یہاں پر زندگی بہت مشکل ہے تو جس مقام پر ہے یہ جگہ ان تمام خطرناک جگہوں سے بھی دور ہے مگر تیرے لیے

اب فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تو تصور کرے گا اور وہیں پر پہنچ جائے گا۔ تو نے فاصلے اور وقت کی حدود کو پار کر لیا آہستہ آہستہ تجھے اپنی ہستی کا ادراک ہوگا۔'' گرو نے صرف اتنا بتایا اور چلے گئے میں نے بنارس کا تصور کیا اور میں بنارس میں تھا۔ میرے سامنے وہی گلیاں اور مندروں کے عکس تھے دریا کا پانی بہہ رہا تھا اور اس میں عورت مرد نہا رہے تھے مندروں سے گھنٹیوں کی آواز آ رہی تھی۔

اس شہر میں میرے لیے صرف یادوں کی بارش تھی بڑی سخت اذیت ناک یادیں۔ اس شہر نے میرے باپ کو ڈس لیا تھا اسی شہر نے میری ماں گم کر دی تھی اس لیے میں زیادہ یہاں نہیں رکا اور کسی سے بھی نہیں ملا اور بنگلور کی طرف روانہ ہوا وہاں سے میں نے بھوانی پور کا رخ کر لیا میں اس آموں کے باغ کے پاس کھڑا تھا جہاں پر میرا اگایا ہوا ایک پودا تھا، میں اس سے ملاقات کرنے آیا تھا، میں باغ کے باہر تھا مگر میرا دماغی ریڈیو باغ کے اندر کی آوازیں پکڑ رہا تھا۔

میری آمد پر سارے درخت کورس کے انداز میں میرے گیت گا رہے تھے ان کے بول نہ جانے کون سی زبان کے تھے مگر میری سمجھ میں آ رہے تھے ان میں سب سے نمایاں آواز اسی آم کی تھی جس کو میں نے صحرا میں پیدا کیا تھا سارے درخت میری بڑائی کے گیت گا رہے تھے میں باغ کے اندر چلا گیا۔ باغ کے مالی نے مجھے دیکھا تو وہ دوڑ کر میرے پاس آ گیا اور بولا۔ ''آؤ سادھو مہاراج! میرے پتا نے بتایا تھا کہ آپ کسی نہ کسی دن ضرور آؤ گے میں روز آپ کا انتظار کرتا تھا اب تو بوڑھا ہو رہا ہوں۔

آپ کے درشن ہو گئے، میری تمنا پوری ہوگئی، مجھے پتہ ہے کہ آپ وہی ہو جس کا مجھے میرے سورگباشی پتا نے بتایا تھا۔''

''تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''مہاراج منش کا دل جہاں جم جائے وہی سچ ہے میرا من کہتا ہے آپ وہی ہو۔'' مالی بولا۔

''تیرا من سچا ہے، میں پہلے بھی آیا تھا، تیرے پتا نے ٹھیک کہا تھا۔'' میں بولا۔

''میرے سورگباشی پتا کی ایک بہت بڑی خواہش تھی۔ مہاراج......!'' مالی بولا۔

''بتا کیا خواہش تھی؟'' میں نے پوچھا۔

میرا دادا سورگباشی اور شاید اس کا دادا بھی اس باغ کی رکھوالی کرتے آئے ہیں۔ ہماری پیڑیاں گزر گئیں مگر ہم نے ذرا ترقی نہیں کی میرے باپ نے بہت چاہا کہ میں اس گاؤں سے نکل جاؤں اس شہر سے چلا جاؤں مگر نہ وہ کامیاب ہوا نہ میں اس مالی گیری کی غلامی سے بچ سکا۔!!'' مالی بولا۔

''تم نے اور تمہارے باپ نے ایسی کوشش بلاوجہ تو نہیں کی ہوگی۔'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خواہ مخواہ خود کو جوکھم میں ڈالتا ہے۔ مگر غلامی کی زنجیریں بھی کون پسند کرتا ہے۔ میرا باپ مالی گیری کرتا رہا اور ماں زمیندار کے گھرانے کی چاکری کرتے کرتے مرگئی۔ زمیندار ٹھاکر پردیپ سے پہلے اس کا باپ زمیندار تھا اس کا جو چلن تھا وہی چلن ٹھاکر پردیپ کا ہے اور سب ٹھاکروں کا ایک ہی ڈھب رہا ہے وہ انسان کو زندہ تو رکھتے ہیں ان کو کھانے کو بھی دیتے ہیں مگر صرف اتنا کہ وہ زندہ رہے اس کی سوچ پر سخت پہرے بٹھا کر رکھتے ہیں اس گاؤں اور اس کے اطراف کی زمینیں سب ان کی ہیں وہ ہمارے مالک ہیں ہماری تقدیروں کے مالک بھی ہیں ان کی اجازت کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔'' مالی نے جواب دیا۔

''پورا گاؤں اس طرح ہے کہ صرف تم پر یہ پابندیاں ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ٹھاکر بڑی ذات ہے بھگوان نے ان کو بڑا بنایا ہے۔ ہم سب کم تر ذات کے لوگ ان کی رعایا ہیں۔ وہ جو کریں وہ ہم کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مگر میرے باپ کے دماغ میں یہ خیال ضرور آیا تھا کہ یہ ظلم ہے ہم کیوں ذلیل ہو رہے ہیں ہماری بہو بیٹیاں کیا صرف اس لیے ہیں کہ وہ جوان ہو کر ان کی حویلیوں میں ان کی چاکری

کریں اور ہم ان کے باغوں اور زمینوں پر خون کے آخری قطرے تک خرچ کر دیں۔
نہ جانے یہ دنیا میں کب سے ہو رہا ہے بھگوان تو ظلم نہیں کرتا کیا ہم اس کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہیں کیا صرف برہمن اور ٹھاکر کو اس نے پیدا کیا ہے تو پھر ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے۔'' مالی نے دردناک انداز میں کہا۔
''تم نے یا تمہارے کسی بڑے نے یہ باتیں زمیندار سے کہیں کبھی۔'' میں نے پوچھا۔
''اگر کہیں ہوتیں تو میں آپ کے سامنے نہ ہوتا، ٹھاکر پردیپ کے سامنے ہمارا سب سے بڑا پاپ یہ ہے کہ ہم خود کو انسان نہ سمجھیں ہم تو اس کے نزدیک بیل ہیں گدھے ہیں جس کی زبان نہیں ہوتی اگر بیل ہم سے یہ کہہ دے کہ تو نے وزن زیادہ لاد دیا ہے کم کر دے تو ہم کیسے حیران ہوں گے۔ یہی بات زمیندار کے نزدیک ہمارے بارے میں ہے۔'' مالی بولا۔
''اس کا مطلب ہوا اب تک اس کو کسی نے یہ احساس ہی نہیں کرایا کہ تم لوگ بھی انسان ہو تمہارے بھی احساسات ہیں تم بھی سوچتے ہو تم پر بھی دکھ پریشانی آتی ہے۔ اب تم یہ بتاؤ تم چاہتے کیا ہو......'' میں نے پوچھا۔
''آزادی، سینکڑوں سال کی پڑی بیڑیاں اتارنا چاہتے ہیں۔ میرے پتا نے بتایا تھا ان بیڑیوں کو کوئی مہاپرش ہی کاٹ سکتا ہے اس کی زندگی میں تم آئے تو مگر وہ تم سے کچھ کہہ نہ سکا آج میرے نصیب جاگے ہیں میرے کیا اس بدنصیب گاؤں کے لوگوں کے نصیب جاگے ہیں کہ آپ پھر سے اس گاؤں میں پدھارے ہیں اور اس گاؤں کے ہزاروں سال سے ظلم کی چکی میں پسے کمزور لوگ آپ کو کچھ دے تو نہیں سکیں گے مگر وہ اور ان کی آنے والی پیڑیاں آپ کو ضرور یاد کریں گی۔'' مالی کی آواز میں درد تھا۔
''تم نے اپنا کیس مجھے بتا دیا اب میں تیرے زمیندار سے ملاقات کرلوں گا۔ میرے بارے میں تو کسی کو نہیں بتائے گا۔ تجھے انتظار کرنا ہوگا۔ ہر کام اپنے وقت پر ہو تو اچھا ہوتا ہے۔
تو اب جا اپنا کام کر میں اسی باغ میں ہوں مگر تو میری ذرا چنتا مت کرنا۔ تو یہ سمجھ لے کہ میں ہوں ہی نہیں۔ میں بھی ایک انسان ہوں میری بھی کچھ حدیں ہیں میں بھی تمہاری طرح بشر ہی ہوں۔ مافوق البشر نہیں ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارے راستے کے سارے کانٹے چن لوں گا۔ مگر کوشش ضرور کروں گا۔'' میں نے کہا۔
''مہاراج ہماری گھٹنائیاں دور ہوں نہ ہوں اب مجھے اس کی فکر نہیں ہے مگر ایک خوشی تو مجھے مل گئی وہ یہ کہ میں نے اپنے پرکھوں کا سندیسہ کسی مہاپرش تک پہنچا دیا۔'' مالی بولا۔
''تو نے اپنا فرض ادا کر دیا اور مجھ پر قرض چڑھا دیا میں تیرے قرض کو اتار پاؤں گا کہ نہیں پتہ نہیں، مگر میں نے کہہ دیا ہے کہ کوشش ضرور کروں گا...... تیری شردھا نے تیرا بوجھ مجھ پر ڈال دیا ہے۔'' میں نے کہا۔
میں نے اشارہ کیا مالی چلا گیا میں درخت کے پاس چلا گیا جو بہت زیادہ جھوم رہا تھا۔
''تیرا پھل سنا ہے بڑا اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔
''میری یہ حسرت ہی رہی کہ آپ کو میں اپنا پھل پیش کروں۔'' درخت بولا۔
''انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی جبکہ انسان کے پیر ہیں ہاتھ ہیں اور سب کا سردار دماغ ہے اس کے باوجود وہ مجبور ہو جاتا ہے کہیں پر اس کے اپنے اس کو مجبور کر دیتے ہیں باندھ دیتے ہیں اور کہیں پر غیر اس پر پابندیاں عائد کر دیتے ہیں کہیں حالات اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔ تو، تو پھر ایک درخت ہے تیری تو نقل و حرکت بھی نہیں ہے تیری دنیا محدود ہے اگر تیرے دل میں کوئی حسرت پل رہی ہے تو سمجھ لے وہ پوری نہیں ہوگی تو کبھی کوئی حسرت کبھی اپنے اندر نہ رکھنا تیرا کام پھل پیدا کرنا ہے۔''
''میں نے اس کے نیچے ہی ڈیرہ لگا دیا اور گرو کے بتائے پچھلے سبق یاد کرنے لگا۔ میں اس درخت کے نیچے تھا

مگر مالی نے میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ موسم بدلنے لگا آموں پر بور آگیا۔ اور کیریاں پیدا ہو گئیں وقت اور آگے چلا اور پھل پکنے لگے اور میرے میزبان درخت نے مجھے بہت بڑھیا اور شیریں آموں کا تحفہ دیا۔ میں نے کہا۔ "تیری خواہش پوری ہو گئی۔"

درخت بولا۔ "ہاں اب اگر مالی میری کمر پر آرا بھی چلائے تو مجھے دکھ نہیں ہو گا۔"

"تیری کمر اتنی کمزور نہیں کہ کوئی آرا اس کو کاٹ سکے۔" میں نے کہا۔

"مجھے اس کا اندازہ تو ہے میں نے ایک بات کہی تھی۔" درخت بولا۔

"اب میں جاؤں گا۔" میں نے زمینداری حویلی کا تصور کیا رات کا آخری پہر تھا۔ میں حویلی کے سامنے کھڑا تھا دروازے پر ایک لٹھ لئے بڑی سی پگڑی باندھے ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو میرے قریب آگیا اور حیرت سے بولا۔ "ارے سادھو تو کیسے آگیا ادھر۔۔۔؟"

تو یہ بتا تیرا زمیندار اندر ہے۔؟ میں نے پوچھا۔

رات کے اس آخری پہر میں وہ کہاں جائے گا؟ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ بولا۔

"مجھے اس سے ملاقات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے کیا بات کرتے ہو سادھو، کیا بھنگ پی کر آئے ہو اس وقت کوئی ملاقات کرتا ہے جاؤ سویرے آجانا میری ہمت نہیں کہ اندر جاؤں۔" پہرہ دار بولا۔

"تجھے جانا تو ابھی پڑے گا، نہیں جائے گا تو، تو بھی پھنس جائے گا۔" میں نے کہا۔

"سادھوں مہاراج مجھ غریب پر دیا کرو میں نوکر آدمی ہوں اس وقت گیا تو پھاڑ کھائیں گے وہ مجھے۔" وہ بولا۔

"تجھے کچھ نہیں ہو گا۔" میں نے کہا۔

"کیسے نہیں ہو گا مہاراج میں تو روز ہی زمیندار کا غصہ دیکھوں ہوں۔" پہرہ دار ڈر کر بولا۔

"تو نہیں جائے گا تو میں خود چلا جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں تو پھر بھی مارا جاؤں گا۔" وہ بولا۔

"تو پھر جا۔۔۔۔۔۔۔۔۔" میں نے کہا۔

پہرہ دار نے گردن ہلائی اور اندر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد بھاگتا ہوا باہر آگیا اس کی سانس پھول رہی تھی اس کے دو منٹ کے بعد ہی ایک بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی صرف دھوتی میں دروازے سے باہر آگیا اور بڑی گرجدار اور غصہ بھری آواز میں بولا۔

"کون ہے رے تو جو اتنی رات گئے آمرا اور حکم بھی چلائے ہے۔"

میں نے بڑی ٹھنڈی آواز سے کہا۔ "تیرا نام ٹھاکر پردیپ ہے؟"

"ہاں ہم ہی ٹھاکر پردیپ ہیں، بول کیا بات ہے۔" وہ بولا۔

"ٹھاکر تیرا وقت ختم ہوا تیرے پرکھوں نے اور تو نے بہت کھایا پیا، بہت عیش کر لئے اب تو چلا جا تیرا راستہ کوئی نہیں روکے گا اور اگر نہیں جائے گا تو سارا کھایا پیا یہیں پر رہ جائے گا۔" میں نے کہا۔

میری بات سن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا میں نے صاف کھلے الفاظ میں سب کچھ کہا تھا۔ اس پر تو صدیوں کا غرور اور طاقت کا نشہ سوار تھا آپے سے تو باہر اس کو ہوتا ہی تھا۔

"ارے اوے سادھو تیرے جیسے نہ جانے کتنے آتے ہیں ہوش میں ہیں ہے شاید تیرا نشہ ایک منٹ میں اتاردوں گا جا بھاگ جا بلاوجہ مارا جائے گا لوگ کہیں گے سادھو کو مار دیا۔۔۔ آگیا منہ اٹھا کر۔" ٹھاکر بولا۔

"نشے میں، میں نہیں ہوں تو ہے تجھ پر دولت اور زمینداری کا نشہ ہے زمینوں کا نشہ ہے طاقت کا نشہ ہے۔" میں جواب دیا۔

"اچھا اب جا سویرے آنا تیرا نشہ میں ہرن کردوں گا۔" ٹھاکر بولا۔

"تیری یہ حویلی صبح تک قائم رہے گی۔" میں نے

پوچھا۔

''کیوں نہیں رہے گی؟'' وہ گرج کر بولا۔

''میں نے دروازے کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ تو گر رہا ہے۔'' میرا یہ کہنا تھا کہ اس کی دیواروں میں چنے پتھر زمین پر گرنے لگے اور بڑا سا دروازہ الگ ہو کر ایک منٹ میں زمین پر گر گیا۔ یہ صرف ایک منٹ میں ہوا۔

ٹھاکر نے دروازہ گرتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ کچھ دیر اس کی آواز بھی نہیں نکلی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو میرے سامنے جھک کر کھڑا ہو گیا، میں نے اس کی جھکی گردن ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھائی اور بولا۔

''وقت آ گیا ہے اور بھول جا کہ تو کیا تھا اور تیرے پرکھے کیا تھے۔ تو اور تیرا پریوار جو کچھ اٹھا کر لے جا سکتا ہے وہ تیرا ہے زیادہ پر پھیلانے کی کوشش مت کرنا میں آموں کے باغ میں ہوں۔ کوئی بات کرنا ہو تو آ جا۔'' میں پلٹ کر باغ کی طرف روانہ ہوا......

ٹھاکر پردیپ اپنی جگہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

''چھوڑ دوں ایسا کیسے ہوگا میرے پرکھوں نے یہ کھیت میرے لیے اور میری آنے والی پیڑیوں کے لیے بنائے ہیں اس زمین کا مالک ہوں، میں کیوں اس کو چھوڑ دوں کتنی آسانی سے سادھو کہہ رہا ہے چلا جا۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گا اس سادھو کا ہی بندوبست کرتا ہوں یہ ضرور کوئی جادوگر ہے ضرور اس کے پاس کچھ شکتی ہے اس کے بھروسے وہ مجھے بھگانا چاہتا ہے ضرور وہ اپنا راج قائم کرنے کو یہ سب کر رہا ہے۔''

اور اس نے ایک فیصلہ کر لیا اس نے گھوڑا تیار کرنے کو پہریدار کو کہا اور خود اندر چلا گیا چند منٹ کے بعد ہی وہ تیار ہو کر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ مہر دلی کی طرف تھا یہ ایک دور گاؤں تھا وہ دوپہر تک چلتا رہا پھر وہ اس گاؤں کی حد میں داخل ہو گیا اس گاؤں کی آبادی بہت کم تھی۔

یہ لوگ دیوتاؤں کے نسبت دیوی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ لوگ جنسی تعلقات، گوشت، مچھلی اور منشیات کے استعمال کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے مگر اس دنیا میں کیا نہیں ہے اس سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز باتیں اسی ہندوستان کی سرزمین پر ہم کو مل جائیں گی۔

ٹھاکر پردیپ نے ایک مکان کے سامنے اپنا گھوڑا کھڑا کر دیا ایک آدمی دوڑ کر اس کے قریب آ گیا اور بولا۔

''پدھارو جی''

ٹھاکر بولا۔ ''گھوڑے کو تازہ کرنے کا پربند کر دے اور دانہ ڈال دے۔''

''بہت بڑھیا ابھی کر دیتا ہوں۔'' وہ آدمی بولا۔

ٹھاکر مکان کے اندر چلا گیا مکان بہت بڑا تھا ایک طرف رہائشی مکانات بنے تھے ان پر ہندو طرز تعمیر کی چھاپ تھی پرنالوں کے منہ پر بھی مورتیاں بنی ہوئی تھیں در دیوار کوئی جگہ ایسی نہ تھی جس پر کوئی مورتی نہ ہو ان میں سرخ اور پیلا رنگ کثرت سے استعمال ہوا تھا۔ رہائشی علاقے کے سامنے کھلا میدان تھا اور درمیان میں ایک مندر بنا ہوا تھا اس مندر کی چھت چار ستونوں پر ٹکی ہوئی تھی کسی طرف کوئی دیوار نہیں تھی فرش پر بھی پیلا اور سرخ رنگ نمایاں تھا فرش پر ایک ڈیڑھ منٹ چبوترا اور اس چبوترے پر ایک دیوی کی مورتی کھڑی تھی یہی ادمار دیوی تھی۔

اس وقت اس مورتی کے قریب کوئی نہیں تھا۔ دھوپ میں سب کچھ صاف نظر آ رہا تھا۔

مندر کے فرش پر پڑے گیندے کے پھول مرجھا رہے تھے۔

ٹھاکر نے ایک دروازے پر دستک دی کچھ دیر میں دروازہ کھل گیا ایک آدمی باہر آیا اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے کس سے ملنا ہے......؟''

''تیاگی مہاراج کے درشن کو آیا ہوں۔'' ٹھاکر نے جواب دیا۔

''مشکل ہے وہ ہون کر رہے ہیں تم کو پتہ ہوگا ہون کا کچھ وقت تو ہوتا نہیں تم کب تک انتظار کرو گے اس لیے پھر کبھی آ جانا۔'' وہ بولا۔

''میرے پاس وقت بہت کم ہے ملاقات کرنا ضروری ہے۔'' ٹھاکر بولا۔

''ہماری تپسیا کا یہ طریقہ ہے کہ اس کو ادھورا نہیں چھوڑا جاتا اگر چھوڑا تو ماں دیوی کا قہر برداشت کرنا پڑتا ہے تم کیا ہم سب کو کٹھنائیوں میں ڈالنا چاہتے ہو۔'' وہ بولا۔

''نہیں میں ایسا تو نہیں چاہتا مگر کچھ طریقہ بتاؤ تیاگی مہاراج جلدی ہون ختم کر دیں۔'' ٹھاکر بولا۔

''اس کا صرف ایک طریقہ ہے وہ تم کرو گے نہیں۔'' آدمی نے کہا۔

''تم بتاؤ تو......'' ٹھاکر بولا۔

''شام سے دیوی کی پوجا شروع ہوتی ہے پورے گاؤں کی مرد عورتیں آتے ہیں۔ دیوی کے سامنے پوجا کرتے ہیں یہاں پر ہر وہ کام کرتے ہیں جن سے دیوی خوش ہوتی ہے دیوی عورت مرد کے تعلقات سے خوش ہوتی ہے اور شراب پی کر دیوی کو خوش کیا جاتا ہے میں جانتا ہوں ٹھاکر تم میں اور ہم میں بڑا انتر ہے تم ہرگز ایسا نہیں کرو گے۔'' آدمی بولا۔

ٹھاکر کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''مجھے یہ سب کرنا ہوگا تم اس سے میری ضرورت کا اندازہ کر سکتے ہو۔''

''اندازہ ہو رہا ہے تو پھر تم رات تک رکو، اب تم آؤ میرے ساتھ کچھ آرام کر لو اور کچھ اور غور کر لو تم ایسا کرو یہ ہمارا تم پر زور نہیں ہے تم جو کرو گے اپنی مرضی سے کرو گے مرضی سے کرو گے تو دیوی بھی تم پر رحم کرے گی اور تمہارے دل کی بات اس تک پہنچ جائے گی آؤ۔'' اور وہ آدمی ایک کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ ٹھاکر کو ایک صاف کمرے میں چھوڑ کر چلا۔

''کیا میں ٹھیک کر رہا ہوں کیا مجھے اپنے دھرم اور عقیدے کے خلاف کچھ کرنا چاہیے۔'' ٹھاکر سوچتا رہا کبھی اس کا دل کرتا کہ وہ اٹھے اور واپس چلا جائے۔ مگر کبھی اس کی نظروں کے سامنے وہ سادھو کا چہرہ آ جاتا اور دروازہ ایک منٹ میں زمین پر گرنے کا منظر وہ دیکھ لیتا۔

اسی ادھیڑ بن میں شام ہوگئی اور وہی آدمی اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔

''آؤ ٹھاکر، لوگ آنے لگے ہیں تم سوچو گے میں نے تمہاری مہمان داری نہیں کی تو اس کا کارن یہ تھا کہ میں کم ذات ہوں تم شاید میرے ہاتھ کا نہ کھاؤ اس لیے میں چپ رہا ہم خود سے کسی کا دھرم بھرشٹ نہیں کرتے، دیوی ناراض ہوتی ہے ہم اپنی دیوی دیوتاؤں کو کبھی کچھ نہیں کہتے تم تو اپنوں کا مذاق بھی اڑا لیتے ہو مگر ہم نہیں کرتے تم خود دیکھو گے۔'' آدمی بولا۔

ٹھاکر خاموش رہا، جواب تو اس کے پاس تھا مگر اس کی گردن پھندے میں تھی ایسا نہ ہوتا تو وہ آتا ہی کیوں۔

دونوں باہر آ گئے مندر کے اطراف میں گاؤں کے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھ بچھانے کو دریاں اور کھانے کو بھی لائے تھے۔ ایک طرف نیلے ڈرم رکھے تھے ان میں شراب بھری تھی عورتوں کی چولیاں بہت مختصر اور لہنگے بہت بڑے تھے ان سب کے لباسوں کا رنگ پیلا اور سرخ تھا مرد قوی اور عورتیں جوان تھیں کچھ کم عمر نظر آ رہی تھیں اور کچھ مرد بوڑھے بھی موجود تھے مگر سب تھے تندرست سب اپنی جگہوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے رات نو بجے سنکھ کی زوردار آواز آئی اور سب اٹھ کر مندر کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ ایک پجاری نے کچھ کلمات ادا کیے اور پوجا شروع ہو گئی۔ گیندے کے پھول سب کے پاس تھے گیندے کے پھولوں کا ڈھیر بڑھتا گیا سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر آ گئے۔

ایک آدمی ٹھاکر کے پاس کھڑا تھا بولا۔ ''تیرے پاس پوجا کا سامان نہیں ہے اس لیے تو کسی بھی پارٹی کے ساتھ بیٹھ جا یہ کسی کو منع نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں تجھے جو عورت ٹھیک لگے تو اس کے ساتھ بھوگ کر لینا کوئی منع نہیں کرے گا اس عورت کا گھر والا بھی ناراض نہیں ہوگا یہ ہمارا دستور ہے۔

دیوی کے سامنے جو کرے گا وہ پاپ نہیں ہوگا۔ دیوی کی کرپا ہو گئی تو تیاگی مہاراج کا ہون صبح ہی ختم ہو

جائے گا اور وہ تجھ سے ملاقات کریں گے اور جوان کا ہون ختم نہ ہوا تو تجھے اور راتیں یہاں پر گزارنی ہوں گی یاد رکھ دیوی کی نظر ہر ایک پر ہوتی ہے وہ مندر کے اندر والوں کو خوب دیکھتی ہے ان کے والہانہ پن اور ان کی عقیدت پر نظر رکھتی ہے اس کی نظروں سے کوئی پوشیدہ نہیں رہتا وہ کس پر کرپا کرتی ہے یہ اس کی مرضی پر ہے۔ آ میرے ساتھ کس کے ساتھ رات گزارے گا دیکھ لے۔"

ٹھاکر اس کے ساتھ چل پڑا جگہ جگہ لوگ اپنی اپنی دریوں پر اپنا اپنا سامان سجائے بیٹھے تھے زیادہ نہیں دس بارہ دریاں پڑی تھیں ان پر عورتیں اور مرد بشاش چہرہ لیے موجود تھے عورتیں بنی ٹھنی تھیں مسی سرمہ کاجل ان کی آنکھوں میں تھا اور وہ سب ذہنی طور پر اپنی دیوی کی عبادت کو تیار تھے۔ ٹھاکر ایک دری کے سامنے کھڑا ہو گیا اس دری پر ایک ادھیر عمر مرد اور دو جوان عورتیں موجود تھیں عورتیں مرد کی نسبت زیادہ تندرست اور جوان تھیں، ان کے چہرے آنے والے وقت کے خیال سے تمتمار ہے تھے۔

دیوی کے چرنوں میں گھی کے چراغ جل رہے تھے اور موسیقی کی آواز آرہی تھی طبلے اور جھانجھر کی دھمک سے پورا مندر گونج رہا تھا پروہت جھوم رہے تھے ایک ایک کر کے لوگ آگے بڑھ رہے تھے جاری اشلوک پڑھ رہے تھے لوبان اور دوسری خوشبوؤں کا دھواں دیوی کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا ہر مرد عورت دیوی کے چرنوں میں سجدہ کرتے اور واپس چلے جاتے تھے اور دوسرے کے لیے جگہ خالی کر دیتے تھے ٹھاکر دیوی سے دور کھڑا تھا سب لوگ بڑے سکون سے واپس چلے گئے۔

ایک پجاری اس کے قریب آیا اور بولا۔"خوش ہو جا کہ تجھ پر دیوی نے کرپا کر دی۔ اب تو بھی دیوی کو ڈنڈوت کر لے تیاگی کا ہون ختم ہو گیا، میں تجھے ان کے پاس پہنچا دوں گا۔ ٹھاکر آگے بڑھا اور دیوی کے چرنوں میں ماتھا ٹیک دیا اور پھر اٹھ کر پجاری کے ساتھ چل پڑا۔ تیاگی کا کمرہ زیادہ دور نہ تھا۔ کمرے میں باہر کی نسبت اندھیرا تھا مگر اتنا نہیں کہ کچھ نظر نہ آئے کمرہ بہت بڑا تھا اس کے درمیان میں ایک چوکی پڑی تھی اس چوکی پر ایک پیلے رنگ کا کپڑا پڑا تھا۔ ایک بہت موٹا گاؤ تکیہ ایک طرف رکھا تھا اس کے برابر ترشول رکھا تھا ایک گول لٹیا بھی رکھی تھی اور اس کے منہ پر ایک ڈوری بندھی تھی۔ چوکی پر ایک آدمی بیٹھا تھا جسم سے لاغر تھا چہرے پر تھکن کے آثار تھے اس نے ہاتھ کے اشارے سے ٹھاکر کو بیٹھ جانے کو کہا ٹھاکر چوکی کے ایک سرے پر بیٹھ گیا۔

تیاگی نے پوچھا۔"کیا کارن ہے تیرے آنے کا......؟" تیاگی کی آواز اس کے جسم سے الگ تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ اتنے کمزور جسم سے اتنی توانا رعب دار آواز نکل رہی ہو گی۔

"میں بڑی دبدا میں پڑ گیا ہوں۔ میرا سنگھاسن ڈول رہی ہے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"یہ تو ہوتا آیا ہے کوئی نئی بات تو نہیں ہے، نئی بات کر۔" تیاگی بولا۔

"میرے پرکھوں کی زمینداری کو خطرہ ہے میری رکھشا کریں۔" ٹھاکر نے کہا۔

"دیوی نے تجھ پر رحم کیا ہے بتا کیا ہوا ہے مگر یاد رکھ ہم وہیں تک جائیں گے جہاں تک اس کی ضرورت ہو گی اور اس کا فیصلہ نہ تم کرو گے نہ میں، دیوی اس کا فیصلہ کرے گی تو پوری بات بتا۔"

"ایک سادھو میرے دروازے پر نہ جانے کہاں سے آ گیا اس کے ایک اشارے پر حویلی کا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا۔

اس نے کہا یہ حویلی گر جائے گی تو اور تیرا پریوار اس میں دب کر مر جائے گا۔ اس نے کہا تو اپنے پریوار کو لے کر چلا جا تیرا وقت ختم ہوا سب کو آزاد کر دے بھلا بتاؤ میرے پرکھوں کے زمانے کے باندھے کسان ہاری کیسے چھوڑ دوں وہ کوئی بہت بڑی شکتی کا مالک لگتا ہے اس کے چہرے پر عجیب طرح کا جلال نظر آتا ہے اس سے بات کرنا بہت مشکل ہے وہ گیا نہیں آموں کے باغ میں چلا گیا ہے۔" ٹھاکر نے بتایا۔

''میں تیرے ساتھ چلوں گا چنتا نہ کر دیوی کا حکم تو مانا ہوگا۔'' تیا گی بولا۔

''میرا ایک گھوڑا ہے کہو تو ایک کا اور پر بند کر لوں۔'' ٹھاکر بولا۔

''تو گھوڑے پر روانہ ہو جا، میری چنتا نہ کر، میں اپنی سواری پر سفر کرتا ہوں اب تو جا......''

ٹھاکر کھڑا ہو گیا تو وہ پھر بولا۔

''ہاں تو سوچ رہا ہے میں نے تیرا گاؤں تو دیکھا نہیں پھر آؤں گا کس طرح، تو سن تیری خوشبو پر میں آؤں گا اور تو سیدھا آموں کے باغ کی طرف جائے گا میں تجھے وہیں دروازے پر ملوں گا اب جا......''

ٹھاکر نے اپنا گھوڑا لیا اور تیز رفتاری سے واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ بڑی تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ گاؤں کی طرف وہ نہیں گیا آموں کے باغ کی طرف مڑ گیا۔ اس نے دور سے دیکھا مالی کے ساتھ تیا گی بھی کھڑا تھا اس کو ذرا تعجب تو ہوا مگر تیا گی نے یہی کہا تھا۔

تیا گی نے اس کو دیکھا تو بولا۔ ''بڑی دیر کر دی۔''

''ہاں مہاراج آیا تو بہت تیز تھا۔'' ٹھاکر بولا۔

''تیرے مالی نے بتایا ہے وہ سادھو اندر ہے بول تو ابھی فیصلہ کر لوں'' تیا گی بولا۔

''ہاں مہاراج جو کرنا ہے تو پھر دیر کس بات کی۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''آجا میرے ساتھ اور تو اندر مت آنا آئے تو گھاٹے میں رہے گا۔'' تیا گی نے مالی سے کہا۔

مالی دروازے پر رک گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ اندر آتے ہی تیا گی نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''مالی نے ٹھیک کہا تھا وہ باغ میں ہے۔ تلاش کرنا ہوگا۔ پتہ نہیں چل رہا کہ کہاں ہے میں کرتا ہوں بندوبست۔'' وہ زمین پر فوراً بیٹھ گیا اور ترشول زمین پر گاڑ دیا۔

اور پھر چاروں طرف اشارے کرنے لگا جیسے کسی کو ہدایات دے رہا ہو۔ پھر کھڑا ہو گیا اور ترشول زمین سے اکھاڑ لیا اور دو قدم آگے چلا۔

درختوں پر پرندے تک نہیں تھے پورا باغ خالی پڑا تھا شام تک وہ وہیں رہا۔ وہ زور زور سے اپنے بیروں کو ہدایات دیتا رہا مگر سادھو کا پتہ نہ چلا۔

رات ہونے لگی تھی وہ دروازے پر آ گیا اور ٹھاکر سے بولا۔ ''ٹھاکر وہ اندر ضرور ہے یہ میری ودیا یاتی ہے یہاں تک میری ودیا اس پر حاوی ہے مگر وہ کہاں ہے ملتا کیوں نہیں یہاں پر اس کی ودیا مجھ پر بھاری ہے ٹھاکر بات اتنی چھوٹی نہیں ہے لگتا ہے تیرا مقدر تجھ سے روٹھ رہا ہے۔''

''کچھ تو کرنا ہوگا مہاراج میں تو ڈوب جاؤں گا۔'' ٹھاکر بولا۔

''میں کروں گا آدش کروں گا اب تو میرے ساتھ گھر چل۔''

میں دروازے کے قریب ہی ایک درخت کے روپ میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے کئی بیر میرے ارد گرد موجود تھے کئی تو میری شاخوں پر بیٹھے پہرے داری کر رہے تھے تیا گی کے پاس بیروں کی پوری فوج تھی مگر میرا فن اس سے الگ چیز تھا۔ اس کی ودیا جہاں پر پوری ہوتی تھی میری وہیں سے شروع ہوتی تھی اس کے پاس ماورائی جادوٹونے کے ناپاک بیر تھے جو اس کی غلامی میں اس کے وفادار تو تھے مگر اصل میں وہ کسی کے بھی وفادار نہیں تھے میرے علم کا کوئی بیر نہیں تھا میں خود ہی اپنا بیر تھا۔

میں نے ایک انگڑائی لی اور پیڑ کا چولہ بدل کر گول پتھر کے چولے میں تبدیل ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے بیر زمین پر گر پڑے اور ایک طرف کو دوڑ گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے پھر اپنا چولہ بدلا اور اصل شکل میں آ گیا۔ میرے قریب ہی تیا گی کھڑا تھا۔ پہلے تو چونک پڑا اور پھر سکڑ کر میرے قریب آ گیا اور بڑی دھیمی آواز میں بولا۔

''بہت دن کے بعد تجھ سا ملا، بتا تو کون ہے؟''

''میں کون ہوں تجھے بتانے کا پابند نہیں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تیا گی ہوں میں نے چالیس سال دنیا

تیاگ کر پہاڑوں بیابانوں میں جاپ کیے ہیں۔ میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ میں بتاؤں تو کئی پہر گزر جائیں۔ تیری عمر سے زیادہ میں نے برف کے اندر زندگی گزاری ہے اس پورے باغ میں میرے ہزاروں بیر بکھرے پڑے ہیں تو کس کس سے لڑے گا۔'' تیاگی بولا۔

''میں لڑتا کب ہوں میں نے آج تک کسی سے لڑائی نہیں کی تو بڑا شکتی مان ہے تیرا تجربہ بھی بہت ہے مگر یاد رکھ کہ تیری شکتی اور تیرے بیر ابھی بھی ناکام ہیں تیرا کوئی بیر مجھے باغ میں تلاش نہ کر سکا میں خود تیرے سامنے اس لیے آ گیا کہ تجھے بتا دوں کہ تو کہاں غلطی کر رہا ہے؟''

''تجھے یہ تو پتہ ہوگا کہ جو زندہ ہے وہ مرے گا ضرور جو کمزور ہے وہ ایک دن طاقتور ضرور بنے گا۔ وقت مقرر ہے جتنا وقت جس کو ملا ہے وہ پورا کرتا ہے اس کے بعد تبدیلی کا عمل شروع ہو جاتا ہے زمین کے کارخانے میں لوہا تانبہ تپتا ہے اور پھر سونا بن جاتا ہے وہ کب تک سونا رہتا ہے اس کے بارے میں کون جانتا ہے وہ سونا کب مٹی بن جائے گا ٹھاکر کا وقت ختم ہو رہا ہے اس نے ہزاروں سال اس زمین پر حکومت کر لی اب کیا وہ کرتا ہی رہے گا جو طے ہے وہ تو ہوگا اس کو کون روک سکتا ہے تو اپنی شکتی کو سینت کر رکھ کیوں خرچ کرتا ہے اپنی پونجی کو ٹھاکر کا وقت اب ختم ہوا زیادہ ہاتھ پیر چلائے گا تو اور گہرائی میں چلا جائے گا۔'' میں نے فیصلہ سنا دیا۔

''میں اس کے گرد اپنی شکتی کی دیوار بنا دوں گا میری دیوی کا حکم ہے میں وہ کروں گا۔'' تیاگی بولا۔

''تجھ جیسا شکتی رکھنے والا اتنی معمولی بات کر کے کچھ اچھا نہیں لگتا۔'' میں نے کہا۔

''تو اس کو معمولی بات کہتا ہے۔'' تیاگی تیزی سے بولا۔

''میں نے تیری شکتی اور تجھے للکارا ہی نہیں ہے تیری ودیا اپنی جگہ ہے مگر تو ذرا سی غلطی کر رہا ہے تیری شکتی اس دنیا میں صرف آخر نہیں ہے نہ جانے کتنے علم ابھی ایسے ہیں جن کے بارے میں کسی کو پتہ ہی نہیں ہے تو بھی نہیں جانتا اور میں بھی واقف نہیں ہوں۔ ہزاروں قسم کی شکتی موجود ہے تجھے تو پتہ ہونا چاہیے۔ تو اگر صرف بھٹکی آتما، بھوت پریت، بیر اور کالے جادو کو شکتی کہتا ہے تو سن رکھ کہ یہ تیری بھول ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو اس لیے کہہ رہا ہے کہ شاید تیرا واسطہ ابھی پڑا نہیں۔'' وہ بولا۔

''دیکھو تیاگی مہاراج میرا تمہارا جھگڑا نہیں ہے میرا جھگڑا تو ٹھاکر سے بھی نہیں ہے میں نہ تم سے لڑنا چاہتا اور نہ ٹھاکر سے میں نے اس کو کہہ دیا کہ جو وہ ہاتھوں میں اٹھا کر لے جا سکتا ہے اس کا ہے۔ آخر سب ہی اپنی اپنی تقدیر لے کر آتے ہیں جس کی تقدیر میں جو ہوگا اس کو مل جائے گا تم کیوں اس کے ظلم کی داستان کو اور لمبا کرنا چاہتے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''مجھے حکم ہوا ہے سمیا تو مجھے کرنا ہوگی۔'' وہ بولا۔

''تو پھر کر میں منع نہیں کرتا۔'' میں نے کہا۔

تیاگی نے ترشول زمین میں گاڑ دیا یہ اس بات کی علامت تھا کہ وہ کچھ کرنے والا ہے۔ وہ زمین پر ترشول کے گرد کنڈل بنانے کو جھکا تو میں چھوٹا سا پتھر بن گیا یہ ایک لمحے کا کام تھا اس نے پلٹ کر وہاں دیکھا جہاں میں تھا مجھے غائب پا کر اس نے جلدی جلدی کنڈل بنایا اور آسن جما کر بیٹھ گیا۔

میں آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا اس سے دور ہو گیا۔ اس کے بیر پھر میری تلاش میں پھرنے لگے۔

چار راتیں اور دن گزر گئے وہ وہیں پر جما رہا میں وہیں سے اس کو دیکھتا رہا۔ میرے نزدیک کوئی نہیں آیا وہ زور زور سے بیروں کو پکارتا رہا ان پر غصہ کرتا رہا اپنے بال نوچتا رہا کنڈل میں گول چکر کھاتا رہا اس کی ودیا نے کچھ اس کا ساتھ نہیں دیا اور پھر اس نے ترشول زمین سے اکھاڑ لیا اور کنڈل توڑ کر باہر آ گیا اس کے باہر آتے ہی ایک چھوٹا سا پتھر ہوا میں تیرتا ہوا آیا اور اس کے سر میں لگا، یہ اتنا اچانک اور جلدی ہوا کہ اس کی کھوپڑی بھنا گئی۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور ایک ہاتھ سر پر اس جگہ رکھ لیا جہاں پر

پتھر لگا تھا۔ میں اس کے بیٹھتے ہی نمودار ہو گیا۔

"کیا ہوا تیا گی کیا بہت زیادہ لگ گئی ہے......؟"

میں نے پوچھا۔

تیا گی نے قہر آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "وار کر گیا آخر......"

"ارے یہ کوئی وار ہے، وار تو وہ ہوتا کہ کوئی پہاڑ تیرے سر پر گرتا، کسی بچے نے غلیل سے پتھر مار دیا ہوگا۔ تم کہو تم بھی کسی پر اتنا بودا وار کرو گے۔" میں نے پوچھا۔

"میں سمجھ رہا ہوں تو مجھے زچ کر رہا ہے میں غصے میں کچھ الٹی سیدھی کروں اور تو اپنا کام کر جائے۔" وہ بولا۔

"کرنا ہوتا تو اتنا چھوٹا سا پتھر کیوں مارتا۔" میں نے کہا۔

"تو یہ بتا تو کون ہے اور الوپ کہاں ہو جاتا ہے؟ کون سی شکتی ہے تیرے پاس؟" وہ بولا۔

"میرے پاس شکتی کہاں وہ تو تمہارے پاس ہے تم ہی اپنی شکتی کے بل پر یہاں آئے ہو میں نے تو تم سے کہہ دیا تھا کہ تم ٹھاکر کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور جاؤ مگر تم نہ مانے اب پوچھ رہے ہو کہ میں کون ہوں؟

ارے ایسی شکتی کا کیا فائدہ جو تم کو اب تک کچھ نہ بتا سکی میں پھر کہتا ہوں تمہاری عزت اسی میں ہے کہ جاؤ مندر میں اپنی دیوی کی سیوا کرو اور اس سے شکتی پرو پت کرو ایسی بے عزتی سے تو اچھا ہے۔" میں نے نرم شبدوں میں کڑوی بات کر دی۔

"میرے بھاگ میں یہ نہیں تجھ سے پوچھوں گا کیونکہ میری ہر کوشش بے کار جا رہی ہے۔ تیرے بھاگ اونچائی پر ہیں اس لیے بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے پرنتو سدا ایسا نہیں ہوگا۔" تیا گی بولا۔

"اس کا فیصلہ تو سمے کرے گا تو صرف اتنا کر کہ اپنا ترشول لے کر واپس مندر چلا جا۔ ٹھاکر کو اس کے حال پر چھوڑ دے میں نے اس کو جو چھوٹ دی ہے وہ قائم ہے اگر تو نہ گیا تو اس کو خالی ہاتھ جانا ہوگا۔" تیا گی کھڑا ہو گیا اس نے ترشول کاندھے پر اٹھا لیا اور لٹیا کی ڈوری لے کر ہاتھ میں لٹکا لی اور ایک طرف چل دیا۔

اس کے مڑتے ہی میں نے کہا۔

"اپنی فوج کو جا لیتا یہ اب کیا کرے گی بلاوجہ ماری جائے گی۔ بغیر کمانڈر کے فوج بیکار ہوتی ہے۔" میری آواز سن کر وہ پلٹا نہیں اس نے لٹیا میں بھرا پانی زمین پر گرا دیا۔ پانی زمین میں جذب ہو گیا۔ اور زمین کا رنگ پہلے سرخ اور پھر کالا ہو گیا اور اس کی کالی جگہ پر دھواں اٹھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد دھواں اٹھنا بند ہو گیا اور زمین پہلے جیسی ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے جو بیر یہاں پر رکھے تھے ان سب کو اس نے خود ختم کر دیا۔

اس کے جانے کے بعد میں ٹھاکر کی حویلی کی طرف چلا۔ بڑا دروازہ زمین پر اب بھی پڑا تھا میں نے ٹھاکر کو آواز دی تو وہ دوڑتا ہوا ہاتھ باندھ کر میرے قریب کھڑا ہو گیا۔

"وہ چلا گیا جب انسان کی تقدیر اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو اس کا ساتھ کوئی نہیں دیتا تو دیوار پر لکھا پڑھ لے اور سب کچھ ان لوگوں کو سونپ دے ان کو ان کا مال واپس کر دے تیرا جو ہے تو لے جا مگر زمین تیری نہیں اس کو چھوڑ دے تیرے پریوار کو کچھ نہیں کہا جا رہا اب بھی ضد کرے گا تو تیری نسل یہاں پر ختم ہو سکتی ہے اوما دیوی کے تو چکر لگاتا رہے گا اور وہ اسی استھان پر تجھے گوشت کھلاتی رہے گی اس کی بھی ایک حد ہے نہ وہ اس حد کو پار کر سکتی ہے اور نہ تیرا کام کر سکتی ہے اور رہا تیرا وہ تیا گی مہا پرش وہ بھی اپنی آدھی شکتی برباد کر کے اوما کے چرنوں میں چلا گیا۔" میں نے کہا۔

"مجھے کچھ تو وقت دو سادھو مہاراج......"

"تو وقت اس لیے مانگ رہا ہے کہ جو کچھ زمین کے اندر تو نے دبایا ہے وہ نکال لے۔" میں نے پوچھا۔

مگر ٹھاکر خاموش رہا تو میں نے پھر کہا۔ "زمین کے اندر جو ہے وہ زمین کا ہے زمین کے اوپر تیرا ہے آموں کا باغ مالی کا ہے اور زمینیں کسانوں کی ہیں ان پر لگی کاشت بھی کسانوں کی ہے۔ کل شام میں تجھے اس گاؤں

میں نہ دیکھوں آج ہی پنچایت بلا کر اعلان کر دے تیرے پرکھوں نے ان ہی کسانوں کی زمین کو اپنایا تھا تو ان کو واپس کر دے۔'' میں نے کہا۔

''تو میرا سب کچھ ہمیشہ کے لیے مجھ سے چھن گیا۔ قانونی طور پر میں مالک تو رہوں گا۔'' وہ بولا۔

''اگر تو نہ رہا تو پھر تیرا پریوار نہ رہا تو پھر تیرے اندر اب بھی سینکڑوں سال کا نشہ ہے اتار اس نشے کو اور بھول جا سب کچھ تیرے ساتھ بڑی رعایت کی جا رہی ہے۔'' زمیندار نے آسمان کی طرف دیکھا ایک نظر گاؤں پر ڈالی کھیتوں پر ڈالی اور بولا۔ ''ہاں تم نے ٹھیک کہا ہے میرا کچھ نہیں رہا۔''

بنگلور کے بھوانی پور گاؤں میں میرا کام نہیں تھا میں بے ارادہ ایک طرف چل دیا۔ میں ارادہ کرتا تو وہیں پہنچ جاتا مگر میں بے ارادہ ایک کھیت کی پگ ڈنڈی پر چلا جا رہا تھا اس کھیت میں سبزی کاشت کی گئی تھی۔

دور ایک کنویں پر دو بیل اور دو آدمی پانی کھینچ رہے تھے۔ ایک آدمی بیل چلا رہا تھا وہ بیلوں کو ایک گہرائی میں لے جاتا تھا جب بیل ترائی میں جاتے تھے تو پانی کی بھری مشک اوپر آتی تھی جب بیل واپس آنے کو مڑتے تھے اس وقت میں کنویں کی منڈیر پر کھڑا آدمی مشک کے پانی کو نالیوں میں ڈال چکا ہوتا تھا بیل اوپر آتے تھے اور مشک کنویں کے اندر جاتی تھی اور یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا کھیت میں پانی پہنچتا رہتا تھا میں ان چاروں کی محنت مشقت کو دیکھ رہا تھا میں ان کے قریب چلا گیا کنویں کی منڈیر پر کھڑے کسان نے مجھے دیکھ لیا۔

وہ منڈیر سے اترا اور اپنے دوسرے ساتھی کو آواز دے کر بلایا...... ''عیدو ذرا رک جا۔''

دونوں بیل رک گئے اور اس کا دوسرا ساتھی بھی میری طرف بڑھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ دونوں میرے قریب آکر بولے۔ ''آؤ سادھو مہاراج۔''

کنویں کے برابر ہی چھپر سا پڑا تھا وہاں پر سایہ تھا وہ دونوں مجھے اس چھپر کے نیچے لے آئے ایک کھاٹ وہاں پڑی تھی ایک نے جلدی سے ایک دری اس پر ڈال دی اور بولا...... ''بیٹھو مہاراج۔''

میں ان غریب کسانوں کی خدمت سے بڑا متاثر ہوا۔ ایک بولا۔ ''عیدو جلدی سے پانی لے آ۔'' دوسرا باہر دوڑ گیا اور ایک ڈول میں کنویں کا تازہ پانی بھر لایا اور بولا سادھو مہاراج لاؤ میں تمہارے پیر دھلا دوں تھکن اتر جائے گی۔

میں نے اس کے معصوم محنتی چہرے کو دیکھا اور پیر لمبے کر دیے وہ میرے قریب ہی بیٹھ گیا اور میرے پیر دھلانے لگا۔ وہ بڑے پیار سے میرے پیر دھلا رہا تھا اس کو مجھ سے کیا لالچ تھا اپنا کام کا حرج کر کے میری خدمت کر رہا ہے پیر دھلانے کے بعد اس نے ایک موٹی چادر سے پونچھ کر صاف کر دیا اور میں نے خود ہی ہاتھ اور پیر دھو لیے کنویں کے ٹھنڈی پانی نے مجھے واقعی بڑی تازگی دی اتنی دیر میں دوسرا ایک مٹی کی مٹکی میں لسی لے آیا اور ساتھ باجرے کی روٹی اور اس پر آم اور لسوڑھے کا اچار اس نے میرے سامنے یہ سب رکھ دیا اور بولا۔

''سادھو جی اس وقت تو یہی میرے پاس ہے......''

میں اس سادہ سے آدمی کی محبت بھری آواز اور نہایت سادہ سیدھے شبد سیدھے دل کے اندر جھانکنے لگا' انسان کے اندر خلوص ہو تو وہ نظر ضرور آتا ہے۔ اندر خلوص نہ ہو تو اچھے شبد بھی بے اثر ہوتے ہیں' میں نے کچھ نہیں کہا تھا ابھی تک میں نے ان سے اپنی کوئی ضرورت نہیں بتائی تھی مگر وہ خود سے میری ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ تو پھر میں ان کے انسانی خلوص کے اس خالص تحفے کو ٹھکرا نہیں سکا تھا میں باجرے کی روٹی اور اچار کھانے لگا اور اس روٹی اور اچار میں مجھے بڑی لذت ملی اس کے بعد میں نے لسی کا گلاس بھر کر پی لیا۔ اور بولا۔

''تم نے میری خدمت کیا سمجھ کر کی ہے۔''

''یہ تو پتہ نہیں کیا سمجھ کر کی ہے ہم دونوں بھائی سادھو سنتوں کی خدمت ہمیشہ کرتے ہیں ہمارے باپ

نے ہم کو یہی سکھایا ہے۔" ایک بولا۔
"تیرا نام کیا ہے......؟" میں نے پوچھا۔
"میرا نام علیا ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی عیدو ہے۔ دونوں کا یہ کھیت ہے یہی روزی روزگار ہے سویرے مولی گاجر اور سبزی شہر لے جاتے ہیں اور دوپہر بعد کام کرتے ہیں۔" وہ بولا۔
"گزارہ ہو جاتا ہے۔" میں نے پوچھا۔
"ہاں جی ہو جاتا ہے ہم چار جنے ہیں میرا باپ میری جورو اور یہ بھائی۔" علیا بولا۔
"آج تو تیرا کام میری وجہ سے رک گیا تیرا نقصان ہوگا۔" میں نے کہا۔
"نقصان نہیں ہوگا ذرا دیر تک کام کرنا ہوگا بس......" وہ بولا۔
"اچھا اب ہم جاتے ہیں تو کام کر۔" میں نے کہا۔
وہ اٹھ کھڑا ہوا اور میں ایک طرف کو چل دیا۔" میں اس غریب کسان کے لیے کیا کروں۔" میں نے سوچا۔
"اگر کچھ کرتا ہوں تو وہ اس کے خلوص کی قیمت بن جائے گی میں کسی کے خلوص کو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا دنیا میں یہی ایک چیز جس کا کوئی مول نہیں ہے جس کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔" نہ معلوم میں کتنی دیر چلتا رہا میرے سامنے کچھ لوگ آ گئے ایک بولا۔" اوئے سادھو اِدھر سے چلا جا دیکھ نہیں رہا کہ ہم مٹی نکال رہے ہیں۔" میں نے اس کی بے اثر آواز سنی تو پوچھا۔
"مٹی کو کیوں کھود رہے ہو پڑی رہنے دو تمہارا کیا لیتی ہے۔"
"ذرا سامنے دیکھ لے اس مٹی کی اینٹیں بنائی جا رہی ہیں۔" مزدور بولا۔
"تو پھر تم یہ کہو کہ مٹی کو بھٹی میں بھی ڈالو گے اور پھر بازار میں لے جاؤ گے وہاں پر اس کو خریدا جائے گا اور اور بڑی بڑی عمارتیں اس سے بنائی جائیں گی تم نے مٹی کو اتنا اونچا پہنچا دیا۔"
"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو کام کرنے دو ٹھیکدار نے بات کرتے دیکھ لیا تو سو باتیں کرے گا۔" وہ بولا۔ میں نے سوچا مٹی بھی اپنی جگہ پڑی رہے تو اس کو عزت نہیں ملتی عزت اور رتبہ حاصل کرنے کو آگ میں جلنا پڑتا ہے پھاوڑے کی مار کھانا پڑتی ہے پھر جا کے کچھ عزت ملتی ہے۔
میں آگے بڑھ گیا۔ انسان اگر کچھ تجربہ اس دنیا کا لینا چاہتا ہے اس کو انسانوں سے ملنا ہوگا ان کے درمیان رہنا ہوگا یہ دنیا انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں پر علیا اور عیدوں کی کمی نہیں ہے یہاں ٹھاکر پردیپ بھی بہت ہیں میں یہ سوچتا آگے بڑھتا گیا میں کتنی دور چلتا گیا کتنی منزلیں میں نے پیدل طے کیں اس سفر میں بھانت بھانت کے لوگوں سے میرا واسطہ پڑا۔
اب میں ایک مینار کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ ایک عجیب انداز کا بنایا ہوا مینار تھا۔ اس کے بنانے والے نے بڑی عجیب جدت اس میں رکھی تھی بہت اونچا یہ مینار تھا اوپر جانے کی سیڑھیاں بھی تھیں اس مینار کے چاروں طرف بیل کے سینگ کے طرز کے سفید پتھر لگے تھے لگتا تھا چاروں طرف سینگ لگے ہوئے ہیں میں مینار کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور رخ اس چڑھائی کی طرف کر لیا جو اوپر ایک قلعہ نما پہاڑی کی طرف تھی۔ کچھ ہی دور مجھے ایک دروازہ نظر آ گیا اس دروازے کے دونوں طرف پتھر کے بہت بڑے بڑے ہاتھی کھڑے تھے ان دونوں ہاتھیوں کی سونڈھیں ملی ہوئی تھیں اور درمیان میں وہ دروازہ تھا۔ اور وہیں سے چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔
اس دروازے کے بائیں طرف ایک باؤلی بنی ہوئی تھی اس کی سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ نیچے پانی کا کنواں تھا اور میں اس میں پانی بھرا تھا اس مینار کے چاروں طرف کھیت تھے اور ایک کسان اس میں کام کر رہا تھا اس کے دو بیل کھیت کے کنارے ایک کیکر کے درخت کے نیچے کھڑے جگالی کر رہے تھے۔ میں اس کسان کے پاس چلا گیا اور میں نے پوچھا۔" یہ کون سی جگہ ہے بھائی؟"

اس نے تعجب سے میری طرف دیکھا اور میرے بھولے پن پر ذرا سا مسکرایا اور بولا۔

''یہ فتح پور سیکری ہے اور تم ہرن مینار کے سامنے کھڑے ہو وہ سامنے ہاتھی دروازہ نظر آ رہا ہے۔ کیا نئے آئے ہو یہ تو بہت مشہور جگہ ہے۔'' وہ بولا۔

''تم یہیں کے رہنے والے ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں قریب میں ایک گاؤں ہے وہیں کا ہوں۔'' وہ بولا۔

''کچھ اور بتاؤ یہاں کے بارے میں۔'' میں نے کہا۔

''یہ پہاڑی پر تم کو جو محلات نظر آ رہے ہیں سنا ہے ان کو اکبر بادشاہ نے بنوایا تھا بڑے خوبصورت محلات ہیں جاؤ اندر سیر کر لو۔'' کسان بولا۔

''اچھا میں جاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''دور سے آئے ہو تو تھک گئے ہو گے جل پانی کر لو تو پر بند کروں۔'' وہ بولا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں تم اپنا کام میں حرج مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''کام تو ہوتا ہی رہتا ہے کچھ سیوا بھی کرنا چاہیے۔'' وہ بولا۔

''تیرے وچار بہت اچھے ہیں تو کام کر۔'' اور میں ہاتھی دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازے کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت کھڑے تھے۔ ''تم کب سے ہو۔'' میں نے ایک سے رابطہ کر کے پوچھا۔

یہ دروازہ بن کر تیار ہوا تھا تو یہاں پر بڑی دھوپ تھی اس پر سایہ کرنے کو مجھے آگرہ کے رام باغ سے لایا گیا تھا میری جڑوں کو پھیلاؤ دینے کو بہت گہرا کھودا گیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں کتنے دن زندہ رہتا اب میں چار سو سال پورے کر چکا میری جڑیں پتھروں کے اندر تک جا چکی ہیں۔

میں آگے بڑھ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف محلات بنے ہوئے تھے مگر ان سب کا یہ پچھواڑہ تھا۔ میں اور آگے چلا تو ایک بہت بڑا احاطہ نظر آیا اس میں ایک لائن سے بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے زیادہ تر سرخ پتھر ان کے بنانے میں استعمال ہوا تھا دروازہ بہت اچھا تھا اور کمروں کے درمیان بہت کھلا ہوا میدان تھا اور درمیان میں ایک حوض بنا ہوا تھا۔ میں نے دروازے کے سب سے بڑے پتھر سے رابطہ کیا اور پوچھا۔ ''تو کب سے اس دروازے کی رونق ہے؟''

''مجھے بڑے ماہر کاریگروں نے یہاں پر پانچ سو سال پہلے لگایا تھا میرا اصل وطن تو جے پور ہے۔'' وہ بولا۔

''یہ کون سی جگہ ہے کس کام کی ہے......؟'' میں نے پوچھا۔

''تم جس دروازے سے آئے ہو یہ عام راستہ نہیں تھا اس طرف سے بادشاہ کے ہاتھی اور گھوڑے اور ان پر فوج آیا کرتی تھی ان کے جانور یہاں پر آرام کرتے تھے اور فوج محلات کی چوکیداری کرتی تھی فوج کی رہائش کے اور کھانے پینے کے انتظام بھی ان کے قریب ہی تھے مگر وہ بارکیں اب گر گئی ہیں اب وہاں پر تم کو صرف کھنڈرات ہی نظر آئیں گے۔''

''اب تو یہ جگہ رات کو ویران ہی ہوتی ہوگی......؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''ایسا ہے مگر ہمارے لیے ایسا نہیں ہے۔'' پتھر نے جواب دیا۔

''تم نے دو باتیں کی ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''رات کو یہاں پر خوب رونق ہوتی ہے سارے محلات کی آبادی یہاں جمع ہوتی ہے۔'' وہ بولا۔

''اس کا مطلب ہے سارے محلات میں اب بھی لوگ رہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''بادشاہی دور مدت ہوئی ختم ہوا یہاں کے شاہی کروفر لونڈی اور باندیاں چلی گئیں ہر طرف ویرانی کا دور ہو گیا تو پھر ایک نئی آبادی نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا اور وہ ہی آج تک اس کو آباد کیے ہوئے ہے دن میں لوگ دور دور سے سیر کے لئے یہاں آتے ہیں اور اندھیرا ہونے سے پہلے چلے جاتے ہیں یہاں پر رات کو کوئی نہیں رکتا

کیونکہ جو یہاں کے رہائشی ہیں ان کو یہ ناگوار لگتا ہے۔ رات کو انسانوں کا اس جگہ کام نہیں ان کو صرف دن میں آنے کی اجازت ہے صرف ایک جگہ ہے جہاں پر رات کو رہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک مزار کا احاطہ ہے تم اگر رکو تو وہاں چلے جانا۔'' پتھر بولا۔

''میں تیرے پاس رکنا چاہوں تو......'' میں نے پوچھا۔

''اچھے برے ہر مخلوق میں ہوتے ہیں تم کو یہ سوچنا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''میں تمہارے پاس رکوں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکوں گا اس بات کو ذہن میں رکھنا کیونکہ میں بے جڑ کا پتھر ہوں میری جڑیں نہیں ہیں میرے بس میں کچھ نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

سورج غروب ہو رہا تھا میں دروازے کی دیوار پر چڑھ گیا اور عین اس پتھر کے اوپر بیٹھ کر اس جیسا بن گیا اب وہاں پر کوئی انسان نہیں تھا کون اس کے ہونے پر اعتراض کر سکتا تھا۔ میں نے پتھر سے کہا۔

''تو نے دیکھا اب بھی مجھ پر کوئی انگلی اٹھائے گا۔''

''ہرگز نہیں تم میرے جیسے ہی ہو۔'' وہ بولا۔

اندھیرا بڑھ رہا تھا پھر گھپ اندھیرا ہو گیا۔ مگر کچھ ہی دیر میں دو آدمی گیس بتیاں لے کر آ گئے۔ ان کو انہوں نے میدان کے درمیان رکھ دیا تین چار جھاڑوں والے نمودار ہوئے اور بڑی تیزی سے انہوں نے پورے میدان کی صفائی کر دی اور چلے گئے، ان کے جاتے ہی ماشکی پانی سے بھری مشکیں لے کر آ گئے اور چھڑکاؤ کر دیا ان کے جاتے ہی بڑی بڑی دریاں اس میدان میں بچھائی جانے لگیں اور ان پر سفید چاندنی کا فرش پڑ گیا درمیان میں لوبان اور اگر بتیاں جلا دی گئیں۔ یہ سارے کام بڑی تیزی سے ہوئے۔

اب مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ لوگ آتے رہے بیٹھتے رہے آنے والوں کے لباس بڑے پرانے زمانے کے تھے سفید پاجامے اور سفید ہی ان کے اگر کھے تھے، بہت سوں کے دھوتی اور کرتا بھی لباس تھا۔

ننگے سر کوئی نہیں تھا ان کے سروں پر ٹوپیاں تھیں مگر سب الگ الگ ڈیزائن کی، کسی ٹوپی کے چار کونے تھے، کسی کے دو، کوئی نوکدار تھی تو کوئی گول تھی کچھ لوگوں کے سروں پر رنگ برنگے صافے بھی تھے۔

پورا میدان بھر گیا اتنے لوگ آنے پر بھی کسی قسم کا شور شرابا نہیں تھا سب نے آتے ہی قریب کے لوگوں سے ہاتھ ملایا تھا اور دو چار منٹ بات بھی کی تھی درمیان کے حوض پر نہ معلوم کیا ڈالا گیا تھا کہ وہ ایک اونچے تخت کی شکل اختیار کر گیا تھا اس تخت پر بڑے موٹے موٹے گاؤ تکیے پڑے تھے ان پر سرخ رنگ کے ریشمی غلاف چڑھے تھے۔ پھر ایک دم خاموشی چھا گئی اور ایک بہت لمبی داڑھی والے بزرگ درمیان کے چبوترے کی طرف آنے لگے اور وہ ایک گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔

میرے نیچے والے پتھر نے سرگوشی کی۔ ''ان کو میں دوسری بار دیکھ رہا ہوں۔ ایک بار میں نے ان کو اس وقت دیکھا تھا جب مغل حکومت کے آخری تاجدار، بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے لے جایا گیا تھا۔ اس وقت بھی اتنی ہی بڑی محفل ہوئی تھی، آج بھی لگتا ہے کوئی ضروری اور اہم بات ہے۔''

''خاموش رہو اور دیکھتے رہو۔'' میں نے کہا۔

بڑی داڑھی والے بزرگ نے ہاتھ اٹھا دیئے ہر طرف خاموشی ہو گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر ان کی آواز اس خاموشی کو چیرتی ہوئی میرے کانوں میں آئی۔

''آج کا دن میرے عزیزو! بڑا اہم تھا جو کہ گزر گیا۔ ماضی میں آج ہی کے دن مغل حکومت کا خاتمہ ہوا تھا، یہ دن اتنی خاموشی سے گزر گیا کہ کسی کو پتہ نہ چلا ایک حکومت کا خاتمہ اور دوسری کا آغاز ہوا ہر سال کی طرح یہ اہم دن بھی گزر گیا۔ بات دکھ کی ہے مگر جو ہونا ہے ہوا، ان ویران مکانات میں تم نے آبادی تو کر دی مگر پھر بھی ان کو ویرانہ ہی کہا جاتا ہے، کبھی کبھی اس ویرانے میں کوئی نئی بات بھی

نظر آ جاتی ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ آج مجھے کیا نئی بات نظر آ رہی ہے مگر میرے بوڑھے احساسات کو محسوس ضرور ہو رہی ہے وہ کیا ہے کیوں ہے کچھ پتہ نہیں ہے؟ میری قابلیت اور ذہانت یہاں پر مجھے کچھ نہیں بتا رہی۔

دنیا میں ہزاروں قسم کی مخلوق پروردگار نے پیدا کی ہے ہزاروں قسم کے علوم انسانوں کو دیئے ہیں اسی لئے انسان کو اللہ نے افضل مخلوق قرار دیا ہے، تم کو ان سے دور رکھا گیا ہے کیونکہ تم ان سے کمتر قرار دیئے گئے ہو، ان کا علم اور طاقت تم سے بہت زیادہ ہے، آج میں تم سے کچھ اور نہیں صرف اتنا کہوں گا کہ تم خود کو انسانوں سے پوشیدہ اور دور رکھو، انسان کے علم اور دانش کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس کی رسائی بہت دور تک ہے، تم جس مذہب کو مانتے ہو اس میں بھی تم کو تعلیم کیا گیا ہے کہ تم اپنی جگہ رہو، کسی مخلوق کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو، اب میں کچھ باتیں اور کروں گا وہ باتیں تم سے نہیں کسی اور سے کروں گا۔

"میرے عزیز مہمان! میرا بس چلتا تو میں تم کو اپنی نشست پر جگہ دیتا۔ مگر میں مجبور ہوں، میں صرف احساس کر رہا ہوں تمہارے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا، اس سے یہ ثابت تو ہوتا ہے کہ تم کتنے پائے کے ہو، تم جو بھی ہو میری یہ درخواست ہے کہ میری قوم کو تم پریشان نہ کرنا، یہ لوگ امن پسند ہیں آج تک انہوں نے کسی انسان کو کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہیں کیا، ہاں مدد ضرور کی ہے۔ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔"

ان بزرگ کا مخاطب میں ہی تھا، میں ان کے ایک ایک لفظ کو سمجھ رہا تھا اور ان کی قابلیت کو داد دے رہا تھا۔ بزرگ کا اپنے بارے میں اعتراف ان کی بڑائی کا ثبوت تھا۔

بزرگ اٹھ کر چلے گئے، محفل ختم ہوگئی اور اندھیرا ہوگیا۔ پتھر نے مجھ سے کہا۔ "آج کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، ایسی باتیں تو یہاں پر نہیں ہوتی تھیں یہاں پر تو یہ لوگ اپنے دین کے بارے میں باتیں کرتے تھے مگر آج تو ان کے بڑے نے بات کی اور محفل ختم ہوگئی۔ یہ نئی بات ہوئی ہے آج۔"

"تو نے کسی انسان کو پتھر کی سل بنتے دیکھا ہے"۔ میں نے پوچھا۔

"میری ہزاروں سال کی زندگی نے بنتے تو کیا دیکھا ہوگا، میں نے تو سنا بھی نہیں۔" پتھر بولا۔

"یہی نئی بات تھی ذکر وہ بزرگ کر رہے تھے، ان کی قابلیت اور علم ان کو بتا رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"مگر اس پر بھی وہ لاعلم تھے تو کون ہے میرے دوست کہ تیری حقیقت کسی پر نہیں کھلتی تو انسان ہے یا کوئی اور ماورائی مخلوق ہزاروں سال دنیا میں، بسنے والا بھی تیری حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا؟" پتھر بولا۔

"اس دنیا میں ہزاروں راز ہیں جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور اگر کسی کسی کو ان رازوں کے بارے میں بتایا گیا ہے تو ان پر پابندی بڑی سخت لگائی گئی ہے کہ تم جو جانتے ہو اتنا ہی تمہارے لئے بہت ہے۔"

میں صبح ہوتے ہی دروازے کے اوپر سے اتر آیا۔ اور آگے چلا۔

پتھر کے بنے محلات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مگر میں کسی محل میں نہیں گیا۔ مجھے ان محلات کو دیکھنے کی خواہش نہیں تھی، میں سیدھا چلتا گیا اور ایک بڑے دروازے کے سامنے آ گیا۔ یہ بہت بلند دروازہ تھا، میں نے اتنا اونچا دروازہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کہتے ہیں یہ پورے ہندوستان میں سب سے اونچا دروازہ ہے۔

یہ پہاڑی پر بنا تھا اس کا نام بلند دروازہ کسی نے ٹھیک ہی رکھا تھا۔ میں اس کے اندر نہیں گیا، مجھے یہاں آتے ہی ایک تجربہ ہوگیا تھا، میں دوسرا تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں دروازے کے بائیں طرف چلا گیا، وہاں پر ایک بہت چوڑا کنواں بنا ہوا تھا اور اس میں پانی اوپر تک تھا، لوگ نہا رہے تھے اتنی اونچائی پر ایسا کنواں جس کا پانی اوپر تک بھرا ہوا تھا، یہ باولی کہلاتا تھا اور اس میں کبھی پانی کم نہیں ہوتا، پانی زمین کے سوتوں سے آتا ہے۔ جس قدر نکالا

جاتا ہے اتنا ہی پانی اور آ جاتا ہے، یہ انسانی ہنرمندی اور عقل کا کمال ہے کہ اتنی اونچائی پر برابر پانی پہنچ رہا تھا۔

زمین سے یہ بہت اونچی جگہ ہے اوپر بلند دروازے تک آنے کے لئے پہاڑ کاٹ کر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا، نیچے ایک بازار بنا ہوا تھا، میں بازار میں داخل ہو گیا۔

اور بے ارادہ ایک طرف چل پڑا، اس بازار کا آخری سرا ایک مندر پر ختم ہوا۔ یہ ہنومان مندر تھا مندر میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی، وہ زیادہ بڑا مندر نہیں تھا۔ میں اندر گیا تو ایک پجاری میری طرف بڑھا اور بولا ''پدھارو سادھو مہاراج'' میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے اپنی کٹیا میں لے گیا اور بولا۔

''آپ یہاں پر جل پانی کر لو میں بھوجن کا پربند کرتا ہوں۔''

''میں بھوجن نہیں کروں گا تم جاؤ۔'' وہ خاموشی سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے گرو کا دھیان کیا۔ اور گرو میرے سامنے آ گئے۔ آتے ہی بولے۔

''تیری دبدا میں سمجھ رہا ہوں مگر تو چنتا نہ کر تیری حقیقت کم لوگ جان پائیں گے۔''

''مگر وہ بزرگ نے تو پوری حقیقت سمجھ لی تھی، میرا خیال ہے بتائی نہیں یہ الگ بات تھی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ضرور ایسا ہوا ہو گا مگر کیوں نہیں بتائی، تو اس بات کو نہیں سمجھا۔'' گرو نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا یہ درست ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہر کوئی اپنی حد میں ہے، ہر کوئی پابند ہے، کسی کو کسی کے راز کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔'' گرو نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے میرا راز مجھ تک نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''کسی کا راز اس تک نہیں ہے کوئی تو ہے جو جانتا ہے مگر میں پھر کہتا ہوں چنتا کی ضرورت نہیں ہے تو اگر راز دار ہے تو سمجھ لے سب راز دار ہیں''۔ میں خاموش رہا تو وہ پھر بولے۔

''تیرے پاس صرف آج کی رات ہے کل سویرے میں تیرے پاس ہوں گا اور تیرے تیسرے سبق کا آغاز ہو گا۔''

''اس سبق کے پورا ہوتے ہی پھر میں تیرے پاس نہیں آ سکوں گا، میرا کام ختم ہو جائے گا اور تو اکیلا اس سنسار میں، اس فن کا مالک ہو گا۔'' یہ بول کر گرو چلے گئے۔

میں نے سوچا۔ ''اس دنیا کے دستور نرالے ہیں، ایک آتا ہے تو ایک چلا جاتا ہے۔''

''یہ سلسلہ کب سے جاری ہے کب تک رہے گا، کون بتا سکتا ہے؟''

میں کہاں تھا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا میرے چاروں طرف گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔ دور دور بڑے اور پرانے درخت بھی نظر آتے تھے میں جہاں تک دیکھ سکتا تھا وہاں تک صرف درخت ہی درخت تھے درختوں کے آگے دھند تھی۔ زمین نرم تھی اس پر گھاس کا بستر بچھا تھا اور میں اس بستر پر بیٹھا تھا۔ میرے چاروں طرف کیڑے مکوڑے پھر رہے تھے کچھ خطرناک حشرات الارض بھی نظر آ رہے تھے۔ مگر کسی نے میری طرف آنے کی کوشش نہیں کی رات نہیں تھی مگر سورج کی روشنی مجھ تک پوری طرح نہیں آ رہی تھی اس کی وجہ گھنے درخت تھے۔

میرے دل میں صرف گرو کا احساس تھا، میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری کہ گرو اپنے ہاتھ میں ایک ہانڈی لٹکائے آ گئے۔ آتے ہی بولے۔

''تیرا یہ روپ جواب تک رہا ہے، تو اس روپ کو برقرار نہ رکھنا تجھے زمانے کے ساتھ چلنا ہو گا، اس روپ میں تو ایک طرف ہو کر رہ جائے گا، آگے زمانہ وہ نہیں ہو گا جواب ہے، انسانی دماغ بہت تیزی سے نئی نئی چیزیں بنائے گا، میں تجھ کو کسی مندر میں مقید نہیں کرنا چاہتا۔

تیری ضرورت میری ضرورت سے الگ ہو گی، تیرے حالات میرے حالات سے الگ ہوں گے،

اس لئے تجھے میرے جیسا رہنا بھی نہیں ہوگا، آنے والا وقت تجھے بتائے گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔ دنیا میں جن لوگوں نے کچھ حاصل کیا ہے انہوں نے اپنے آپ کو تیاگ کر حاصل کیا ہے، اپنی ہزاروں خواہشات کو دفن کر کے حاصل کیا ہے، جو لوگ اپنی خواہشات کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ اپنی محبتوں کے آگے، دیوانے ہو جاتے ہیں، وہ عام آدمی ہوتے ہیں تو خاص بن رہا ہے، تو اپنی خواہشوں کا غلام نہ بننا، اپنی حد میں رہنا اور خود کو آشکار کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔

یہ جگہ جہاں پر تو ہے یہ بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں پر انسانی قدم نہیں آئے۔ تیرے اِرد گرد نہ معلوم کتنی مخلوق آباد ہے مگر تیری طرف کوئی نہیں آیا، اس کی کچھ توجہ ہوگی، تو اپنا آخری سبق یہاں پر پورا کرے گا، بول تیار ہے'' ۔گرو نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ''میں بالکل تیار ہوں گرو۔''

گرو نے کچھ شبد مجھے بتائے، میں ان کا ورد کرنے لگا۔ گرو نے میرے گرد تین چکر لگائے اور بولے۔

''میں تیرے پاس ہوں تو اپنا کام کر یہ آخری منزل ہے اس کے بعد تو جب اور جس مقام پر خود کو کسی حیوان کے روپ میں لانا چاہے گا ترنت لے آئے گا اور اس طرح پھر انسانی وجود میں آ جائے گا۔ اس آخری منزل پر تجھے کچھ مشکلات ضرور آئیں گی، میں تین دن تیرے قریب ہوں اس کے بعد تو اکیلا ہوگا، اس منزل پر تجھے ان پر حاوی ہونا ہے جو ہاتھ پیر اور کچھ دماغ بھی رکھتے ہیں، وہ ضرور تیرے ارتکاز میں دخل اندازی کریں گے مگر تیرا کام جاری رہنا چاہئے، تیرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکے گا، ہاں تجھے ڈرایا ہر طرح جائے گا، یہ خطرناک ناگ بھی ہو سکتے ہیں، شیر اور دوسرے درندے بھی مگر وہ تجھ سے دور رہیں گے۔ تیرا ارتکاز قائم رہنا چاہئے، پھر ان کا انداز دوستانہ ہوتا جائے گا اور پھر سب تجھ کو سجدہ کریں گے، وہی تیری منزل ہوگی تو پھر ان کو اپنے حکم پر چلا سکے گا ان سے بات کر سکے گا، وہ تیری بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور تیرا علم مکمل ہو جائے، اس کے بعد میں تیرے بلانے پر بھی نہیں آؤں گا۔''

گرو تین دن اور تین رات میرے گرد چکر لگاتے رہے اور میں جاپ کرتا رہا۔ اور پھر گرو چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میرا ارتکاز اور گہرا ہو گیا میرے اندر اور باہر صرف ایک منتر سما گیا۔ میری زبان اور دل ایک ہو گئے میں نہیں جانتا کہ میرے ارتکاز کی مدت کتنی ہوئی کہ مجھے بھوک کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھ کھول کر ہانڈی کی طرف دیکھا وہ موجود تھی اور قریب رکھی تھی۔ میں نے ہاتھ سے اس کو اپنے قریب کر لیا اور ڈھکن اٹھا کر کھانے لگا۔ ایسا انوکھا کھانا کس نے کھایا ہوگا جو نہ معلوم کب سے رکھا تھا اور تازہ تھا، جو گوشت نہیں تھا مگر گوشت کا مزا رکھتا تھا، جو سبزی نہیں تھی مگر سبزی کا مزا اس میں تھا، اس کھانے میں گوشت سبزی دودھ گھی سب کا مزا تھا اور جب تک میرا پیٹ نہ بھر جائے ختم نہیں ہوتا تھا، اس کے کھانے کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی یہ کسی حاجت کا سبب بھی نہیں بنتا اور جسم میں توانائیاں بھر دیتا ہے۔

میں کھانے کے بعد پھر ارتکاز میں چلا گیا۔ نہ معلوم کتنا عرصہ گزرا ہوگا کہ مجھے اطراف میں ہلچل کا احساس ہوا، میرے چاروں طرف بھیڑ لگی تھی اس بھیڑ میں ہر قسم کے درندے اور حشرات الارض شامل تھے۔ میں نے لاپرواہی سے پھر آنکھیں بند کر لیں ان کی آوازیں میرے ارتکاز کو توڑنے کی کوشش کرتی رہیں مگر میں نے ان پر توجہ نہ دی اور میرا ارتکاز اور گہرا ہو گیا۔

اور پھر نہ معلوم کتنا وقت آگے چلا گیا، اب ہر طرف گہرا سناٹا تھا، کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

جیسے سب درندے میرے اطراف سے چلے گئے ہوں، دور دور ان کی آوازیں نہیں تھیں۔

میں نے آنکھیں کھول دیں میرے چاروں طرف جانور تھے مگر خاموش، کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہیں آ رہی تھی، بڑے بڑے سانپ اپنا پھن زمین میں ڈالے

پڑے تھے، شیر چیتے اپنی اپنی گردنیں جھکا کر، دم ہلا رہے تھے، میری بڑائی کو انہوں نے تسلیم کر لیا تھا۔

میں نے ایک بڑے ببر شیر کو دیکھا، میرا ذہنی رابطہ اس سے فوراً ہو گیا۔

میں نے کہا۔ ''تم سب کیوں آئے ہو؟'' شیر نے گردن اٹھائی اور ایک چنگھاڑ کی آواز پیدا کی گویا اس نے میرے سوال کا جواب دیا۔ میں اور یہ سب بڑائی کو تسلیم کرتے ہیں تو نے ہم کو فتح کر لیا۔ اے انسان تو پہلا ہے جس نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔''

''تو پھر تم میرا کہا مانو گے!!'' میں نے پوچھا۔

''ہم سب غلام ہیں۔ آپ حکم کرو''۔ شیر بولا۔

''جب ضرورت ہو گی کروں گا، میں کسی مقام پر ہوں، تم میرا حکم مانو گے، میں جب چاہوں گا تم سا بن جاؤں گا تم میرے ہر روپ کو تسلیم کرو گے۔'' میں نے کہا۔

''ساری دنیا کے ہر جانور پر تیرا حکم چلے گا۔'' شیر نے جواب دیا۔

''تو پھر بتاؤ قریبی آبادی انسان کی کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''قریبی آبادی کا سفر کئی دن کا ہے کیونکہ یہ سفر پیدل ہے اور دشوار بھی ہے''۔ شیر بولا

''تم مجھے سمت بتاؤ، میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔'' میں نے پوچھا۔

''مغرب میں وہ آبادی ہے۔'' شیر نے بتایا۔

میں اس کے بعد چند لمحے خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

پھر میں نے مغرب کی طرف جانے کا تصور کیا اور کچھ ہی دیر میں ایک میدانی علاقے میں کھڑا تھا، دور دور کچھ درخت تھے۔ جنوب میں ایک پہاڑی سلسلہ تھا، پہاڑ بہت اونچے تھے اور ان پر گھنی جھاڑیاں نظر آتی تھیں، میں جہاں کھڑا تھا وہاں پر دور دور کچھ نہیں تھا اور زمین کی مٹی سفید رنگ کی تھی کہیں کہیں پر سرخ مٹی بھی نظر آتی تھی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اونٹ کے کوہان کی طرح ابھری ہوئی تھیں۔ میں نے مٹی کو زمین سے اٹھا کر سونگھا اور فوراً پتہ چل گیا کہ وہ چونا تھا، اس میدان میں ہر طرف چونا پڑا تھا اس لئے اس میدان میں سبزا نہیں تھا۔

میں پہاڑیوں کی جانب چل پڑا۔ قریب نظر آنے والے پہاڑ قریب نہیں تھے میں شام تک چلتا رہا یہاں پر چونا نہیں تھا پہاڑیاں سرخی مائل کالی ضرور تھیں مگر ان پر نظر آنے والے درخت بہت بڑے بڑے تھے، میری آمد پر وہ سب جھوم رہے تھے، میں ان کے قریب چلا گیا اور ایک درخت سے مخاطب ہوا ''تم میری آمد پر کیا کہتے ہو؟''

''سب خوش ہیں تم کو جانتے ہیں تم دنیا کے اکیلے انسان ہو جو ہم سے بات کر سکتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''تو پھر بتاؤ یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ کالا ہاری کا جنگل ہے۔ اس سرزمین کو افریقہ کہا جاتا ہے یہ کالا باری کا آخری کونا ہے۔'' وہ بولا۔

''یہاں پر انسانوں کی بستی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ان پہاڑوں کے پار ہے مگر وہاں پر جانا ٹھیک نہیں ہو گا وہ ہر نئے آنے والے کو مار کر کھا جاتے ہیں ان کی غذا گوشت ہے اور گوشت کسی کا بھی ہو۔'' درخت بولا۔

میں نے پہاڑوں کے پار کا تصور کیا اور میں ایک قدرے کھلے میدانی علاقے میں کھڑا تھا میرے سامنے عجیب نمونے کے جھونپڑے موجود تھے ان کے اِرد گرد کالے اور ننگے انسان پھر رہے تھے۔

بچے اور عورتیں بھی ان کے قریب تھیں ان کے جسموں پر کوئی لباس نہیں تھا ان کے جسم کالے تھے اور قد ناٹے تھے مگر مضبوط تھے۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے اور چہرے کرخت تھے۔

جوان اور بوڑھی عورتیں کسی نے کسی قسم کی ستر پوشی نہیں کی تھی اس طرح مرد بھی پیدائشی لباس میں تھے۔ ان کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں تھا وہ مجھے دیکھ کر میرے گرد آ گئے اور خوشی سے عجیب، بے ڈھنگے انداز میں اچھل کود کرنے لگے، شاید یہ ان کا خوشی کا رقص تھا مگر مجھے اچھل کود ہی لگ

رہا تھا۔ عورتوں کے جسم تھل تھل اچھل رہے تھے ان کے منہ سے عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔

میں اپنی جگہ کھڑا تھا پھر ان میں سے ایک لمبا آدمی آ گیا اس کے چہرے پر کئی رنگ کے نشانات تھے اس کے آتے ہی رقص رک گیا اور سب نے اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا میں سمجھ گیا کہ یہ ضرور ان کا سردار ہے، اس نے ہاتھ اٹھا کر ایک سے پوچھا۔

''اس کو کس نے شکار کیا ہے؟'' مگر کوئی نہ بولا۔

ایک عورت آگے بڑھی اور سر کو جھکا کر بولی۔

''یہ خود آیا ہے کسی نے اس کو شکار نہیں کیا۔''

سردار حیرت سے بولا...... ''تم جھوٹ بول رہی ہو ہمارے گاؤں کے باہر ہر وقت شکاری رہتے ہیں یہ ان سے بچ کر یہاں کیسے آ گیا۔''

میں نے اب بولنا ضروری خیال کیا۔ ''یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

میں نے زبان ہلائے بغیر اپنی بات اس کے دماغ میں ڈال دی۔ سردار نے زور کا ہاتھ اپنی کھوپڑی پر مارا اور حیرت سے بولا...... ''تم نے کچھ کہا تھا۔''

''ہاں میں تمہارے اندر ہوں یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے میں خود یہاں آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم مجھے جادوگر لگتے ہو، تم اندر بولتے ہو، میں اپنے جادوگر کو بلاتا ہوں اس سے بات کرو پھر فیصلہ ہوگا۔''

کچھ ہی دیر میں ایک بہت چھوٹے قد کا بونا آ گیا اس کے ہاتھ میں ایک ٹیڑھی میڑھی سی لکڑی اس کے قد سے بھی زیادہ تھی۔ اس نے آتے ہی کمال پھرتی سے زمین پر لکڑی ماری اس لکڑی پر بندھے گھونگرو چھن چھن کرنے لگے پھر وہ کودتا پھاندتا میرے قریب آ گیا۔ اور بولا ''میں جان گیا تو کون ہے؟'' میں خاموش رہا تو وہ پھر بولا۔ ''تو دریاؤں کے پار کے دیش کا ہے، تو ہماری عورتوں اور جوانوں کو لینے آیا ہے۔''

میں زور سے ہنس پڑا کیونکہ اس نے ڈھول میں لٹھ مارا تھا، سردار اور دوسروں پر اپنا رعب ڈالنے کو یہ بات کی تھی، میری ہنسی سے وہ چراغ پا ہو گیا اور بولا۔

''تیری عقل جواب دے گئی ہے مرنے کے موقعے پر ہنس رہا ہے۔''

میں اس کے دماغ میں بولا...... ''تیری عورتیں اور مرد میرے لئے بے کار شے ہیں، میں ان کا کیا کروں گا؟''

تیری فضول بات پر مجھے ہنسی آئی تھی، تو کیا سمجھتا ہے میں تیری بات نہیں سمجھ سکوں گا، تو ان کو بے وقوف بنا سکتا ہے، میں سفید نگر اور روشن زمین کا انسان ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر تیرا وقت بھی قریب ہے۔'' پھر سردار سے بولا۔

''یہ بہت چالاک ہے اس کو فوراً ختم کر دو ورنہ بڑا منحوس ثابت ہوگا، اس کا گوشت کوئی نہ کھائے میں اس کی لاش پر جادو کروں گا، اس کو میرے حوالے کر دیا جائے۔''

میں پھر ہنس پڑا کیونکہ اس نے اپنے کھانے کا بندو بست کرنا چاہا تھا۔

سردار یہ سن کر، بھالا لے کر میری طرف بڑھا اور چاہتا تھا کہ بھالا میرے جسم میں داخل کر دے کہ اس نے دیکھا کہ ایک بہت تناور درخت نیم کا اس کے سامنے کھڑا تھا اور آدمی کہیں نہیں تھا۔

وہ حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا جادوگر کی حالت خراب ہوگئی اور سب تماشائی زمین پر گر پڑے، اچانک اتنا بڑا درخت پیدا ہوئے انہوں نے کب دیکھا تھا۔

سب سے زیادہ خراب حالت جادوگر کی تھی کیونکہ وہ اور سردار ہی ذمہ دار آدمی تھے جادوگر کے حکم سے ہی سردار مجھ پر وار کرنے دوڑا تھا جادوگر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور پھر عجلت سے وہ بھی میرے سامنے سجدے میں گر گیا تو اسے دیکھ کر سردار بھی اس کی نقل کرنے لگا......

میں پھر اپنی شکل میں آ گیا اور زور دار آواز سے بولا......

''تم اور تمہاری عقلیں ابھی بہت کم ہیں میں کسی کو دکھ

دینے نہیں آیا ہوں ۔ میں صرف تم سے ملنے آیا ہوں تم انسانوں کو کھا جاتے ہو ذرا غور کرو یہ ٹھیک نہیں ہے تم سب سے الگ، اس لئے ہو کہ تم انسانوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے تم اگر خود کو بدل لو تو دوسرے انسان تمہارے قریب آئیں گے تم ان سے کچھ سیکھو گے، تم کو پتہ چلے گا کہ تم اوروں سے کتنے پیچھے رہ گئے ہو۔

یہ جادوگر تم کو سب سے دور کر رہا ہے یہ صرف اپنا فائدہ حاصل کرنے کو تم کو غلط راہ پر ڈال رہا ہے۔ میں تم کو دکھ دینے نہیں بلکہ تم کو کچھ بتانے آیا ہوں۔ مجھے تم سجدہ مت کرو کیونکہ میں بھی تم سا آدمی ہوں تم دو ہاتھ رکھتے ہو پیر رکھتے ہو میرے پاس بھی یہی کچھ ہے۔ سب کھڑے ہو جاؤ کہ یہ میرا حکم ہے۔"

سب کھڑے ہو گئے سردار اور جادوگر بھی کھڑا ہو گیا۔

میں نے جادوگر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تمہارے کہنے پر یہ لوگ سب کام کرتے ہیں تم ہی ان کے سارے برے کاموں کے ذمہ دار ہو سردار بھی تم کو بڑا مانتا ہے تم اس کو بھی آسمانوں کی بلاؤں سے ڈراتے ہو اور یہ بھی تمہارا کہنا ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے میں تم کو کہتا ہوں اگر تم جادوگر ہو تو مجھ پر جادو کرو میں تمہارے سامنے ہوں تم چالبازی اور فریب کاری کرتے ہو اور غلط کام کرواتے ہو بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

وہ خاموش کھڑا رہا تو میں نے پھر کہا۔ "تم ہر کسی کو پہلی اور آخری سزا موت کی دیتے ہو تا کہ تم کو گوشت کھانے کو مل جائے تم نے ہی ان سب کو آدم خور بنایا ہے۔" میں نے سردار کو حکم دیا کہ "اس کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دے"۔ سردار کے بھالے نے ایک منٹ میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر میں نے ایک قبر سردار سے تیار کروائی اور جادوگر کو اس میں ڈال کر اس کو بند کر دیا اور سردار کو کہا۔

"تمہاری زمین تم کو پال سکتی ہے تم اس پر کھانے کی چیزیں گاڑو۔"

سردار بولا......"وہ کس طرح؟"

میں نے اس کو زمین پر کاشت کرنے کا طریقہ بتایا پھل فروٹ کے باغات لگانے کا طریقہ بتایا سب جوان مرد اور عورتیں کام میں لگ گئے ان کے روز کے معمولات تبدیل ہو گئے۔

ان کی ضروریات کی نوعیت بدل گئی پہلے وہ پیٹ بھرنے کو اپنے عزیزوں تک کو کھا جاتے تھے۔ مگر اب ان کی پیٹ کی ضرورت زمین پوری کرنے لگی ۔ وہ پھل فروٹ اور اناج سبزی کھانے لگے انسانوں کو کھانے کی ضرورت ان کو نہ رہی ان کے جھونپڑے بدل گئے ان کی عورتیں پتوں سے ستر پوشی کرنے لگیں ان کے وحشی پن کو میں نے ختم کر دیا۔ میں نے ترقی کا ایک راستہ ان کو بتا دیا تھا ان کا سردار وہی تھا مگر وہ ایک ہمدرد انسان بن گیا تھا سب کی ضرورتوں کا خیال کرنے لگا تھا۔ اب یہاں پر کوئی جادوگر نہیں تھا۔ سب مل جل کر محنت کرتے تھے اور سب کو ان کا حصہ ملتا تھا۔ ان کی زندگی کا رخ بدل گیا تھا، وہ مجھے بہت بڑا رتبہ دیتے تھے مگر برا کام ختم ہو گیا تھا۔

میں نے سردار سے کہا۔ "تم کو میں نے ایک راستہ بتایا ہے تم اس پر چلو گے اور تمہارے بعد بھی تم نئے سردار کو یہی راستہ بتاؤ گے، تم کو یہ دھیان رکھنا ہو گا کہ میں تمہارے قریب ہوں، اب میں جا رہا ہوں مگر تم یا تمہارے بعد آنے والوں نے اس راستے کو چھوڑا تو پھر تمہارا وجود اس سرزمین پر نہیں ہو گا۔ تم پر بہت بڑی تباہی آ سکتی ہے۔ میں جا رہا ہوں کیونکہ میں ہمیشہ تم میں نہیں رہ سکتا۔"

میں اب کسی اور شہر میں جانا چاہتا تھا میرے ذہن میں اچانک گوا کا خیال آ گیا اور میں کچھ دیر میں ایک ساحل سمندر پر کھڑا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور موسم خوشگوار تھا۔ میری نظروں کے سامنے سمندر کی لہریں جوبن پر تھیں اور مجھ تک آتے آتے وہ اتنی کمزور ہو جاتی تھیں کہ میرے پیرو کو بھگوتی تھیں میں نے اپنا رخ ساحل کی طرف کر لیا

وہاں پر کچھ چہل پہل نظر آتی تھی۔ میں اُدھر ہی چل پڑا کہ ڈیڑھ سو قدم پر ایک ہوٹل تھا، وہاں پر صرف ایک آدمی تھا وہی چائے بنا رہا تھا وہی سب کو دے رہا تھا، میں لباس سے اور اپنی ہیت سے کسی اور دنیا کا آدمی نظر آتا تھا۔ میرے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے پورے جسم پر پیلی مٹی کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔

مجھے دیکھ کر ہوٹل والا بولا...... ''ارے تم کدھر آ گیا بابا۔ دھندہ خراب کرے گا۔''

پھر ایک دوسرا آدمی بولا...... ''ڈی سوزا اس کو بھگاؤ کتنا باس مارتا ہے۔''

ڈی سوزا ہوٹل والا بولا......

''تم صبر کرو ہم بولتا ہے نا۔'' میرے قریب آ کر بولا...... ''بابا ہم غریب آدمی ہے ہمارا دھندہ کھوٹی مت کرو، چائے پینے کا ہے تو بولو''۔

میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور ایک طرف چل دیا۔ بہت بڑا ساحل تھا میں سمندر کے کنارے کنارے چلتا گیا پھر مجھے ایک پل بنا نظر آیا اس کے اوپر کوئی عمارت بنی ہوئی تھی۔ میں اس کے نیچے چلا گیا وہاں پر معمولی نوعیت کی دو تین دکانیں تھیں ایک موچی اور نائی بھی زمین پر بیٹھا تھا۔

میں نائی کے سامنے بیٹھ گیا۔

نائی نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا...... ''کیا کروں بال کاٹوں یا داڑھی''۔

''سب کچھ کاٹ دے۔ میں نے تجھے اختیار دیا۔''

''ٹھیک ہے بابا تیرا حکم ہے تو تیرا کام تو کرنا ہی ہوگا۔'' اور اس نے بڑی سی قینچی نکال کر بالوں کو کاٹنا شروع کر دیا اور جب وزن کم ہوا تو پھر مشین سے سر گنجا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے داڑھی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا اور میرا چہرہ بالوں سے آزاد ہو گیا۔ اس کے سامنے بالوں کا ڈھیر لگ گیا۔

''کہو تو مہاراج نہانے کا بھی کچھ کروں۔'' نائی بولا......

''نہانا تو ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم اکیلے تو نہا نہیں سکو گے میں پانی لاتا ہوں ایک طرف بیٹھ کر نہا لینا۔'' اور وہ ایک طرف چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بالٹی میں پانی لے آیا اور بولا۔ ''آؤ مہاراج نہا لو......'' میں تمہارا بدن صابن سے مل دوں گا۔''

اس نے میرے بدن پر صابن لگانا شروع کر دیا اور کافی دیر تک مسلتا رہا اور صابن رگڑتا رہا مجھے یاد نہیں کہ میں اس سے پہلے کب نہایا تھا۔

گرو کا حکم تھا! مجھے اپنا روپ بدلنا تھا اگر حکم نہ ہوتا تو شاید مجھے نہانے کا خیال بھی نہیں آتا۔

نائی نے بہت محنت کی اور میری شکل انسانوں جیسی نکل آئی۔ نائی کو پتہ تھا میری کوئی جیب نہیں تھی میرے پاس کوئی کرنسی نہیں تھی پھر بھی وہ میری خدمت کر رہا تھا میری دھوتی بہت میلی تھی نائی نے کہا۔

''مہاراج میرے پاس ایک دھوتی پتلون پڑی ہے صاف ہے دھلی ہے۔ کہو تو نکال لاؤں پہن لو یہ دھوتی تو بہت گندی ہو گئی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''کچھ تو پہننا ہے وہی لے آؤ......'' وہ دوڑ کر گیا اور لے آیا میں نے اس کو پہن لیا اور کہا۔

''تو نے میری جو خدمت کی ہے اس کا مول کچھ نہیں ہے مگر میرے پاس کوئی کرنسی نوٹ نہیں ہیں۔ مگر تجھے کچھ نہ ملے ایسا نہیں ہوگا۔''

''مہاراج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کبھی کبھی انسان کا دل اندر سے کہتا ہے کہ وہ کسی کے کام آئے کسی کی خدمت کرے اس پر نیکی کرنے کا دورا پڑتا ہے جس طرح مجھے کام کرنے کا دورہ پڑتا ہے۔ میں نے تمہاری خدمت کسی لالچ یا کچھ کمانے کو نہیں کی ہے میں اکیلا آدمی ہوں روٹی تو میں کھا ہی لوں گا آج میں نے کچھ کمایا ہے ایسا لگتا ہے۔'' نائی نے کہا۔

''تو اندر سے بہت خوب صورت آدمی ہے انسان اگر اندر سے خوب صورت ہو تو اس کو واقعی خوب صورت کہا جائے گا باہری حسن کا وقت کم ہوتا ہے مگر اندرونی حسن

دیرپا ہوتا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ گوا کتنی بڑی جگہ ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''زیادہ بڑی نہیں ہے، سمندری علاقہ ہے، آزاد خیال لوگ ہیں، میں تو گورکھ پور کا ہوں اور ذات کا ہندو ہوں بہت پہلے یہاں آیا تھا پھر واپس نہیں گیا۔''

''گورکھ پور میں کیا کرتے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

کام تو یہی کرتا تھا مگر قاعدے اور طریقے سے کرتا تھا میرے باپ کی دکان تھی مگر میں ایک کرسچن لڑکی کے چکر میں اس کے ساتھ یہاں پر آ گیا اور وہ کسی اور کے ساتھ چلی گئی میں غیرت کے مارے پھر گورکھ پور نہیں گیا۔ اور یہیں پر ڈیرہ ڈال دیا۔ باپ مر گیا ماں مر گئی اب میرا کون ہے میری محبت گوا میں ہے میرے پاس نہیں تو کیا ہوا، ہے تو اسی جگہ کبھی کبھی ساحل پر اپنے بچوں کو سیر کرانے آ جاتی ہے میں دیکھ لیتا ہوں میرے لئے اتنا ہی بہت ہے میں سوچتا ہوں میں اس کے قابل نہ تھا اس نے عقل مندی کی کہ اپنا راستہ بدل لیا۔ کبھی اس کے بچوں کو دیکھ کر ہوک ضرور اٹھتی ہے کہ یہ بچے میرے ہوتے میں ان بچوں کا باپ ہوتا۔ پھر اپنی طرف دیکھتا ہوں اور میری ساری ہوا خارج ہو جاتی ہے۔ مہاراج میں نے زندگی میں کچھ نہیں کیا، مگر محبت ضرور کی ہے میری محبت اپنے محبوب سے کچھ طلب نہیں کرتی محبت کے بدلے محبت تک نہیں مانگتی میری محبت صرف محبت ہے۔'' نائی بولا......

''میں نے کہا ناں...... تو اندر سے حسین ہے میرا اندازہ ٹھیک تھا، تو یہ نہ سمجھ کہ تو نے اپنا کچھ نقصان کیا ہے تو کبھی گھاٹے میں نہیں رہے گا نظر آنے والا فائدہ اگر تجھے نہ بھی ملے تو بھی تو نقصان میں ہرگز نہیں رہے گا۔ تیری نگاہ کا زاویہ درست ہے کہ تیری سوچیں مثبت ہیں تو انسان ہے۔''

میرے بدن پر صرف دھوتی تھی میں گوا کے بازار میں پھر رہا تھا میرے سامنے ایک شراب خانہ تھا اس کے دروازے پر ایک کباب کی دکان تھی لوگ اس سے کباب خرید رہے تھے اور شراب خانے کے اندر جا رہے تھے میں کباب والے کے قریب کھڑا تھا کباب والے نے میری طرف دیکھا اور بولا......

''ذرا پرے کھڑا ہو جا کوئی شرابی آئیں گا تو تم کو دھکا لگیں گا۔''

میں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ واقعی، ایک بدمست شرابی مجھے دھکیلتا ہوا نکل گیا، میں کبابی کے اوپر گرتے گرتے بچا مگر پھر بھی کبابی کو میرا ہاتھ لگ گیا۔ میں نے اس سے معافی مانگی تو وہ بولا......

''کباب کھانے کا ہے تو بول لیکن اِدھر کھڑا مت ہو۔''

میں نے کچھ جواب نہیں دیا مگر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ پھر بولا......

''کباب دوں۔ کھائے گا......''

میں نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ ''میں کتے بلی کے گوشت کے کباب نہیں کھاتا۔''

یہ سن کر کبابئے کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بولا......

''تم کو کس نے بتایا۔'' میں نے اس کے اترے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تو انسان ہے مگر تو نہیں جانتا کہ بہت سے لوگ اس گوشت کو نہیں کھاتے سب کو کیوں کھلاتا ہے۔ جو کھاتے ہیں وہ تو بتانے پر بھی کھا ہی لیں گے پھر نہ بتا کر کیوں گناہ گار ہوتا ہے۔''

''مہاراج معاف کر دو اب نہیں کروں گا ایسا تم کون ہو اور تم کو کس نے بتایا ہے۔'' وہ بولا......

''مجھے کسی نے نہیں بتایا میں کسی کو نہیں بتانے جا رہا ہوں۔ مگر تو اپنی غلطی کو مان، لکھ کر لگا دے کہ تو کیا بیچ رہا ہے۔'' میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ زیادہ بڑا بازار نہ تھا مگر بازار میں رونق تھی میں ایک ہوٹل کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک آدمی میری طرف بڑھا اور بولا۔ ''ارے جوزف تم اِدھر کھڑا ہے اُدھر استاد تم کو کھوجتا ہے۔''

میں نے پوچھا ''کون استاد؟''

''ابھی تم مذاق کرتا ہے آؤ استاد کے پاس......'' وہ

میرے بازو کو پکڑ کر بولا......

میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ ایک دو منزلہ مکان کے سامنے پہنچ کر بولا۔

''استاد کو آرام سے بات کرنے کا ہے، بہت غصے میں ہے ایک پھیرا پکڑا گیا ہے۔''

اور پھر میں اس کے ساتھ مکان کے اندر آ گیا اندر کئی کمروں کے بعد اس نے ایک دروازے پر دستک دی اندر سے آواز آئی تو ہم دونوں کمرے کے اندر چلے گئے۔

ہمارے اندر جاتے ہی ایک گرجدار آواز نے ہمارا استقبال کیا۔

''تم کدھر مر گیا تھا جوزف، ابھی تم آیا ہے اور ننگا آیا ہے تم کو پتہ ہے کتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے وہ سالا ڈرائیور نیا تھا بروبر راستہ بھی نہیں جانتا تھا اس کا اناڑی پن نے سارا مال پکڑوا دیا۔

''مال بھی گیا اور نام بھی خراب ہوا، جس پارٹی کو مال دینا تھا اس کے پاس بات خراب ہوا تم کدھر تھا یہ بتاؤ......''

میں نے کہا۔''میں اِدھر ہی تھا، میں کدھر جاؤں گا۔''

''پر تم جادو کا ٹوپی پہن کر بیٹھا ہوں گا کسی کو نظر نہیں آیا۔''وہ بولا......

میں خاموش رہا تو وہ پھر بولا......''میں تیرے کو اِدھر ہی گولی مار دیتا بائی گاڈ! مگر کیا کرے میرے پاس اتنا ہوشیار ڈرائیور نہیں ہے تم نے پہلے اچھا کام کیا ہے بہت فائدہ ہوا ہے۔ اس لئے تم کو معاف کرتا ہوں ابھی تم جائے گا نہیں، کل رات دوسرا کھیپ جانے کا ہے مال تیار ہے لوڈنگ ہو رہا ہے تم کو جانے کا نہیں ہے کہ کدھر سے جائیں گا۔ اس کو......صورت پر اتارنے کا ہے ابھی بمبئی ٹھیک جگہ نہیں ہے۔ ابھی تم جاؤ تیاری کرو اور ہنومان تمہارے ساتھ جائے گا اگر اڑی تڑی کرے تو گولی مار دینے کا ہے۔''

میں اور ہنومان کمرے سے باہر آ گئے ہنومان نے باہر آ کر کہا۔''تم نصیب والا ہے بچ گیا۔''

''بتاؤ یقین کرنے والا ہو گا تو کرے گا......''ہنومان بولا۔

''میں جوزف نہیں ہوں تم اور تمہارا مالک دونوں غلط سمجھ رہے ہو۔''میں نے کہا۔

ہنومان حیرت سے بولا۔''کیا بولا......رے تم پاگل ہو گیا ہے کیا؟''

''نہیں میں ٹھیک کہتا ہوں تم لوگ مجھے پاگل لگتے ہو۔''میں نے کہا۔

''اب تم کچھ بولو استاد ماننے کا نہیں ہے تم کو لانچ لے کر صورت جانا ہی ہو گا۔ تم کو پتہ نہیں ہے تم مذاق کرتا ہے اِدھر بہت گڑبڑ ہے چھاپہ پڑنے والا ہے مال کو ہٹانا ضروری ہے سورت میں اسٹاک کرنے کا ہے ابھی سپلائی بند کر دیا ہے پورا سنڈیکیٹ میں ہلچل مچا پڑا ہے۔''وہ بولا......

''میں مذاق نہیں کر رہا میں نے تو زندگی میں کبھی سائیکل نہیں چلائی، تم بولتے ہو لانچ چلاؤں، بولو میں کس طرح چلاؤں گا......''

''تم بہت خطرناک مذاق کرتا ہے، تمہارا زندگی اور موت کا معاملہ ہے اور تم اب تک سیریس نہیں ہے تم ایسا تو نہیں تھا، تمہارا برین واش کس نے کیا ہے بولو۔''ہنومان تعجب سے بولا......

میرا برین واش نہیں ہوا، میں ٹھیک ہوں میں اِدھر ہی ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں''میں نے کہا۔

''میں تم کو ڈریس دیتا ہوں تم اِدھر رکو......''اور وہ ایک کمرے میں چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا بولا......''اس میں تمہارا کپڑا ہے اور اوزار بھی ہے میں سویرے آؤں گا تیار رہنا گاڑی دیکھ لینا چیک کر لینا کچھ کام کروانا ہو تو بول دینا روانگی رات کو ہو گی۔''

پھر ہنومان چلا گیا۔

اس عمارت کے باہر میں نے دیکھ لیا تھا کہ کڑی پہرہ داری تھی سادا کپڑوں میں ہتھیاروں سے لیس لوگ گردش

میں تھے ان کی نظروں سے بچ کر باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ بات تو میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ یہ کوئی بڑا اسمگلروں کا گروہ ہے اس کے رابطے اور ملکوں سے بھی ہیں ان کی ڈور کسی اور جگہ سے ہل رہی ہے۔ میری شکل کا ان کا کوئی آدمی تھا یہ لوگ مجھے وہی سمجھ کر پکڑ لائے ہیں، میں ان کے کام میں ان کی معاونت نہیں کرسکتا تھا میں دروازے کے باہر آ گیا، باہر برآمدہ تھا اس کے بعد باغ تھا میں برآمدے کے دوسرے سرے تک چلا گیا اس سرے پر دو تین جامن کے درخت کھڑے تھے۔ میں اِدھر کود گیا مگر کودتے ہوئے دو آدمیوں نے مجھے دیکھ لیا وہ دوڑ کر میری طرف آئے مگر میں جہاں گرا تھا وہیں پر جامن کا درخت بن گیا زیادہ سے زیادہ اس کام میں ایک منٹ لگا تھا۔

دونوں دوڑتے ہوئے آئے مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔

ایک بولا...... ''تونے آدمی اِدھر دوڑتے دیکھا تھا۔''

دوسرے نے جواب دیا۔ ''برو بر دیکھا تھا پر اِدھر تو نہیں ہے۔ اتنا جلدی کدھر جائیں گا۔''

''ہنومان کے ساتھ جو ننگا آیا تھا وہی تھا نا......'' پہلا بولا......

''وہی تھا میں نے برو بر چیک کیا ہے لیکن ہوا میں اڑ گیا کہ زمین کے اندر چلا گیا کچھ پتہ تو چلتا......''۔ دوسرے نے جواب دیا۔

''بہت خطرناک بات ہو گیا ہے، میں اِدھر رکتا ہوں تو استاد کو جا کر بتا بہت بڑا گڑبڑ ہے۔'' پہلا بولا......

''میں جاتا ہوں۔'' اور وہ استاد کے پاس روانہ ہوا اور چند منٹ کے بعد ہی وہ استاد کو لے آیا اور بولا۔

''وہ ننگا دروازے سے نکلا اور اِدھر گیلری کے کونے کی طرف گیا دوڑ کر نہیں آرام سے گیا تھا۔ اور پھر اُدھر کود گیا ہم دونوں ایک منٹ میں اُدھر گیا جہاں وہ کودا تھا مگر وہاں کچھ نہیں تھا پتہ نہیں وہ کدھر غائب ہو گیا۔'' استاد نے قہر آلود نگاہوں سے دونوں کو دیکھا...... ''تم دونوں کو اس کے بھگانے کا کتنا روکڑا ملا ہے۔''

دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ''استاد ہم تمہارے وفادار ہیں جو بولا وہی ہوا ہے۔''

''تم دونوں میرے کو گدھا سمجھتے ہو سنڈیکیٹ نے میرے کو اِدھر بٹھایا ہے میں پاگل ہوں کہ تمہاری اتنے بڑے جھوٹ کو نہ سمجھ سکوں۔ تم یہ بتاؤ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو۔'' استاد بولا۔

''استاد یقین کرو ہم سچ بول رہے ہیں۔'' دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔

''میں جانتا ہوں یہ سب جیون لال کر رہا ہے،'' وہ ڈرائیور بھی جیون لال کا آدمی ہے اور تم بھی اسی کے اشارے پر ہو مگر یاد رکھو جیون لال سنڈیکیٹ کا کچھ نہیں کر سکے گا، ارے برٹش سرکار بھی بے بس ہے تو جیون لال کیا چیز ہے۔'' اس نے تالی بجائی اور کئی آدمی اس کے قریب آ گئے اس کے اشارے پر ان دونوں کو پکڑا اور لے کر چلے گئے ان کے جانے کے بعد گیلری کے سرے پر استاد نے کھڑے ہو کر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور واپس چلا گیا۔

میں رات تک اسی طرح درخت بنا رہا اندھیرا ہوتے ہی میں پھر آدمی بن گیا اور استاد کے کمرے کی طرف چلا استاد کا کمرہ بند تھا اندر باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں میں نے دروازے کو دھکا دے کر کھولا اور اندر چلا گیا۔ اندر استاد اور ہنومان باتیں کر رہے تھے دونوں کی نظر مجھ پڑی تو حیرت سے میری طرف بڑھتے میں کہا۔

''مجھ سے دور رہو، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ڈرائیور نہیں ہو، میں لانچ چلانا نہیں جانتا تم اور انتظام کرلو۔''

استاد بات کاٹ کر بولا...... ''ابے یہ ڈرامہ ختم ا میں سمجھ گیا ہوں یہاں پر جیون لال کے آدمی گھس آ ہیں۔ مگر میں ان سب کو چن چن کر ختم کردوں گا سنڈیکیٹ کی بے روکھی دنیا ہے اس کا کام ہے جیون فصلی بٹیر ہے تو اس کے بھروسے میں مت رہنا اس انتظام اِدھر بمبئی میں ہونے والا ہے۔ میں ایک دفعہ بولتا ہوں میرے واسطے کام کر، موج کرے گا اور نہیں

کرے گا تو قبرستان آباد کرے گا، یہ ہے آخری بات......"

"میرے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا مگر حکم چلائے جارہا ہے۔تو اور تیری پوری سنڈیکیٹ قبرستان چلی جائے گی ذرا غور کر اور نہیں غور کرسکتا تو پھر تیرا برا وقت آ گیا ہے۔"

دروازہ کھلا تھا میں نے کہا۔"میں جارہا ہوں روک سکتا ہے تو روک لے۔"

ہنومان نے پستول نکالنے کو اپنی جگہ سے ذرا حرکت کی اور میں اتنی دیر میں ایک بچھو کی شکل اختیار کرگیا اور ہنومان کے پیر پر ڈنک ماردیا وہ اچھل کر دور جا پڑا اس کے بدن میں جیسے آگ لگ گئی اور اس کی چیخیں دور دور تک جانے لگیں۔

استاد تو میرے اچانک غائب ہونے سے ہی بدحواس تھا اوپر سے ہنومان کی حالت خراب ہوگئی۔

باہر سے کئی آدمی اندر آگئے ہنومان کا جسم نیلا پڑتا جارہا تھا اور زہر بہت تیزی سے اس کے دماغ کی طرف بڑھ رہا تھا کسی کی سمجھ میں کچھ ابھی تک نہیں آیا تھا اور پھر کچھ ہی دیر میں ہنومان نے گردن ڈال دی استاد کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے اس کے منہ سے کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ بڑی دیر کے بعد وہ بولا......

"ارے اس کو کسی ڈاکٹر کے پاس تو لے جاؤ اس کو ہوا کیا ہے؟"

لوگ ہنومان کو اٹھا کر لے گئے کمرے میں استاد اکیلا رہ گیا۔ میں رینگ کر دروازے کے باہر آ گیا اور پھر اپنے اصل روپ میں دروازے کے اندر داخل ہوا۔

استاد کی ساری ہوا نکل چکی تھی میں نے کہا۔"اب بول کیا بولتا ہے؟"

"ابھی میں کیا بولوں میری کھوپڑی اپنی جگہ نہیں ہے۔" وہ مردہ آواز میں بولا......

"میں جارہا ہوں مجھے تجھ سے یا تیری سنڈیکیٹ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے تو جو کرتا ہے میں اس کے کرنے سے بھی منع نہیں کرتا انسان جو کرتا ہے اس کا اس کو خود جواب دینا پڑتا ہے مگر میرا پیچھا ہرگز نہ کرنا"۔اور میں دروازے سے نکل گیا دروازے پر اب بھی آدمی تھے مگر مجھے کسی نے نہیں روکا اور میں عمارت سے باہر آ گیا۔

بازار اب بھی کھلا تھا شراب خانے کے باہر کبابی کی دکان بند تھی اور شراب خانہ کھلا تھا۔

میں بازار کے موڑ تک پہنچا ہی تھا کہ ایک جوان عورت میرے سامنے آ گئی۔ اس کا لباس اس قسم کا تھا کہ زیادہ بدن نظر آرہا تھا کسی بھی مرد کا دماغ خراب کرنے کو اس کے نسوانی ہتھیار بہت تیز تھے۔ میں نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی اور آگے بڑھنا چاہا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

"کدھر جاتا ہے ذرا رک......" میں رک گیا تو وہ بولی۔

"آج تو ایک گھونٹ بھی نہیں ملی ایک پیگ تو پلادے صبح سے پیاسی ہوں تو جو بولے گا کروں گی۔"

"میں نے اب تک نہیں پی اور زندہ ہوں تو بھی مرے گی نہیں۔"

"ایسا ظلم نہ کر دیکھ میری طرف، میں آج رات تیری غلام ہوں مگر پینے کے بعد......" وہ اٹھلا کر بولی۔

"تیرا اندازہ غلط ہے میں شرابی ہوں نہ شراب پینے والے کو پسند کرتا ہوں، جیب میں ایک روپیہ بھی نہیں ہے تو غلط آدمی سے مطالبہ کررہی ہے مجھے جانے دے۔" میں نے کہا۔

"نفرت سے بولی۔"تو کیسا مرد ہے جیب خالی لئے پھرتا ہے، عورت کی خاطر تو مرد پہاڑ کھود ڈالتا ہے، دیوانہ بن کر جنگلوں میں پھرتا ہے، عورت کے لئے محلات بناتا ہے اور تو مجھے ایک پیگ نہیں پلاسکتا لعنت ہے تیری مردانگی پر، تو مرد تو لگتا ہی نہیں......" وہ نجانے مجھے طیش دلانے کو کیا کیا کہتی رہی اور میں آگے بڑھ گیا۔

شراب کیسی بے حیا چیز ہے ایک پیگ کی خاطر عصمت کا سودا شراب کرواتی ہے۔

عورت سے اس کا عورت پن چھین لیتی ہے۔شرم وحیا

اور غیرت چھین لیتی ہے۔

عورت کی پاکیزگی ختم کر دیتی ہے، حیا کو کھا جاتی ہے۔

یہ زندگی کے رنگ ہیں جسے میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس پیاسی عورت پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

گوا کی آب ہوا مجھے راس نہیں آ رہی تھی۔ اتنی کم مدت میں میں نے گوا کو دیکھ لیا تھا یہاں پر جگہ جگہ غیروں کی جھلک نظر آتی تھی کالے گورے بن رہے تھے اور گورے ان کو اپنا غلام بنا رہے تھے مغربی کلچر آگے بڑھ رہا تھا اور یہ خطہ انگریزی کالونی بن رہا تھا میرا دل اس سے بہت جلد اچاٹ ہوگیا اور میں نے پھر بنارس کا تصور باندھا اور میں اپنے شہر میں آ گیا مگر یہ شہر میرا کہاں رہا تھا۔

میرا یہاں پر کون تھا مجھے کون جانتا تھا ایک زمانہ گزر چکا تھا نئی نسل آ گئی تھی پرانے ختم ہو رہے تھے میں بھی اتنا بدل گیا تھا کہ کوئی نہیں پہچانتا تھا اب میرا حلیہ بھی ایسا نہیں تھا کہ کسی مندر میں چلا جاؤں اور قیام کرلوں پہلے میں سادھو نظر آتا تھا اور اب تک ایک بے کار اور قلاش کے روپ میں تھا۔

میں دریا کے کنارے کنارے چلتا ہوا اس مقام تک گیا جہاں پر ہندو اپنے مردے جلاتے ہیں۔

بنارس شہر اونچائی پر آباد ہے، مندروں کی سیڑھیاں دریا تک بنی ہوئی ہیں۔ میں آخری سیڑھی سے بھی کچھ دور تھا ہندو اپنے مردوں کا انتم سسکار یعنی آخری رسم دریا کے کنارے کرتے ہیں وہاں قطار میں مردوں کے بھون رکھے ہوتے ہیں بھون بانس کے اسٹریچر کو کہتے ہیں ان پر ہی رکھ کر مردے لائے جاتے ہیں اس جگہ کو شمشان گھاٹ کہا جاتا ہے یہاں مردوں کو جلانے والے تیار ہوتے ہیں ان کے پاس لکڑی اور دیگر رسومات کا سامان بھی ہوتا ہے غریب غربا کی چتا اس طرح بناتے ہیں کہ ایک چتا میں کئی کئی مردے رکھ کر آگ لگا دیتے ہیں۔

کوئی بڑی پارٹی ہے تو وہ اپنا مردہ الگ سے جلواتی ہے اس کی رقم زیادہ ہوتی ہے جب تک مردے جلتے ہیں لواحقین موجود ہوتے ہیں مگر آخر وہ دھواں اور بدبو سے گھبرا کر چلے جاتے ہیں اور مردہ جلانے والے جن کو باوا کہا جاتا ہے آگ بجھا دیتے ہیں اور مردوں کو کھینچ کر دریا برد کر دیتے ہیں اور لکڑیاں بچا لیتے ہیں۔

میں دور کھڑا تھا کہ میرے پاس ایک باوا آ گیا اور بولا۔ ”مزدوری کرے گا۔“

میں نے کہا۔ ”کیا کرنا ہوگا؟“

”یہاں تو مردوں کا کام ہے ٹھٹریوں سے مردے اٹھا کر چتا میں رکھنا ہوں گے بول کرے گا مزدوری۔“ وہ بولا۔

میں نے کہا۔ ”کرلوں گا۔“

”آ میرے ساتھ......“ وہ بولا۔

کچھ ہی فاصلے پر مردے رکھے تھے وہ بولا۔ ”میں نے چتا بنا دی ہے تو ان کو اٹھا کر ایک کے اوپر ایک رکھتا جا، چل جلدی کر۔“ میں ایک ٹھٹری کے پاس گیا یہ کوئی جوان مرد کا مردہ تھا، میں نے اس کے ہاتھ پکڑے اور بیٹھنے کی پوزیشن میں کر لی اور پھر اس کو اٹھا کر چتا پر ڈال دیا۔

دوسرا بھی ڈال دیا، چار کے بعد ایک عورت کا مردہ تھا یہ کوئی بچے کی پیدائش میں مری عورت تھی اور جوان تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ مرگئی ہے میں نے باوا سے پوچھا۔ ”یہ تو عورت ہے اس کو بھی ڈال دوں اوپر......“

باوا تیل نکالتے ہوئے بولا۔ ”ڈال سسری کو، اس کا کیا الگ سے خرچ کروں گا۔“

میں نے کہا۔ ”یہ عورت ہے مردوں کے ساتھ تو نہ جلا کچھ تو خیال کر۔“

”ارے تو کیا ہوا اب بھی تو اوپر ہی رہے گی ڈال دے سب کے اوپر......“ باوا بولا۔

میں نے عورت کی لاش بھی ان مردوں کے اوپر ڈال دی باوے نے خوب مٹی کا تیل ان پر چھڑک دیا اور ان کے اوپر لکڑیاں رکھ دیں۔ نیچے کی لکڑیاں گیلی تھیں میں نے کہا۔ ”یہ تو گیلی ہیں۔“

”گیلی رکھی ہیں سب تھوڑی خرچ کرنا ہیں۔ بہت

مہنگائی ہوگئی ہے۔'' باوا بولا۔
''مردوں کے ساتھ تو ایمانداری کرنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔
''زندوں کے ساتھ ایمانداری نہیں ہورہی، تو مردوں کے ساتھ ایمانداری کرنے کو کہتا ہے، ابے اپنا اپدیش رہنے دے، ایمانداری کروں تو پھر روٹی بھی نہیں ملے گی میں جو کہتا ہوں کرتا رہ زیادہ جگ موہن بننے کی کوشش مت کر بھوکا مر جائے گا کوئی مردہ یا زندہ تیرا خیال نہیں کرے گا۔'' باوا نے چتا کو آگ لگا کر کہا۔
ہم پھر دوسری لاشوں کی چتا بنانے میں لگ گئے۔
اب شام ہو رہی تھی باوا بولا۔ ''کل آئے گا۔''
میں نے کہا۔ ''آ جاؤں گا۔''
''یہ پکڑ تیری مزدوری تین روپے روز دوں گا منظور ہے۔'' وہ بولا۔
میں نے کہا۔ ''یہ تو کم ہے پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں کھا سکوں گا اس میں تو......'' میں نے کہا۔
''ذرا زندوں کا کام کر کے دیکھ تین روپے بھی نہیں ملیں گے تو نے ابھی شاید دنیا کا بازار نہیں دیکھا ہر طرف بے ایمانی اور لوٹ کھسوٹ ہو رہی ہے حکیم ڈاکٹر کو کم اور اس کی جیب کو زیادہ دیکھتے ہیں ان کو مریض کی زندگی کی فکر نہیں ہوتی اپنی فیس کی جلدی ہوتی ہے سرکاری اور غیر سرکاری اسپتالوں میں مریض مر گیا مگر لاش لینے کو رقم ادا کرنی پڑتی ہے اسپتال کا پورا بل بھرنا پڑتا ہے تب لاش ملتی ہے مریض کے لواحقین علاج کا پورا خرچ ادا کرتے ہیں ہر روز نئی نئی دوائیں خریدتے ہیں ڈاکٹر تجربات کرتے رہتے ہیں ٹیسٹ پر ٹیسٹ کرواتے ہیں اور جب مریض مر جاتا ہے تو لاش بھی نہیں دیتے نچوڑ کر قلاش کر کے لاش دیتے ہیں پھر ان کو آخری رسوم کے لئے قرض ادھار لینا پڑتا ہے اور وہ ہم سے سودے بازی کرتے ہیں ارے ہم تو کم بڑھ کر کام کر ہی دیتے ہیں اور سناؤں ان اجلے پوشوں کے گھناؤنے کارنامے۔'' باوا نے کہا۔
''تم یہ بتاؤ کیا تم بھی یہی نہیں کر رہے، کیا تم پانچ من لکڑی کے پیسے لیتے ہو اور پانچ من میں بیس مردے نہیں جلاتے تم ان پر ڈالنے کو گھی لیتے ہو اور مٹی کا تیل ڈالتے ہو، پوری لاش نہیں جلاتے ادھ جلی دریا میں ڈال دیتے ہو، تم کو دوسروں کے گھناؤنے کام نظر آتے ہیں مگر خود پر نظر نہیں کرتے۔
''اگر تم اپنا کام ایمانداری سے کرو تو تم کو حق ہے کہ دوسروں پر تنقید کرو۔'' میں نے کہا۔
''ارے بے وقوف دوسروں پر نظر رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی خود پر نظر نہیں رکھتا۔''
''اس زمانے میں وہی فائدے میں ہے جو دوسروں پر نظر رکھتا ہے۔''
''تم دوسروں پر نظر رکھتے ہو تم پر کسی کی نظر تو ہو گی۔'' میں نے کہا۔
''ضرور ہو گی مگر سب کو مرنے کے بعد یہاں پر ہی آنا ہے میرا کام کوئی نہیں کر سکتا آدمی کا یہ آخری کام ہوتا ہے اور آخری خرچ بھی اس میں زیادہ حیل حجت کوئی نہیں کرتا۔'' باوا نے کہا۔
''میں تیرے ساتھ کام نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔
''روز کا کام ہے کر لے۔'' موج کرے گا۔''
''تو مردے پر اس کے لواحقین سے لیا ہوا گھی ڈالے گا اور پوری لکڑی جلائے گا، تو میں تیرے ساتھ کام کروں گا، میں مردوں کے ساتھ بھی بے ایمانی کروں یہ مجھے اچھا نہیں لگتا ارے کچھ کرنا ہے تو زندوں کے ساتھ کرو تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ کچھ کریں۔'' میں نے جواب دیا۔
''تو نے دنیا کے بازار کی سیر نہیں کی کسی جنگل سے آ گیا ہے ذرا باہر تو جا میری بے ایمانی تو تجھے بہت کم نظر آئے گی میں جو کچھ کرتا ہوں اگر وہ نہ کروں تو نہ جانے کتنے غریبوں کی لاشیں یہاں پر پڑی رہیں۔
اور یہ دریا لاشوں سے اٹ جائے، میں تو پھر بھی لین دین پر زیادہ حجت نہیں کرتا خود غریب ہوں اس لئے کچھ ان کا خیال بھی کرتا ہوں۔'' باوا بولا۔

میں سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر آ گیا......اور ایک طرف چل دیا۔ رات ہونے لگی تھی میں ایک بہت موٹے سادھو کے پاس کھڑا ہو گیا وہ سادھو اتنا موٹا تھا کہ خود سے اٹھ بھی نہیں سکتا تھا اس کے پورے بدن پر بھبوت ملا ہوا تھا چہرہ بہت چوڑا تھا ماتھے پر تین لکیریں بنی تھیں اس نے مجھے کھڑے دیکھا تو بولا۔

"اے چھورا اِدھر آ......" میں اس کے قریب چلا گیا تو وہ بولا۔

"کام کرے گا پیسہ دوں گا۔"

"کام بتاؤ کیا کرنا ہے؟" میں نے کہا۔

"میں خود اٹھ کر اپنی گاڑی میں نہیں بیٹھ سکتا اس مندر کے اوٹ میں میری ہاتھ گاڑی کھڑی ہے آج میرا آدمی نہیں آیا وہ گاڑی یہاں پر لے آ اور مجھے اٹھا کر اس پر بٹھا کر میرے ٹھکانے پر اتار دے یہ کام ہے۔"

میں نے اس کی بارہ من کی لاش کو دیکھا اور کہا۔

"تم کو اٹھانے کو ایک آدمی کی نہیں کئی آدمیوں کی ضرورت ہے میں تم کو نہیں اٹھا سکتا۔"

"ارے میں زیادہ بھاری نہیں ہوں تو نے چوبے نہیں دیکھے میں ان کے سامنے بچہ ہوں۔" وہ بولا۔

"بچہ ہو مگر ہاتھی کا ہو تم اتنا موٹے کیسے ہو گئے ہو۔"

"ارے بے وقوف ہماری کمائی تو اسی موٹاپے کی وجہ سے ہے سادھو ہی کیا جو موٹا نہ ہو۔" وہ بولا۔

"تم حرام کا مال دن بھر کھاتے ہو، کرتے کچھ نہیں عورتیں اندھی عقیدت میں تم پر چڑھاوے چڑھاتی ہیں اور تم ان کی لائی تھالی کھاتے ہو اور بے حساب موٹے ہو جاتے ہو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا پڑے رہو یہاں پر......"

میں آگے بڑھ گیا۔

یہ بڑے بے ایمان نہیں تھے ان کی بے ایمانی ان کے پیٹ کی حد تک تھی۔ اب میں ایک بہت بڑے مندر کے سامنے کھڑا تھا میں مندر کے اندر نہیں گیا دروازے کے باہر آنے جانے والے لوگوں کو دیکھتا رہا۔

یاترا پر نکلے لوگ اس مندر سے باہر آ رہے تھے اندر جا رہے تھے ان کے ساتھ کچھ مقامی لوگ بھی تھے وہ ان کو ان قدیم مندروں کے بارے میں بتا رہے تھے میں اسی شہر کا تھا میں بھی ان مندروں کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا اندر سے ایک پوری فیملی باہر آ رہی تھی ان کے ہاتھوں میں کچھ سامان بھی تھا۔ میں دروازے پر کھڑا تھا۔ میرے قریب آ کر ایک بوڑھی عورت نے کہا۔" کچھ کام کرو گے۔"

"کام کرنے تو کھڑا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

وہ بولی۔" ہمارے پاس کچھ سامان ہے بھاری زیادہ نہیں ہے باسکٹ وغیرہ ہیں تم ان کو اٹھا کر ہمارے ساتھ رہو ابھی ہمیں کئی مندروں میں جانا ہے ہم لوگ تھک گئے ہیں۔"

میں نے اس بوڑھی عورت کے ہاتھ سے باسکٹ لے لی، اس نے آواز دی۔

"رادھا، انجلی تم بھی اپنا اپنا سامان اس کو دے دو اور بھی سامان اس کو پکڑا دو، یہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا شام تک......"

سب سامان میرے پاس آ گیا میں نے کچھ سر پر اور کچھ ہاتھ میں لٹکا لیا اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ رات کو ہم لوگ ایک مکان پر پہنچ گئے۔

بوڑھی عورت بولی۔" تیرا نام کیا ہے رے۔" میں نے کہا۔" میرا نام شیر سنگھ ہے۔"

"اچھا تو کھانا کھا کے جانا یہ تیری مزدوری نہیں ہے وہ میں الگ سے دوں گی۔" پھر اس نے آواز دی۔

"ارے او گروہر اِدھر آ......" گروہر شاید اس کا لڑکا تھا وہ بولی۔

"دیکھ اس کو کھانا کھلا دے اور تیرے باپو کیا کر رہے ہیں۔"

"بیٹھے ہیں اندر......" گروہر بولا......

پھر مجھ سے بولی۔" تو اِدھر ہی رہ میں ابھی آتی ہوں"۔ اور وہ اندر چلی گئی۔

اندر سے اس کی آواز آ رہی تھی۔ "سارے دن سوتے رہے، ارے یاترا کا کہہ کر آئے ہو تو ایک آدھ یاترا ہی کر لیتے، کچھ تو دھرم کا خیال کرو۔"

اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔ "میں تمہارے کہنے پر آ گیا ہوں تو کم از کم آرام تو کر لوں۔"

"آرام کرنا تھا تو کان پور میں ہی کرتے یہاں آنے کی ضرورت کیا تھی ابھی تو بدری ناتھ بھی جانا ہے۔" عورت بولی۔

"کان پور میں ہزاروں بکھیڑے میری جان کو لگے ہیں تم کیا جانو تم کو تو یاترا کی لگی ہے۔ مجھے وہاں کون آرام کرنے دیتا۔" مرد کی آواز آئی۔

"جب کسی پر بھروسا نہیں کرو گے تو سارا وزن اٹھانا ہی پڑے گا۔" عورت نے کہا۔

"کس پر کروں بھروسا، بڑے کو کام سونپا تو اس نے ہمارا ہی پتا کاٹ دیا پوری دکان ہڑپ کر گیا۔

داماد پر بھروسا کیا تو فیکٹری پر پچاس لاکھ کا قرض چڑھ گیا تیری لڑکیاں ٹیڑھی ہیں ٹیڑھی ان کا بس چلے تو وہ ہمارے کپڑے بھی اتروا کر لے جائیں تم کہتی ہو بھروسا کروں، بتاؤ کس پر کروں بھروسا۔ ایک تم ہو جو ذرا بہت میری بات سمجھ لیتی ہو۔" مرد کی آواز آ رہی تھی۔

"دیکھو گروہر کے باپو سب اپنے اپنے مطلب کے ہیں، کیا بیٹے کیا بیٹیاں سب کچھ ان کو ہی ملنا ہے۔ ہمارا کیا ہے پتا پیلا ہو چکا ہے کب تیز ہَوا آ جائے اور درخت سے جدا ہو جائے۔ تم ان باتوں کو دل پر نہ لگایا کرو بھگوان کی یاترا پر آئے ہو بھگوان کو ہی یاد کرو۔" عورت نے کہا۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر وہ کہتے ہیں نا کہ جب تک سانس تب تک آس، میں انسان ہوں تو بتاؤ میں کس طرح ایک کنارے ہو جاؤں میں نے کتنی محنت کی ہے اس باغ کے لگانے میں میں اجڑتا تو نہیں دیکھ سکتا، میں جب تک زندہ ہوں اس کی حفاظت کروں گا۔ میرے بعد اگر یہ برباد کرتے ہیں تو ان کی مرضی۔" مرد نے کہا۔

"بدری ناتھ تو چلو گے۔" عورت نے پوچھا۔

"میں تمہارے پلو سے بندھا ہوا ہوں جہاں کہو گی ضرور چلوں گا۔" مرد بولا۔

"اچھا میں ذرا باہر جا رہی ہوں ابھی آتی ہوں۔"

وہ باہر آ گئی اور بولی۔ "تم نے کھانا کھا لیا۔" میں نے کہا "ابھی تو نہیں کھایا۔"

"گروہر بڑا لاپرواہ ہے میں کرتی ہوں کچھ، تم ایسا کرو میرے ساتھ آؤ......" میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ سیدھی رسوئی میں گئی وہاں پر ایک عورت کام کر رہی تھی وہ اس سے بولی۔

"جانکی اس کو اچھی طرح کھانا کھلا دے۔" پھر مجھ سے بولی۔ "تو رات کو اِدھر ہی سو جا سویرے پھر جانا ہے۔ ہمارے ساتھ تو چلنا، تو نے بنارس تو دیکھا ہے نا۔"

"میں نے کہا۔" "میں اسی شہر کا ہوں پورا بنارس دیکھ رکھا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے تیرے ہی ساتھ چلیں گے۔" عورت بولی۔

جانکی نے مجھے کھانا دیا اور میرے سونے کی جگہ بتا دی۔

دوسرے دن بھی یہ بنارس کے مندروں کی سیر کرتے رہے۔ اور پھر بدری ناتھ کو روانہ ہو گئے بدری ناتھ پہاڑی علاقہ ہے مگر مندروں کا طرزِ تعمیر ایک جیسا ہے میں ان کے ساتھ ہی رہا۔

مرد یعنی سیٹھ جگدیش زیادہ ادھرمی نہیں تھا وہ کبھی ان کے ساتھ اٹھ جاتا تھا اور کبھی نہیں جاتا تھا مگر اس کی بیوی رجنی مالا بہت زیادہ مذہبی تھی اس کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ لڑکیاں شادی شدہ تھیں بڑے لڑکے کی بھی شادی ہو گئی تھی اب صرف گروہر باقی تھا۔ یہ لوگ کان پور کے رہنے والے تھے سیٹھ جگدیش کی کپڑے کی دو فیکٹریاں کان پور میں تھیں کھاتے پیتے لوگ تھے رجنی مالا بہت رحم

دل عورت تھی، سیٹھ تو سیٹھ ہی تھا مگر اپنی بیوی کا بڑا فرمابردار تھا۔

بدری ناتھ سے یہ لوگ کان پور کو روانہ ہوئے میں ان کے ساتھ تھا۔ اب میں ان کا ملازم تھا دونوں لڑکیاں ان کے ساتھ تھیں، وہ کان پور آتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔

مجھے ایک سرونٹ کوارٹر رہنے کو مل گیا، میں گھریلو ملازم تھا۔ میری محنت اور ایمانداری رجنی مالا کو بہت بھائی تھی اور اس نے ہی مجھے ملازمت کی پیش کی تھی۔

سیٹھ جگدیش کا بنگلہ کان پور اور گھر وارہ کے درمیان تھا یہاں سے کان پور کا انڈسٹریل ایریا بھی قریب تھا سیٹھ کے بنگلے پر کئی ملازم تھے اور سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔

میرا کام گھر کا سودا سلف لانا اور دوپہر کو تین چار آدمیوں کا کھانا لے کر فیکٹری جانا تھا اور واپس برتن لانا تھا سیٹھ کا بڑا لڑکا گوپال بھی فیکٹری میں ہی بیٹھتا تھا۔

اس کا کھانا بھی میں لے کر جاتا تھا۔ رجنی مالا کا حکم تھا کہ کھانا اتنا ہو کہ دو چار آدمی کھا سکیں اس کو بیٹے کا بھی خیال تھا۔

گوپال دفتر میں رہتا تھا اور وہ کپڑا فروخت کرنے کا کام کرتا تھا۔ سیٹھ جگدیش کے علاوہ اکاؤنٹ کی دیکھ بھال ایک اکاؤنٹنٹ کرتا تھا مگر ہر واؤچر اور چیک خود سیٹھ چیک کرتا تھا اس معاملے میں وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔ لڑکے کا اپنا ایک کاروبار تھا مگر اس کو فیکٹری سے بھی ایک معقول رقم ملتی تھی۔

باپ کے مقابلے میں لڑکا گوپال بہت تیز مزاج کا تھا ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آجاتا تھا اور ورکروں کو سخت سزا دیا کرتا تھا اس کی سخت مزاجی نے ہی اس کو دفتر میں بٹھا دیا تھا۔ فیکٹری میں کام صرف سختی سے نہیں ہوتا اس کے قریب میں جتنے لوگ کام کرتے تھے اس سے نالاں رہتے تھے۔ مگر سیٹھ جگدیش کا سلوک سب کے ساتھ اچھا تھا وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔

دنیا میں ہر کامیاب آدمی کے دوست دشمن ہوتے ہیں سیٹھ جگدیش کے بھی دشمن تھے اور ایک سب سے بڑا دشمن تو اس کی آستین میں ہی پل رہا تھا وہ تھا اس کا لڑکا گوپال۔

مجھے اس کا اندازہ ہو گیا تھا میں روز فیکٹری جاتا تھا اور زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔

ایک دن گوپال کے کمرے میں، میں نے ایک عورت کو آتے دیکھا۔ مجھے ذرا سا شبہ ہوا میں نے فوراً ایک لال بیگ کی شکل اختیار کی اور دروازے کی نیچے کی جھری سے اندر چلا گیا اور ایسی جگہ ہو گیا جہاں پر دونوں کی آواز صاف آرہی تھی۔

''کیسے ہو گوپال سیٹھ؟ عورت نے پوچھا۔

''اچھا ہوں مگر تم مجھ کو سیٹھ مت کہو جب تک باپو زندہ ہیں میں سیٹھ نہیں بن سکتا۔'' گوپال بولا......

''تم خود بزدل ہو سیٹھ تو تم کب کے بن جاتے میری بات تو تم نے مانی نہیں۔'' عورت بولی۔

''دیکھو انجلی میں کوئی کام ایسا نہیں کروں گا جس کی وجہ سے میری طرف ذرا سا بھی شبہ کوئی کرے کوئی بات نہیں میں ذرا سیٹ ہو رہا ہوں۔'' گوپال بولا......

''تم غلطی کر رہے ہو گروہر تمہارا بھائی ہے باپ کے بعد آدھی کا مالک ہے۔ ابھی اس میں اتنی سمجھ نہیں ہے کہ تمہارے مقابلے پر آئے چار چھ سال کے بعد تم اتنی آسانی سے پوری انڈسٹری ہڑپ نہیں کر سکو گے۔ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے میں تمہاری دھرم پتنی ہوں تمہارے فائدے کی ہی سوچتی ہوں آخر ہم کو اپنی اولاد کو بھی کچھ دینا ہے کہ نہیں تم انتظار کرتے رہو گے تو بات تمہارے قابو سے نکل جائے گی، اتنا اچھا موقع بدری ناتھ میں تھا اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، لاکھ دو لاکھ خرچ ہو جاتے بڑے فائدے کو حاصل کرنے کو یہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔'' عورت نے کہا۔

''انجلی تم صرف ایک طرف دیکھتی ہو گرم گرم کھانے سے منہ جل بھی جاتا ہے۔''

میں اگر ساری انڈسٹری اور کاروبار کا مالک ہو بھی جاؤں تو، تو بھی میرے سر پر ہمیشہ گروہر کی تلوار موجود رہے گی قانونی طور پر وہ کبھی بھی مجھ سے مطالبہ کر سکتا ہے اس حقیقت کو تو تم بھی مانتی ہو نا، بات اگر صرف باپو کی حد تک ہوتی تو زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ دونوں کو راہ سے ہٹانا آسان نہیں ہے ان دونوں کے نہ ہونے سے فائدہ کس کو ہوگا ذرا غور کرو قانون کے رکھوالے کیا ان باتوں پر غور نہیں کریں گے انگریز سرکار کی پولیس کو اتنی آسانی سے بھٹکایا نہیں جا سکتا۔

تمہارے سوچنے کے انداز میں اور میرے انداز میں بڑا فرق ہے میں چاروں طرف دیکھتا ہوں اور تم صرف اپنے گھر کے رخ کو دیکھتی ہو، مانتا ہوں کہ تم میرے فائدے کی سوچتی ہو مگر تمہارے اندر صبر کم ہے بلاوجہ پریشان نہ ہوا کرو جو میرا کام ہے مجھے کرنے دو۔'' گوپال نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے انتظار کرتے رہو مگر یہ یاد رکھنا کہ تمہارا باپ تم سے زیادہ خوش نہیں ہے۔''

''آگے کیا حالات پیش آئیں گروہر کا رویہ کیا ہو باپو کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہو اور اگر تم نے پہلے والی کوئی بے وقوفی کر دی تو ہماری پوزیشن اور خراب ہو سکتی ہے۔'' اب تمہاری حیثیت اس فیکٹری میں کیا ہے تم ایک ملازم ہو تم کو تنخواہ ملتی ہے تم کسی کو اپنی مرضی سے ایک روپیہ نہیں دے سکتے۔ سارے اختیارات باپو کے پاس ہیں۔'' انجلی نے کہا۔

''یہ بھی تمہاری جلد بازی کی وجہ سے ہوا تھا، میں نے کب کہا تھا کہ فیکٹری کے اکاؤنٹ سے کچھ لیا جائے مگر تم کو ہی بے صبری تھی پھر تم نے اس کا نقصان بھی دیکھ لیا، باپو ہوشیار ہو گئے اور سب کچھ انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا، تم نہ بے صبری کرتیں نہ میں بے اختیار ہوتا اب تم پھر بے صبری کر رہی ہو، میں یہاں پر بلاوجہ تو نہیں ٹکا ہوا ہوں حالات پر گہری نظر ہے باپو کو احساس دلا رہا ہوں کہ میں نے غلطی کی تھی وہ آخر میرے باپ ہیں معاف تو ضرور کریں گے اگر میں بے صبرا پن کروں گا تو میرا ہی نقصان ہوگا۔'' گوپال بولا۔

''ٹھیک ہے تم کچھوے کی چال چلتے رہو۔'' انجلی کھڑی ہو کر بولی۔

''چائے تو پیتی جاؤ ناراض ہو گئی ہو۔'' گوپال نے کہا۔

''من مانی تم کرو پھر کہو کہ ناراض ہو۔'' انجلی نے کہا۔

''ہر کام اپنی مرضی سے نہیں ہوتا انجلی ذرا سوچو تو......'' گوپال بولا۔

''شام کو وقت پر آ جانا بڑے بھیا کے گھر بلاوا ہے رات کا کھانا وہیں ہوگا۔'' انجلی بولی۔

''آ جاؤں گا اور کچھ حکم کرو۔'' گوپال ہنس کر بولا۔

انجلی کمرے سے باہر نکل گئی اس کے بعد میں بھی باہر آ گیا۔

اس کا نام دنیا ہے بیٹا باپ کا دشمن ہے اور دولت کا دوست ہے۔

اس کو یاد نہیں کہ جب وہ پیدا ہوا ہوگا تو اس کے ماں باپ نے اس کو پرورش کرنے کو کتنے دکھ اٹھائے ہوں گے اس کی تعلیم اور تربیت پر کتنا وقت برباد کیا ہوگا خود تکلیف اٹھا کر اس کو آرام میں رکھا ہوگا۔ پھر اس کے سر پر سہرا سجانے کو کیا کیا پاپڑ بیلے ہوں گے وہ یہ سب بھول گیا ایک چار دن کی آئی عورت نے باپ کی محبت ماں کی قربانیاں سب بھلا دیں۔ اس کو صرف وہی نظر آتی ہے۔

باپ کی حیثیت صفر ہو گئی ماں کا وجود بے کار ہو گیا۔ اس کے بعد باقی کیا رہا۔

بھائی کون ہے بہن کون ہے؟ وہ کیا جانے۔ اس کے سامنے تو صرف ایک عورت ہے اور وہ وہی ہے جو کہ اس کا باپ ہی لایا تھا مگر وہی باپ اس آنے والی عورت نے اتنی دور کر دیا کہ بہت دھندلا سا نظر آتا ہے۔ یہ کیسا نظام ہے جس کی حیثیت زیادہ ہے وہی غیر اہم ہے اور جوں جوں وقت گزرتا ہے اس کی حیثیت کم ہوتی جاتی ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ اس کی حیثیت عمر کے ساتھ بڑھے

مگر گھٹ رہی ہے اس کے مرنے کا انتظار ہو رہا ہے کیونکہ اس کو ایک فالتو چیز سمجھ لیا گیا ہے۔

سیٹھ جگدیش ہوشیار آدمی تھا وہ بڑے بیٹے کو سمجھتا تھا اور اس پر اس کی بیوی کا کنٹرول بھی اس کو پتہ تھا اس نے گوپال سے اس لئے اختیارات واپس لے لئے تھے کہ انجلی بڑی بڑی رقمیں اس سے لے لیا کرتی تھی اگر وہ ایسا نہ کرتا تو فیکٹری کا دیوالیہ ہو چکا ہوتا۔

میں جگدیش سیٹھ کے قریب ہوتا گیا۔ اور ایک وقت یہ آ گیا کہ میں اس کا ڈرائیور بھی تھا اور سیکریٹری بھی۔ میں اس کے ساتھ فیکٹری کے راؤنڈ پر ہوتا تھا وہ میرے ہی ساتھ فیکٹری جاتا تھا میں دن بھر اس کے ساتھ رہتا تھا پھر ایک دن ایسا ہوا کہ ہم دونوں فیکٹری سے نکل کر ایک زمین دیکھنے کان پور سے اناؤ کی طرف چلے یہ زمین ایک زمین دار فروخت کر رہا تھا سو ایکڑ زمین تھی پانی کی قلت کی وجہ سے ویران ہو رہی تھی سیٹھ نے اس بات کو خفیہ رکھا وجہ یہ تھی کہ اس زمین کے کئی خریدار موجود تھے ہم دونوں خاموشی سے اس زمین دار کے پاس پہنچ گئے اس نے چائے وغیرہ پلائی اور پھر زمین پر گئے۔ سڑک کے کنارے کی زمین تھی اور پوری زمین ایک ہی جگہ تھی جو کہ فیکٹری کے لئے بڑی معقول جگہ تھی پھر زمین دار نے کھانے پر روک لیا اور ہم رات دس بجے روانہ ہوئے۔

سڑک پر روشنی نہیں تھی گاڑی کی روشنی دور تک سڑک دکھا رہی تھی گاڑی میں چلا رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ سڑک کے درمیان آ کر کھڑے ہو گئے ان کے حلئے سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس ارادے سے گاڑی روک رہے ہیں میں نے گاڑی کی رفتار ذرا سی کم کر دی تو سیٹھ نے کہا۔ ''رکنا نہیں ان کے ارادے اچھے نہیں لگتے۔''

میں اسی رفتار سے ان کے قریب پہنچا اور پھر اچانک میں نے رفتار بڑھا دی میرے رفتار کم کرنے سے ان کو اندازہ ہو رہا تھا کہ میں رک رہا ہوں مگر میں نے اور رفتار بڑھا دی تو وہ سڑک کی ایک طرف بھاگے مگر سب نہیں بھاگ سکے دو تین گاڑی سے ٹکرا کر ایک طرف گر گئے۔

سیٹھ نے کہا۔ ''نکل چل جلدی کر۔''

میں نے کہا۔ ''سیٹھ یہ صرف اتنے ہی نہیں ہیں آگے بھی ہوں گے ہو سکتا ہے انہوں نے سڑک پر رکاوٹ بھی لگائی ہو۔''

''پھر کیا کریں۔'' سیٹھ نے کہا۔

''آپ گاڑی میں رہیں میں گاڑی روکتا ہوں ان کا یہاں پر حساب کرنا ہوگا اور میں نے سڑک کے درمیان بریک لگا دیئے۔ قریب ہی ایک مندر کے کھنڈرات پڑے تھے وہ لوگ وہیں پر بیٹھ کر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ گاڑی رکتے ہی سات آٹھ آدمی میری طرف دوڑے میں گاڑی سے اتر چکا تھا۔

مگر گاڑی تک وہ نہ آ سکے کیوں کہ مندر کے پرانے پتھر سڑک پر گرنے لگے دو چار کو اتنی شدت سے لگے کہ وہ گر گئے چند لمحوں میں پوری سڑک پتھروں سے اٹ گئی وہ جدھر جاتے پتھر اِدھر ہی جاتے ان کے اوسان خطا ہو گئے سیٹھ کے اور ان کے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پتھر کون مار رہا تھا اتنے بڑے بڑے پتھر کس طرح مندر سے اڑ اڑ کر آ رہے ہیں میدان صاف ہو گیا۔

میں گاڑی میں آ گیا مجھے یا گاڑی کو ایک پتھر نہیں لگا۔

''یہ کیا تھا شیر سنگھ؟'' سیٹھ نے حیرت سے کہا۔

''مارنے والے کتنے ہی ہوں مگر موت تو اپنی مرضی سے آتی ہے۔'' میں نے کہا اور گاڑی آگے چل پڑی وہ تین میل ہی چلے تھے کہ میرا شبہ درست نکلا، سڑک پر ایک درخت پڑا تھا اور راستہ پوری طرح بند تھا میں نے کہا۔ ''میں جانتا تھا ایسا ہوگا۔'' اور میں گاڑی سے اتر گیا۔

سیٹھ بھی اترنے لگا تو میں نے کہا۔

''میں ہوں! آپ اندر رہیں چاروں طرف دشمن ہیں کرنے والے نے پورا انتظام کیا ہے۔''

میں سڑک پر پڑے درخت کے قریب چلا گیا۔ اور ایک موٹی ٹہنی پکڑ کر بولا۔

''میری وجہ سے تم کو تکلیف ہوئی میرے دوست مگر مجھے راستہ تو دینا ہوگا۔''

درخت بے شک تکلیف میں تھا مگر اس کی گری شاخیں اوپر اٹھنے لگیں میں نے بھی سہارا دیا اور راستہ بن گیا۔ میں گاڑی میں آ گیا سڑک کے کنارے چھپے چار پانچ آدمی گاڑی کی طرف دوڑے مگر گاڑی ان سے زیادہ تیز رفتاری سے ان کے سامنے سے گزر گئی۔

سیٹھ نے حیرت سے ڈوبی آواز میں کہا۔

''تم نے اتنا بھاری درخت سڑک سے کس طرح ہٹا دیا؟''

''ارے بھاری کہاں تھا پتے زیادہ تھے زیادہ وزنی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

''آج دو باتیں حیرت میں ڈالنے والی ہوئی ہیں۔'' سیٹھ نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا سیٹھ جی انسان اوسان بحال رکھے تو ہر مصیبت سے لڑ لیتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''جو کام انسان کی طاقت سے باہر ہو اور وہ ہو جائے تو حیرت تو ہوتی ہے۔'' سیٹھ نے کہا۔

''آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے خیال میں یہ کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے؟'' سیٹھ نے پوچھا۔

''میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کے دشمن تھے مگر کون تھے اس کا اندازہ مجھے نہیں؟'' حالانکہ مجھے گوپال پر شبہ تھا مگر میں نے نام نہیں لیا۔

''مجھے اس کا اندازہ کچھ کچھ ہے۔'' سیٹھ جگدیش نے کہا۔

''میں ایک بات کروں سیٹھ جی۔'' میں نے کہا۔

''تم ایک نہیں ایک سو ایک کرو۔'' سیٹھ نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

''انسانی زندگی پانی کا بلبلا ہوتی ہے کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے اس لئے سمجھ داری یہ کہتی ہے کہ جو کرنا ہے جلد از جلد کر لیا جائے۔ آپ کے ذمے بھی کچھ کام ہیں۔ ان کاموں کو جتنی جلد کر دیں وہ اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کام تو بہت باقی ہیں کیا کیا کروں؟'' سیٹھ نے کہا۔

''ضروری اور غیر ضروری یا کم ضروری کاموں کی ایک لسٹ بنانا ہوگی اور پھر کام کرنا ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے خیال میں کیا ضروری ہے؟'' سیٹھ نے پوچھا۔

''آپ کے دو لڑکے ہیں اور دھرم پتنی۔ لڑکیاں اپنے گھروں کی ہیں۔''

دونوں لڑکوں کو ان کا حصہ دے دیں اور الگ کر دیں۔ دھرم پتنی کو اس کا حصہ دے دیں اور جو کچھ لڑکیوں کو دینا ہے دے کر سب کو بتا دیں قانونی طور پر اپنا اپنا حصہ لے کر دونوں لڑکے الگ الگ کاروبار کریں اس کو چلائیں یا برباد کر دیں ان کی مرضی ہے اس کے بعد ان کو کچھ نہیں ملے گا آپ جب سب بانٹ چکے ہوں۔ تو پھر آپ سے کون مطالبہ کرے گا۔ گروہر ابھی اتنا ہوشیار نہیں ہے کہ خود سے کاروبار کو سمجھ سکے اس لئے آپ اس کی مدد کریں۔

گوپال کو فوراً اس کا حصہ دے کر الگ کر دیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ اور گروہر دونوں خطرے میں رہیں گے۔'' میں نے صاف صاف بات کر دی۔

''تو تم کو بھی یقین ہے کہ یہ کارروائی گوپال کی طرف سے تھی۔'' سیٹھ نے کہا۔

''گوپال کی طرف سے کم اور ان کی دھرم پتنی کی جانب سے زیادہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے شیر سنگھ میں نے تمہاری بات سمجھ لی ہے میں جلد از جلد یہ کام کرتا ہوں۔''

اور واقعی سیٹھ جگدیش نے قانونی کارروائی شروع کر دی۔

ایک فیکٹری گوپال کے حصے میں آ گئی اور ایک گروہر کے حصے میں آ گئی۔ دونوں کو برابر برابر حصہ قانونی طریقہ

پر دے دیا گیا، گوپال سیٹھ ہو گیا۔

گروہر کی فیکٹری میں جگدیش سیٹھ خود جانے لگے لڑکیوں کو بھی حصہ دیا گیا۔

میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ جگدیش سیٹھ نے کہا۔

''انسان پر کوئی بوجھ نہیں لادتا وہ خود سارا بوجھ اپنے اوپر لادتا ہے پھر کہتا ہے سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے کام بہت ہے وقت کم ہے حالانکہ وقت کم نہیں ہوتا وقت تو اپنی ڈگر پر ہی رہتا ہے مگر آدمی کی سوچ بدل جاتی ہے آپ نے بوجھ اتار کر رکھ دیا تو آپ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے ہو اب آپ اپنی پوری نیند اطمینان اور سکون سے پوری کریں گے آپ کو آپ کی دولت نئی نئی فکروں میں مبتلا نہیں کرے گی آپ یاترا پر جائیں گے تو یاترا ہی کریں گے۔ میں بنارس سے آپ کے ساتھ آ گیا تھا مگر اب میں پھر وہیں پر جاؤں گا یا شاید کہیں اور چلا جاؤں۔ مگر میرا ٹھکانا بدل ضرور جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں تم کہیں نہیں جاؤ گے تم میری ضرورت ہو۔'' سیٹھ نے کہا۔

''میں کسی کی ضرورت نہیں ہوں انسان خود اپنی ضرورت ہے آپ نے اپنی ضرورت پوری کر دی ہے اب امن چین ہے آپ کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے جب بلاوہ آئے گا تو سب کو ہی جانا ہوتا ہے آپ بھی جائیں گے اور میں بھی جاؤں گا۔''

اور میں گاڑی میں سوار ہو گیا۔ میرے جسم پر ایک کرتہ اور دھوتی تھی میری جیب میں کوئی رقم نہیں تھی میں نے سیٹھ سے ملاقات بھی نہیں کی تھی کون سی گاڑی تھی کہاں جا رہی تھی میں نہیں جانتا تھا رات کا سفر تھا بس سیٹ پر بیٹھا تھا سارے مسافر گہری نیند میں تھے ڈبے میں صرف ریل کی آواز تھی جب کوئی اسٹیشن آتا تو پٹریوں کی آواز تیز ہو جاتی تھی۔

رات میں ٹکٹ چیکر اکثر نہیں آتے مگر ٹکٹ چیکر آ گیا۔ سب کو جگاتا اور ٹکٹ چیک کرتا وہ میرے پاس بھی آ گیا اور بولا۔ ''ٹکٹ دکھاؤ جلدی کرو۔''

میں نے کہا۔ ''میں نے ٹکٹ نہیں لیا۔''

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ بولا......

''کان پور سے......'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں جانا ہے؟'' وہ پھر بولا......

''پتہ نہیں کہیں بھی اتر جاؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ارے بھائی جب آدمی گاڑی میں بیٹھتا ہے تو کہاں جانا ہے وہ تو طے کرتا ہے؟'' وہ بولا۔

''اگر میں یہ طے کر لیتا تو پھر ٹرین کی ضرورت کیا تھی۔'' میں نے کہا۔

''ارے میاں کیا بھنگ پی رکھی ہے، کیا ہوا میں اڑ کر وہاں جاتے؟'' وہ بولا......

''یہ تم نہیں جانتے۔'' میں نے کہا۔

''اچھا تم ٹکٹ بنوا لو کیونکہ آگے چھاپہ پڑنے والا ہے تم پکڑے گئے تو میں بھی مارا جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''میرے پاس کچھ نہیں ہے تم خود کو بچاؤ اور مجھے کہیں پر اتار دو۔''

''اچھے مسافر ہو خالی جیب سفر کر رہے ہو اتنی سردی میں، میں تم کو کسی ویران مقام پر اتار دوں دل نہیں کرتا مگر یہ میری مجبوری ہے بال بچے دار آدمی ہوں اور ریٹائرمنٹ کے قریب ہوں پھنس گیا تو میرے ساتھ بہت بری ہوگی اس لئے آگے گاڑی رکنے والی ہے رکتی تو نہیں ہے مگر میں روک دوں گا تم خاموشی سے اتر جانا اپنا خیال کر دنہ کرو میرا ہی کچھ خیال کر لینا مجھے اتارنے پر دکھ تو ہے۔''

اور چیکر آگے بڑھ گیا آدھا پونا گھنٹہ کے بعد گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی اور پھر رک گئی۔ کوئی بہت ہی غیر اہم اسٹیشن تھا ایک چھوٹی کوٹھڑی بنی تھی اس کے سامنے ایک کھمبے پر ایک مٹی کے تیل کی بتی جل رہی تھی پورا اسٹیشن ویران تھا میں بڑی سعادت مندی سے اتر گیا۔

گاڑی چل پڑی اور پھر چلی گئی گاڑی کے جانے کے بعد جھینگروں کی آوازیں آنے لگیں میں بتی کی طرف چلا کمرہ بند تھا مگر اس میں ایک آدمی تھا وہ ایک ٹیبل پر

بیٹھا تھا۔ دروازے پر کانچ لگے تھے اس نے مجھے دیکھ لیا کچھ دیر تو حیرت سے مجھے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر دروازہ کھول کر بولا۔

''آؤ!'' میں اندر گیا تو اس نے دروازہ پھر بند کر دیا اور بولا۔

''تو کون ہے رے کاہے یہاں اترا ہے؟''

میں نے کہا۔''میں آدمی ہوں گاڑی سے اترا نہیں اتارا گیا ہوں۔ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''اتار کے چلا گیا کیا مطلب؟'' وہ بولا۔

''میرے پاس ٹکٹ نہیں تھا اور ٹکٹ بنوانے کو رقم بھی نہیں تھی۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر گھر سے کاہے نکل پڑے سیر کرنے کو۔'' وہ بولا......

''گھر ہوتا تو نہ نکلتا، میں تو بے گھر ہوں۔''

''بے گھر آدمی بے سکون ہوتا ہے گھر گوشۂ عافیت ہوتا ہے مجھ کو دیکھو الہ آباد میں گھر ہے اور میں یہاں پڑا ہوں کہنے کو سرکاری ڈیوٹی پر ہوں مگر یہ ڈیوٹی کیا ہے سزا ہے سزا، پر کیا کروں یہ سزا کاٹ رہا ہوں انسان کہاں اپنی مرضی کا مالک ہے ہر جگہ تو مجبوری کھڑی ہے اس کے سامنے۔'' وہ بولا......

''تم الہ آباد کے ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شوکت خان نام ہے میرا۔'' وہ بولا......

''تمہارے یہاں پر پڑے رہنے کی کیا مجبوری ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔'' شوکت نے پوچھا

''میرا نام شیر سنگھ ہے میں بے گھر آدمی ہوں پھرتا ہی رہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

میری ایک مجبوری نہیں ہے تین مجبوریاں ہیں اور چوتھی میری جورو ہے لڑکا اللہ نے دیا نہیں ہے اس بیابان مقام پر صرف ان کی خاطر پڑا ہوں۔'' شوکت بولا......

''تم کو گھر اور بچے بیوی کی یاد نہیں آتی۔'' میں نے پوچھا۔

''بہت یاد آتی ہے مگر میں ایک سال کے پورا ہونے پر ہی ان کے پاس جا پاتا ہوں کیونکہ میری جگہ کوئی ڈیوٹی کرنے پر راضی نہیں ہوتا ایک تو یہ ویران جگہ ہے بہت کم ریلوے کا عملہ یہاں پر ہے پانی بھی گاڑی لے کر آتی ہے۔ دوسرے یہاں پر ایک مصیبت اور ہے''۔ شوکت نے کہا۔

''دوسری کیا مصیبت ہے وہ بھی بتا دو؟'' میں نے پوچھا۔

''دور دور آبادی نہیں اور جو آبادی ہے وہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کی ہے سرکاری مال لوٹ کر لے جاتے ہیں کچھ نہ ملے تو سرکاری لوہا اور کوئلہ لے جاتے ہیں منع کرو تو جان سے جاؤ۔ ہم صرف چار آدمی ہیں ہم ان کو روک تو نہیں سکتے۔'' شوکت نے کہا۔

''اس جگہ کا کیا نام ہے؟''

''مہاجن پور یہ اسٹیشن کا نام ہے مگر میں نے آج تک کسی مہاجن کو نہیں دیکھا اور نہ اس نام کی آبادی کوئی ہے۔'' شوکت بولا۔

''میں اگر تمہارے پاس دو چار روز رکوں تو تم کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''اعتراض! میاں ہم تو نئے آدمی کی شکل کو ترستے ہیں۔ خوش ہوں کہ ایک بڑھا تو!!'' وہ بولا......

''یہاں سے قریب ترین شہر کون سا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بونری قریب ترین شہر ہے زیادہ بڑا نہیں ہے مگر شہر ہے۔''

''تمہاری ڈیوٹی کب ختم ہوتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری ڈیوٹی تو رات دن کی ہے میں ہی اس ویرانے کا انچارج ہوں ساری جواب داری مجھ پر ہے۔''

''آدھی رات گزر گئی آج کتنے عرصے کے بعد ایسی رات آئی ہے کہ میرے علاوہ کوئی اور ہے اور میں اس سے بات کر رہا ہوں میں چائے بناتا ہوں کھو چائے پیو

گے۔'' وہ بولا۔

''مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے اگر تم کو ضرورت ہے تو بنالو پی لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''سردیوں میں تو ضرورت پڑتی ہی ہے دودھ نہیں ہے میرے پاس کالی پینی ہوگی۔'' شوکت بولا۔

''جیسی تم پیو گے میں بھی پی لوں گا۔'' میں نے کہا۔

شوکت نے اٹھ کر ایک انگیٹھی پر کوئلے ڈالے اور اس پر کالا تیل ڈال کر دروازے کے باہر رکھ کر آگ لگادی اور دروازہ بند کردیا کہ دھواں اندر نہ آئے۔ کچھ ہی دیر میں دھواں ختم ہوگیا اور کوئلوں نے آگ پکڑی تو شوکت اس کو اٹھا کر اندر لے آیا اور اس پر ایک چھوٹی سی پتیلی رکھ دی اور بولا......

''تم کو نیند آئے تو بتا دینا میں ایک بستر یہاں رکھتا ہوں۔''

''نہیں مجھے نیند نہیں آرہی۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹرین میں شاید سوتے آئے ہو۔'' وہ بولا......

''نہیں زیادہ نہیں سوتا۔'' میں نے کہا۔

''پھر تو نیند آنا چاہئے انسان ہو تو انسانی ضروریات میں نیند بھی ضروری چیز ہے۔'' وہ بولا......

''تم بڑے سمجھ دار آدمی ہو تمہاری باتیں دماغ قبول کرتا ہے میں تم سے ایک درخواست کروں مان لو گے۔'' میں نے کہا

''میں کہاں کا سمجھ دار تم کہو درخواست مت کرو۔'' شوکت بولا......

''میں کچھ دن یا شاید زیادہ تمہارے قریب رہوں، تم مجھے کوئی ایسا گوشہ دے دو جہاں پر میں صرف اکیلا رہوں، میں خود سے تمہارے پاس آؤں تو ٹھیک ہے کوئی میرے پاس نہ آئے اگر تم پر کوئی بھاری وقت آئے تو تم مجھے جگا سکتے ہو میرے کھانے پینے کی تم نے فکر نہیں کرنی ہے، آخری بات یہ ہے کہ میں تم کو جو نظر آتا ہوں وہ نہیں ہوں بس اتنے کہنے کو بہت جان لینا آگے کوئی سوال نہ کرنا میں نے تم کو بہت بتا دیا ہے۔''

شوکت تذبذب میں گرفتار تھا کچھ دیر اس کے چہرے کے تاثرات اس کے اندرونی کیفیت کی عکاسی کرتے رہے مگر اس کی زبان پر کوئی سوال نہیں آیا۔

میں نے پھر کہا۔''میں نے تمہارے چہرے پر لکھے سوالات پڑھ لئے ہیں دل کے بھید چھپتے نہیں چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں صرف ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ راز دار انسان بڑا عظیم ہوتا ہے۔

اور وہ جو دوسروں کے رازوں کو چھپائے وہ تو بہت ہی عظیم ہوتا ہے تم میں، میں نے یہ خوبی دیکھی ہے اب تم مجھے کوئی گوشہ بتا دو۔'' میں نے کہا۔

اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بولا۔''آؤ میرے ساتھ......''

وہ دروازے سے باہر آگیا میں بھی اس کے ساتھ رہا ہمارے سامنے گھپ اندھیرا تھا آسمان پر چاند نظر نہیں آتا تھا ریل کی پٹریاں تک نظر نہیں آتی تھی آؤٹر سگنل کی بتی نظر آرہی تھی ہم جس کوٹھری سے نکلے تھے اس کے پیچھے کی جانب شوکت جا رہا تھا میں بھی اس کے ساتھ تھا کوٹھری کے ساتھ ہی ایک بہت چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا اس میں اندھیرا تھا شوکت نے اندازے سے ایک لالٹین قسم کی ایک بتی اٹھائی اور اس کو روشن کردیا اس غسل خانہ جتنے بڑے کمرے میں یہ روشنی بہت تھی شوکت نے کہا یہ ہمارا بتی رکھنے کا کمرہ ہے اس میں سے میں یہ ہٹا لیتا ہوں۔ آپریشن روم میں رکھ لیتا ہوں بتی والے کو بتا دوں گا ادھر نہیں آئے گا۔ تم یہاں پر قیام کر سکتے ہو۔''

شوکت وہ بتیاں لے کر چلا گیا مگر جلتی بتی کو چھوڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سرسری اس جگہ کا جائزہ لیا بتی بجھانے ہی لگا تھا کہ وہ آگیا اور بولا......

''بتی جلائے رکھنا کیونکہ یہاں پر سانپ بہت ہیں روشنی میں وہ نہیں آئیں گے میں یہی بتانے آیا ہوں۔''

''میں نے کہا تم یہ بتی لے جاؤ تم کو ضرورت ہوگی میری فکر نہ کرو سانپ میرے دوست ہیں میرے پاس

صرف ملاقات کرنے آئیں گے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

شوکت ہنس کر بولا۔"تم مذاق بھی سنجیدہ انداز میں کرتے ہو۔"

"میں مذاق نہیں کرتا جو کہہ رہا ہوں وہی سچ ہے۔" میں نے کہا۔

"میں لے جاتا ہوں تمہاری بات پر یقین کرنے کو دل کرتا ہے۔" اس نے جلتی ہوئی بتی اٹھائی اور چلا گیا۔

میں آفس جا کر بیٹھ گیا اور اپنا سبق یاد کرنے لگا۔ اس کے بعد پتہ نہیں کتنا عرصہ گزر گیا۔ میرے پاس کون آیا کون گیا مجھے اندازہ نہیں

اچانک مجھے احساس ہوا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے سامنے شوکت بیٹھا تھا اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے میرے چہرے پر بڑی سی داڑھی تھی مجھے اس سے اندازہ ہوا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے میری آنکھیں کھولتے ہی وہ بولا۔"آپ کو جگانے کی معافی چاہتا ہوں۔مگر ضرورت پڑ گئی تھی۔"

"بولو کیا ضرورت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"لٹیرے آ گئے ہیں، ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں وہ بھی اپنے مردوں کا ساتھ دیتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں کوئی سواری گاڑی جورات کو گزرتی ہے روک دوں تاکہ وہ لوٹ مار کرسکیں رات میں وہی ایک گاڑی ہے جو کان پور سے آتی ہے جس میں تم آئے تھے۔ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں لوٹ مار تو کریں گے ہی اس کے ساتھ دو چار کو مار بھی دیں گے۔ بتاؤ میں کیا کروں میں تو دونوں طرف سے مارا گیا۔"

"تم کسی طرف سے نہیں مارے جاؤ گے۔" میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔"آؤ میرے ساتھ۔"

دن کا وقت تھا زمین ہموار نہیں تھی کیکر کی جھاڑیاں بڑی تعداد میں نظر آ رہی تھیں۔

شوکت نے کہا۔"میرے آدمی ان کے پاس ہیں ان کی جان کو بھی خطر ہے میں نے ان کی بات نہ مانی تو سب سے پہلے وہ ان کو ہی مار دیں گے اس کے بعد میرا نمبر آئے گا۔"

"وہ ہیں کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"سب کیکر کی جھاڑیوں کے اندر ہیں۔" شوکت بولا

"تم یہیں پر رکو میں بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور جھاڑیوں کی طرف چلا۔

زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ جھاڑیوں میں ہلچل ہوئی اور ایک لمبے قد کا تگڑا جوان میرے سامنے آ کھڑا ہوا میں نے اس پر ایک سرسری نظر ڈالی...... کہا۔"تیرا بڑا کون ہے؟"

وہ اکڑ کر بولا۔"تو کون ہے بڈھے اور کیوں پوچھتا ہے؟"

"تو اپنے بڑے کو بلا اس سے بات کرنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا رک جا تیری اچھا پوری کر دیتا ہوں۔" اور وہ مڑ کر پھر جھاڑیوں میں چلا گیا۔

اس کے ساتھ ایک نوجوان عورت باہر آ گئی عورت کے سر پر رومال بندھا ہوا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اس کا قد بھی عام عورتوں کے مقابلے میں لمبا تھا جسم کسا ہوا تھا وہ ایک جسیم عورت تھی مگر اس کے باوجود اس کی جسامت اس کو بدصورت نہیں بتاتی تھی وہ تن کر میرے سامنے کھڑی تھی اس کے نسوانی اعضا . بہت نمایاں تھے۔

"تم ان کی سردار ہو؟" میں نے پوچھا۔

"سردار میرا گھر والا ہے، وہ گیا ہے تو میں اس کی جگہ ہوں بول کیا بولتا ہے؟" وہ کھڑی زبان میں بولی۔

"میں تم سے کہوں کہ تم لوگ جو کرتے ہو، وہ نہ کرو کھیتی باڑی کرو اپنا گاؤں بساؤ ایسا کام کرو جو تم کو عزت کی روٹی دے تو تم کیا کہو گی۔"

"تجھ سے پہلے بھی بہت سوں نے کہا ہے تو کہے گا تو کیا ہو گا۔" عورت بولی۔

"یہ ہوگا کہ تم بے عزت ہو کر واپس جاؤ گے مجھے اوروں میں شامل نہ کرو۔" میں نے کہا۔

''تو اکیلا کیا کرے گا، میرے ساتھ بیس جوان ہیں۔''
وہ بولی۔

''ان جوانوں پر اعتبار مت کر ان جھاڑیوں کے چاروں طرف ہزاروں سانپ ہیں بچھو ہیں ان سے ڈر......''

میں نے کہا تو وہ کڑک کر بولی۔'' کیڑے مکوڑوں سے ڈرائے ہے۔ جا بڈھے الٹا سبق نہ پڑھا ہم جس کام سے آئے ہیں وہ کر کے جائیں گے چل جا......'' اور وہ مڑ کر اندر چلی گئی۔

میں نے اس علاقے کے سانپوں سے رابطہ کیا اور حکم دیا کہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لو مگر کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ کیونکہ شوکت کے آدمی بھی ان کے پاس تھے۔

شام ہوتے ہی ہزاروں سانپ جھاڑیوں کے گرد جمع ہو گئے۔ اسٹیشن پر ایک سانپ نہیں تھا۔ جھاڑیوں کے اندر کھلبلی مچی ہوئی تھی انہوں نے سانپوں کو دیکھ لیا تھا۔ میں پھر جھاڑیوں کی طرف چلا گیا اور آواز دے کر سردارنی کو بلایا۔

وہ پوری طرح باہر نہیں آئی ایک جھاڑی کی آڑ میں آ گئی میں نے زور سے کہا۔

''تیرے پاس اسٹیشن کے آدمی ہیں ان کو چھوڑ دے پھر کوئی بات ہوگی۔''

''اچھا چھوڑ دیتی ہوں تو پھر ان سانپوں کو ہٹائے گا۔''

''پہلے طاقت تیری طرف تھی تو اپنی بات منوا رہی تھی مگر اب بازی الٹ گئی ہے۔ ہماری بات ماننی ہوگی۔

تو نے اکیلے آدمی پر اپنی طاقت آزمائی تھی میں نے کچھ ابھی کیا بھی نہیں۔'' میں نے کہا۔

دو تین منٹ کے بعد تین آدمی جھاڑیوں سے باہر آ گئے مگر چاروں طرف سانپ دیکھ کر ان کے قدم رک گئے تو میں نے کہا۔'' یہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے تم یہ بتاؤ تمہارا کوئی اور آدمی تو اندر نہیں ہے۔''

ایک نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔'' نہیں مہاراج بس ہم تین ہی تھے۔''

''جاؤ اسٹیشن پر چلے جاؤ'' وہ تیزی سے باہر آئے اور دوڑتے ہوئے اسٹیشن کی طرف چلے گئے۔

میں نے پوچھا۔'' اے عورت میں نے تجھ سے پہلے کچھ کہا تھا۔ تو نے اس کا جواب نہیں دیا تھا اب بتا تیرے پاس کیا جواب ہے تیرے سارے جوان اس جگہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے تیرا یہ جوان اور خوب صورت جسم پانی بن کر ریت میں مل جائے گا میرے ایک اشارے کی ضرورت ہے تو جسم کی طاقت پر اکڑتی ہے یہ تو ختم ہونے والی چیز ہے جو مٹنے والی چیز ہو اس پر غرور کرنا کہاں کی عقل مندی بول......''

وہ عورت زمین پر بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔'' معاف کر دو مہاراج بھول ہو گئی اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیں جانے دو اب کبھی نہیں آئیں گے۔''

''اتنا کافی نہیں ہے تم کسی پر ظلم نہیں کرو گے۔ کسی کو نہیں لوٹو گے اور اگر ایسا کرو گے تو سانپ تم سے انتقام لیں گے یہ میرا حکم ہے۔'' میں نے سانپوں کو کہا تم سب جاؤ۔

سارے سانپ کچھ ہی دیر میں چلے گئے۔

عورت اور اس کے ساتھی بھی ایک طرف روانہ ہو گئے ان کے ساتھ دو تین خچر اور گدھے بھی تھے۔

میں واپس اسٹیشن پر آ گیا شوکت اور اس کے تینوں آدمی میرے انتظار میں کھڑے تھے میں نے آتے ہی مسکرا کر شوکت سے کہا۔'' میں نے کہا تھا نا کہ سانپ میرے دوست ہیں۔''

شوکت خاموش کھڑا رہا تین میں سے دو میرے قدموں میں بیٹھ گئے۔ ایک بولا......

''مہاراج آپ کے چمتکار نے ہماری جان بچا دی ہے ہم آپ کے غلام ہیں۔''

میں نے ان کو کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھایا اور کہا۔'' میں تم جیسا ہوں کوئی انتر نہیں ہے۔ سب اپنا اپنا کام کرتے ہیں وہ لٹیرے بھی اپنا کام کر رہے تھے اور میں اپنا کام کر رہا تھا۔ زندگی اور موت کسی انسان کے ہاتھ میں

نہیں ہے تم لوگ صرف اتنی بات پلے باندھ لو تو کسی سے نہیں ڈرو گے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے زندگی میں ایک جگہ اتنے سانپ کبھی نہیں دیکھے میرے لئے اور سب کے لئے یہ حیرت انگیز چیز ہے بہت سے سوالات ہیں میرے ذہن میں بھی اور ان سب کے ذہن میں بھی مگر سوال کرنے کی ہمت نہیں ہے۔'' شوکت خان نے کہا۔

''کوئی سوال نہ کرو اس دنیا میں ہر سوال کا جواب نہیں ہے اور جو جواب ہیں وہ تمہارے سر کے اوپر سے گزر جائیں گے۔

تم لوگ میرے بارے میں زیادہ نہ سوچو اس لئے کہ اس دنیا میں اسرار و رموز کے ایسے ایسے راز بند پڑے ہیں کہ انسانی عقل کے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ انسانی آنکھ صرف وہ دیکھتی ہے جو اس کو دکھایا جاتا ہے انسانی کان صرف وہ سنتے ہیں جو ان کو سنایا جاتا ہے اس سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ اسی طرح جسم کے ہر اعضاء کے حد مقرر ہیں۔

صرف انسانی ذہنی کیفیت کبھی کبھی بالکل مختلف ہوتی ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ اس کے سامنے اچانک کچھ حقیقتیں اس طرح زندہ ہو جاتی ہیں کہ وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور ذہن میں سوالات کی بارات آ جاتی ہے مگر سمجھ دار اپنی حد میں رہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں انسان ہوں میرے اندر ایک جذبہ تجسس کا بھی رکھا گیا ہے اس کے بارے میں کیا کہو گے۔'' شوکت بولا......

''بہت معقول بات تم نے کی ہے، اس کائنات میں ہزاروں لاکھوں کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ اور ہر کہانی کی وجہ بھی ہے یاد رکھو ہر تصور کا وجود ہوتا ہے اس وجود کو سمجھنے والے بھی موجود ہوتے ہیں ہر دور میں رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے مگر ان پر بھی بندش ہوتی ہے حد مقرر کر دی جاتی ہے ان کو جس حد تک بتانے کی اجازت ہوتی ہے وہ بتاتے ہیں عام انسان اپنے طور پر مصروف عمل رہتا ہے نئی نئی ایجادات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ جان گیا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔

''بیشک یہ رمز کی باتیں ہیں میں اور میری عقل ان تک نہیں جا سکتی میں صرف ہری اور لال جھنڈی دکھا سکتا ہوں ساری عمر یہی کیا ہے۔'' شوکت نے کہا۔

''تم غور کرو دنیا کے ہر آدمی کے ہاتھ میں دو جھنڈیاں ہیں ایک لال اور ایک ہری۔ وہ ان دونوں کو استعمال روز کرتا ہے میری بات تمہاری سمجھ میں پتہ نہیں آ رہی ہے کہ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''کچھ سمجھ رہا ہوں مگر اتنی بھاری وزن میری عقل اٹھا پائے گی کہ نہیں پتہ نہیں۔'' شوکت بولا۔

''میرے بارے میں زیادہ تردد نہ کرو اور میرے وجود کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ میں کون ہوں کیا ہوں میں کچھ اور دن تمہارا مہمان ہوں پھر چلا جاؤں گا نہ میرے آنے کا وقت مقرر ہے نہ جانے کا۔''

میں اپنی کوٹھری کی طرف چل پڑا میرے پیچھے شوکت بھی آ گیا اور بولا......

''بہت دن ہوئے آپ نے کچھ نہیں کھایا میں نے آپ کو ایک سمت ایک ہی آسن پر بیٹھا دیکھا ہے۔ بغیر کھائے انسان آخر کب تک زندہ رہ سکتا ہے میں کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''تم کہتے ہو تو کھا لوں گا۔'' میں نے کہا۔

رات کو میں نے شوکت کے ساتھ اصلی گھی کے ساتھ چنے کی روٹی اور میتھی آلو کی ترکاری کھائی۔ کسی زمانے میں میری ماں مجھے یہ کھلایا کرتی تھی اور میں بڑے شوق سے کھایا کرتا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے شوکت سے پوچھا۔ ''تم نے مجھے جو آج کھلایا ہے تم کو پتہ ہے کہ یہ میری من پسند چیز تھی تم نے کس طرح جانا۔''

''میرے دل نے کہا اور میں نے چنے کا آٹا منگوا لیا ایک آدمی کو سویرے ہی گاؤں کی طرف دوڑا دیا تھا سائیکل پر آلو اور میتھی وہ خود لایا مکھن اس کو ایک کسان نے دے

دیا، میں نے اس کا گھی بنالیا اور روٹیوں پر چپڑ دیا میرے نصیب کہ آپ کو اچھا لگا۔"

یہ بات میرے لئے باعث حیرت تھی مگر حقیقت یہی تھی میری باتوں پر شوکت حیران ہو رہا تھا مگر اس کی اس حقیقت نے مجھے حیران کر دیا۔

"گاؤں یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آٹھ دس میل سے زیادہ ہی ہوگا۔ سوکھے کا علاقہ ہے اس لئے ہریالی نہیں ہے۔ زمین بھی پتھریلی ہے محنت زیادہ اور پیداوار کم ہوتی ہے اور بارش نہ ہوئی تو محنت اور بیج بھی برباد اس لئے پورا راستہ ویران ہی ہے اس لئے اس طرف کسی کی توجہ نہیں ہے۔" شوکت بولا

"میں وہاں جا رہا ہوں۔" میں نے اچانک کہا۔

"اس وقت......" وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں اسی وقت......" میں نے جواب دیا۔

"راستہ اچھا نہیں ہے غیر آباد ہے جانور بھی بہت ہیں۔ اور ڈاکو لٹیرے الگ پریشان کرتے ہیں۔" شوکت پریشانی سے بولا۔

"مگر میں پھر بھی جاؤں گا۔ تم نے میری خدمت کی کھانا کھلایا میں اس کو یاد رکھوں گا۔"

دس منٹ کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ شوکت نے درست کہا تھا۔ میں چاہتا تو تصور کرتا اور چلا جاتا مگر مجھے تو پیدل سفر کرنا تھا۔ رات اندھیری تھی آسمان پر تارے نظر آ رہے تھے مگر چاند کا پتہ نہ تھا راستہ کچا تھا پگڈنڈی نما اس کے دونوں طرف سوکھی گھاس اگ رہی تھی تیز ہوا جب اس پر سے گزرتی تھی تو سرسراہٹ کی آواز پیدا ہوتی تھی میں زیادہ تیز نہیں چل رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے بے صبری نہیں تھی دائیں طرف ایک ریت کا ٹیلا نظر آ رہا تھا میں اس کے قریب چلا گیا اور پھر اس پر چڑھ گیا اس ٹیلے کے چاروں طرف کوئی درخت نہیں تھا مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ یہاں پر صرف اس لئے ویرانی تھی کہ کوئی درخت نہیں تھا۔

ٹیلے میں لومڑیوں اور گیدڑوں کے گھر بنے ہوئے تھے وہ مجھے وہیں سے دیکھ رہے تھے۔ میں ٹیلے سے اتر آیا اور پھر گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ گاؤں آنے سے پہلے ایک بیروں کا باغ تھا اس باغ میں اچھی قسم کے بیر کے درخت بڑی تعداد میں کھڑے تھے میں اس کے اندر چلا گیا اور میں نے درختوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"میری بات سن رہے ہو، تم اپنا مقام بدل لو اب تم کو ٹیلے کے چاروں طرف جانا ہے بولو جاؤ گے۔"

ایک بوڑھے درخت نے جواب دیا۔ "یہ قدرت ہم میں کہاں ہے۔"

"میں سب سے پہلے تم کو پہنچائے دیتا ہوں۔" اور اس کے بعد سارے درخت ٹیلے کے پاس پہنچ گئے اور میں باغ میں اکیلا کھڑا تھا بیروں کا باغ اس ویرانے میں جا چکا تھا۔ میں اور آگے بڑھ گیا۔ ایک بہت پرانا املی کا درخت کھڑا تھا۔ "تو کب سے یہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تین سو سال گزر چکے ہیں۔ اب تو میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔"

"مگر تجھ کو سفر کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے نصیب ایسے کہاں کہ جنبش بھی کر سکوں۔" وہ بولا......

"میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اسٹیشن پر چلا جا۔" اور چند منٹ کے بعد وہاں کچھ نہ تھا۔

میں اور آگے بڑھا میرے سامنے گاؤں تھا چاروں طرف اندھیرا گھپ تھا۔ خاموشی تھی۔ وقت رکا ہوا سا لگتا تھا۔ کسی جانور کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

گاؤں اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا میں اور آگے بڑھ گیا۔ گاؤں سے ذرا دور آ گیا یہاں پر ایک کنویں پر بیلوں کی مدد سے دو تین آدمی پانی نکال کر کھیتوں میں دے رہے تھے میں ان کے قریب چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر ایک آدمی میری طرف آ گیا اور بولا......

"تم کون ہو بھائی، رات میں کہاں سے آئے ہو؟" وہ آدمی بولا۔

"میں سیلانی آدمی ہوں میرے لئے دن اور رات سب ایک جیسا ہے تم یہ بتاؤ رات میں پانی کھیتوں کو کیوں

دیتے ہو، یہ کام تو تم دن میں بھی کر سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔
''دن میں اجازت نہیں ہے۔'' وہ بولا۔
''کس کی اجازت نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''دن میں زمین دار کے کھیتوں کو پانی اسی کنویں سے دیا جاتا ہے۔'' وہ آدمی بولا......
''یہ کنواں کیا زمین دار کا ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''کنواں تو سب نے مل کر بنایا تھا مگر اس پر زمین دار نے اپنا حق جتا دیا اور قبضہ کر لیا۔ گاؤں والے کیا کرتے زمین دار سے لڑ تو نہیں سکتے ایک تو وہ بڑی ذات کا ہے دوسرے اس کے پاس طاقت ہے۔'' وہ بولا......
''تم کب اپنا کام ختم کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔
''ہمارا کام تو ختم ہی ہے ہم چلے جائیں گے سویرے زمیندار کے آدمی یہ کام کریں گے۔'' وہ بولا
''اچھا تم جاؤ۔'' میں نے کہا۔
''تم چلے جاؤ وہ لوگ اچھے نہیں ہیں تم کو پریشان کریں گے۔'' وہ بولا......
''میری فکر نہ کرو تم جاؤ......''
وہ لوگ چلے گئے اور میں کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔
کچھ ہی دیر میں پرندوں کا شور بڑھ گیا۔
رات کی سیاہی سفیدی میں بدل گئی اور سورج کی کرنیں زمین پر روشنی کا سیلاب لے آئیں۔
دور دور صاف نظر آنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں چار آدمی اور دو بیل کنویں کی طرف آتے نظر آئے انہوں نے مجھے دیکھا تو ایک بولا......
''کون ہے رے۔ کیوں بیٹھا ہے؟ چل ہٹ کام کرنے دے......''
میں نے پوچھا۔'' کیا کام کرے گا؟''
''پانی دینا ہے کھیت میں اور کیا کریں گے چل ہٹ۔''
میں اٹھ کر ایک پیڑ کے نیچے جا بیٹھا اس نے بیلوں کو جوڑا، بڑی سی مشک موٹے رسے میں باندھی اور کنویں میں ڈال دی پھر وہ اس بیلوں کے گلے میں پڑی لکڑی کی موٹی لٹھ سی باندھ دی اور بیل کنویں کی طرف جانے لگے۔
کنویں کی منڈیر پر کھڑے آدمی نے اس کو دو تین بار ہلایا اور چمڑے کا وہ ڈول پانی سے بھر گیا۔ اب اس نے بیلوں کو کنویں سے دور کرنے کی کوشش کی تا کہ ڈول اوپر آئے مگر اس کی ہر کوشش بے کار گئی بیلوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔
کنویں کی منڈیر پر کھڑے آدمی نے پوچھا۔''ارے کیا ہوا چھنگا چلا ناں بیل۔''
''ارے کا چلاؤں رکے پڑے ہیں، ذرا آگے نہیں بڑھتے۔''
منڈیر پر کھڑا آدمی بولا......''ارے دے جما کے ابھی دوڑیں گے۔''
چھنگا نے دو چار زور دار چابک بھینسوں پر مارے مگر بیل آگے آگے چلنے کی بجائے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور سب کی کوشش کے بعد بھی اٹھ کر نہ دیئے تو چھنگا بولا......
''گووندی تو ایسا کر سرکار کو جا کر بتا دے نہیں بتائیں گے تو وہ ہمارا ہی قصور کہیں گے۔''
گووندی نے سر ہلایا جیسے اس کی سمجھ میں پوری بات آ گئی ہو اور گاؤں کی طرف چل دیا۔
چھنگا نے بیلوں کی جان چھوڑ دی اور میرے پاس آ کر بولا......
''اتنے سدھائے بیل یہ تو ایک آدمی ہوئے تو بھی پیر چلا دیں ہیں آج ان کو نہ جانے کیا مکھی چھینک گئی کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔''
میں نے کہا۔'' جانور ہیں آخر ان کی بھی کوئی مرضی ہے۔''
''ارے واہ یہ خوب کہی جانور کی مرضی۔ زندگی گزر گئی ان کے ساتھ میں نے تو آج تک کسی جانور کی مرضی چلتی نہیں دیکھی آج ہی نئی بات دیکھی ہے۔''
''تو نے ابھی بہت کم دیکھا ہے۔'' میں نے کہا۔
دور سے گووندی کے ساتھ کوئی آ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں دونوں قریب آ گئے۔
گووندی کے ساتھ جو آیا وہ ایک جوان مرد تھا اس کی

دھوتی اجلی صاف دھلی ہوئی تھی اور کرتا بھی صاف تھا بال بھی کٹے ہوئے تھے وہ دور بیٹھے ہوئے بیلوں کی طرف گیا اس کے ساتھ چھنگا اور گووندی بھی بیلوں کے پاس چلے گئے آنے والے نے کہا۔

"ان کو کھڑا کرو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

چھنگا بولا۔ "حضور بڑی کوشش کی نہ نہیں کھڑے ہوئے۔"

"کسی بچھو سانپ نے تو نہیں کاٹ لیا۔" وہ بولا۔۔۔۔۔

"ایسا ہوتا تو یہ اتنے اطمینان سے تو نہ بیٹھے ہوتے۔۔۔" چھنگا نے جواب دیا۔

"اچھا پھر سے اُٹھا۔۔۔۔۔" آنے والے نے کہا۔

"مگر پھر ان کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ میں دور سے سب دیکھ رہا تھا اٹھ کر ان کے پاس آگیا۔

"خوب کوشش کر لو اس کنویں پر یہ بیل کام نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔

آنے والے نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"تو کون رے تو کیا ان کا پھوپھا ہے؟"

میں نے سکون سے جواب دیا۔ "میرا رشتہ تو تم نے جوڑ دیا اپنا رشتہ تو بتاؤ؟"

"بتاؤں گا پہلے تو بتا کا ہے بیچ میں بولے جا رہا ہے اور تو ہے کون؟"

"تو نے خود ہی تو بتا دیا کہ میں ان کا پھوپھا ہوں تو پھر یہ پھوپھا کا کہا تو مانیں گے۔" میں نے بیلوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔" ان تینوں نے حیرت سے دیکھا کہ میرے کہتے ہی بیل کھڑے ہو گئے چھنگا میرے قریب آگیا اور بولا۔۔۔۔۔ "چمتکار کر دیا تم نے تو۔"

"کوئی چمتکار نہیں ہے تم ان کو آزاد کر دو ذرا گھوم پھیر لیں پھر شاید تمہارا کہا مان لیں۔" میں نے کہا۔

چھنگا نے بیلوں کو بندش سے آزاد کر دیا۔ بیل کنویں سے دور کھڑے ہو گئے۔

"سفید پوش میرے قریب آگیا اور بولا۔۔۔

"تم نے ان پر کوئی جادو کر دیا تھا کہ تمہاری بات مان گئے یا اتفاق ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "ابھی ایک اتفاق اور ہونے والا ہے تم یہاں سے جانے کی تیاری کر لو۔"

"تم مجھے خطرناک آدمی لگتے ہو بتاؤ کیا ہونے والا ہے؟"

"تم نے ان دونوں کو اپنے آدمیوں سے بہت پٹوادیا ہے بس یہ بات ہے۔"

"تو کیا ہوا جانور کام نہ کرے تو کیا کرتے ہیں۔" وہ بولا۔۔۔۔

"تم کیا کرتے ہو دن بھر یہ تو بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"مجھے کچھ کرنے کی ضرورت کا ہے یہ علاقہ میرے باپ دادا کا ہے میں تو اس علاقے کا راجکمار ہوں۔" وہ غرور سے بولا۔

"تو راجکمار گھر کی طرف دوڑ لگا، دیکھ دونوں تمہاری طرف آرہے ہیں۔" میری بات ختم ہی ہوئی تھی کہ بیلوں کے تیور بدل گئے ان کی ناکوں سے گرم گرم ہوا آواز کے ساتھ آنے لگی اور اپنے آگے کے پیر زمین پر رگڑنے لگے میں نے پھر کہا۔ "بھاگو۔۔۔۔

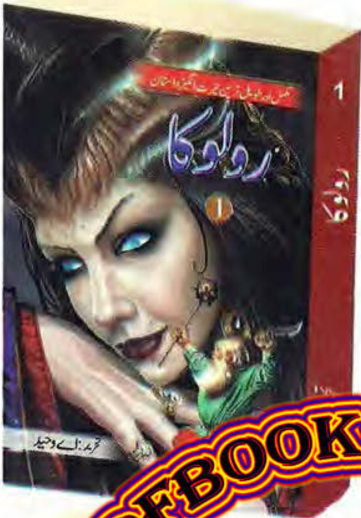
اور وہ تینوں گاؤں کی طرف بگ ٹٹ بھاگے ان کے پیچھے بیل دوڑ پڑے۔ بیل اس قدر بپھرے ہوئے تھے کہ کوئی ان کے سامنے نہیں آرہا تھا۔ راہ میں آتے جاتے کسی آدمی کی طرف بیل نہیں گئے، آگے آگے سفید پوش تھا اور اس کے بعد چھنگا اور گووندی بھاگے چلے جا رہے تھے۔

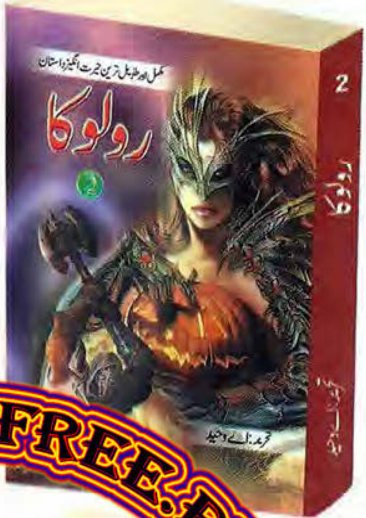
"گاؤں آتے ہی شور مچ گیا۔ "ہٹو بچو" کی آوازیں آنے لگیں۔

سامنے زمیندار کی حویلی آگئی حویلی کا دروازہ اونچا تھا۔ سفید پوش سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر جانے لگا مگر جلدی میں پیر پھسل گیا اور وہ بیلوں کے سامنے گر پڑا۔

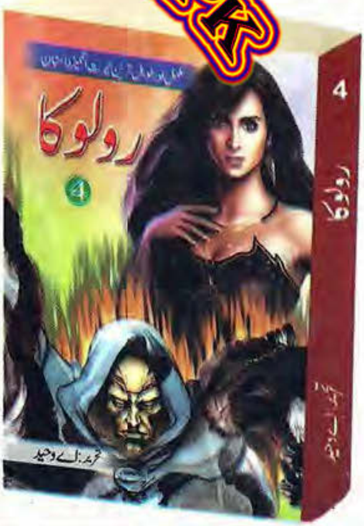
بیلوں کے نتھنے غصے سے پھول پچک رہے تھے، دونوں نے پیر زمین پر مارے اور حملہ کرنے کو دوڑ پڑے۔

☆☆☆









قیمت =/150 روپے